اوراقِ غم
علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ

مؤلفہ

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نور اللہ مرقدہ

ناشر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور — کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	اوراقِ غم
مؤلفہ	علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	مارچ 2002ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	1Z40
قیمت	-/150 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

Green Dome International Ltd.

148-164 Gregory Boulevard

Nottingham NG7 5JE UK.

Tel:- 0115-911 7222 Fax:- 0115-911 7220

فہرست مضامین اوراقِ غم

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اَلحمدُ للہِ الذی امطر شآبیب رحمتہ ورضوانہ علی الحسن والحسین واعطی درجۃ الشہادۃ للامامین الہمامین وجعلہما اللہ السعیدین الشہیدین المظلومین ووضع سیف الغضب واللعن علی اعدائہما فانہ تعالیٰ قال لعنۃ اللہ علی الظالمین وانزل سکینتہ ورحمتہ علی احبائہما وقال ان اللہ یحب المحسنین وبشر الصابرین باعطاء الکوثر وملک التسلیم وجنات النعیم وبشر الظالمین بالملک الجحیم والعذاب الالیم والصلوٰۃ والسلام علی سید الکونین نبی الحرمین غیاث الدارین ومغیث الملوین امام القبلتین جد الحسن والحسین وعلیٰ الہٖ واصحابہ الذین جاھدوا فی سبیل اللہ حق جہادہ وبذلوا انفسہم واموالہم لابتغاء مرضاتہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۰

ابتدا سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ ہر زمانہ میں زمانہ جدت پسند کرتا ہے اگرچہ واقعات شہادت میں ہزارہا مؤلف مستند موجود ہیں۔ مگر ہر زمانہ میں زمانے کی یہ آواز مسموع ہوتی رہی کہ اگرچہ واقعات میں بہت سی کتابیں ہیں۔ مگر کسی میں رطب و یابس روایات ملتی ہیں تو کسی میں انتہائی سادگی ہے۔ کوئی تاریخی حیثیت سے لکھ رہا ہے تو کوئی فسانہ گوئی کر رہا ہے۔ کسی کی تصنیف میں مرثیہ خوانوں کو مدد ملی ہے تو کسی تصنیف میں حضرات شیعہ کی روایات بھری ہیں اور جن کتابوں کو مستند مانا جاتا ہے وہ یا فارسی میں ملتی ہیں یا عربی میں۔ علاوہ ازیں احباب کا بھی اصرار رہا کہ میں کوئی ایسی کتاب واقعات شہادت میں لکھوں جو نہ مرثیہ خوانی سے ہی پر ہو نہ اس میں فسانہ گوئی کا رویہ ہو۔ رطب و یابس روایات سے پاک ہو۔ جہاں بہ سبیل تذکرہ ایسے واقعات آجائیں کہ اس میں حضرت شیعہ کو اعتراض ہو۔ وہاں محققانہ حیثیت سے ان کے اعتراض بھی اٹھائے جائیں۔ سنتا رہا اور سوچتا رہا۔ مگر ارادہ کرتا تو اس دشوار گزار پُرخار وادی میں گزرنے کی ہمت نہ پڑتی۔ مجبوراً ڈر کر رک جاتا۔ پھر میرے مخلص و محب برادر اسلامی جناب شیخ حمید اللہ پروپرائٹر و منیجر فیض اللہ ٹیلرنگ اینڈ کو نے اس بارگراں کو میرے سر ڈالنا چاہا۔ میں معذرت کرتا رہا۔ اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی علم سے خائف رہا۔ مگر دیگر چند در چند

احباب کے اصرار نے مجھے مجبور ہی کر دیا آخر ہمت کر کے قدم رکھا اور سمجھ لیا کہ السعی منی والاتمام من اللہ مقولہ سلف صالحین ہے۔ اب ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگرچہ یہ کتاب میری ایک سال کامل کی جگرکاوی کا نتیجہ ہے مگر تاہم الانسان مرکب من الخطاء والنسیان اگر کسی مقام پر کہیں لغزش ملاحظہ فرمائیں۔ تو دامن کرم سے اسے مخفی فرما کر زبان طعن دراز نہ فرمائیں۔ بلکہ فقیر کو اس غلطی سے مطلع فرما کر مشکوریت کا موقعہ بخشیں۔ میں نے اپنی دانست میں تحقیق و تدقیق کافی کی ہے اور میرا ماخذ مندرجہ ذیل کتب ہیں:۔

(۱) بخاری شریف (۲) روضۃ الشہداء (۳) بحر الحقائق (۴) ابو داؤد (۵) مجنون الرضاد (۶) صحیفہ رضویہ لامام علی موسیٰ رضا (۷) کنز الغرائب (۸) موطا امام مالک (۹) تفسیر مدارک (۱۰) تفسیر حسینی (۱۱) تفسیر کشاف (۱۲) تیسیر القرآن لامام مخدوم علی مہائمی (۱۳) جواہر التفسیر (۱۴) تفسیر در منثور (۱۵) معالم التنزیل (۱۶) تفسیر ثعلبی (۱۷) انیس المریدین (۱۸) ترمذی شریف (۱۹) وسیط (۲۰) عین المعانی (۲۱) درالسنیہ (۲۲) لطائف سبعین (۲۳) تبیان (۲۴) تفسیر الفاتحہ (۲۵) نور العین لعلامہ محمد حضرمی (۲۶) شواہد النبوۃ (۲۷) زلال الصفا (۲۸) درج الدرر (۲۹) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن الاعلیٰ حضرت بریلوی (۳۰) مقتل نور الائمہ (۳۱) روح الارواح (۳۲) روضۃ الاسلام (۳۳) سیر امام شہید اسماعیل خوارزمی (۳۴) موالیہ ابو محمد خشاب (۳۵) کتاب الآل لامام حسن عسکری (۳۶) مناقب ابو مؤید خوارزمی (۳۷) ستین الجامع لابوبکر طرطوسی (۳۸) معارج النبوۃ (۳۹) نور العین فی مشہد الحسین للعلامہ ابی اسحاق اسفرائنی (۴۰) خصائص الکبریٰ لجلال الدین السیوطی (۴۱) بشائر المصطفٰے (۴۲) سیرۃ ابن ہشام (۴۳) تاریخ ابن اثیر (۴۴) تاریخ ابو الفدا (۴۵) تاریخ الخلفاء (۴۶) تاریخ اعثم کوفی (۴۷) تاریخ حلبی (۴۸) مناقب ابن مردویہ (۴۹) مسند امام احمد حنبل (۵۰) فردوس الاخبار (۵۱) حلیہ (۵۲) صواعق محرقہ لابن حجر مکی (۵۳) دلائل ابن وہبی للشیخ اصفہانی (۵۴) تاریخ طبری (۵۵) عوالی القرش الی معالی العرش (۵۶) اصابہ فی معرفۃ الصحابہ (۵۷) سیرۃ حلبی (۵۸) مسدس حالی (۵۹) علام الورعلی (۶۰) مقتل حنفیہ دینوری (۶۱) مرتنۃ الجنان نافعی۔ (۶۲) نور الائمہ خوارزمی (۶۳) بحر المصائب (۶۴) تاریخ ابو المؤید احمد علی ؛

مگر تاہم معترف ہوں۔ کہ یہ مضمون میری قابلیت و منبع علم سے وریٰ تھا اور شرم بھی ضرور آتی ہے کہ اتنا زبردست مضمون میں لکھ کر کس طرح اہل علم کے سامنے پیش کروں۔ مگر یہ سمجھ کر کہ جہاں بازار میں جواہرات کی دکانیں ہیں وہاں ایک بساطی سوئی انگشتانے چمک مٹی ریت سوت نوار لے کر اگر بیٹھ جاتا ہے تو خریدار اس کے پاس بھی آتے ضرور ہیں بلکہ اکثر جواہرات والے

اس بساطی سے ریل بیچک ہی خرید کر اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ بنابریں اعتراف بے مائیگی علم کرتا ہوا اس رسالہ کو لکھتا ہوں۔ اور نذر ناظرین کر کے اول دربار انبیاء علیہ التحیۃ والثناء میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری اس کج مج بے ربط تحریر کو مقبول عوام فرما کر خود بھی تشرف قبولیت سے مشرف فرمائیں پھر تمام اہل بیت اطہار و مقتولین خنجر آبدار اور شہزادہ کونین سیدی حسنین اور ائمہ کرام و خلفاء عظام کے حضور میں معروض ہے کہ اگرچہ یہ عجالہ ان کی مناقب و محامد کو کافی نہ ہوا نہ ہو سکتا تھا مگر باوقار کرم نموی اسے منظور فرما کر بذریعہ دعا و تصرف ارواح علیہ مقبول عوام و خواص کرائیں اور آخرت میں یہی میری سند منظور ہو سد

اگرچہ لائق دربار خسروی این نیست ۔۔۔ ز لطف تو بچشم قبول میسد ادرم

عملی حیثیت سے بھی چونکہ بے بضاعت ہوں اس لیے ناظرین کرام سے درخواست کرتا ہوں

ہر کہ خواند دعا طمع دارم ۔۔۔ زانکہ من بندہ گنہ گارم

دربار الٰہی میں دعا ہے کہ خدا میرے اس عجالہ کو مقبول خلائق فرمائے اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ بحرمۃ النبی الامین المکین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل تسلیم ؛

خادم قوم خاکپائے حقیر و بیپرو، ماندہ نفس شریر فقیر قادری ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رضوی اشرفی چشتی نظامی۔ صابری۔ نثاروی واحدی مشہدی الوری۔ لاہور خلف امام العلماء راس الفضلاء سید الواعظین سند المحققین حامی سنت ماحی بدعت حضرت قبلہ مولانا مولوی الحاج صوفی سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب نقشبندی مجددی قادری چشتی مشہدی رحمہ اللہ تعالیٰ ؛

کتبہ

محمد شریف منیر رقم تلمیذ جناب تنویر رقم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترے جلوے کے آگے اپنی ہستی کو فنا پایا
یہ پیغام بلا ہم نے دم "قالوا بلیٰ" پایا

انسان کو مادۂ مرانست کیا ملا کہ جملہ بلا و مصائب کے لیے وقف کر دیا گیا۔ ابھی آدم صفی کتم عدم سے منصۂ وجود میں نہ آئے تھے۔ زبانِ ملائکہ کے طعن سے مجروح ہوتے۔ فساد و خونریزی کا ارتکاب اُنہیں کے سر تھوپا گیا مگر اِنِّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی آواز نے اُنھیں ساکت کر دیا۔ حتیٰ کہ آدمِ صفی کا وجود باجود فضاء وجود میں آیا۔ آپ کے جنب ایسر سے حضرت حوّا زینت بخش عالم ہوئیں۔ دربارِ احدیّت سے جنّت میں اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ کا حکم ہوا۔ اس پر فَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا کی بشارت نے ساکنِ جنّت کو ہر قسم کی نعمتیں کھانے پینے کی اجازت دی مگر وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ نے درختِ گندم سے دور ہی رکھا اور ضرورت بھی تھی اس لئے کہ فردوسِ بریں مقامِ لطیف ہے اور وہاں اغذیۂ لطیفہ غذا ہوتی ہیں۔ بخلاف گندم کہ وہ غذائے کثیف عالمِ سفلی کے لئے مخلوق کیا گیا تھا۔

شیطان سے خلودِ جنت آدم و حوّا

نہ دیکھا گیا۔ بوسیلۂ طاؤس و مار بہشت میں آیا۔ جھوٹی قسموں سے اپنے آپ کو آدم و حوّا کا خیر خواہ ثابت کیا۔ اور خلودِ جنت دانۂ گندم کے کھانے پر موقوف بتاتے ہوئے آپ کو کھلا ہی دیا۔

اُدھر کھانا تھا ادھر لشکر بلاد مصائب کا آنا

وہ آدم جو سلطانِ مملکتِ بہشت تھے۔ وہ آدم جو متوّج بتاج عزت تھے آج مصائب میں بتلا ہیں

حللِ نوری جسدِ نوری سے

جدا ہو گئے۔ آپ رونے لگے اور از خود رفتگی میں بدن مستور فرمانے کو جس درخت کی جانب جاتے وہ درخت آپ سے دور ہوتے۔ خطابِ الٰہی ہوا اَفَرَاراً مِنِّی یَا آدَمُ

کیا آدم ہم سے بھاگتے ہو؟

عرض کی بَلْ حَیَاءً مِنْکَ شرم گناہ سے پریشان ہو کر خجل ہوں۔ تجھ سے کہاں بھاگوں۔ تجھ سے چھپنا محال ہے شعر

کجا روم کہ بغیر از درت پناہ نہ دارم
جز آستانۂ لطفت گریزگاہ نہ دارم

بالآخر انجیر کے پتوں سے جسم مبارک چھپایا۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ اب بہشت سے باہر تشریف لیجائیے۔ آدم علیہ السلام حضرت حوّا کا ہاتھ تھامے باہر تشریف لائے اور پھر پھر کر رحم الٰہی پر نظر ڈالتے کہ شاید اب بھی حکم دخولِ جنت ہو جائے مگر اتنا سہارا ہوا کہ وقتِ خروج بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ زبانِ مبارک پر جاری تھا۔ جبریل نے اس کلمہ کے سنتے ہی آدم علیہ السلام کو بشارت دی کہ اگرچہ اس وقت عتاب ہے۔ مگر اسم الرحمٰن الرحیم آپ کا ساتھ دے گا اور جنابِ الٰہی میں عرض کی کہ خدایا اسم رحمٰن ورحیم پڑھنے والا اور معتوب ہو جواب الٰہی ملا کہ ہماری رحمت کم نہیں۔ مگر آج ان پر رحمت کی جائے گی تو صرف آدم وحوّا ہی اس سے استفادہ کر

سکیں گے۔ تھوڑا انتظار کرو۔ قیامت کو اس انتظار کے صلہ میں انہیں بہشت دے کر ہزار ہزار گنہگاران کی اولاد میں سے ان کے ہمراہ داخل جنت کروں گا تاکہ وسعتِ رحمت کا پورا اظہار ہو۔

صاحب بحر الحقائق ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا جنت سے باہر نکالنا محض اس غرض وغایت سے تھا کہ انہیں مذاقِ عشق ومحبت چکھایا جائے اور مذوقاتِ عشق دار الملام میں حاصل ہو سکتی ہیں دار السلام میں اس کا حصول متعذر ہے۔ اس لیے کہ عشق مقتضی کرب و بلا ہے اور عقل جویائے عز و علا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نوشِ محبت بغیر نیشِ بلیت نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شعر

عاشقاں را از بلا صد راحت است — کہ محبت ہم نشین راحت است
عشق چوں دعویٰ جفا دیدن گواہ — چوں گواہت نیست دعویٰ شد تباہ
ہر کہ دعوائے محبت ساز کرد — صد در از غم بر رخ خود باز کرد

مختصر یہ کہ آدم علیہ السلام گلستانِ بہشت سے مصیبت گاہ دنیا میں تشریف لائے۔ حوا ہمراہ تھیں کہ روح الامین نے حاضر ہو کر عرض کی۔ آدم حکم اس طرح ہے کہ حوا آپ کے ساتھ نہ رہیں۔ لہٰذا ہاتھ چھوڑ دیجئے کہ یہ کسی دوسری جگہ جائیں گی۔ آدم علیہ السلام غلبۂ محبت وفرقتِ حوا میں رونے لگے تو حوا بھی غربت وکربت میں آدم پر اشکبار ہونے لگیں کہ اچانک حوا نظر آدم سے گم کی گئیں نہ آدم کو یہ خبر کہ حوا کہاں ہیں نہ حوا کو یہ معلوم کہ آدم کدھر ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کوہ سراندیب پر لائے گئے

حوا علیہا السلام ساحل دریائے ہند پر اتاری گئیں۔ اسی وجہ سے مہبط حوا کا نام جدہ رکھا گیا۔

آدم علیہ السلام ۲۲ سال کامل اسی پہاڑ پر روتے رہے۔ جبریل علیہ السلام بحکم الٰہی اکثر آدم علیہ السلام کے پاس آکر دلجوئی فرمایا کرتے۔ ایک روز آپ نے جبریل سے دریافت کیا کہ حوا کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا ساحل دریا پر تمہارے درد جدائی میں اشکبار ہیں۔ یہ سن کر فرط غم سے آپ بیہوش ہو گئے۔ روح الامین نے آپ کا سر اپنے پہلو میں رکھ لیا۔ بیہوشی میں آدمؑ حوا کو دیکھتے ہیں کہ کنارۂ دریا پر رو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں اے میرے پیارے رفیق آدم میرے مونس و ہمدم تجائعٌ انتَ امْ شبْعانٌ اکاسٍ انتَ امْ عُریانٌ انائمٌ انتَ امْ یقظانٌ ؛

(تم بھوکے ہو یا کھانا کھائے ہوئے۔ تم کپڑے پہنے ہوئے ہو یا برہنہ تم سو رہے ہو یا بیدار)

آدم علیہ السلام جواب دینا چاہتے تھے کہ ناگاہ ہوش آگیا اور مشغول گریہ وزاری ہوئے۔ جبریل نے سبب گریہ دریافت فرمایا۔ آپ نے واقعہ گزشتہ اس درد سے سنایا کہ جبریل کے آنسو نکل آئے اور دربار الٰہی میں دعائے رحم فرمائی۔ جناب الٰہی سے ارشاد ہوا کہ جبریل آدم کو مژدہ دو کہ

شب فراق ختم ہوئی اور قمر مراد مطلع امید پر آنے والا ہے

یعنی آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی گئی۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ قبول توبہ آدم کے تین سبب تھے اول حیا۔ دوم بکا۔ سوم دعا۔

شہر بن حوشب سے منقول ہے کہ ظہور حیا تو یوں ہوا کہ جب آپ زمین پر تشریف لائے۔ ۳۰۰ برس تک آسمان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا اور شرمساری سے گردن جھکائے رہے۔

بکا اس درجہ بڑھی کہ اکثر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمام روئے

زمین کے رونے والے جمع کئے جائیں تو گریۂ داؤد علیہ السلام بھی اُن سے زیادہ نکلے اور اگر گریۂ داؤد علیہ السلام کو تمام عالم کے ساتھ ملایا جائے تو گریۂ نوح علیہ السلام بڑھا رہے اور اگر گریۂ نوح علیہ السلام بھی اس میں ملا دیا جائے تو گریہ آدم علیہ السلام افزوں تر ثابت ہو۔

صاحب عیون الرضا نقل فرماتے ہیں کہ سیل اشک آدم چشم راست سے مثل دجلہ کے جاری تھا اور چشم چپ سے مثل فرات فراوانی میں رواں۔

ایک روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام بائیس سال تک تو اس قدر اشکبار رہے کہ رخسارۂ مبارک پر دو چشمہ جاری نظر آتے تھے اور آبِ اشک سے مرغان ہوائی جب سیراب ہوئے تو ان میں باہمی گفتگو ہوئی۔ کہ ایسا شیریں و باذائقہ چشمہ ہم کو کبھی میسر نہ ہوا۔ آدم علیہ السلام نے اس گفتگو کو طنز سمجھ کر آہِ سرد دلِ پر درد سے کھینچ کر عرض کی کہ الٰہی کیا اب میں اس درجہ کو پہنچ گیا۔ کہ مرغان ہوا بھی میرا استہزاء کریں جواب آیا کہ اے صفی تمہیں خوش ہونا چاہیئے مرغانِ ہوائی سچ کہتے ہیں

اشکِ عاصی سے بہتر ہم نے کوئی پانی پیدا ہی نہیں کیا

گوہرے بس گراں بہا اشک است	سببِ آبروئے ما اشک است
گریہ مے کن کہ زاں ثمر یابی	اشک ریزی کنی گہر یابی
ابر تا گریہ بر چمن نکند	غنچہ ہم خندہ بر سمن نکند

اور یہ دعا قبول کیوں ہوئی۔ محض اس وجہ سے کہ وسیلہ ذات اقدس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے لیا۔ اور یوں عرض کیا کہ الٰہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔

جنابِ الٰہی کی طرف سے ارشاد ہوا

کہ آدم اس نام پاک کو تو نے کیسے پہچانا اور کیونکر جانا کہ اس کے توسّل سے شرفِ قبولیت عطا ہو جائے گا

عرض کیا

الٰہی ساق عرش پر اس نام نامی کو تیرے نام کے قریب دیکھا تھا۔ میں نے سمجھ لیا۔ کہ مخلوقات میں افضل خلائق یہی ایک ہستی ہے۔

بعد قبول توبہ آدم علیہ السلام کو حضرتِ حوّا سے ۹۔ ذی الحجہ کو ملایا اور اس دن کا نام عرفہ رکھا۔ اور جہاں ملایا اس مقام کا نام عرفات رکھا گیا اور پھر بعد قبول توبہ اس قصور کو قصور ہی نہ رکھا بلکہ صاف ارشاد فرمایا کہ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۵ پارہ ۱۶

ہم نے جرم سے قبل آدم سے ایک عہد لیا تھا وہ بھول گئے اس میں ان کا قصد نہ تھا جو قصور مانا جائے۔

اس مصیبت سے نجات پائی تھی کہ دوسری بلا نے

ظہور کیا اور وہ یہ کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا۔ مختصر قصہ یوں ہے کہ بعد اتصال آدم حضرت حوّا بیس بار حاملہ ہوئیں اور ہر بار حمل میں ایک لڑکا، ایک لڑکی آپ سے متولّد ہوئے۔

طریقۂ عقد یوں تھا کہ ایک حمل کا لڑکا دوسرے حمل کی لڑکی سے منسوب کیا جاتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی ہوئی اس کا نام اقلیما تھا۔ یہ حسن وجمال وخط وخال میں بے مثل تھی اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی ہوئی اس کا نام الیوذا تھا وہ اس قدر حسین نہ تھی۔

جب یہ چاروں بالغ ہوئے۔ تو آدم علیہ السلام نے الیوذا کو قابیل کے لئے نامزد کیا اور اقلیما کو ہابیل کے لئے قابیل نے اس تجویز سے انحراف کیا اور کہا کہ میری بہن حسین ہے اور میرے ساتھ رحم میں رہی ہے۔ میں اس کا حقدار ہوں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا حکم الٰہی کے خلاف نہیں ہوگا۔ مجھے ترمیم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

قابیل نے سرکشی کر کے کہا کہ تم ہابیل کو مجھ سے زیادہ محبوب رکھتے ہو۔ یہ سبب ہے کہ حسین ہابیل کے لئے اور معمولی میرے لئے نامزد کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا ایک ایک قربانی دونوں کرو۔ جس کی قربانی مقبول ہو جائے گی۔ اقلیما اُسے ملے گی ؛

ہابیل نے ایک بکرا پہاڑ پر رکھ کر عرض کیا کہ اگر میری قربانی

نامقبول ہوئی تو میں اقلیما کو اپنے لئے نہ سمجھوں گا۔ ہابیل بکریاں ہی پالتا تھا۔ وہ ہی قربانی لایا۔ قابیل چونکہ کاشت کرتا تھا ایک دستہ گیہوں لایا اور وہاں ہی رکھ کر کہا کہ یہ قربانی مقبول ہو یا نہیں میں اپنی بہن سے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ ناگاہ ایک بجلی آئی اور بکرے کو لے گئی اور قابیل کی قربانی چھوڑ گئی۔

قابیل کی آتش خشم و غضب جوش زن ہوئی

اور تیرگی حسد دیدۂ بصیرت میں آئی۔ قتل ہابیل کا عزم بالجزم کر لیا اور راستہ میں ٹھہر گیا۔

آدم علیہ السلام زیارت بیت المعمور کے لئے تشریف لے گئے تھے

ہابیل دن بھر کام کرتا رہا۔ شب کو فرصت پا کر سویا۔ قابیل نے ایک بھاری

پتھر سے ہابیل کا

سر کچل ڈالا۔ اب اُسے فکر ہوئی کہ

اس لاش کا کیا کروں۔ پشتارہ باندھ کر لاش کو لے کر چلا اس سمت میں ہر طرف پھر رہا تھا کہ اس لاش کو کیا کیا جائے

اسی طرح چالیس روز تک برابر بیاباں نوردی کرتا رہا

آخر الامر ایک روز کوّے کو دیکھا کہ اپنی منقار (چونچ) سے گڑھا کر کے مردہ کوّے کو لایا اور اس گڑھے میں رکھ کر اس پر خاک ڈال دی کہ اس مردہ کوّے کی لاش چھپ گئی۔ قابیل نے بھی اسی طرح ہابیل کو خاک میں ملا دیا۔ پھر اپنی قوم میں آگیا۔ جب آدم علیہ السلام نے زیارتِ حرم سے مراجعت فرمائی تو تمام صاحبزادے استقبال کو حاضر آئے۔ مگر ہابیل نہ آیا۔ آپ کو ہابیل سے حقیقتاً محبت بھی بہت زیادہ تھی۔ آپ نے ہابیل کو نہ پا کر اس کی جستجو کی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ آپ سات شبانہ روز کوہ و صحرا میں تلاش ہابیل فرماتے رہے۔ آٹھویں شب کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ ہابیل کھڑا پکار رہا ہے یَا اَبَتَاهُ الْغِیَاثُ آپ گھبرا کر چونک پڑے

اور ایک چیخ مار کر بیہوش ہو گئے

جب ہوش آیا تو روح الامین کو دیکھا کہ تشریف فرما ہیں۔ آپ نے بے تابانہ فرمایا کہ جبریل! ہابیل کی کیفیت سے بھی کچھ واقف ہو۔ میں ابھی خواب میں اُسے بحالِ مظلوم و بیچارہ دیکھ چکا ہوں اور وہ فریاد رسی چاہتا ہے۔
جبریلؑ نے فرمایا کہ جنابِ الٰہی فرماتے ہیں عَظَّمَ اَجْرَكَ تمہارا ثواب

زبردست ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا ہے اور وہ اسی وجہ سے فریاد کرتا ہے۔ مگر اس وقت سے اب تک کوئی اس کی فریاد کو نہ پہنچا۔

اور اسی طرح وہ فریاد کناں روزِ قیامت کو اُٹھے گا

آدم علیہ السلام جبریلؑ کو ساتھ لے کر قبر ہابیل پر پہنچے اور اس قدر اشک غم بہائے کہ ملائکہ سماوی کے دل ہل گئے۔ ارشاد الٰہی ہُوا کہ آدم مصیبت میں صبر کرو کہ اِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس قتل کے کیفر کردار میں تمام عذاب جہنم کا نصف حصہ قابیل کے لیے مخصوص ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے سرکار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ آدم صفی سے زبردست ہے کہ وہاں صرف ایک فرزند آدم کے قتل کی سزا نصف عذابِ جہنم تجویز فرمائیں اور یہاں فرزندان مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا وجگر گوشہ سردار انبیا نور دیدۂ علی المرتضٰی کے قاتلوں پر کوئی سختی گوارا نہ فرمائیں۔ اور روزِ قیامت کفن خونی حضرت سیدہ کے دست اقدس میں دیکھ کر فرمائیں۔ بیٹی اس کفن خونی کے صدقہ بخشش امت کی دعا کرو۔ بس یہی خون بہا ہے ؛

صحیفہ رضویہ میں ہے (جو سلطان خراسان حضرت علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کی مصنفہ ہے۔ جس کو آپ نے آبائے کرام سے احادیث نبویہ لے کر جمع فرمایا ہے، کہ قاتلان حسینؑ ایک تابوت آتشیں میں ہوں گے اور زنجیر ہائے آہنی وآتشیں سے دست وپا بستہ۔ اس تابوت سے اس قدر عفونت آتی ہوگی۔ کہ ملائکہ دوزخ خدا سے پناہ مانگیں۔ مگر یہ سب کچھ غضب الٰہی سے سزا ملے گی نہ کہ خواہش امام الانبیا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ؛

حضرت نوح نجی اللہ

یہی کیفیت حضرت نوح نجی اللہ کی ہے کہ اپنے مرتبہ کے موافق صید بلاد مصائب بنے۔ آپ نے ۹۵۰ سال تک جور و جفائے قوم ستم شعار سہیں۔ مگر تبلیغ پیام الٰہی میں ایک لحظہ کمی نہ فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ تین قرن دنیا میں مقیم رہے۔ اور ایک قرن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تین ہزار سال قیام فرمایا۔ مگر یہ روایت خبر قرآنی کے خلاف ہے۔ اور پہلی روایت مطابق قرآن مجید کے ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا یعنی نوح علیہ السلام کو ہم نے ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ وہ ان میں ایک ہزار پچاس برس کم ٹھہرے۔ آپ پر یہ مصیبت رہتی۔ کہ جب آپ دعوت حق دیتے تو آپ کی قوم اس قدر پتھر برساتی۔ کہ آپ کی پسلیاں شکستہ ہو جاتیں۔ وہ ظالم کہتے بس اب وہ مر چکے خاطر جمع سے رہو شب کو جبریل تشریف لاتے اور پر مبارک کی مس سے تمام جراحتہائے جسم درست فرماتے۔ صبح ہوتے ہی پھر اسی طرح قوم میں تشریف لاکر فرماتے:۔

قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

یعنی لا الٰہ الا اللہ کہو نجات پاؤ گے۔ پھر وہ سب مل کر میدان بلا میں گوناگوں تکالیف پہنچاتے۔ آپ جوشن تسلیم پہن کر تمام مصائب برداشت فرماتے۔ بلکہ قوم اپنے بچوں کو کندھوں پر چڑھا کر لاتے اور کہتے دیکھو یہ شخص دیوانہ ہے ہرگز اس کی فرمانبرداری مت کرنا۔ ایک روز ایک خبیث اپنے کندھے پر اپنے

لڑکے کو چڑھا کر لایا۔ اور نوح علیہ السلام کو دکھا کر کہا کہ (معاذاللہ) یہ ایسے ویسے ہیں۔ جوان ہو کر ان سے مقابلہ کیجو۔ لڑکے نے کہا۔ باپ ممکن ہے تیری نصیحت پر عمل کرنے سے قبل مجھے موت آسنبھالے اور اُس شخص کی ایذا رسانی کے "ثواب" سے محروم رہ جاؤں۔ مجھ کو زمین پر اُتارا! اس کے باپ نے اسے زمین پر اتارا۔ اس خبیث زادے نے ایک پتھر اٹھا کر نوح علیہ السلام کے سر مبارک پر مارا۔ آپ کے سر مبارک سے خون کے فوارے بہہ گئے۔ آپ نے صبر فرماتے ہوئے اُس خون کو صاف کیا اور جناب الٰہی میں دعا کی جو قرآن کریم میں ہے قَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (اے رب میرے زمین پر اب ان سرکشوں کو چلتا نہ چھوڑ) إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (اور اگر تو نے انہیں اب بھی چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور اُن سے جو پیدا ہو گا وہ بھی فاجر اور سخت سرکش ہی ہو گا)

بس یہ دُعا ہونی تھی کہ ارشاد ہوا۔ نوحؑ تم ایک کشتی تیار کر لو۔ اس میں اپنے متوسلین کو لے لو۔ چنانچہ جب کشتی بن گئی تو طوفان عذاب نمودار ہوا۔ یہ کشتی چھ ماہ تک برابر پانی میں چلتی رہی۔

صاحب کنز الغرائب لکھتے ہیں کہ یہ کشتی تمام روئے زمین پر گشت کرتے کرتے جب زمین کربلا پر پہنچی تو رُک گئی۔

نوح علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی۔ الٰہی یہ کیا مقام ہے اور کشتی ٹھہرنے میں کیا مصلحت ہے۔ جواب ملا کہ:۔

مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ یہ وہ مقام ہے جہاں اہل بیت اطہار کی کشتی گرداب خون میں غرقاب ہو گی اور ہمارے محبوب کے جگر گوشہ

اس مقام سے جام شہادت پی پی کر ہم سے مواصلت کریں گے ؛

حضرت ابراہیم خلیل اللہ

اسی طرح بلاؤ مصائب میں مبتلا رہے اور کیوں نہ رہتے۔ خلیل اللہ تھے۔ جس کو جناب الٰہی اپنا پیارا بناتے ہیں خستکارِ بلا کرتے ہیں۔ اکثر اکابر کا قول ہے نَحْنُ نَفْرَحُ بِالْبَلَاءِ ہم ایسے مسرور و محظوظ بلاؤں سے ہوتے ہیں کَمَا یَفْرَحُ اَھْلُ الدُّنْیَا بِالنَّعِیْمِ جیسے اہل دنیا نعمتوں سے اس واسطے کہ بلا صیقلِ دل ہے۔ آئینۂ قلب کو غبار ہوا و ہوس سے مجلّٰی کر دیتی ہے۔ اور زنگار خیال ماسوی اللہ سے صاف اور مصیبت کحل الجواہر ہے۔ کہ چشم بصیرت اس سے روشن ہوتی ہیں چنانچہ حضرت خلیل علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہیں وجوہ سے کہیں آگ میں ڈلوادیا۔ کہیں مخالفین سے حملے کرائے مگر ہر صورت میں معاون و مددگار ممد حقیقی رہا۔ چنانچہ کتب سیر سے ثابت ہے کہ جب نار نمرودی کافی طور پر مشتعل ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق یعنی گوپھنے میں ڈال کر آگ میں پھینکا گیا تو تمام ملائکہ میں کھلبلی پڑ گئی۔ حوران بہشتی بے چین ہوگئیں وحوش وطیور میں شور مچ گیا۔ ملائکہ عرش نے جناب الٰہی سے امداد کی اجازت لے کر ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مدد کو حاضر آئے ہیں ؛

سب سے اول ملک الریاح آئے اور آپ کو سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب سلام فرما کر پوچھا تو کون ہے کہ مصیبت زدوں کو سلام کہتا ہے۔ فرشتہ نے عرض کیا۔ میں موکل فرشتہ ہوں میرا ہوا کی سلطنت پر قبضہ ہے۔ اگر ارشاد ہو تو ہوا کو حکم کروں تمام چنگاریاں اڑا کر نمرود کے محل سرا کو خاک سیاہ کر ڈالیں۔ آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ میرے مددگار حقیقی کے سوا کسی سے مدد لوں اما الیک فلا ملک السحاب ابروں کا بادشاہ آیا۔ عرض کی کہ اجازت ہو ابر کا حکم کروں تمام آگ بجھادے۔ آپ

نے فرمایا میں اپنی مصیبت کو اپنے حبیب حقیقی کے سپرد کر چکا ہوں۔ وہ میرے حال سے بے خبر نہیں ہے۔ ملک الارض زمینوں کا بادشاہ آیا۔ عرض کی کہ اگر اجازت ہو زمین بابل کو حکم کروں کہ وہ دم زدن میں تمام نمرودیوں کو خورد برد کر دے آپ نے فرمایا۔
خَلُّوا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ حَبِیْبِیْ ۔ چھوڑ دو مجھے اور میرے حبیب کو۔ شعر

ما کارِ خود بہ یارِ گرامی داشتیم
گر زندہ ساز دار بکشد رائے رائے اوست

سب کے بعد روح الامین آئے۔ یہ وہ وقت ہے کہ خلیل منجنیق سے علیحدہ ہو کر آگ میں جانے والے ہیں۔ باآواز بلند پکارے
یَا خَلِیْلُ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ ۔ اے خلیل کوئی حاجت رکھتے ہو۔ آپ نے فرمایا اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا ۔ حاجت تو رکھتا ہوں۔ مگر تجھ سے نہیں۔ جبریل نے عرض کی جس سے حاجت ہے اُسے بتاؤ۔ آپ نے فرمایا عِلْمُهٗ بِحَالِیْ حَسْبِیْ مِنْ سُوَالِیْ اسے مطلع کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سوال سے پہلے میرے حال سے واقف ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ اس سے کیا حاجت رکھتے ہو وہ ظاہر کرو۔ آپ نے فرمایا جب دوست دوست کو جلانا چاہتا ہے۔ تو زندہ رہنا جائز نہیں۔ حکم الٰہی ہوا یَا نَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ اے آگ سلامت روی کی برودت ہمارے ابراہیم پر اختیار کر۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ

پر بھی ہجوم مصائب و سموم کرب نے ایسی ہی صورت دکھائی کہ قرآن کریم میں بھی جس

کی تصدیق آئی اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ہ بے شک کھلی بلا تھی۔ تاکہ محبان الٰہی اور مقربان احدیت پناہی سمجھ لیں۔ کہ دعویٰ محبت بغیر تکالیف شدیدہ و کرائب عدیدہ برداشت کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔

واقعہ ذبح اسماعیل یوں ہے۔ کہ ایک روز آپ شکار سے واپس تشریف لائے۔ تو غبار راہ و گرد شکارگاہ رخسارۂ نوری پر نمایاں تھا۔ اور تمازتِ آفتاب سے عذار آشفتہ۔ حضرتِ خلیل نے سرراہ آپ کو دیکھا۔ تو فرطِ محبت و فراوانی مودت سے آپ کے رخسارہ مثل گل شگفتہ نظر آئے۔ اور عذار ہائے نوری ماہ دو ہفتہ سے زیادہ تابندہ پائے۔ اِدھر شفقتِ پدری جو طبع بشری سے وابستہ ہے متحرک ہوئی۔ اُدھر غیرتِ الٰہی کو سلسلۂ محبت نے جوش زن کیا۔ شب ہوئی ابراہیم درود و وظائف سے حسب عادت فارغ ہو کر آرام گاہ میں تشریف لائے۔ عالم رویا میں دیکھا کہ بر سر بالین کوئی ندا کرتا ہے کہ اے خلیل دعویٰ محبت ہمارا اور مودت فرزندی اس کے ساتھ دل میں۔ اے خلیل اگر ہماری محبت رکھتے ہو اور ہمارے وصل کے خواستگار ہو تو اٹھو اور حلقوم فرزند دلبند کو آب تیغ سے سیراب کر دو۔

حضرت خلیل خائف ہو کر چونک پڑے۔ علی الصباح ذبیح کی والدہ حضرت ہاجرہ سے فرمایا۔ اٹھو اور خلعت فاخرہ اپنے فرزند دلبند کو پہناؤ۔ آنکھوں کو سرمہ سے سجاؤ۔ گیسوئے مشکیں شانۂ رضا و تسلیم سے سنوارو۔ کہ اس کو دوست کے یہاں مہمانی کے لیے لے جانا ہے۔ شعر

اندک آرائش مکن بسیار کن — ہر چہ بتوانی ہمہ در کار کن

حضرت ہاجرہ نے بہ تعمیلِ ارشاد حضرت اسماعیل کو پوشاک فاخرہ سے مزین کیا۔ گیسوئے مشکیں دھو کر شانے سے سنوارے سینہ سے لگا کر خوب پیار فرما کر رخصت کیا۔ اور فرمایا۔ جانِ مادر۔ میں نہیں جانتی۔ کہ تم کہاں لے جا رہے ہو۔

مگر میں اپنے دل میں بے تابی ۔ جگر میں خونابی پاتی ہوں ۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ہاجرہ سے ایک چھری اور ایک رسی طلب فرمائی ۔ آپ زار زار رونے لگیں اور اس طرح آہ و فغاں کی ۔ کہ جگر حاملانِ عرش لرزاں ہو گئے ۔ اور دست بستہ عرض کی کہ اے خلیل! مہمانی میں لے جاتے وقت چھری و رسی سے کیا تعلق ہے ۔ آپ نے فرمایا شاید قربانی کی ضرورت ہو جائے ۔ اور قربانی میں چھری رسی لازمی ہے ۔ بدیں سبب لے جاتا ہوں ۔ آپ کے دل میں یقین ہو گیا کہ خلیل اپنے لختِ جگر کو ذبیح بنانا تجویز کر چکے ہیں ۔ چھری رسی دے کر نہایت صبر و استقلال سے رخصت کیا ۔ مگر شفقتِ مادری نے ہیجان کر کے ہاجرہ کی زبان سے یہ الفاظ جاری کرا دیئے جو اشعار ذیل سے ظاہر ہیں ؂

جانِ من لطفے بکن زیں دیدۂ گریاں مرو　　دل کباب تست بر خواں کساں مہماں مرو

چوں تو کردی عزم رفتن از تنم جاں می رود　　از تنم تا بر نیاید جان من اے جاں مرو

آخر سنگِ صبر و شکیبائی سینہ رضا پر رکھ کر ہاجرہ نے خلیل و ذبیح کو وداع کیا ۔ اور دولت سرائے میں بحال حرماں و گریاں واپس تشریف لائیں ۔ خلیل و ذبیح میدان منیٰ میں تشریف لے جا رہے ہیں ۔ حاجرہ بسترِ فراق و مہاجرت پر بے تاب ہیں ۔ شیطان لعین کو خبر پہنچی کہ خلیل کا آج امتحان ہے ۔ اور ان کے فرزند دلبند عنقریب ذبیح اللہ کے خطاب سے مشرف ہونے والے ہیں ؛

سوچتا رہا آخر یہ خیال دل میں جمایا کہ

کوئی ایسا مکر گانٹھنا چاہیئے ۔ کہ خاندان خلّت ہی نیست و نابود ہو جائے ۔ پھر دل میں سوچا کہ بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی قوت کمزور ہوتی ہے ۔ اور بالخصوص ماں کا دل اولاد کی طرف سے نہایت ہی رقیق واقع ہوا ہے ۔ ہاجرہ

کو چل کر واقعہ کی صحیح خبر دوں۔ ممکن ہے ان کی داویلا۔ بے چینی اور بے تابی قدمِ خلیل کو صراطِ عشق سے متزلزل کر دے۔

ایک بزرگ صورت بن کر ہاجرہ کی خدمت میں حاضر آیا

اور رو کر کہنے لگا۔ ہاجرہ کچھ خبر بھی ہے تم لٹ رہی ہو اور بالکل لٹنے والی ہو۔ آپ نے متحیر ہو کر فرمایا آپ کون ہیں۔ اور یہ خیر خواہی کس معاملہ کی ہے۔ شیطان نے کہا اسمٰعیل کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا دوست کے یہاں مہمانی میں اپنے باپ کے ساتھ گیا ہے۔ شیطان نے کہا تم غفلت نہ کرو ورنہ عنقریب اس کے رخسار خنجر آبدار سے گلنار ہو جائیں گے۔ اور گیسوئے مشکیں سنبل تاب خونناب نظر آئیں گے۔ ہاجرہ نے فرمایا اے بڈھے تو پیر مرد نہیں۔ شیطان معلوم ہوتا ہے۔ جو میرے دل میں اس کے باپ کی طرف سے یہ بدگمانی پیدا کر کے میرے دین و دنیا کو خراب کرنا چاہتا ہے۔ خلیل جیسا باپ اسمٰعیل جیسے فرزند دلبند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی نہال میوہ رسیدہ کو باغ خلقت میں لگا کر اپنے ہاتھ سے کاٹ دے۔ شیطان نے کہا۔ ہاجرہ اس کا سبب یہ ہے کہ خلیل نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس کا محبوب حقیقی اس کے فرزند کے ذبح کا حکم کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو خلیل نے غلط نہ کہا۔ جب خدا کا حکم اس طرح ہوا ہے۔ تو ذبح کی دعوت حقیقی دعوت ہے اور ایسی دعوت پر ایک جان ہاجرہ کی کیا حقیقت ہزار جان ہاجرہ اور ہزار ہا فرزندان و خان و مان فدا ہیں چل دور ہو خبیث تو دوستنما دشمن ہے

اس جواب سے ابلیس پر تلبیس مایوس ہو کر حضرت خلیل کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ ابراہیم! اسماعیل کے کمان ابرو پر ہزار جان فدا ہوں تو زیبا

ہے۔ تمہیں کیا ہوا ہے کہ محض خیال و خواب پر اپنے گھر کی شمع تاباں کو گل کرتے ہو۔
چراغ دودمان نبوۃ اور روشنی دیدۂ محبت کو بجھاتے ہو۔ اس معاملہ میں ذرا غور کر لو۔
حضرت خلیل علی الفور تاڑ گئے کہ یہ شورہ شیطانی ہے۔ تیر استعاذہ کو کمان لاحول پر
رکھ کر اس کی طرف چھوڑا وہ اس تیر کی تاب نہ لا کر بھاگا اور پکار کر کہتا گیا کہ ابراہیم
تیرا خواب شیطانی ہے پچھتائیگا۔ آپ نے جواب دیا کہ تو شیطان ہے تیرا داؤ انبیاء
پر نہیں چل سکتا۔ خبیث میرا خواب کبھی شیطانی نہیں ہو سکتا وہ خواب رحمانی ہے اور
جو حکم دوست نے مجھ کو دیا ہے وہ مشتمل بر حکمہائے بیکران رازہائے نہاں ہے شیطان
پھر پکارا کہ خلیل انصاف سے کہو کہ ایسے لخت جگر کی ذبح کو تمہارا ضمیر اجازت دیتا ہے۔
حضرت خلیل کی آتش غضب مشتعل ہوئی۔ اور فرمایا اے مردود مطرود۔ جبکہ میں
آگ میں ڈالا گیا تھا۔ تجھے معلوم ہے ملائکہ مقربین کی باتوں میں نہ آکر اپنے محبوب
کی رضا جوئی میں رہا۔ جبکہ تو ظاہر راندۂ درگاہ ہے تیرے دموں میں کیونکر آسکتا ہوں

قسم ہے جلال و جمال حسن محبوب کی

اگر مشرق سے مغرب تک میرے ایسے ہی لختِ جگر ہوں جیسا کہ اسمٰعیل
ہے۔ تو حکم الٰہی کی تعمیل میں سب کو قربان کر دوں۔ شعر

جنونِ بےخودی میں پائے استقلال رکھتا ہوں   صراطِ عشق سے لغزش نہیں کرتا قدم میرا

بالآخر ابلیس خسیس وسوسۂ خلیل جلیل سے محروم ہو کر حضرت ذبیح کی خدمت
میں آیا اور عرض پیرا ہوا کہ اے غنچۂ گلستان رسالت و اے میوۂ بوستان
عزت و جلالت کچھ خبر بھی ہے کہ تمہارا باپ تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہے
اور کہاں لے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا دوست کے یہاں مہمانی ہے۔ شیطان نے کہا اس
نے غلط کہا وہ دوست کی مہمانی کو نہیں لے جا رہا ہے بلکہ تم کو ذبح کرنے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ

کس قصور میں۔ عرض کی کہ محض خواب کی بنا پر کہ شب کو اُن کے خدا نے تمہاری ذبح کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا او پیر بد تدبیر تو شیطان دشمن انسان معلوم ہوتا ہے۔ اگر فرمان حضرت قدیم وقدیر اور حکم مالک الملک علی الکبیر سے یہ ارادہ ہے تو ایک جان اسمٰعیل کیا چیز ہے۔

ہزار جان فدا کرنے کو خود اسمٰعیل حاضر ہے

جانِ شیریں گر قبول چوں تو جاناں بود کے بجانے باز ماند ہر کرا جانے بود

شیطان نے کہا صاحبزادے تم سے تحمل تکلیف تیغ آبدار مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا خبیث دور ہو۔ میں اپنے رب مجازی و حقیقی کے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا۔ رباعی

دلدار من گفت کہ خونت ریزم گفتم شرف من است ازان نگریزم
یک جان چہ بود ہزار جان بایستے مے کشتی دبار دگر مے خیزم

شیطان نے پھر کچھ زور دے کر منع کرنا چاہا۔ آپ نے باواز پکار کر خلیل اللہ سے فرمایا کہ ابا جان! یہ خبیث بوڑھا گمراہ مجھے حیران کرتا ہے۔ آپ تشریف لائے۔ شیطان لعین فرار ہوا۔ آپ نے فرمایا جانِ پدر! یہ ابلیس روسیاہ ہے یہ بدترین سگان درگاہ ہے۔ پتھر اٹھاؤ اور اس خبیث کو سنگسار کرو۔ یہ تین منارہ اب تک یادگار میں قائم ہیں۔ جہاں حاجی بعد حج رمی جمار سات سات کنکریوں سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خبیث حضرت حق نے سچ فرمایا وَاِنَّ عَلَیۡکَ لَعۡنَتِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ط ہماری رحمت سے تو قیامت تک دور ہے۔

حتیٰ کہ پدر و پسر منیٰ میں پہنچ گئے اور ذبیح کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور

چھری رسی آستین سے باہر نکالی اور فرمایا اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ۔ میں خواب میں تمہارے ذبح کا حکم پاتا ہوں۔ کہو کیا رائے ہے۔ اسماعیل خوش ہو کر فرماتے ہیں یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ٥ ابا جان جو حکم ہے۔ اس کی فی الفور تعمیل کیجئے۔ اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔

ابا جان کچھ خیال نہ کیجئے۔ اسماعیل جیسے ہزاروں ہو جائیں گے اور ربّ جلیل اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کا فراق چند روزہ ہے اور محبوب حقیقی کا صدمہ تا زیست بھی ہو گا۔ اب دیر نہ کیجئے۔ شعر

مرا سریست کہ خواہم فدائے پائے تو گردن　　قبول کن کہ جز ایں مایۂ دستگاہ ندارم

خلیل نے فرمایا۔ جانِ پدر، لختِ جگر کچھ وصیت کرنا چاہو تو کر لو۔ عرض کی ہاں تین وصیتیں قبول فرمائیے :۔

اوّل۔ وقت ذبح میرے ہاتھ باندھ دینا تاکہ دربار احدیت میں حاضر ہوتے وقت صدمہ تیغ سے ہاتھ مارتا نہ حاضر ہوؤں اور میرے خون سے آپ کا لباس مبارک آلودہ نہ ہو جائے شعر

گفتی کہ برہم از تو خون باکے نیست　　زاں می ترسم کہ دستت آلودہ شود

دوسری وصیت یہ ہے کہ وقت ذبح میرا سر زمین پر رکھ دینا۔ تاکہ میرے عجز و انکسار پر حضرت عزت کو رحم آ جائے اور وہ مجھے مقرب بنا لے۔ گرد آلودہ رُخ اور خاک فرسودہ جبیں دربار محبوب میں محبوب ہے۔

تیسری یہ کہ اولاد سے والدین کو انتہائی محبت ہوتی ہے۔ وقت ذبح اگر نظر سامی مجھ پر پڑی اور شفقت پدری نے ہاتھ روک دیا۔ تو میں۔ بشرف دعوۃ سے محروم رہ جاؤں گا۔ لہذا اپنا منہ پھیر لینا یا آنکھوں پر پٹی باندھ لینا۔ اور مکان پر

پہنچ کر والدہ کے سامنے یوں ہی نہ تشریف لے جانا۔ اس لئے کہ جب اس مادر فراق دیدہ یا جگر ہجران کشیدہ کی نظر صرف آپ پر پڑے گی اور میں نہ ہوں گا تو وہ بے تابی سے از خود رفتہ ہو جائیں گی۔ ان سے سختی نہ کرنا۔ درشتی سے جواب نہ دینا۔ کہ فراق فرزند بغایت اشد ہوتا ہے۔ تلطف و دلداری سے تسکین کر دینا۔ اور میرا سلام انہیں پہنچا دینا۔ اور میری طرف سے فرما دینا کہ اسماعیل ذبیح نے بعد سلام عرض کیا ہے کہ درد فراق کے ایام صبر سے گزارنا کہ محبوب حقیقی صابروں کو دوست رکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ تمام وصایا ابراہیم علیہ السلام نے منظور فرما کر دست و پا اسماعیل حسب وصیت باندھے۔ ملاء اعلیٰ میں شور مچ گیا سبوحیان عرش کے دل ہل گئے

شعر

غلغلہ در گنبد خضر افتاد ولولہ در قبۂ مینا فتاد

فرشتے اس منظر خونی کو دیکھ دیکھ کر لرز رہے تھے۔ حوران بہشتی جنت کے جھروکوں سے اس بے نیازی کا مشاہدہ کر کے کلیجہ تھامے محو حیرت تھیں۔ ملائکہ جناب الٰہی میں عرض کر رہے تھے کہ الٰہی ابراہیم کتنا صابر بندہ ہے کہ تیری رضا میں سر تسلیم خم کئے آگ میں گرا اور قدم شکیبائی ذرا پیچھے نہ ہٹایا۔ اب اپنے نونہال گلشن نبوت کو تیری رضا جوئی میں اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کو تیار ہے۔ ارشاد ہوا کہ اسی وجہ سے ہم نے اسے خلعت خلت پہنایا اور ساغر محبت پلایا ہے:

رباعی

ہر کہ با عشق مادر آمیزد ز غم و ابتلا نہ بر ہیزد
در بر و صد ہزار تیغ کشیم بکند سر فداؤ نگریزد

ایک روایت میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے تیغ تیز سے

حلقوم اسماعیل کاٹنا شروع کیا۔ ستر بار چھری چلائی۔ مگر پوست وگوشت ورگ حلقوم پر ذرا اثر نہ ہوا۔ خلیل غصہ میں آئے اور چھری ہاتھ سے پھینک دی اور فرمایا تو میرا حکم کیوں نہیں مانتی۔ چھری نے زبانِ حال سے عرض کیا۔ ابراہیم غصہ نہ فرمایئے اَلْخَلِیْلُ یَأْمُرُنِیْ بِالْقَطْعِ وَالْجَلِیْلُ یَنْہٰنِیْ۔ میں حیران ہوں کیا کروں آپ کاٹنے کا حکم فرماتے ہیں اور رب جلیل ممانعت فرماتا ہے۔ کس کا حکم بجا لاؤں۔ مجھے آپ کے حکم کے مقابلے میں خدا کا حکم ماننا ضروری ہے۔

خلیل نے فرمایا تیرا کام کاٹنا ہے۔ تُو کاٹنے کو بنائی گئی ہے۔ چھری نے عرض کیا۔ آگ بھی جلانے کو بنی ہے۔ پھر آپ کو کیوں نہ جلایا۔ شعر

اگر تیغ عالم بجنبد زجائے — نہ بُرد رگے تا نخواہد خدائے

فرشتوں میں گفتگو شروع ہوئی کہ خلیل انتہا درجہ کے سخی ہیں کہ اپنے فرزند دلبند کو فدا کر رہے ہیں۔ اور اسماعیل زبردست شجاع، دلیر اور جواں مرد بھی ہیں۔ کہ رضائے الٰہی میں جان عزیز جیسی چیز فدا کرنے کو تیار ہیں۔ جناب الٰہی کی طرف سے جواب ملا کہ نہ وہ سخی یکتا۔ نہ وہ جوانمرد بے ہمتا۔ ہم سب سے زیادہ جواد ہیں کہ بغیر ذبح اسماعیل کو ذبیح بناتے ہیں۔ بغیر قربانی کئے ابراہیم کی قربانی قبول فرماتے ہیں۔ جبریل جاؤ اور ایک مینڈھا ابراہیم کے زیر زانو ذبح کرادو اور ہماری طرف سے بشارت دو کہ

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔ ابراہیم تمہارا خواب سچا ہو گیا۔

تمہارا جو کام کرنے کا تھا کر چکے۔ ہمارا کام جو ادی کا تھا ہم کرتے ہیں۔ تم نے شرط فرمانبرداری پوری کی۔ تم بیشک ہمارے خلیل ہو اور یہ ہمارے ذبیح۔ جس کا مدرہ

قرآن کریم [illegible]

[illegible] وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ یعنی جب دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔ ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کردیا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ ہم ایسا ہی صلہ نیکوں کو دیتے ہیں۔ بیشک یہ کھلی بلا تھی اور امتحان۔ ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے صدقہ میں دے کر اسے بچا لیا۔ یعنی مینڈھا ذبح کرا دیا۔ حضرت ابراہیم نے آنکھوں سے پٹی کھول کر دیکھا تو اسماعیل کی بجائے مینڈھا ذبح ہوا پڑا ہے۔ جبریل نے عرض کی اے خلیل جلیل خدائے برتر آپ کو مبارک باد دیتا ہے۔ اور آپ کے فرزند کی قربانی قبول فرماتا ہے۔ اور خلعت خلت سے آپ کو مشرف کرتا ہے۔ صاحبزادہ کے ہاتھ پیر کھولئے اور اسے سلام الٰہی پہنچائیے۔ خلیل نے فرط مسرت سے سجدہ شکر الٰہی کیا اور ذبیح کو فرمایا بیٹا تم کو بذریعہ جبریل صبر و رضا کے صلہ میں سلام الٰہی آیا ہے۔ اور ارشاد ہے کہ اسماعیل تیغ بلا پر صبر کرنے کے صلہ میں ہم تمہیں مستجاب الدعوات فرماتے ہیں مانگو۔ جو مانگو گے پاؤ گے۔

ذبیح نے ہاتھ اُٹھائے اور عرض کی

الٰہی! نبی آخر الزمان کے جاں نثار جو محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے شہید ہوں۔ ان کے گناہ مجھے عطا فرما دے۔ جواب ملا۔ اسمٰعیل

اے محبوبِ خلیل جلیل تمہاری مراد بر آئی

چوں شدی از صدقِ دل قربانِ ما
سر نہ پیچیدی تو از فرمانِ ما

شد دعا ہائے تو در دم مستجاب — عاصیاں را از تو باشد فتح باب

اے میرے ذبیح تیری وجہ میں نے گناہگارانِ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بروز قیامت ہم نے مغفور کئے۔ امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب جناب الٰہی کی طرف سے فدائے اسماعیل کا معاوضہ گوسفند پڑ گیا۔ تو خلیل کے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ اگر اسماعیل ہی میرے ہاتھ سے ذبح ہوتا۔ تو بہ نسبت اس فدیہ کے ثوابِ عظیم ملتا۔ جناب الٰہی نے بذریعہ وحی خلیل سے دریافت فرمایا کہ تمام عالم میں کس کو زیادہ عزیز رکھتے ہو۔ خلیل نے عرض کی۔ تیرے حبیب لبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ارشاد ہوا۔ انہیں دوست رکھتے ہو یا خود کو۔ عرض کی۔ الٰہی ان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا ایک ان کے جگر گوشوں کو زیادہ محبوب رکھتے ہو یا اپنے لختہائے جگر کو۔ عرض کیا ان کی اولاد کو پیارا رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا ایک ان کے فرزند دلبند کو غریب الوطنی بمصیبت زندگی بیکسی تشنہ کامی کی حالت میں ہم نسکاریتہ بلا بنا کر جور وجفائے ستمگاران سے بھوکا پیاسا میدان کربلا میں شہید کرائیں گے۔ ابراہیم خلیل اس خبر کے سنتے ہی زار و قطار اشکبار روتے

ارشاد ہوا کہ خلیل جو

ان کے غم میں روئے گا۔ اسے ثواب اس قدر ہم عطا فرمائیں گے۔ جتنا کہ تمھیں تمھارے فرزند کی قربانی میں عطا ہوا ہے۔ اور ماتم و سینہ کوبی مسلمان کو جائز نہیں۔

علامہ سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں کہ عاشورہ کے دن غم حسین میں میں بہت رویا۔ دل میں کہا کاش اس

دن کربلا میں ہوتا۔ تو اس شہنشاہ شہداء کے آگے اپنا خون بہاتا۔ اب رونے سے کیا حاصل ہے۔ میں نے اس خطرہ کی تصدیق کی اور اس افسوس پر رویا۔ شب کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ رونق بخش کلبۂ احزان ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے سہیل قسم ہے عزت وجلال ذوالجلال کی تیرا ایک قطرۂ اشک بھی جو میرے فرزند دلبند کے غم میں نکلا ضائع نہیں گیا اور یہ رونا جو تو آج رویا ہے۔ اس کا ثواب اس قدر بے حد ہے کہ محاسبان تختۂ خاکی ومستوفیان دفتر افلاکی کے حصر وحساب سے باہر ہوگا۔ یہ رونا ذریعہ اجر پر رونا ہے اور ماتم کرنا ان موتیوں کے ہاروں کو پراگندہ کرنا

بیاد حسینؓ علیؓ گریہ کن ۔۔۔ کہ زیں گریہ پیدا شود آبروئے
ہر آں نامہ کز خطا شد سیاہ ۔۔۔ بدیں گریہ کردن تواں شست وشو

بعض احادیث میں وارد ہے کہ شہزادۂ کونین سیدنا حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ روز قیامت عرصۂ محشر میں خون آلود چہرہ لے کر تشریف لائے اور جناب الٰہی میں عرض کریں رَبِّ شَفِّعْنِیْ فِیْمَنْ بَکٰی عَلٰی مُصِیْبَتِیْ۔ الٰہی میری شفاعت اس شخص کے حق میں قبول فرما۔ جو میری مصیبت کو یاد کرکے گریہ کناں ہوا۔ اگر شریعت مطہرہ میں ماتم اور سینہ کوبی کی بھی اصل ہوتی تو فِیْمَنْ بَکٰی کے بجائے فِیْمَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ آتا۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام میں غم وآلام پر گریہ رحمت ہے اور ماتم لعنت ؛

حضرت یعقوب علیہ السلام

پر بھی مصائب کچھ کم نہ آئے۔ ان کا سب میں بڑا صدمہ فراق فرزند دلبند یوسف

علیہ السلام ہے. جس کا مفصل تذکرہ سورۃ یوسف میں مذکور ہے. اس سورۃ کے شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے. بعضے اس طرف گئے ہیں کہ خبر شہادت حسین تسکین قلب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ سورۃ نازل ہوئی. چنانچہ صاحب روضۃ الشہدا اس کا نزول یوں لکھ رہے ہیں کہ ایک روز آقائے مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معہ صحابہ رونق افروز تھے کہ نوجوان یعنی حسن وحسین علیہم السلام تشریف لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گود میں بٹھالیا اور جبین مبارک چومنا شروع کی کہ روح الامین بحکم رب العالمین حاضر دربار ہوئے اور عرض کیا کہ حکم الٰہی ہے کہ اَتُحِبُّهُمَا کیا حسن وحسین کو دوست رکھتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں اَوْلَادُنَا اَکْبَادُنَا یہ دو لخت جگر ہیں یا دونوں نور بصر فرزند ارجمند ہیں یا جگر گوشہ دلبند جبریل نے عرض کی. کہ دونوں میں سے کس کو زیادہ محبوب رکھتے ہو. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل دونوں دُریک صدف ہیں. دونوں بدریک آسمان شرف ہیں. حسن وحسین نگہبان ایک مدینہ. ایک بادبان یک سفینہ ہیں. دونوں سرِ دیک باغ ہیں. دونوں نور یک چراغ ہیں. اس لئے یہ دونوں جگر گوشہ رسول اور توشۂ دل بتول ہیں. میں تو دونوں کو محبوب رکھتا ہوں. جبریل نے عرض کی. حضور رب جلیل فرماتا ہے کہ اے محبوب تمہیں کیا خبر نہیں عنقریب تمہارے بعد دونوں نونہال زہر وقہر سے شہید ہوں گے. ایک زہر پلائے جائیں گے. دوسرے نہ تیغ بے دریغ فرمائے جائیں گے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آبدیدہ ہوکر فرمایا یا اَخِیْ جِبْرَئِیْلُ مَنْ یَّفْعَلْ بِهِمَا. جبریل یہ تو بتاؤ کہ میرے جگر گوشوں کے ساتھ یہ بے رحمی کون کرے گا. جبریل نے عرض کی حضور کے امتیوں کی ایک جماعت. آپ نے فرمایا یُؤْمِنُوْنَ بِیْ وَیَرْجُوْنَ شَفَاعَتِیْ. یہ جماعت مجھ پر ایمان لاکر میری شفاعت کی امید کرتے ہوئے ایسا کرے گی. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. جبریل کس قصور میں حسن کو زہر اور حسین کو بلوئے قہر میں قوم مبتلا کرے گی. عرض کی حضور کوئی قصور وخطا نہ ہوگا. بلا سبب

تابانی انوار نبوت سے حسد کر کے ایسا کریں گے۔ جیسا چاند کہ بے قصور ہے۔ مگر کتّے
اس کی تابانی کی تاب نہ لا کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں شعر

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند　　　ہر کسے بر خلقت خود مے تند

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جفائے امت بے دین سے گریاں ہوئے۔ تو
روح الامین اس سورۃ مبارکہ کو تسکین دل محزون کے لیے لائے۔ صاحب تفسیر حسینی
یوں فرماتے ہیں کہ شان نزول اس سورہ مبارکہ کا یہ ہے۔ کہ یہود نے مشورہ کیا۔
کہ سبب انتقال آل یعقوب علیہ السلام دریافت کریں کہ وہ کیوں شام سے مصر
گئے تو یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ اور صاحب جواہر التفسیر فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ نے
عرض کی یارسول اللہ لَوْ قَصَصْتَ عَلَیْنَا۔ اگر ہم پر قصہ فرمائے جائیں تو
اچھا ہو۔ تو یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی اور فرمایا نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ
بِمَا اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ
یعنی ہم بیان فرماتے ہیں آپ پر نفیس قصہ اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی
وحی بھیجی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے تمہیں بے شک خبر نہ تھی اِذْ قَالَ یُوْسُفُ
لِاَبِیْهِ۔ جبکہ کہا یوسف نے اپنے باپ سے اس وقت یوسف علیہ السلام
کی عمر مبارک بارہ سال کی تھی۔ شب میں آپ اپنے والد کے پہلو میں آرام گزیں تھے
کہ ناگاہ چونک پڑے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بیٹا کیا بات
ہے۔ عرض کی ابا جان میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ اِنِّیْ
رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ
سٰجِدِیْنَ۔ گیارہ ستارے اور آفتاب اور ماہتاب ہیں۔ اور میں ایک بلند پہاڑ
پر ہوں جس کے گرداگرد نہریں جاری ہیں اور سبز درخت ہیں اور وہ ستارے
سو یہ تینوں مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یوسف

ت رفیعہ نے د ہے اور گیارہ ستارے ان کے گیارہ بھائی ہیں۔ اور چاند سورج باپ ان کی تعظیم کریں گے۔ مگر خوف سے کہ بھائی اس خبر سے کہیں ر ن کریں فرمایا قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿﴾ کہ اے میرے بیٹے اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی چال چلیں۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ اور اس طرح تم کو اعزاز عزت کے لیے چن لیا ہے۔ تمہارے رب نے اور سلطنت رسالت کے واسطے مخصوص کر کے وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ تمہیں سکھائے گا حقائق و دقائق کتب منزلہ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور تمام کرے گا اپنی نعمتیں کہ متعلق بہ نبوۃ ہیں تم پر اور فرزندان یعقوب پر جو تمہارے بھائی ہیں۔ جیسے کہ پوری کیں ہم نے نعمتیں تمہارے دونوں باپ ابراہیم واسحاق پر تم سے پہلے یعنی تمہارے اجداد پر بے شک تمہارا رب زبردست دانا اور حکمت والا ہے۔

اس کے بعد قصہ یوسف علیہ السلام ذکر فرمایا۔ اصل قصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف کے گیارہ بھائی تھے ایک عینی یعنی ایک ماں سے ان کا نام بنیامین تھا اور چھ خالہ زاد بھائی مسمیان یہودا۔ روبیل۔ شمعون۔ لاوی۔ زبالون۔ یشجر تھے۔ اور چار علاتی جن کے نام ازد سربہ۔ جاد۔ اسر تھے۔

صاحب تفسیر حسینی تحریر فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام نے خواب مذکورہ بیان فرمانے کا عزم کیا اور یعقوب علیہ السلام نے اس کے کتمان کی وصیت فرمائی۔ تو بعض بھائیوں کی بیویاں اس قصہ کو سن رہی تھیں۔ جب

شام کو تمام بھائی گھر میں جمع ہوئے تو انھوں نے اپنے شوہروں سے قصہ خواب یوسف اور وصیت یعقوب علیہما السلام مفصل کہہ دیا۔ ان کے دل میں رشک و غیظ بھڑکی اور علاتی بھائی خاص طور پر متاثر ہوئے اور سب بھائیوں کو جمع کر کے کہنے لگے۔ جس کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ کہ جب بولے وہ سب کہ بے شک یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے۔ حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں اور کام کرتے ہیں اور یہ دونوں یعنی یوسف و بنیامین خورد سال ہیں۔ اس معاملہ میں ہمارے باپ کھلی وارفتگی میں ہیں۔

صاحب تفسیر تیسیر القرآن علامہ مخدوم علی مہائمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب شیطان لعین نے بھائیوں کے خیالات ایسے پائے تو خوش ہوا اور پیر مرد کی صورت بنا کر ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ یوسف تمھیں عنقریب اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ سب نے ایک دردمند سمجھ کر اس کی طرف رجوع کیا اور پوچھا کہ بڑے میاں ہمیں بتایئے اس ذلت سے کیونکر خلاصی ممکن ہے۔ اس خبیث نے کہا اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ یوسف کو قتل کر ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ تاکہ تمھارے باپ صرف تمھاری طرف متوجہ رہیں اور اس کے بعد توبہ کر کے نیک ہو جانا۔ یہاں یہ بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ صالحین دو قسم کے ہیں ایک وہ جو صالح بن جاتے ہیں دوسرے وہ جو بذریعہ دعا صالح ہوتے ہیں رَبِّ اجعلنی من الصالحین جن کی یہ دعا مستجاب ہوتی ہے وہ صحیح صالح ہیں اور جو سب کچھ کرتے بھی ہیں اور صالح بنتے بھی ہیں ان میں اور ان میں بعد بعید ہے۔ اس کو سن کر سب نے اتفاق کیا۔ مگر ایک

نے ان بھائیوں سے کہا کہ یہ کید شیطانی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قتل نفس غیر عاصی کی رائے ہے۔ میری رائے میں قتل نہ کیا جائے کہ قتل بے گناہ گناہ عظیم ہے۔ بلکہ اَلْقُوْہُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْہُ بَعْضُ السَّیَّارَۃِ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝ اگر کرنا ہی چاہتے ہو تو یوسف کو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا ہوا اسے لے جائے چنانچہ سب نے اس رائے پر اتفاق کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

ابا جان! فصل بہار ہے۔ زمین پر ہر سمت سبزہ زار ہے

سنبل سر نافہ باز کردہ　　گل دست بر دراز کردہ

سیرابی سبزہ ہائے نوخیز　　از لؤلؤ زمرد انگیز

کیا وجہ ہے کہ یوسف کو ہمارے ساتھ جنگل کی سیر کے لیے آپ نہیں بھیجتے؟ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ میں خوف کرتا ہوں کہ تم اُسے لے جاؤ اور میں رنج و عنا میں پڑ جاؤں۔ مجھے معاف کرو۔ میں اُسے نہ بھیجوں گا ؎

باپ کی طرف سے جب مایوس ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ بھائی تم یہاں پڑے کیا کر رہے ہو۔ ہمارے ساتھ چلو۔ دیکھو جنگل میں کیسی بہار ہے ؎

موسم گل دو سہ روز بست غنیمت دانید　　کہ دگر نوبت تاراج خزاں خواہد بود

حضرت یوسف خوردسال ان کی چال نہ سمجھے اور سب بھائیوں کو ہمراہ لے کر خدمت یعقوب علیہ السلام میں اجازت لینے حاضر آئے اور عرض کی ؎

زین تنگنائے خلوتم خاطر بصحرا مے کشد

کز بوستان باد سحر خوش می دہد پیغام را

سوال اجازت یوسف سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام متفکر ہو کر خاموش ہو رہے تھے کہ۔ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَ اِنَّا

لَہٗ لَنَاصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْہُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ سب بھائی کہنے لگے کہ ابا جان آپ کو کیا ہم امین معلوم نہیں ہوتے۔ حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور ہم اس کے نگہبان رہیں گے قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْھَبُوْا بِہٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْہُ غٰفِلُوْنَ ۝ آپ نے فرمایا بیشک مجھے رنج دیگا یہ کہ تم اسے لے جاؤ۔ میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر رہو قَالُوْا لَئِنْ اَکَلَہُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَۃٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ سب نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے باآنکہ ہم ایک جماعت ہیں تو پھر ہم کسی مصرف کے نہیں۔

یہاں یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے۔ کہ نبی کو اللہ تعالیٰ آنے والی باتوں سے مطلع فرماتا ہے اَکَلَہُ الذِّئْبُ کا یہاں واہمہ بھی نہ تھا۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے نورِ نبوت اور فراست علم سے جان لیا کہ یہ لے جا کر واپس آ کر یہ بہانہ تراشیں گے۔ بالآخر جب بھائیوں کا اصرار حد درجہ کا دیکھا اور یوسف علیہ السلام کا میلانِ طبع بھی پایا۔ تو مجبوراً حسبِ رواج و طریقۂ زمانہ یوسف علیہ السلام کو غسل دیا۔ گیسوئے مشکیں سنوارے نئے کپڑے پہنائے۔ وہ قمیص حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہنایا جو بہشتِ بریں سے روح الامین لا کر بوقتِ القاءِ نارِ نمرود آپ کو پہنا گئے تھے اور میراث میں آپ کا حصہ ہوا تھا۔ اور ایک تعویذ آپ کے بازو پر باندھا اور دروازہ شہر کنعان تک جہاں ایک درخت شجرۃ الوداع کے نام سے مشہور تھا پہنچانے آئے۔ اور وقتِ رخصت حضرت یوسف کو پہلو میں لے کر گریہ کناں خوب سینہ سے لگایا۔ اور سب کو رخصت کرنا شروع کیا۔ یوسف علیہ السلام نے جو پدرِ شفیق کو گریہ کناں دیکھا۔ خود بھی رونے لگے اور عرض کی ابا جان! بسبب

گریہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ بیٹا اس روانگی میں مجھے زبردست مصیبت نظر آتی ہے۔
میں نہیں جانتا کہ انجام کیا ہو مگر خیر لا تنسانی فانی لا انساک مجھے نہ بھول جانا
کہ میں بھی تمھیں نہ بھولوں گا ؏

فراموشی نہ شرط دوستانست

پھر آپ نے تمام برادران یوسف کو ان کی حفاظت کے متعلق کافی تاکید
فرما کر رخصت کیا۔ انھوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دکھانے کو یوسف
علیہ السلام کو کندھے پر اٹھا لیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کھڑے دیکھتے رہے۔
یہاں تک کہ نظر سے غائب ہو گئے۔ آپ گریاں و حیراں اسی مقام پر تشریف
فرما رہے فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا
إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ پھر جب یوسف
علیہ السلام کو لے گئے اور سب کی یہی رائے ٹھہری کہ اسے اندھے کنوئیں میں ڈالیں تو ہم
نے یوسف کو وحی کی کہ جلدی تو انہیں ان کی خطا جتا دے گا۔ ایسے موقعہ پر کہ وہ اس
وقت محض بے خبر ہوں گے۔

چنانچہ باپ کی تمام وصیتیں ایک طرف رکھ کر حضرت یوسف کو کندھے سے
نیچے پھینک دیا۔ اور کہا ہاں ذرا بتاؤ وہ خواب تیرا کیسے سچا تھا۔ وہ گیارہ ستارے
جو ہم تعبیر میں بنائے گئے تھے کیونکر سجدہ کرتے ہیں؟ آج اس خواب کو سچا کر اور ہم
سے اپنے کو بچا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ بھائیو مجھ پر ظلم نہ کرو۔ میری خورد
سالی، کمزوری پر رحم چاہیئے۔ میں تمھارا چھوٹا بھائی ہوں۔ تم میرے بڑے بھائی ہو۔
انھوں نے اس ماہ کنعان کے عجز و انکسار کی طرف اصلاً التفات نہ کیا۔ بلکہ
سمند ناز پہ یہ اور تازیانہ ہوا۔ کہ اس ماہ برج یعقوب علیہ السلام کے روئے رنگین پر
طمانچہ مارا۔ اور بجائے کھلانے پلانے کے آپ کو بھوکا پیاسا پیر پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا۔

جب اس پتلۂ حسن کی حالت قریب بہلاکت پہنچی۔ تو یہودا سے نہ رہا گیا۔ وہ بولا کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ طے پاچکا تھا۔ کہ جان سے ہلاک نہ کریں گے۔ تم نے عہد شکنی کی۔ ہٹو۔

یہ کہہ کر اُس خورشید کنعان کو جو غروب ہو رہا تھا اپنی گود میں لے لیا۔ تو سب کے دھواں دار غصہ پر اوس پڑی اور سب نے جمع ہو کر ایک کنواں تلاش کیا جو کنعان سے تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ بعض روایات میں ہے۔ کہ حوالی بیت المقدس میں تھا۔ بعض کا قول ہے کہ زمین اردن میں تھا۔ ستّر گز گہرا۔ منہ تنگ اندر سے فراخ۔ آپ کو وہاں لائے۔ یوسف علیہ السلام کو کچھ ہوش تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ کنوئیں میں ڈالتے ہیں۔ تو آپ ہر ایک بھائی کے آگے ہاتھ جوڑتے اور عرض کرتے کہ مجھے کنوئیں میں نہ ڈالو۔ مگر انھوں نے رسّی سے ہاتھ پیر باندھ کر کنوئیں میں چھوڑا ۔

نہ اورامونسے سے نے غمگسارے   نہ غم خوارے نہ دلدارے نہ یارے

آپ کے قمیص مبارک کا دامن کنوئیں کے ایک پتھر سے اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ بعد میں اُنھوں نے اُسے لے لیا۔ اور جب نصف حصہ چاہ میں آپ پہنچے تو رسّی کاٹنی چاہی کہ جناب الٰہی کی طرف سے جبریل کو حکم ہوا اَدْرِكْ عَبْدِی جبریل قبل اس کے کہ ہمارا بندہ کنوئیں کی ضرب سے جان دے اسے سنبھالو۔ روح الامین حاضر آئے اور آپ کو گرتے گرتے سنبھالا اور کنوئیں کی کوٹھی پر بٹھا دیا۔ اور طعام و شراب بہشت آپ کو پیش کیا اور بذریعہ وحی بشارت ہوئی کہ یوسف گھبرانا نہیں۔ بہت جلدی ہم تمھیں اس کنوئیں سے نکال کر مسند جاہ و حشم پر متمکن فرمائیں گے اور تمھارے ان بھائیوں کو حاجت مند کی شکل میں تمھارے سامنے پیش کریں گے۔ ایسی صورت میں وہ تمھیں نہ پہچانیں گے۔ اس وجہ سے

کہ تم مسند رفیعہ پر متمکن ہو گئے اور ان کا گمان یہ ہوگا کہ معاذ اللہ تم کہیں ہلاک ہو چکے یا کسی کے غلام ہو۔

صاحب روضۃ الشہداء لکھتے ہیں کہ فرزندان یعقوب علیہ السلام اس شب کنعان کو واپس نہ لوٹے اور یعقوب علیہ السلام تمام دن اسی مقام پر منتظر استقبال یوسف رہے اور شجرۃ الوداع کے سایہ میں بیٹھ کر جوں جوں شب ہوئی آپ اُچک اُچک کر دیکھتے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ آپ کی ایک بیٹی تھیں۔ وہ بھی وقت شام یعقوب علیہ السلام کے پاس آگئیں۔ آپ نے ہمشیرۂ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر فرمایا ؎

آمد نمازِ شام و نیامد نگار ما   اے دیدہ پاس دار کہ خوابم حرام شد

صاحبزادی کا نام دینا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ دینا تمھارے بھائیوں کو کیا ہو گیا کہ اب تک نہ آئے ؎

یارب چہ شد امروز کہ آں ماہ نیامد   جاں رفت زتن واں بتِ دلخواہ نیامد

دینا نے اوّل تسلّی تشفّی کی باتیں کیں۔ مگر جب وقت زیادہ گزر گیا اور روئے زیبا یوسف یاد آتا رہا آخرش یعقوب علیہ السلام معہ صاحبزادی کے شب بھر اسی جگہ رہے اور بار بار نیچے سے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے اور انتظار کرتے رہے اور جنابِ الٰہی میں خیریت یوسف کی دعا کرتے۔ ادھر برادران یوسف ایک مقام پر شب باش ہوئے کہ نوم عزیق آگئی۔ مگر یہودا کو نیند نہ آئی۔ یہ اٹھا اور کنوئیں پر جا کر پکارا اَخِی یُوْسُفُ اَحَیٌّ اَنْتَ اَمْ مَیِّتٌ اے بھائی یوسف تو زندہ ہے یا مر گیا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تو کون ہے جو مصیبت زدہ کا حال پوچھتا ہے۔ اس نے کہا تیرا بھائی یہودا ہوں۔ آپ رونے لگے اور بولے بھائی اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو پدر مشفق سے جدا تن برہنہ۔ لب تشنہ اور گرسنہ دل خستہ ہوں میرے رب کے سوا یہاں کوئی مونس ہے نہ یار نہ غمگسار میں نہ زندوں میں ہوں نہ قبرستان کے مردوں میں۔

یہودا نے یہ درد بھری آواز سن کر ایک چیخ ماری اور غریب و بے کسی یوسف پر بہت رویا۔ یہودا چونکہ بلند آواز تھا۔ اس کی آواز سے اس کے تمام بھائی بیدار ہو گئے اور دوڑتے ہوئے اس طرف آئے۔ دیکھا کہ یہودا بر سر چاہ گریہ کناں ہے۔ اُسے بہت کچھ ملامت کی۔ اب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں ہیں اور آپ کے بھائی واپس لوٹے۔ راستہ میں ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کے خون میں دامن قمیص رنگ کر وَجَآءُوٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ اور دوسرے دن صبح ہوتے ہی اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ابا جان! ہم بھاگتے کھیلتے دور نکل گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تھے تو اُسے بھیڑیا کھا گیا اور یقین کرتے ہیں کہ ہم کتنے ہی سچے ہوں۔ مگر آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔ اور اس کے کرتہ پر ایک جھوٹا خون لگا لائے قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بچو! تم جو کہتے ہو وہ ہوا ہوگا۔ مگر تمہاری من گھڑت بات تمہارے آگے ہیں۔ لیکن اب صبر ہی ہمارا کام ہے اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔ اس کی تصدیق و تکذیب میں جو تم کہہ رہے ہو۔

اس کے بعد یوسف علیہ السلام تین روز کامل اس کنوئیں میں رہے۔ چوتھے روز علی الصبح وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ایک قافلہ آیا۔ اُنہوں نے اپنا آدمی پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ یہ ڈول ڈالنے والے مالک ابن عمر خزاعی اہل مدین سے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام

کو بذریعہ وحی حکم ہوا کہ ڈول میں بیٹھ جائیے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں۔ کہ جب ڈول کھینچنا شروع ہوا تو در و دیوار چاہ، فراق یوسف علیہ السلام میں نالاں تھیں۔ انیس المریدین میں ہے کہ مالک ڈول کھینچتے وقت حیران تھے۔ کہ اتنا وزن ڈول میں کیوں ہے۔ آپ نے جھک کر دیکھا تو بجائے آب چاہ کے قمر کنعان یا خورشید یعقوب علیہ السلام جلوہ کناں نظر آیا۔ آپ پکارے یٰبُشْرٰی ھٰذَا غُلٰمٌ "مبارک ہو بجائے پانی کے لڑکا آرہا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بشریٰ آپ کے ہمراہی کا نام تھا۔ اُسے اعانت کے لیے بلایا اور فرمایا ھٰذَا غُلٰمٌ بہرکیف آپ کنوئیں سے باہر لائے گئے ؎

چو آں ماہ جہاں از چاہ برآمد	ز جانش بانگ یا بشرای برآمد
بشارت کز چنیں تاریک چاہے	برآمد پس جہاں افروز ماہے

اور یوسف علیہ السلام کو ایک تحفہ سمجھ کر اہل قافلہ سے پوشیدہ کر کے رکھ لیا اور خدا سب کچھ جانتا ہے جو کچھ وہ کر رہے تھے۔ اس قافلہ کی طرف برادرانِ یوسف آگئے۔ دیکھا کہ یوسف ان میں موجود ہے۔ کنوئیں سے نکال لیا گیا۔ زبان عبری میں آپ سے کہا جو کچھ ہم کہیں اس پر خاموش رہنا ورنہ ہم قتل کر دیں گے۔ آپ خاموش رہے اور برادرانِ یوسف علیہ السلام نے مالک بن عمر خزاعی سے کہا کہ یہ ہمارا غلام نافرمان ہے۔ کام میں دل نہیں لگاتا۔ ہم سے بھاگ آیا ہے۔ تم نے کیسے لیا؟ مالک نے کہا جو کچھ زرِ نقد تم چاہو مجھ سے لے لو۔ انہوں نے اس شرط سے فروخت روا رکھی کہ اُسے دوسرے ملک میں لے جانا۔ مالک نے اقرار کیا۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ۝

چنانچہ مالک بن عمر خزاعی نے بہت کم قیمت میں یوسف کو خرید لیا۔ ثمن بخس عربی میں اس رقم کو کہا جاتا ہے جو چالیس کی تعداد سے کم ہو۔ مالک نے اپنے پاس

درہم گنے تو ستر درہم نکلے یا بیس - بہرکیف برادران یوسف علیہ السلام نے دو دو درہم تقسیم کر لئے -

صاحب وسیط تحریر فرماتے ہیں کہ یہودا نے ان درہموں سے کچھ نہ لیا -
بالآخر مالک نے یوسف کو خرید لیا اور برادران یوسف کو یوسف کی فروختگی کا کچھ خیال نہ تھا۔ مالک یوسف کو مصر لائے - یہ زمانہ مصر میں سلطنت ریان بن ولید عمالقی کا تھا اور اس سلطنت کا مدار المہام قطفیر یا اطفیر مصری تھا۔ جس کو عزیز مصر کے نام سے مشہور کیا جاتا تھا۔ جب شہرت کاروان بدیں مصر میں ہوئی تو گماشتگان عزیز نے عزیز سے حسن و جمال یوسف کا تذکرہ کیا۔ اس کی بیوی جس کا نام راعیل تھا۔ اور مشہور لقب زلیخا۔ صاحب عین المعانی اس نام کا علیہ لکھتے ہیں۔ زلیخا بفتح زاد فتح لام اور صاحب دار السنتہ بفتح زاد کسر لام بتاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جب عزیز مصر نے خبر غلام حسین و جمیل سنی مالک بن عمر خزاعی کو حکم بھیجا کہ لے نخاس میں لائے دوسرے روز مالک یوسف کو آراستہ کر کے نخاس میں لائے۔
تمام بازار مصر میں جلوۂ حسن و جمال کی شہرت مشتہر ہو گئی ؎

آراستہ آں یار بہ بازار بر آمد
فریاد و فغاں از در و دیوار بر آمد

خریداروں کا ہجوم - ہر کس و ناکس قیمت یوسف میں یہی کہہ رہا تھا کہ ع

"نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز"

نوبت بایں جا رسید کہ خود عزیز مصر آپ کی خریداری کے لیے آگے بڑھا۔ پھر کیا تھا ؎

خریداران دیگر لب بہ بستند — پس زانوئے خاموشی نشستند

عزیز نے قیمت یوسف ادا کی اور ہمراہ لے کر گھر آیا وَقَالَ الَّذِی

اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖ اَکْرِمِیْ مَثْوَاهُ عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا انہیں عزت سے رکھو۔ شاید ان سے ہمیں نفع پہنچے یا انہیں ہم بیٹا بنالیں وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ اور اسی طرح یوسف کی محبت اُن کے دل میں ڈال کر یوسف کے قدم اس زمین پر مضبوط کر دیئے اور یوسف کو علم تعبیر عطا فرمایا وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا حتیٰ کہ یوسف کی عمر مبارک اٹھارہ یا بیس سال اور بقول بعض تیس چالیس سال کی ہو گئی تو انہیں خدا نے علوم نبوۃ و حکمت سے مشرف فرمادیا اور یہاں یعقوب علیہ السلام کی فراق لخت جگر میں یہ حالت ہے۔ کہ آپ ہر وقت گریہ کناں رہتے اور بار بار یہ الفاظ زبان مبارک پر جاری رکھتے ہیں:۔

یَا بُنَیَّ یَا قُرَّۃَ عَیْنِیْ یَا ثَمَرَۃَ فُؤَادِیْ یَا فِلْذَۃَ کَبِدِیْ فِیْ اَیِّ بِئْرٍ طَرَحُوْکَ بِاَیِّ سَیْفٍ قَتَلُوْکَ فِیْ اَیِّ بَحْرٍ غَرَّقُوْکَ بِاَیِّ اَرْضٍ دَفَنُوْکَ۔ اے میرے بچے۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اے میوۂ دل پُر داغ۔ اے گوشۂ جگر خوں ناب تجھے کس کنوئیں میں ڈالا۔ تجھے کس تلوار سے قتل کیا۔ تجھے کس دریا میں ڈبویا۔ تجھے کس زمین میں دفنایا۔ رات دن صحرا نوردی فرماتے اور زار و قطار روتے۔

یہاں گریہ یعقوب علیہ السلام سے بعض ابناء وطن ماتم کا جواز نکالتے ہیں۔ حالانکہ ماتم سینہ کوبی ہے۔ اگر یہ قطرہائے اشک کا آنکھوں سے گرانا ہے دونوں میں اہل فہم پر فرق بیّن ہے۔

حتیٰ کہ روح الامین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کی زاری نے ملائکہ کو رلا دیا۔ مختصر یہ کہ آپ اس قدر روئے کہ چشم مبارک کی سیاہی ڈھل گئی

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ اور اس رنج میں آنکھیں سپید ہو گئیں ؎

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی   سپیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں میں

ابتلائے یوسف علیہ السلام

سنئے! کہ جب عزیز مصر نے انہیں زلیخا کے سپرد کر دیا۔ تو زلیخا قیدِ عشق میں مقید ہو گئی۔ اور ہر وقت پروانہ وار اس بقعۂ نور کی پرستاری کرتی۔ حتیٰ کہ یہ راز زنانِ مصر پر منکشف ہو گیا۔ سب جمع ہوئیں اور زلیخا کو ملامت کرنے لگیں مگر اس نے ملامت کی پرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ ایک روز آپ کو ایک ایسے مکان میں لے گئی جس کے سات دروازے تھے۔ ہر دروازہ مقفل کر دیا۔ اور وہاں اپنی خواہش ظاہر کی۔ وہاں ایک سمت ایک پردہ ڈال رکھا تھا آپ نے فرمایا یہ کیا ہے۔ زلیخا نے کہا کہ یہ میرا بت ہے۔ جسے میں پوجتی ہوں۔ آپ نے فرمایا پردہ کیوں ڈال رکھا ہے اس نے کہا مجھے شرم آتی ہے۔ کہ اپنے معبود کے آگے ایسا کروں۔ آپ نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ خدا کی پناہ! میرا رب تیرے رب سے بہت زیادہ میرا نگران ہے۔ اور وہ بدکار ظالموں کو فلاح نہیں دیتا۔ کہ اچانک آپ کے آگے صورت یعقوب علیہ السلام متمثل ہوئی۔ آپ دیکھتے ہی ان کی طرف دوڑے زلیخا نے آپ کو پکڑنا چاہا۔ مگر یہ معجزہ ہوا کہ مقفل دروازے کھلتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ آخری دروازہ پر زلیخا نے آپ کی قمیص کا پچھلا دامن کھینچا۔ جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ اور دوڑے دونوں دروازہ کو کہ زلیخا نے آپ کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ لیا۔ آخری دروازہ پر عزیز کھڑا ملا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَی الْبَابِ

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ اور پایا دونوں نے عزیز کو نزدیک دروازہ کے تو زلیخا نے کہا کہ عزیز اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے۔ یہی کہ قید کیا جائے یا سخت تکلیف دیا جائے۔ عزیز نے خشمناک نظر حضرت یوسف علیہ السلام پر ڈالی۔ آپ نے فرمایا میں بے قصور ہوں۔ تمہاری بیوی نے مجھے سات تالوں میں بند کر کے مجھ سے ارادہ بد کیا تھا۔ مگر اللہ نے محفوظ رکھا۔ اور اس سے مجتنبانہ بھاگا ہوں۔ عزیز نے کہا یہ تو تمہارا قول ہے۔ اس کی تصدیق بغیر شہادت کیسے ہو۔ آپ نے فرمایا وہاں ایک گہوارہ پر صرف چار ماہ کا بچہ سو رہا تھا وہ میرا گواہ ہے اور کوئی اس جگہ نہ تھا۔ عزیز نے کہا کہ چار ماہ کا بچہ کیا شہادت دے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا میرا خدا قادرِ مطلق اس سے بھی زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ عزیز نے کہا تم تمسخر بھی کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا اس بچے کو منگوالو۔ یہ بچہ زلیخا کی خالہ کا تھا۔ فوراً اس کو منگوایا اور عزیز نے اس بچہ سے کہا تو کیا کہتا ہے یوسف و زلیخا کے معاملے میں؟ تو قرآن کریم میں تذکرہ ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ٥ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ اس بچہ نے کہا اگر یوسف کا قمیص آگے سے دریدہ ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف جھوٹے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹی اور یوسف سچے ہیں فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ٥ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ٥ جب یوسف کا کرتہ دیکھا گیا تو پیچھے سے پھٹا تھا۔ عزیز نے غضبناک ہو کر کہا زلیخا یہ تمہاری مکاری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں کے مکر زبردست ہوتے ہیں ؎

حضرت یوسف نے کیا کیا گل کھلائے مصر میں
چاک دامانی سے ظاہر پاک دامانی ہوئی

اسے یوسف! خیر جانے دو جو ہوا سو ہوا۔ اب اس راز کو کسی پر افشاء نہ کرنا۔ اور اسے زلیخا۔ اب تو اپنے گناہ سے توبہ کر بے شک تو خطادار ہے۔

صاحب لطائف سبعین لکھتے ہیں کہ اس بچہ نے صاف لفظوں میں شہادت دی تھی کہ یوسف بری ہیں اور تمام عیاری زلیخا کی ہے۔ علامہ حسین الدین واعظ کاشفی اپنی تفسیر حسینی میں فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ عزیز نے اطمینان دلا کر قصہ رفع دفع کر دیا تھا۔ مگر سخن عشق و محبت کا کتمان ناممکن ہے۔ شدہ شدہ یہ خبر افواہ عوام تک پہنچ گئی اور جابجا چرچے ہونے لگے۔ خواتین محل نے زلیخا کا استہزاء شروع کر دیا۔ مگر فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ جب زلیخا نے ان کی باتیں سن لیں تو انہیں دعوت میں طلب کیا اور مکان آراستہ کر کے بٹھایا اور ہر ایک کو چھری دے دی کہ گوشت وغیرہ کاٹ کر کھائیں اور یوسف علیہ السلام کو لباس فاخرہ سے آراستہ کر کے کہا بھیجا ان عورتوں کے سامنے۔ آپ نے انکار فرمایا مگر مجبوراً آنا پڑا۔ ؎

زخلوت خانہ آں گنج نہفتہ
بروں آمد چوں گلزار شگفتہ

فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۔ جب ان عورتوں کی نظر آپ پڑی تو محو حیرت ہو گئیں۔ اور سب نے بجائے لیموں یا کوئی اور شے کاٹنے کے اپنے ہاتھ تراش لئے اور کہا خدا کی قسم یہ انسان نہیں بلکہ کوئی برگزیدہ فرشتہ ہے۔ صاحب تفسیر کشاف لکھتے ہیں کہ ملامت کنندہ

پانچ عورتیں تھیں جو بادشاہ ریان بن ولید عمالقی کے خاص ملازمین کی بیویاں تھیں اور خود بھی اس کی ملازم تھیں۔ ایک حاجب تھیں۔ دوسری خواص ملک ریان۔ تیسری ساقی تھیں۔ چوتھی خبازیعنی روٹی بنانے والی۔ ایک کھانا چننے والی۔ مگر زلیخا نے صرف ان پانچ کو ہی نہ بلایا بلکہ چالیس عورتیں بلائیں۔ ان میں یہ بھی تھیں۔

القصہ جب تمام عورتیں ازخود رفتگی سے آپے میں آئیں تو زلیخا کو سب نے داد دی کہ بیشک تم بڑی ہمت والی ہو کہ ہر وقت جمال یوسف کا مشاہدہ کرتے ہوئے ہوش میں ہو۔ ہمیں تو ایک ہی جلوہ نے بے ہوش کر دیا اور آئندہ زبانِ طعن بند کرلی۔ صاحبِ وسیط اپنے استاد سے اور وہ حضرت جابر انصاری سے راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس روح الامین آئے اور سلام الٰہی لائے اور عرض کی کہ ارشاد الٰہی ہے۔ اے حبیب حسن یوسف نور کرسی سے مستنیر ہے اور تمہارا حسن انوار عرش سے وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَحْسَنَ مِنْكَ میں نے مخلوقات میں آپ سے بہتر حسن پیدا ہی نہیں کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا مَلِيْحٌ وَّاَخِيْ يُوْسُفُ صَبِيْحٌ۔ میں حسن ملیح رکھتا ہوں اور بھائی یوسف صبیح تھے ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

بعدازاں قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ط زلیخا نے کہا کہ اُسی شخص کی وجہ میں تو تم مجھے ملامت کرتی تھیں وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ اب بیشک میں اسے پاک دامن نہ چھوڑونگی۔ یا تو جو میرا حکم ہے پورا کرے ورنہ جیلخانہ کراؤں گی یا انتہادرجہ ذلیل۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کے یہ جملے سُنے۔ اُدھر دیگر

زنانِ مصر بھی ایسی ہی درخواست کرنے لگیں تو مجبوراً آپ نے عرض کی قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَھُنَّ اَصْبُ اِلَیْھِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰھِلِیْنَ ۝ اے پروردگار! مجھے جیل خانہ پیارا ہے اس کام سے جس کی طرف مجھے زنانِ مصر بلاتی ہیں اور اگر تو مجھے محفوظ نہ رکھے گا تو میں ان کے مکر کا شکار ہو جاؤں گا فَاسْتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ فَصَرَفَ عَنْہُ کَیْدَھُنَّ۔ آخرش آپ کی دعا مستجاب ہوئی آپ ان کی عیاری سے محفوظ ہو گئے۔ چنانچہ جب زلیخا مایوس ہو گئی تو یہ تجویز کی کہ چند روز انہیں قید خانہ میں بھیجا جائے ممکن ہے تکالیف زندان سے قدر عافیت و راحت معلوم ہو اور میری خواہش منظور کر لے۔ یہ فیصلہ کر کے اپنے خاوند عزیز کے پاس آئی اور آکر کہا اس عبری غلام کی بدولت میں پوری بدنام ہو چکی ہوں۔ لہٰذا اگر میری خوشی تجھ کو منظور ہے تو چند روز اسے جیل میں داخل کر دے تاکہ عوام کا خیال بدل جائے اور تہمت غلام کی طرف منسوب ہو جائے۔ عزیز نے مجبوراً اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بجائے زیور نوری کے آہنی زیور ہتھکڑی۔ بیڑی پہنا دیں اور جیلخانہ بھیج دیا ؎

چوں آں دل زندہ در زنداں در آمد
بجسمے مردہ گوئے جاں در آمد
درآں محنت سرائے افتادہ جوشے
بر آمد زاں گرفتاراں خروشے

صاحب روضۃ الشہداء لکھتے ہیں۔ جب حضرت یوسف پا بجولاں بر سر راہ گزرے تو منادی پکارتا جاتا تھا ھٰذَا غُلَامٌ مِّنْ کَنْعَانَ وَالْعَزِیْزُ عَلَیْہِ غَضْبَانَ یہ غلام کنعانی ہے اور عزیز مصر اس پر ناراض ہیں تو آپ بار بار جواب و راحت مَلْاَخِیْرٌ مِّنْ غَضَبِ الرَّحْمٰنِ وَمَعْصِیَۃِ الدَّیَّانِ وَدُخُوْلِ

الْنِّيْرَانِ وَسَرَابِيْلِ الْقَطْرَانِ - "یہ جولان و زندان میرے لیے غضب الٰہی سے بہتر ہے۔ خدا کی نافرمانی سے افضل ہے۔ جہنم کی دخول سے دنیاوی جیل خانہ اچھا ہے۔ لباس قطرانی سے پوشاک زندانی افضل ہے۔" آپ کے یہ تمام جملے اس نداکنندہ نے زلیخا کو جا سنائے۔ اس کی آتش غضب اور مشتعل ہوئی۔ اٹھی اور امیر زندان کے پاس گئی اور تاکید کی کہ اس مقام کو تیرہ و تار عام میں مقید کیا جائے اور آب و دانہ بند کیا جائے۔ امیرِ زندان نے تعمیل حکم کی۔ حضرت یوسف سات سال کامل جیل خانہ میں شب و روز گریاں رہے۔ حتیٰ کہ تمام قیدی ان کی گریہ وزاری سے تنگ آ گئے۔ زلیخا نے جب یہ سنا حکم دیا کہ شارع عام کی طرف ایک دریچہ بنا کر اس میں یوسف کو رکھا جائے تا کہ آئندہ روندگان کی مشغولی سے اس کا رونا بند ہو اور قیدی اس مصیبت سے نجات پائیں۔

ایک روز اسی دریچہ میں یوسف رو رہے تھے کہ ایک شخص اعرابی شتر سوار راستہ بھول کر ادھر آنکلا۔ یہاں اُونٹ نے سرکشی کی اور جیل کی طرف جانے لگا۔ اعرابی ہر چند اس کی مہار کھینچتا رہا مگر وہ جیل کی طرف اُسے لے جا رہا تھا۔ مجبوراً اُتر پڑا۔ اُونٹ نے مہار ہاتھ سے چھڑائی اور چلا۔ یہاں تک کہ اس دریچہ کے پاس آگیا۔ جہاں یوسف گریاں و حیران تشریف ارزاں تھے اور اُونٹ نے بزبان فصیح حضرت یوسف سے عرض کی۔ اے سمن چمن خوبی۔ اے گلبن گلشن محبوبی میں کنعان سے مصر میں آیا تھا اور اب مصر سے کنعان میں جا رہا ہوں۔ اس ضعیف مصیبت زدہ دردِ ہجراں کشیدہ یعقوب کو کوئی پیغام دینا چاہتے ہو؟ اس الم رسیدہ یعقوب کو کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو۔

یوسف نے جیسے نام کنعان سُنا ایک چیخ ماری اور زار زار رونے لگے۔

باز بادِ صبح بوئے گلستاں می آورد
عندلیبان نفس رادر فغاں می آورد

حتیٰ کہ وہ اعرابی بھی اس کے پیچھے پہنچا اور چاہتا تھا کہ اس اُونٹ کو زدوکوب کرے کہ اعرابی کو زمین نے پکڑ لیا اور پنڈلیاں دھنس گئیں۔ یوسف نے فرمایا یَا اَخَا الْعَرَبِ مِنْ اَیْنَ تَجِیْئُ اے بھائی تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے عرض کی مِنْ کِنْعَانَ۔ کنعان سے۔ آپ نے فرمایا تیرا اُونٹ کس چراگاہ میں رہتا ہے؟ عرض کی آل یعقوب کے کھیتوں میں۔ آپ نے فرمایا کنعان میں تو اس درخت سے واقف ہے جس کی بارہ شاخیں تھیں۔ اب ایک شاخ اس سے کاٹ دی گئی ہے اور اس درخت کا اہل اس شاخ کے غم فراق میں گریاں و حیراں ہے۔

اعرابی نے کہا

یہ جو تم کہہ رہے ہو یہ تو صورت یعقوب پیغمبر خدا کی سی ہے کہ بارہ بیٹے رکھتے تھے۔ ایک بیٹا ان کا غائب کیا گیا ہے اور یعقوب علیہ السلام رنج جدائی میں شب و روز روتے ہیں۔ ہر سر راہ جو گزرتا ہے۔ اس سے اپنے گم شدہ یوسف کو پوچھتے ہیں۔ اور جب پتہ نہیں ملتا تو فرماتے ہیں ؎

زیارِ گم شدہ خود نشاں نمی یابم
دلم بہ شد زکف و دلستاں نمی یابم

آپ نے یہ جواب سُن کر بے تابانہ اُس سے دریافت کیا کہ اب تو کہاں جائے گا۔ اس نے عرض کیا۔ کسی گاؤں میں جاؤں گا کہ سامان جو خریدا ہے۔ فروخت کروں۔ پھر کنعان کو روانہ ہونگا۔ آپ نے فرمایا۔ اس سامان سے

کس قدر روپیہ تجھے ملنے کی امید ہے۔ اس نے عرض کی سو درم۔ آپ نے فرمایا
میں ایک یاقوت اور بیس ہزار دینار دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اسی مقام سے
واپس کنعان چلا جائے اور اس مکین بیت الاحزان سے جا کر کہے کہ میں قاصد
ایک مہجور و قیدی کا ہوں۔ پیام یہ ہے کہ آپ کے درد کی حد حدّ سے گزر چکی۔
سوز و گداز فرقت غایت سے عبور کر چکا۔ ہاتھ اٹھائیں اور جناب بے نیاز میں
دعا فرمائیں۔ چونکہ اس مظلوم نے اب تک آپ کو فراموش نہیں کیا ہے لہٰذا آپ
بھی اسے نہ بھلائیں:-

اعرابی نے کہا

آپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا۔ مجھے نام بتانے کی اجازت نہیں تو
میرا حلیہ قلمِ نظر سے قرطاس حس مشترک پر لکھ لے۔ اور صفحۂ خیال پر میرا نقش و
نگار رُخ کھینچ لے کہ اس مصیبت زدہ ہجراں رسیدہ کو دکھا سکے۔ پھر اس
طرح سلسلۂ کلام کا آغاز کرنا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا الْمَغْمُوْمُ مِنَ الْغَمِّ یب
الْمَھْمُوْمِ۔ یعقوب! ایک مصیبت زدہ مظلوم دور افتادہ فیض صحبت سے
محروم گریہ وزاری سے عرض پیرا ہے کہ میرے حق میں دعا خلاصی فرمائیے کہ

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

اعرابی نے عرض کی کہ میں یاقوت آپ سے کیسے لینے آؤں کہ مجھے
زمین نے پکڑ رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا اونٹ کو مارنے سزا دینے کا
خیال اپنے دل سے نکال۔ زمین تجھے چھوڑ دے گی۔ اعرابی نے
کہا میں نے اونٹ کو سزا دینے کا خیال چھوڑ دیا۔ اعرابی کو زمین نے رہا

کیا۔ وہ یوسف کی خدمت میں پہنچا اور حسن و جمال یوسف کی خاص شان ذہن نشین کی یاقوت آپ کے دست اقدس سے لے کر راہ کنعان لی۔ اور حضرت یوسف حسرت بھری نگاہ اس مسافر کنعان پر ڈالتے ڈالتے پکارے یَا لَیْتَ رَاحِیْلُ لَمْ تَلِدْنِیْ اے کاش! کہ میری ماں راحیل مجھے نہ جنتی۔ اعرابی مقام کنعان پہنچا۔ کچھ شب گزر جانے پر خدمت یعقوب میں حاضر آیا اور عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللہِ حضرت یعقوب نے اس آواز میں ایسی راحت پائی کہ اچھل پڑے اور گھر سے باہر تشریف لا کر فرماتے لگے وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا عَبْدِیْ مِنْ اَیْنَ تَجِیْئُ۔ کہاں سے آیا ہے۔ عرض کی میں ایک پیام لایا ہوں ؎

مرحبا قاصد فرخ پئے فرخندہ پیام خیر مقدم چہ خبر یار کجا راہ کدام

آپ نے فرمایا کس کا پیام لایا ہے۔ اور کس کا قاصد بن کر آیا ہے۔ اس نے کہا میں قاصد غریباں ہوں۔ پیامبر مہجوراں ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تو قاصد غریباں ہے تو میں بیمار فراق غریباں ہوں اور اگر تو پیامبر مہجوراں ہے تو میں بھی سوختہ آتش ہجراں ہوں۔

اگر تو فرستادۂ زنداں ہے تو میں بھی ساکن بیت الاحزاں ہوں۔

مگر اے قاصد تو کچھ ایسا پیام لایا ہے۔ جس سے میرے دل کو سکون ہوتا ہے۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کی اے نبی اللہ جو میرا مقصود تھا۔ وہ اس سے مجھے مل چکا۔ جس کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں۔ اب آپ سے صرف دعا کا طالب ہوں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ الٰہی ہمدرد مصیبت پہ سکرات موت آسان فرمانا۔ وہ اونٹ بزبان فصیح عرض پیرا ہوا۔ کہ حضور اس جیل خانہ تک اس اعرابی کو پہنچانے کا سبب میں بنا تھا لہٰذا دعا کا حقدار تو میں ہوں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ کہ الٰہی

اس اونٹ کو بروزِ قیامت ناقۂ بہشت میں اُٹھاتا اعرابی نے عرض کی حضور اس مقید و محبوس کیلئے بھی ہو جائے آپ دعا کی
اَللّٰھُمَّ اَطْلِقْہُ عَنْہُ وَصِلْہُ بِاَرْحَامِہٖ الٰہی اسے بندِ غم سے آزاد
فرما کر اس کے اعزّا و اقربا سے ملا دے۔ چنانچہ یہی دعا سببِ خلاصی یوسف
علیہ السلام یوں بنی کہ وَدَخَلَ مَعَہُ السِّجْنَ فَتَیَانِ۔ حضرت یوسف کے
ہمراہ دو شخص ملازمین ملک ریان بن ولید عمالقی بھی جیل میں آئے۔ ایک بوتا
نامی ساقی ریان ولید عمالقی تھا۔ دوسرا مجلب طبّاخ تھا۔

ریان ولید کو یہ شبہ پیدا کرایا گیا۔ کہ یہ دونوں تجھے زہر دینا چاہتے ہیں۔
اس شبہ میں ان دونوں کو جیل خانہ بھیج دیا گیا۔ یہاں آنے پر انہیں معلوم ہوا
کہ یوسف فنِ تعبیر میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اور جو تعبیر بتاتے ہیں اس کا
ظہور بہت جلدی ہوتا ہے۔ امتحاناً طبّاخ نے ایک نادیدہ فرضی خواب بیان
کیا اور ساقی نے دیکھا ہوا خواب اس طرح کہا قَالَ اَحَدُھُمَا اِنِّیْ اَرٰىنِیْ
اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْ اَرٰىنِیْ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ
الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ساقی نے کہا
میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک بیل انگور کی باغ میں ہے۔ اور اس میں خوشۂ
انگور کے لگے ہیں اور میرے ہاتھ میں کاسۂ ملک ریان ہے۔ میں اس میں اُس
خوشہ کا عصارہ نچوڑ رہا ہوں۔

طبّاخ نے کہا کہ میں بادشاہ کے مطبخ سے روٹیاں اپنے سر پر لے کر چلا
ہوں تو پرند اس میں سے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس کی تعبیر دیجئے۔ ہم آپ
کو نیک بخت و نیک شعار دیکھتے ہیں۔

اِن دونوں خوابوں کو سُن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اوّل تو کچھ
نصیحتیں فرمائی۔ اور اشراک باللہ سے انہیں منع کرتے ہوئے تعلیم توحید فرمائی۔

ازاں بعد فرمایا يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۔ اے یاران خانۂ قید ایک تمہارا جو ساقی ہے۔ وہ تو تین روز کے اندر اپنے مالک کے پاس جاکر شراب پلائے گا۔ اور دوسرا طباخ جھوٹا خواب۔ بیان کرتے والا ایک مدت جیل میں رہ کر سولی دیا جائے گا۔ اور اس کے گوشت پر پرند کھائیں گے۔ جناب الٰہی کا اسی طرح حکم ہو چکا ہے اور ساقی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ جب تو اپنے بادشاہ ریان کے پاس پہنچے تو ہماری بے گناہی کا بھی تذکرہ کیجو۔ تاکہ خدا ہمیں بھی اس بلا سے نجات دے۔ علامہ حسین الدین واعظ کاشفی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اب دونوں میں باہمی گفتگو ہوئی۔ کہ ہم نے تو خواب غلط بیان کیا تھا۔ لہذا یہ تعبیر بھی غلط ہے۔ مگر تین روز بھی نہ گزرے تھے کہ بادشاہ نے اس طباخ کے لیے حکم دیا۔ کہ اس پر جرم ثابت ہو چکا ہے۔ لہذا اسے سولی پر چڑھا دیا جائے۔ اور اس کی آنکھیں جانوروں کو کھلا دی جائیں اور ساقی چونکہ نہایت امانت دار ثابت ہوا لہذا اسے بھی بلایا جائے اور منصب سابق پر مامور کیا جائے۔

یہ فرحان وشادان زندان سے رخصت ہوتے وقت حضرت یوسف علیہ السلام سے عقیدت کیشی ظاہر کرتا ہوا وعدہ کرکے گیا۔ کہ ملک ریان بن ولید عمالقی سے آپ کا ذکر ضرور کروں گا۔ مگر یہاں آکر عیش وطرب میں ایسا منہمک ہوا کہ سب بھول گیا۔ غرضیکہ یوسف علیہ السلام چند سال جیل خانہ میں رہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ یعنی یوسف چند سال اُس جیل خانہ میں ٹھہرے۔ لفظ بضع میں ابہام ہے اور یہ کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ نو پر دلالت کرتا ہے۔ اور روایت بھی یہی خبر دیتی ہے۔ کہ اس واقعہ کے بعد یوسف علیہ السلام سات سال جیل میں رہے۔ اور تمام مدت

قیام جیل خانہ کی صاحب تفسیر حسینی بارہ سال لکھتے ہیں۔ صاحب معالم حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔ کہ روح الامین بحکم رب العالمین یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ نے جبریل کو پہچان لیا اور فرمایا یا اخا المرسلین اے نبیوں کے بھائی کیا بات ہے کہ میں تم کو گنہگاروں کے مقام میں دیکھتا ہوں۔ جبریل نے عرض کی یا طاہر الطاہرین عزت رب جلت وعظمت آپ کو سلام پہنچاتا ہے اور فرماتا ہے کہ یوسف تمھیں اس وقت شرم نہ آئی کہ جب تم نے ایک آدمی کو اپنی خلاصی کا سبب بنایا۔ اب قسم ہے مجھے عزت وجلال کی کہ اس استشفاع لغیر اللہ میں تم کو چند سال اور جیل خانہ میں رکھوں گا۔ یوسف نے کہا مگر وہ مجھ سے راضی ہوا یا نہیں۔ جبریل نے کہا بے شک آپ سے راضی ہے۔ آپ نے فرمایا اذا لاابالی۔ اب مجھے پرواہ نہیں چاہے تمام عمر جیل میں گزر جائے۔

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی مثنوی میں تمثیل دیتے ہوئے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے ؎

پس جزائے آنکہ دید او را معین
ماند یوسف حبس و البضع السنین
گرچہ تقصیر آمد از بحر سحاب
تا تو یاری خواہی از یک و سراب

آخرش مدت بضع گزر جانے پر ملک ریان بن ولید عمالقی ایک خواب دیکھتا ہے۔ جو سبب خلاصی یوسف علیہ السلام بنتا ہے۔ وہ خواب اس طرح ہے کہ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ؕ بادشاہ نے

اپنے اراکین دولت سے کہا کہ میں سات گائیں موٹی دیکھتا ہوں کہ نہر یا بس سے باہر آئی ہیں ان کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ حتیٰ کہ تمام موٹی گائیں ان ساتوں دبلی گایوں کے پیٹ میں چلی گئیں اور سات سبز خوشے ہیں ان پر سات خشک بالیں لپٹی ہوئی ہیں۔ اور وہ سب زمین میں مل گئی ہیں۔ مجھے اس خواب کی تعبیر دو۔ شاید تم میں کوئی تعبیر جانتا ہو۔ سب نے جواب دیا کہ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝ ساقی نے جو جیل سے یوسف علیہ السلام کی تعبیر کے مطابق آزاد ہو کر آیا تھا پرانا قصہ یاد کیا۔ اور ریان سے کہا۔ میں اس خواب کی تعبیر ابھی دوں گا۔ آپ فکر نہ فرمائیں۔ میرے ساتھ کسی کو جیل خانہ بھیجئے۔ وہاں ایک شخص علم تعبیر کا ماہر کامل ہے۔ ریان بن ولید نے ساقی سے کہا جلدی جا اور تعبیر لا۔ ساقی گھوڑے پر سوار ہو کر جیل خانہ آیا اور یوسف علیہ السلام کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا اے یوسف آپ سچے تعبیر دینے والے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر بیان کر دیتا کہ آپ کی شرف و عظمت سے اربابِ حکومت و ملک ریان واقف ہوں۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ سات سال کھیتی کرو گے۔ پھر جو کچھ اس سے پیدا ہو گا اس کو سات سال زراعت میں محفوظ کرو گے۔ پھر جو کچھ تم کھالو گے اس کا بچا ہوا سات سال کے قحط میں خرچ کر دو گے۔ پھر ایک سال ایسا آئے گا۔ کہ تمام قحط فرو ہو کر اس قدر انگور۔ تل۔ زیتون ہو گا کہ خوب ارزانی ہو جائے گی۔

یہ تعبیر سُن کر ساقی واپس

ریان کے پاس پہنچا اور حرف بحرف اسے تمام جملے سنائے۔ بادشاہ کو یہ تعبیر پسند آئی وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ اور کہا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں ان کی زبان سے تعبیر سنوں فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ جب فرستادہ آپ کے لینے کو حاضر آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ جاؤ اپنے بادشاہ سے پوچھو کہ ان عورتوں کے کیا حال ہیں جنھوں نے زلیخا کے جلسہ میں اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے بے شک میرا پروردگار ان کی مکاری کو جانتا ہے۔

یہ پیام حضرت یوسف نے اس غرض سے کہلا بھیجا کہ جلسۂ عام میں ریان کے اراکین دولت کہیں پھر کچھ تہمت لگائیں تو قبل اس کے معاملہ صاف ہو جائے۔ چنانچہ ریان نے ان تمام عورتوں کو جمع کر کے قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ط ریان نے دریافت کیا کہ تم نے جب یوسف کو اپنی طرف بلایا تھا۔ تو تم نے اُسے کیسا پایا۔ سب نے کہا خدا کی قسم ہم نے یوسف میں کوئی بدنیتی نہ دیکھی۔ جب زلیخا نے کہا کہ اب صاف صاف سب نے کہہ دیا تو مجبوراً اُس قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ۔ اُس نے بھی کہہ دیا کہ اب صاف صاف اظہار حق و باطل کا موقعہ ہے۔ بے شک میں نے یوسف کو اپنی طرف بلایا تھا۔ اور وہ اپنی برأت کے دعوے میں بالکل سچا تھا۔ شعر

بجرم خویش کرد اقرار مطلق
بر آمد زو صدائے حصحص الحق
بگفتا نیست یوسف را گناہے
منم در عشق او گم کردہ راہے
نخست اورا بوصل خویش خواندم
چو کام من نہ داد از پیش راندم

ریان بن ولید عمالقی نے آپ کو کہلا بھیجا کہ تمام زنان مصر اپنے قصور اور آپ کی بے گناہی کی معترف ہیں۔ تشریف لایئے۔ تاکہ آپ کے سامنے ان کو سزا دوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں کہلا دیا کہ میری غرض ان کو سزا دلانا نہیں تھی۔ بلکہ محض یہ تھی۔ کہ عزیز پر یہ بات روشن ہو جائے کہ میں خائن نہیں۔ اور اس کے پس غیبت میں نے اس کے حرم کی حرمت و عفت کی نگہداشت کی۔

اور یہ امر ظاہر کرنا مقصود تھا کہ خدا ترس کا خدا ہمیشہ محافظ رہتا ہے۔ اس پر اس کا نفس کبھی غالب نہیں آتا وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اگرچہ میں اپنے آپ کو بری از گناہ نہیں بتاتا۔ بلکہ نفس بڑے کاموں کی طرف ضرور رجوع کراتا ہے اور گناہ کی طرف لے جاتا ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ مگر جس پر خدا رحم فرمائے اور بے شک وہ رحم کرنے والا مہربان ہے۔

ریان بن ولید عمالقی نے کہا جاؤ اب انہیں لے آؤ۔ تاکہ میں انہیں وزیر سلطنت بناؤں۔ صاحب تعبیر فرماتے ہیں۔ کہ ستر نقیب اور ستر گھوڑے آراستہ مع تاج مکلل اور لباس فاخرہ ملوکانہ آپ کی خدمت میں بھیجے۔

غرضیکہ تعظیم و تکریم سے حضرت یوسف کو لایا گیا۔ روایت ہے کہ قیدیوں نے آپ کی جدائی میں چیخنا پکارنا شروع کیا۔ حضرت یوسفؑ نے ان کی دلجوئی فرمائی۔ اور یہ دعا دی اَللّٰھُمَّ اعْطِفْ عَلَیْھِمْ قُلُوْبَ الْاَخْیَارِ وَقِصَّۃُ عَلَیْھِمُ النَّارَ۔ یہاں سے روانہ ہو کر جب آپ قصرِ شاہی کے قریب پہنچے۔ بادشاہ اطلاع پاتے ہی آپ کے استقبال کے لیے باہر آ گیا۔ شعر

زقرب مقدمش چوں شہ خبر یافت
باستقبال او چوں بخت بشتافت
کشیدش در کنارِ خویشتن تنگ
چو سروِ گلرخ شمشاد گل رنگ
بہ پہلوئے خودش بر تخت بنشاند
بہر سُنہائے خوش بادے سخن راند

فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ ۵ غرضیکہ جب تعبیر رویا کے متعلق گفتگو ہو چکی۔ تو ریان نے عرض کیا کہ اب آپ آج سے میرے پاس جاہ و جلال کے ساتھ رہیں اور جو حکومت مرغوب ہو اس پر قبضہ فرمائیں قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۵ حضرت یوسف نے فرمایا۔ مجھے خزائن زمین مصر کا حاکم بنا دے۔ میں ان کا خاص طور پر محافظ اور امین رہوں گا کہ میں حساب وغیرہ میں زبردست علم رکھتا ہوں۔ جسے موجودہ اصطلاح میں وزیر خزانہ کہتے ہیں۔

صاحب تفسیر حسینی ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہتر زبانیں جانتے تھے۔ اور دیگر تفسیر معتبرہ میں ہے کہ ملک ریان نے ایک تخت زرِ سرخ کا مرصع جواہرات سے آپ کے لیے بنوایا۔

اور تاج مکلل آپ کے سر پر رکھا اور تمام خزائن کی کنجیاں آپ کے سپرد کیں۔ اور زمام سلطنت آپ کے قبضہ میں دے کر عزیز کو معزول کر دیا۔ اس کا عہدہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو دے دیا۔ تھوڑے دن تو عزیز رشک و حسد میں رہا۔ آخرش ریان نے اصرار کر کے زلیخا کا عقد یوسف علیہ السلام سے کرا دیا۔ آپ کے زلیخا سے دو فرزند ہوئے۔ ایک کا نام نیشا رکھا گیا دوسرے کا نام افرائیم۔ المختصر بموجب تعبیر یوسف علیہ السلام سات سال کا غلہ ہوا پھر خرچ ہوا۔ پھر قحط آیا تو اس قدر آیا کہ پہلے سال میں رعایائے مصر نے جو کچھ نقدی تھی۔ اس سے شکم پُری کی۔ دوسرے سال زیورات کی نوبت آئی۔ تیسرے سال غلام و کنیز فروخت کئے۔ چوتھے سال جانور بھیڑ۔ بکری۔ گائے۔ بھینس بیچ کے گزر کی۔ پانچویں سال زمینیں فروخت کر ڈالیں۔ چھٹے سال اپنے بچوں کو بیچ ڈالا۔ ساتویں سال تو خود خط غلامی لکھنے کی نوبت آئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام

نے یہ تمام قصہ بادشاہ سے کہا اور اجازت امداد رعایا چاہی۔ اُس نے کہا کہ امور سلطنت میں آپ کو کلّی اختیارات ہیں۔ جو چاہو سو کرو۔ آپ نے جو کچھ اس زمانہ میں امرائے قوم سے لیا تھا وہ سب رعایا کو واپس دے دیا۔

روایت ہے کہ

اس قحط کا اثر کنعان تک پہنچا۔ مجبوراً حضرت یعقوب علیہ السلام سے

ابنائے یعقوب نے اجازتِ سفرِ مصر لی۔ اور کہا کہ وہاں غریب، فقیر، اسیر، مساکین جا رہے ہیں اور دامنِ مراد نیل مرام سے پُر کر کے لا رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو اپنی خدمت کے لیے روک لیا۔ دس بھائی مصر کو روانہ ہوئے۔ ہر ایک ایک اُونٹ پر سوار ہوا۔ اور ایک اونٹ بنیامین کا خالی ہمراہ لائے۔ یہاں آ کر ملازمت کی درخواست کی۔ یوسف علیہ السلام نے سامنے بلایا تو پہچانا کہ یہ وہی بھائی ہیں جنہوں نے مجھے کنوئیں میں ڈالا تھا اور پھر مالک کے ہاتھ بیچا تھا۔ مگر انہوں نے حضرت یوسف کو یوسف نہ جانا۔ اس لئے کہ چالیس سال کا تفاصل ہو چکا تھا۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم لوگ جاسوس معلوم ہوتے ہو۔ سب نے کہا۔ جہاں پناہ ہم تو آلِ یعقوب ہیں۔ جو خدا کے نبی ہیں۔ ہم کو جاسوسی سے کیا غرض۔ آپ نے فرمایا یعقوب کے کتنے لڑکے تھے۔ انہوں نے کہا بارہ لڑکے تھے۔ ایک صغر سنی میں بھیڑیا کھا گیا۔ ایک کو یعقوب کی خدمت کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا تمہارا گواہ کوئی مصر میں ہو تو پیش کرو۔ انہوں نے عرض کی۔ مصر میں ہمارا کوئی شناسا نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تم میں سے ایک یہاں رہے۔ باقی سب جا کر اپنے گیارہویں بھائی کو ہمراہ لے کر آؤ۔ تا کہ تمہاری تصدیق ہو سکے۔ ٹھہرانے کے متعلق قرعہ ڈالا گیا اور یہ طے پایا کہ جس کے نام قرعہ آئے وہ یہاں ٹھہرے۔ آخر شمعون کے نام کا قرعہ آیا۔ وہ ٹھہر گیا اور دسوں اُونٹ گیہوں سے پُر کر دیئے گئے اور شمعون کو ان کی مخالفت پر روک دیا۔ سب نے کہا کہ گیارہواں اُونٹ بھی بھر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ آدمیوں کی شمار پر اُونٹ پُر کئے جاتے ہیں گیارھواں لے آؤ۔ گیارھواں اونٹ بھی بھر دیا جائے گا۔ اور اگر تم نہ لاؤ گے تو تمام اونٹ جو شمعون کی زیرِ حفاظت ہیں

تمہیں نہ ملیں گے۔ بلکہ تم ہماری سلطنت ہی میں نہ آنا۔ مجبوراً واپس کنعان آئے اور حضرت یعقوب سے تمام تذکرہ کرکے بنیامین کے لے جانے کی اجازت لی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بہت ردوقدح کے بعد قسم لے کر بنیامین کو ان کے ہمراہ کیا۔

تبیان میں ہے کہ اُن سے حبیب مکرم رحمت مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم لی گئی۔ اور بنیامین کو اُن کے ہمراہ بھیجا گیا۔

مختصر یہ کہ نو بھائی بنیامین کو لے کر جب دربار یوسف میں آئے۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو۔ عرض کیا ہم وہی کنعانی ہیں۔ اپنے گیارھویں بھائی کو لائے ہیں۔ آپ نے چند خوان طعام لانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا ایک خوان پر دو دو ایک ماں باپ والے بیٹھ جائیں۔ سب دو دو ہو کر بیٹھ گئے۔ مگر بنیامین تنہا رہ جانے سے زار زار رونے لگے۔ حتیٰ کہ بیہوش ہو گئے۔ گلاب پاشی کے بعد جب ہوش آیا تو سبب گریہ پوچھا۔ بنیامین نے عرض کی یہ میرے علاتی بھائی ہیں۔ حقیقی میرا ایک بھائی تھا وہ آج مجھے یاد آگیا۔ اگر وہ ہوتا تو میں تنہا نہ رہتا۔ آپ نے خوان اٹھوایا اور پس پردہ رکھا کر فرمایا۔ آؤ ہم تمہارے بھائی سہی۔ یہ کہہ کر علیحدہ بیٹھے۔ القصہ بنیامین پر جب یہ ظاہر ہو گیا کہ حقیقتاً میرے بھائی یوسف یہی عزیز مصر ہیں۔ تو فرط مسرت سے از خود رفتہ ہو کر کہنے لگے ؎

آنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب
خویشتن را در چنیں راحت پس از چندیں عذاب

آپ نے فرمایا بھائی ابھی یہ واقعہ ان پر منکشف نہ کرو۔ میں تم پر ایک الزام لگا کر تمہیں یہاں رکھوں گا۔ بنیامین وعدہ کرکے پردہ سے باہر آگئے۔

اب آپ نے حکم دیا کہ ان کے اُونٹ پُر کر دیئے جائیں اور خفیہ حکم دے دیا کہ ایک چاندی کا پیالہ ہمارے پانی پینے کا بنیامین کے اُونٹ میں رکھ دیا جائے اور جب ان کا کارواں روانہ ہو۔ پیچھے سے چند سپاہی ان کی گرفتاری کر کے ان سے کہیں کہ تم میں سرکاری چور ہے۔ چنانچہ جب ایسا ہی کیا گیا تو یہ سب متحیر ہوئے۔ کہ کیا چیز گم گئی کہ جس کی چوری ہم پر لگائی گئی ہے۔ گرفتار کنندوں نے کہا۔ کہ وہ کٹورا زبرجد یا سونے کا ہے۔ جواہرات سے جڑا ہوا ہے اور ہمیں حکم ہے کہ جو اُونٹوں پر غلہ لے جا رہے ہیں۔ ان میں ہی کوئی اس کا چور ہے۔ سب نے کہا خدا کی قسم ہم لوگ چور نہیں۔ مگر چلو ہم اپنے اپنے بار دکھائے دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر واپس آئے اور حضرت یوسف سے عرض کی کہ واللہ ہم لوگ کنعان سے اس لئے نہیں نکلے کہ بدنامی اپنے سر لیں۔ مصیبت زدہ ہیں۔ قحط سالی نے پریشان کیا ہے۔ ورنہ ہمیں چوری تو چوری یہاں آنے سے بھی کیا کام تھا۔ اے بادشاہ ہم لوگ چور نہیں ہیں اور چوری ہمارا کام نہیں ہے۔ ملازمانِ یوسف علیہ السلام نے کہا اگر تم اپنے دعوے میں جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔ اور مال سرکاری برآمد ہو جائے۔ تو پھر کیا سزا ہے۔ سب نے کہا ہمارے مذہب میں اس کی یہ سزا ہے کہ جو چور ثابت ہو۔ وہ غلام بنایا جائے۔ چنانچہ تمام بار دیکھنے شروع ہوئے۔ اور بنیامین کا بار پیچھے ڈال دیا۔ آخرش وہ کٹورا رخت بنیامین میں سے برآمد ہُوا اور حقیقتًا یہی اشارہ یوسف کا تھا ؞

چنانچہ جب بنیامین چور ثابت ہو گئے

تو تمام بھائیوں نے مل کر کہا کہ بنیامین نے اگر چوری کی کیا تعجب ہے۔ اس

کے بھائی حقیقی یوسف نے بھی چوری کی تھی۔ یہ قصہ معالم دکشاف و مدارک میں یوں ہے کہ ایک سائل حضرت یوسف کے پاس آیا۔ آپ نے اپنی خالہ کی مرغی اسے دے دی تھی۔ ان علاتی بھائیوں نے حضرت یوسف پر چوری کا الزام لگایا تھا۔ مگر اس کو سُن کر حضرت یوسف خاموش ہو گئے اور دل میں فرمایا۔ کہ یوسف تو چور نہ تھا۔ مگر تم وہ ہو کہ یوسف کو پہلوئے یعقوب سے چُرا لائے۔ حضرت یوسف نے بنیامین کو سپاہیوں کے سپرد کرا دیا۔

بھائیوں نے اس کی خلاصی کی فکریں شروع کیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر ش روئیل کی آتشِ خشم شعلہ زن ہوئی۔ مغلوب الغضب ہو کر بولا کہ اے بادشاہ یا تو میرا بھائی دے دے۔ ورنہ میں ایسی چیخ لگاتا ہوں۔ کہ حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ حضرت یوسف نے جب صورت روئیل خشمناک دیکھی۔ اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ اس کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دے۔ اِدھر ہاتھ رکھا آتشِ غضب منطفی ہو گئی۔ فی الفور اپنے بھائیوں کی طرف رُخ کر کے بولا۔ تم نے میری پشت پر ہاتھ رکھا ہے۔ سب نے کہا نہیں۔

روئیل بولا خُدا کی قسم اِس ملک میں

کوئی نسلِ یعقوب سے ہے۔ اس لیے کہ آلِ یعقوب کے خشم کو آلِ یعقوب کا ہی ہاتھ دبا سکتا ہے۔ معالم میں ہے کہ غضبناک ہو کر روئیل تخت یوسف کی طرف بڑھا۔ حضرت یوسف تخت سے نیچے اُترے اور اس کی گدی پکڑ کر زمین میں دبوچ دیا۔ اور فرمایا۔ کنعانیو! تم کو اپنے زور و قوت پر ابھی تک غرور ہے۔ تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم پر کوئی غالب نہ آئے گا ۔

خدائے کہ بالا و پست آفرید
زبر دست بر زیر دست آفرید

جب انھوں نے دیکھا۔ کہ زور و قوت سے کام نہیں چلا تو رونے لگے قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ۔ بولے اے عزیز مصر ہمارا باپ بوڑھا ہے۔ ضعیف ہے اور جب سے بنیامین کا بھائی یوسف ہلاک ہوا ہے۔ تب سے اس کے درد و فراق میں اور بھی گھل گیا ہے۔ بجائے اس کے اب اس سے اُسے موانست ہے۔ لہذا اُسے آزاد کر کے ہم کو دے دیا جائے اور بجائے اس کے ہم میں سے کسی کو غلام بنا لیا جائے۔

حضرت یوسف نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۵۔ پناہ بخدا میں کبھی قصوروار کو آزاد کر کے بے قصور کو اس کی جگہ مقید نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کروں۔ تو پھر پورے ظالموں میں ہو جاؤں فَلَمَّا اسْتَيْــٴَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا جب مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ بنیامین کو یہ بادشاہ نہ چھوڑے گا تو ایک طرف آ کر جمع ہوئے اور باہمی اس طرح گفتگو شروع کی۔

روئیل یا یہودا۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین کو ہمارے ہمراہ نہیں کرتے تھے۔ پھر جب ہم نے اس کی مخالفت میں عہد و پیمان کئے۔ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی تب اُسے ہمارے ساتھ بھیجا تھا۔ اب یہاں یہ صورت ظاہر ہوئی۔ اور اس سے قبل معاملۂ یوسف میں ہم تم قصوروار قرار پا چکے ہیں۔ لہذا میں ہرگز مصر سے نہ نکلوں گا۔ تاوقتیکہ یعقوب علیہ السلام اجازت نہ دیں۔ یا خدا کی طرف سے کوئی حکم نہ ملے۔ تم سب جاؤ اور میں یہاں ہی رہوں گا۔ تم جا کر حضرت یعقو

سے عرض کر دیا اَبَانَا اِنَّ اَبۡنَكَ سَرَقَ۔ ابا جان۔ آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی۔ اور ہم ہرگز یہ نہ کہتے۔ مگر ہمارے سامنے بنیامین کے بار میں سے بادشاہ کا پیمانہ برآمد ہوا۔ اور اہل مصر سے تصدیق فرمالیں۔ کہ ہم نے بنیامین کے چھڑانے میں کس قدر کوشش کی۔ اور اس قافلہ سے بھی دریافت کر لیجئے۔ کہ ہم اس معاملہ میں بے قصور ہیں یا نہیں۔

فرزندان یعقوب علیہ السلام بموجب حکم روئیل یا یہودا کنعان پہنچے اور باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ ان کے بھائی نے کہا تھا عرض کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ بیشک تم نے اور نئی بات جی سے گھڑ کر مجھے سنائی۔ خیر۔ صبر بہتر ہے۔ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِيَنِىۡ بِهِمۡ جَمِيۡعًا۔ اب اللہ چاہے گا تو بنیامین کو معہ یوسف و یہودا ملا دے گا۔ ورنہ صبر ہی صبر ہے۔

بعد ازاں یعقوب علیہ السلام کے زخمی دل پر جو یہ نمک پاشی ہوئی تو اس سے آپ نہایت ملول و حزین ہو کر بیت الاحزان میں تشریف لائے اور زار و قطار رو رو کر یوں فرمانے لگے يَاۤ اَسَفٰى عَلٰى يُوۡسُفَ وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ۔ ہائے افسوس فراق یوسف پر مہاجرت بنیامین نے اور نمک پاشی کی۔ ہائے افسوس یوسف کی جدائی میں روتے روتے آنکھیں سپید ہو چکی تھیں۔ اب وہ پھر غم سے پر ہیں۔ شعر

دردیست دریں سینہ گفتن نتوانم
ویں طرفہ کہ آں نیز نہفتن نتوانم

اس سے بعض ابناء وطن ماتم کا جواز نکالتے ہیں۔ حالانکہ اتنے سخت غم کے موقعہ پر بھی آہ سرد دل پر درد سے آپ نے کھینچی۔ مگر ہائے کرنے

کے سوا اور کوئی حرکت نہ فرمائی۔ چہ جائیکہ سینہ کوبی۔ یہ ان کی سخت غلطی ہے کہ ناجائز عمل کو جائز بنانے کے لیے آیاتِ قرآنی استعمال کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ آہ سرد کی آواز حضرت یعقوب کے فرزندوں نے سنی سب جمع ہو کر آئے اور عرض کی تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْھَالِکِیْنَ ۝ خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے کرتے گور کے کنارے جالگیں گے یا جان سے گزر جائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں تو اپنی پریشانی اور غم بھری فریاد اللہ سے ہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے شعر

حاجتے را کز توے جویم
با کسے نہ کہ با توے گویم
راز گویم بخلق خوار شوم
با تو گویم بزرگوار شوم

صاحبِ تفسیر حسینی اس آیہ کریمہ کے ماتحت بعض تفاسیر سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔ کہ ایک بار ملک الموت حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تجھے خدا کی قسم سچ بتا میرے یوسف کی روح تو نے اب تک قبض کی یا نہیں۔ اُس نے عرض کی نہیں۔ تو اس اُمید پر آپ نے بیٹوں سے فرمایا یٰبَنِیَّ اذْھَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْہِ وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ اے بیٹو! جاؤ اور میرے یوسف گم گشتہ اور اس کے بھائی بنیامین کا سراغ لگاؤ۔ اور اللہ کی رحمت اور میرے یوسف گم گشتہ

اور اس کے بنیامین کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بے شک اس کی رحمت سے نا امید نہیں ہوتے مگر کافر۔ اور آپ نے ان کو ایک نامہ لکھ کر دیا جو بادشاہ مصر کے نام تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا من یعقوب اسرائیل اللہ ابن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراھیم خلیل اللہ الی ملک المصر یعنی یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے بادشاہ مصر کے نام یہ نامہ ہے۔ واضح ہو کہ ہم اس گھرانہ کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلاؤ مصائب کو ہمارا موکل بنایا ہے۔ ہمارے دادا ابراہیم کو ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ میں نمرود نے ڈالا۔ اللہ نے ان کو نجات دی۔ ہمارے باپ اسحاق کے گلے پر چھری چلوا کر ان کی جان بچائی اور بجائے ان کے مینڈھا ذبح کرایا۔ میرے ایک فرزند تھا۔ جو تمام بچوں میں محبوب تر تھا۔ میں نے اِسے اس کے بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بھیجا۔ وہ اس کا کرتہ خون آلودہ لائے اور مجھ سے انہوں نے کہا۔ کہ اُسے بھیڑیا کھا گیا۔ میں اُس کی جدائی میں اس قدر غمگین و گریاں ہوں کہ میری آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اس کا بھائی حقیقی بنیامین تھا۔ اس سے اس غم کو غلط کر رکھا تھا۔ تو اس کو تو نے چوری کا الزام لگا کر قید کر لیا۔ حالانکہ ہم اس خاندان سے نہیں جو چوری کرے یا ہمارے خاندان کا کوئی فرد چوری میں ماخوذ ہو۔ اگر تو میرے فرزند دلبند بنیامین کو رہا کر دے تو فبہا ورنہ تیرے لئے دعا کروں گا کہ جو میرے فرزند یوسف کے ساتھ ہوا وہ تیرے ساتھ ہو۔ والسلام

یہ نامہ صاحبزادگان کے سپرد کر کے زادِ راہ، غلہ اور کچھ تحفہ عزیز مصر کے لیے دے کر انہیں روانہ کیا۔

یہ سب روانہ ہو کر اپنے بھائی یہودا سے ملے۔ اور اس کی ہمراہی میں بادشاہ مصر کے پاس پہنچے اور نہایت عاجزانہ لہجہ میں عرض پیرا ہوئے ۔

يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ۝
اے عزیزِ مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت نے گھیرا۔ اور ہم بے قدر پونجی لے کر آئے ہیں۔ تو اب ہمیں پورا ناپ دے اور ہم پر خیرات کر۔ اللہ خیرات کرنے والوں کو صلہ دیتا ہے۔

غرضیکہ جب نامۂ یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے آیا اور آپ نے اس کو پڑھا۔ محبت پدری جوش زن ہوئی۔ اور آپ زار زار رونے لگے اور از خود رفتہ ہو کر فرمانے لگے هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۔ تمہیں کچھ خبر ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم نادان تھے۔ یہ فرما کر نقاب چہرہ مبارک سے اُٹھائی۔ اور تاج فرقِ اقدس سے اتارا تو سب حیران ہو کر بولے ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ کیا سچ مچ آپ ہی یوسف ہیں۔ یہ استفہام تقریری تھا۔ یعنی البتہ آپ ہی یوسف ہیں۔ اس لئے کہ یہ جمال و کمال دوسرے میں نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَا اَخِىْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بیشک اللہ نے ہم پر احسان کیا اور جو پرہیزگاری کرے اور صبر۔ تو اللہ اس کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ یہ سن کر تمام بھائی عرض کرنے لگے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۔ خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم سب پر فضیلت دی اور بیشک ہم خطاوار ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب

مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۔

بآہ نے بسوزد جہانے گناہ
بہ اشکے بشوید درونِ سیاہ
بدرماندۂ تخت شاہی دہد
بدرماندگان حصہ چہ خواہی دہد

بھائیوں کو نہایت نرمی و وداد سے تسکین دی اور فرمایا اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ میرا یہ کرتہ لے جاؤ۔ اسے میرے والد کے منہ پر ڈالو۔ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور اپنے جملہ خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔

یہودا نے خوشی خوشی قمیص یوسف علیہ السلام لیا

اور مصر سے سمت کنعان معہ سب بھائیوں کے روانہ ہوا۔ اور جب یہ عماراتِ مصر سے نکل کر فضائے صحرا میں آئے۔ تو نسیم صبح نے خوشبوئے قمیص یوسف سے مشام دماغ یعقوب کو معطر کرنا شروع کیا۔ آپ نے بے تاب ہو کر اپنے نبیروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۔ میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔ اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہے۔ یہ سن کر سب کہنے لگے تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ خدا کی قسم آپ اپنی اُسی پرانی ازخود رفتگی میں ہیں۔ بھلا چالیس سال دبروایتے اسّی سال بعد اس کی ملاقات کی اُمید رکھی جاتی ہے۔ جو اتنی مدت سے گم ہے فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ پھر جب خوشی سنانے والا آیا۔ یعنی جب یہودا معہ اپنے بھائیوں کے کنعان پہنچا۔ تو سر و پا برہنہ دوڑتا ہوا آیا اور اپنے پدر

بزرگوار یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا یعقوب علیہ السلام کے منہ پر وہ کرتہ ڈالا۔ اسی وقت اُن کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ آپ نے مسرور ہو کر فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کیا میں نہ کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں۔ جو تم نہیں جانتے۔ سب صاحبزادے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض پرداز ہوئے یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِیْنَ۔ اباجان ہمارے گناہ کی معافی خدا سے مانگئے۔ بیشک ہم خطاوار ہیں۔ آپ نے فرمایا سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ہاں بہت جلد تمہاری بخشش میں اپنے رب سے چاہوں گا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ ٹھہرو شب جمعہ کو صبح کے وقت میں تمہارے حق میں دعا کروں گا۔ کہ وہ مظنہ اجابت دعا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مصر پہنچنے تک اس دعا کو اس لئے موقوف رکھا کہ عفو یوسف پر خدا کی جانب سے معافی موقوف ہے۔

آپ نے پچھلی شب کو وقت تہجد روبقبلہ ہو کر

تمام بھائیوں کو پس پشت کھڑا کیا۔ اور دعا فرمائی۔ سب بھائیوں نے آمین کہی

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اجابت دعا فرمائی

پھر آپ مصر کو روانہ ہوئے۔ یوسف علیہ السلام ملک ریان تک معہ تمام اراکین دولت کے شہر کو آراستہ پیراستہ فرما کر استقبال کے لیے تشریف لائے

آپ نے یہ تجمل و شوکت دیکھی۔ تو محو حیرت ہو گئے۔ اور خدا کے کرشمہ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ کہ روح الامین نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ یعقوب یہیں یہ تجمل و شوکت نہیں ہے۔ آسمان سے زمین تک ہر فرد مخلوق اس سے محظوظ ہے۔ یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام نے جونہی باپ کو آتے دیکھا سواری سے اُتر پڑے اور چاہتے تھے کہ سلام کریں کہ روح الامین نے آپ کو روکا اور کہا ٹھہریئے پہلے یعقوب آپ کو سلام کریں گے۔ صاحب تفسیر حسینی ایک حدیث سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ یعقوب علیہ السلام بھی پیادہ پا تھے۔ جیسے آپ کی نظر جمال یوسف پر پڑی۔ بے تابانہ فرمانے لگے

السّلام علیک یا مذھب الاحزان

سلام تم پر اے رنجوں کے دور کرنے والے۔ اور یوسف کے دونوں ہاتھ لے کر اپنے گلے میں ڈالے اور مدتوں کے بچھڑے گلے مل کر فرطِ مسرت سے رونے لگے ؎

چہ خوش جائیست روئے دوست دیدن
پس از عمرے بیک دیگر رسیدن
شراب خوش دلی را نوش کردن
بہ شادی دست در آغوش کردن
بکام دِل زمانے آرمیدن
بہم گفتن سخن وزہم شنیدن

زدلبر حالِ عجز آغاز کردن
زعاشق دفترِ غم باز کردن

القصہ قریب شہر ایک موضع تھا۔ وہاں یوسف علیہ السلام نے ایک بلند رفیع محل تعمیر کرایا تھا۔ اس میں آپ معہ بھائیوں کے مقیم ہوئے اور تمام بھائیوں و اعزہ اقربا کو نہایت کرم سے فرمایا اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْشَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ ۔ چلو مصر میں امن کے ساتھ داخل ہو۔ جب سب دار السلطنت مصر میں داخل ہوئے تو اپنی محل سرائے میں سب کو اُتارا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو اُٹھا کر تخت پر بٹھایا اور خود بھی تخت نشین ہوئے کہ جملہ برادران یوسف علیہ السلام بہ نیت تعظیم و تکریم تخت کے آگے جُھک گئے۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے عرض کی۔ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۵ ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ میرے رب نے اُسے سچا کیا۔ اور مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو قصبۂ کنعان سے لا کر مجھ سے ملایا۔ اور شیطان نے تو مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرا ہی دی تھی۔ بے شک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے کہ وہ علم و حکمت والا ہے ۔

حضرت ایوب علیہ السلام

ایسے ہی حضرت ایوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلاد مصائب

برداشت کر کے مدارج علیا حاصل فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بغیر درد محبت دوائے وصل محبوب نہیں مل سکتی۔ شعر

ہر کہ دارد راہ اورد رو راہ
سوز او بر حال او باشد گواہ

یہ وہی ایوب ہیں جو پیغمبری کے علاوہ

عیش و عشرت دنیاوی میں یہ پایہ رکھتے ہیں۔ کہ علی التواتر چالیس سال تک ناز و نعم میں رہے۔ بارہ فرزند دلبند ہیں۔ چار سو غلام ہیں۔ کوئی بکریوں کے ریوڑ کی سنبھال پر ہے۔ کوئی اونٹوں کی قطار کا محافظ ہے۔ چالیس باغ ہیں اور ہر باغ میوہ دار درختوں سے آراستہ۔ ایک روز روح الامین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ایوب مدت گزر گئی۔ کہ آپ ناز و نعم میں گزار رہے ہیں۔ اب حکم الٰہی ہے کہ آپ کی حالت منقلب کی جائے اور ناز و نعمت رنج و محنت سے بدل جائے۔ تونگری کا بدل درویشی سے ہو۔ تندرستی رخت سفر باندھے اور بیماری خیمہ ڈالے۔ آپ نے فرمایا کوئی فکر نہیں۔ رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ ہر چہ از دوست می رسد نیکو است۔ شعر

پیکان آبدار کہ آید ز دست دوست
بر عاشقان سوختہ باران رحمت است

روح الامین جواب سن کر رخصت ہوئے اور حضرت ایوب میزبان مہمان بلا و مصائب بن کر منتظر رہے۔ ایک روز شام کی نماز سے فرصت پا کر محراب کی طرف پشت فرما رہے تھے حاضرین جلسہ کو وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک آہ و بکا کی آوازیں آئیں۔ آپ حیران ہوئے۔ کہ اتنے میں ایک غلام آیا اور رو کر کہنے لگا۔

حضور! اسیلِ دریا آیا اور تمام بکریوں کو بہالے گیا۔ ابھی آپ جواب دینے نہ پاتے تھے کہ دوسرا آیا اور رو کر پکارا کہ اچانک بادِ سموم نے تمام اُونٹ ہلاک کر دیئے۔ یہ سُن ہی رہے تھے کہ محافظانِ باغ چیختے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے پکارے۔ کہ حضور ابھی بجلی گری اور تمام درختوں کو جلا گئی۔ آپ یہ سب واقعات نہایت اطمینان سے سنتے رہے اور زبان مبارک پر شکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل جاری کرتے رہے کہ اتنے میں صاحبزادگان کا اتالیق سینہ کوٹتا ہوا آیا اور چیخ مار کر پکارا کہ اے پیغمبر خدا گیارہ صاحبزادے جو مہمانی میں گئے تھے۔ اچانک صاحب خانہ کی چھت گری اس میں دب گئے۔ بعضے لقمہ منہ میں لے رہے تھے اور بعضے پانی پی رہے تھے۔ اس کو سُن کر حضرت ایوب کچھ مضطرب ہوئے۔ مگر علی الفور سجدے میں گر گئے اور ہمت کر کے فرمایا کچھ پرواہ نہیں۔ اگر محبوب حقیقی کی محبت دل میں ہے تو سب کچھ ہے۔ شعر

اگر ہیچ نہ باشد نہ بدنیا نہ بعقبیٰ

چوں تو دارم ہمہ دارم دگرے ہیچ نباید

جب مال و منال کا یہ حشر ہو چکا۔ تو انواع و اقسام کی بلائیں آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوئیں۔ حدیث میں ہے۔ چار ہزار کیڑے آپ کے جسد مبارک میں پیدا ہو گئے۔ وہ اعضاء مبارک کو کھاتے۔ اہلِ شہر نے آپ کو بیرون شہر کو کر دیا۔ آپ زمین شام میں عہدۂ نبوت پر مامور تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ جس کو صاحب تفسیر حسینی سورہ انبیاء میں نقل فرماتے ہیں۔

ایوب بن اموص بن رازخ بن روم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ صرف آپ کی بیوی رحیمہ تھیں۔ یا افرائیم ابن یوسف ماخیر بنت میشا بن یوسف تھیں۔ یہی آپ کی خدمت کرتیں۔

جب اس مصیبت کی مدت سات برس سات مہینہ سات روز سات ساعت گزر چکی اور بروایت دیگر اٹھارہ سال و بروایتے تیس سال۔ اور شیطان لعین نے حضرت ایوب سے کہا کہ مجھے سجدہ کر لو ابھی اس مصیبت سے نجات دیتا ہوں تو کیڑوں کا اور مفارقت اولاد کا صدمہ بطیب خاطر آپ نے برداشت کیا مگر یہ جملہ آپ کے دل پر زخم کاری بن گیا۔ اس کی ضبط آپ سے نہ ہو سکی۔ تو دربار الٰہی میں عرض کی۔ جس کا تذکرہ سورۂ انبیاء میں یوں فرمایا وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اے ہمارے حبیب ایوب کی مصیبت کو دیکھئے کہ جب وہ پکارے اپنے رب کو کہ مجھے تکلیف پہنچی۔ اور تو سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔

دوسرے سبب یہ بھی تھا کہ اثر شیطانی سے یہ اثر آپ کے جسد مبارک پر یہ ہوا کہ شیطان کو بتا دیا جائے۔ کہ صابر بندے ایسے ہوتے ہیں کہ مصیبت و عشرت میں یکساں شکر گزار رہتے ہیں۔ اور اتنی مدت اس مصیبت میں جو آپ نے بخوشی گزار دی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ روزانہ ہر صبح بلا واسطہ ملکی و بشری خطاب مستطاب الٰہی حضرت ایوب کی طرف ہوتا تھا۔ کہ اے ہمارے بیمار کس طرح ہو۔ اس مزاج پرسی کی مسرت میں وہ کوہ بلا آپ کی نظروں میں ہیچ تھا۔ سچ ہے شعر

گر بسر بیمار خود آئی بعیادت

صد سال بامید تو بیمار تواں بود

تو آپ کی صحت کا تذکرہ سورہ صٓ میں یوں فرمایا وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ؕ اُرْکُضْ ... بِرِجْلِكَ ھٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ اور یاد کیجئے۔ اے حبیب ہمارے بندۂ ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا۔ کہ مجھے شیطان نے تکلیف دی۔

ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار۔ یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو وَوَهَبْنَا لَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا اور ہم نے اُسے اس کے گھر والے اور عطا فرما دیئے اپنی رحمت سے۔ مگر ایک واقعہ اور ہو گیا تھا۔ وہ یہ کہ ایک روز آپ کی بیوی حضرت رحیمہ کسی ضروری کام میں گئیں۔ واپسی میں دیر ہوئی۔ تو حضرت ایوب نے قسم کھائی۔ کہ صحت ہونے پر سو قمچی ماروں گا۔ چنانچہ بعد اس کے فکر ہوئی۔ کہ اس بیوی کو جس نے مصیبت میں اس قدر خدمت کی تھی بجائے انعام کے سو قمچی کس طرح ماروں۔ لیکن اگر نہ ماروں گا تو حنث یمین لازم آتا ہے۔ اسی فکر میں تھے کہ حکم الٰہی ہوا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ط اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو سو تنکوں کی لو۔ اور اسے اپنی بیوی رحیمہ کے مارو۔ تمہاری قسم نہ ٹوٹے گی۔ بے شک ہم نے اس کو صابر پایا۔

غرضیکہ شیطان کو یہ قدرت جسم اور مال و منال ایوب پر دے کر ایوب کی مزاج پرسی سے یوں ہمت بڑھا کر صابر ثابت کر دیا۔ اور اسے شرمندہ بنا دیا۔ ورنہ انبیاء کرام ایسے امراض سے محفوظ ہیں۔ جو موجب نفرت ہوں۔ لیکن یہ کیڑے محض امتحان کے لیے تھے۔ حقیقتہً بصورت مرض نہ تھے۔ شیطان کو اس ذریعہ شرمندہ کرنا مقصود تھا۔ اور دکھانا تھا۔ کہ ہمارے مقربین بارگاہ بہر حال شاکر و صابر رہتے ہیں:۔

حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما السلام

اسی طرح حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما السلام پر کوہ بلا ڈالا۔ کہ تمام عالم

میں اس کی تشہیر ہے۔ حضرت زکریا کا قصہ یوں ہے کہ آپ نے جناب الٰہی میں عرض کی۔ کہ الٰہی میری کمزوری بحد غایت ہو چکی اور پیری مجھ پر مستولی ہے۔ فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا تو مجھے اپنے پاس سے کوئی فرزند ولی عطا فرما کہ تو اسے دوست رکھے۔ اور وہ تجھے دوست رکھے۔

مختصر یہ کہ جناب الٰہی نے یہ دعا مستجاب فرمائی اور حضرت یحییٰ عطا کئے۔ جو بغایت خدا ترس تھے۔ انہیں خدا نے ایام طفولیت میں علم و حکمت عطا فرمائی فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ تین سال کے تھے۔ آپ کے ہم عمر بچوں نے آپ کو آواز دی کہ یحییٰ آؤ کھیلیں۔ آپ نے گھر میں سے جواب دیا ما للعب خلقت میں کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ کیوں نہ ہو۔ ہندی مثل مشہور ہے۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات؛ اول خدا کی طرف سے بخشے ہوئے فرزند۔ دوسرے حضرت کے دل بند۔ جو کچھ ہی خوبی ہوتی کم تھی۔ آپ کی رقت قلبی و خدا ترسی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی۔ کہ اگر احوال قیامت یا مثل اس کی کوئی واقعہ ہولناک مسموع فرمالیتے تو علی الفور مضطرب ہو جاتے۔ قناعت اس درجہ کی تھی۔ کہ نان خشک کو طعام ہائے لذیذہ پر ترجیح دیتے۔ چار سال کی عمر میں توریت حفظ فرمالی تھی۔ دس سال کی عمر میں تمام احکام شریعت پر عبور حاصل فرما چکے تھے۔ خدا ترسی اس درجہ تھی۔ کہ ہر وقت آپ روتے رہتے۔ یہاں تک کہ خوف الٰہی سے گوشت و پوست رخسارہ مبارک کا خشک ہو گیا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ دو رومال پشمینہ کے آپ کے پاس رکھتیں اور جب انہیں لیتیں تو آنسوؤں کو نچوڑتیں۔

ایک روز حضرت زکریا علیہ السلام نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ خدایا میں

ایسا فرزند چاہتا تھا جو میرے سینہ کا سرور اور آنکھوں کا نور بنتا۔ نہ ایسا فرزند کہ اپنی غمگینی سے میرے سرور دل کو بھی مٹا دے۔ ایسا دلبند چاہتا ہوں کہ وہ میرے دل کو شاد و خورسند رکھے۔ یہ جگر گوشہ ایسا ہے کہ جس نے داغ غم میری جان پر لگا دیا۔ میں اس کی زاری کا متحمل نہیں۔

ارشاد ہوا کہ زکریا تم نے ایسا فرزند مانگا تھا جو ہمارا ولی ہو۔ اور ولی کی صفت میں تو گریہ و نالہ ضروری ہے۔ بارِ محنت امانتِ محبت میں بھرا ہوا ہے۔ جس دن تحفۂ محبت کا تقاسمہ کیا گیا تھا۔ اسی روز عالمِ عشق میں دکان ہائے راحت و مراد کو آگ دے کر بازارِ حسرت و نا امیدی سجایا گیا اور بارانِ حرمان و اندوہ اُن پر سایا کیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ بنائے محبت سنگہائے قہر سے مرکب ہے اور غذائے عشاق لختِ جگر اور شربت زہر ہے۔

زکریا! کس خیال میں ہو۔ ٹھہرو۔ ابھی کیا دیکھا ہے۔ شعر

ابتدائے عشق ہے دیکھا ہے کیا
آگے آگے دیکھنا ہونا ہے کیا

تمہارے فرزند یحییٰ کے حلقومِ نازنین پر عنقریب تیغ جفا چلنے والی ہے۔ اور تم کو اس کی مہاجرت میں ارۂ ستم سے دوپارہ کیا جائے گا۔ اس پر اگر تم راضی برضا رہے تو تمہارے دعوائے محبت کی تصدیق ہو گی ورنہ غلط۔ مختصر یہ کہ حضرت زکریا مجالس وعظ میں ہمیشہ اختیار رکھتے۔ کبھی عقوبت و عذاب الٰہی کا تذکرہ نہ فرماتے۔ آثار رحمت لاتنا ہی کے سوا کچھ بیان نہ کرتے۔ کہ مبادا یحییٰ کے گوش اخلاص مسموع کریں اور نئی مصیبت اس کے گریہ و زاری کی فزوں نما ہو۔

ایک دن حضرت زکریا منبر پر رونق افزا تھے۔ چپ و راست پر

نظر ڈال کر ملاحظہ فرمایا۔ یحییٰ نظر نہ آئے۔ آپ نے مطمئن ہو کر مواعید الٰہی اور عقوبتِ لا متناہی کا تذکرہ شروع فرما دیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک مقام ہے جس کا نام غضبان ہے۔ اس سے کوئی شخص محفوظ نہ رہے گا۔ مگر وہی جو خوف الٰہی سے رو کر اپنے گناہ معاف کرالے۔ حضرت یحییٰ ایک ستون کی آڑ میں حاضر جلسہ تھے۔ سنتے ہی ضبط ہول نہ فرما سکے۔ ایک چیخ مار کر مجمع میں گرے۔ اور پھر اُٹھ کر مسجد سے باہر نالاں و گریاں چل دیئے۔ اور بار بار آہ سرد دلِ پُر درد سے کھینچ کر فرماتے الویل لمن دخل غضبان وائے اس شخص پر جو غضبان میں داخل ہو۔ اسی طرح روتے چیختے چلاتے واویلا کرتے شہر سے باہر نکل گئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام منبر سے آترے۔ گھر میں آکر حضرت یحییٰ کو پوچھا۔ آپ کی والدہ نے فرمایا۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ مسجد میں ہیں۔ آپ اس خیال سے کہ مبادا یحییٰ از خود رفتگی میں کہیں اپنے کو ہلاک نہ کر دیں۔ آپ کی تلاش میں نکلے۔ تین شبانہ روز کوہ و صحرا میں تلاش رہے۔ مگر کہیں پتہ نہ چلا ؂

اے گلبن حدیقۂ جانہا کجا شدی
پنہاں ز چشم بلبل بے دل چرا شدی

چوتھے روز ایک چرواہا ملا۔ اس سے فرمایا کہ تو نے کسی کو روتا ہوا کہیں پایا اس نے عرض کی نہیں۔ مگر تین رات گزریں۔ کہ برابر اس پہاڑ میں رونے کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ اور یہ ایسا دردناک گریہ ہے۔ کہ چراگاہ سے میری بکریاں علیحدہ ہو کر سمت کھڑی ہو جاتی ہیں۔ شعر

ز سوزِ فرقتِ یار آنچناں بنالد زار
کہ ہر کہ بشنود آں نالہ در خروش آید

حضرت زکریا علیہ السلام اس پتہ پر سمتِ پہاڑ روانہ ہوئے۔ مختصر یہ کہ ایک چٹان پر آپ کو سجدہ میں پایا اور سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے تر دیکھا۔ اور چہرہ زیبا خاک اور اشک میں آلودہ دیکھا۔ آپ نے ان کا سر اٹھایا اور پہلو میں لے کر پیار کیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام از خود رفتگی میں سمجھے کہ ملک الموت قبض روح کے لیے آیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں اے عزرائیل میرے ماں باپ ضعیف العمر ہیں۔ میری جدائی میں گریہ و نالاں ہوں گے۔ اتنی دیر توقف کر کہ میں ان سے مل کر اپنی خطائیں معاف کرالوں۔ آپ کی والدہ بھی تجسس میں ہمراہ تھیں۔ یہ آواز سنتے ہی چیخ مار کر رونے لگیں اور پکاریں جانِ مادر! یہ عزرائیل نہیں ہیں۔ تمہارے باپ زکریا ہیں اور میں تمہاری والدہ ہوں۔ اس آواز سے حضرت یحییٰ نے آنکھیں کھول لیں دیکھا کہ باپ کے پہلو میں ہیں اور ماں سامنے کھڑی رو رہی ہیں اور حضرت یحییٰ سے فرما رہی ہیں۔ بیٹا اس دودھ کے حق کے بدلے میں تم گھر چلو۔ جو تم نے پیا ہے۔ آپ ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ زکریا گھر تشریف لائے چونکہ تین چار روز سے حضرت یحییٰ نے کھانا بھی نوش نہیں فرمایا تھا۔ آپ کی والدہ نے آشِ عدس پکایا اور یحییٰ کو کھلایا۔ آپ نے تھوڑا سا نوش فرمایا تھا کہ تکان سے آنکھوں میں نیند آئی۔ آپ خوابِ ناز میں تشریف لے گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی شخص آکر عرض کرتا ہے۔ کہ یحییٰ! کیا غضبان کو بھول گئے

جو بے فکری سے سو رہے ہو اور شکم سیر ہو کر پھر کھا رہے ہو۔

آپ چونک پڑے اور چیخ مارتے مارتے پھر جنگل کو نکل گئے۔ یہ گریہ وزاری محض خوفِ الٰہی سے تھی نہ کہ خوفِ گناہ سے۔ اس لیے کہ یحییٰ نبی تھے اور ہر نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔ بنا بریں آپ بھی معصوم عن العصیان

تھے۔ آپ کی شہادت کا قصہ یوں ہے۔ کہ اس زمانہ کا جو بادشاہ تھا۔ اس کی بیوی پہلے شوہر سے ایک لڑکی ہمراہ لائی تھی۔ جو نہایت حسین و جمیل تھی۔ چونکہ خود بڑھیا ہو چکی تھی۔ اپنی آسائش کا خیال کرتے ہوئے اس نے یہ سوچا کہ اگر بادشاہ کوئی باہر سے بیوی لے آیا۔ تو میری کچھ نہ چلے گی۔ اپنی لڑکی کو اس کے عقد میں دے دوں۔ بادشاہ سے اس کا ذکر آیا۔ بادشاہ نے حضرت یحییٰ سے اس کے متعلق مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا یہ لڑکی تجھ پر حرام ہے۔ اس واقعہ کی اطلاع اس بدبخت زانیہ فاحشہ کو پہنچی۔ سنتے ہی اپنے دل میں حضرت یحییٰ کی طرف سے کینہ پیدا کیا اور موقعہ کی متلاشی رہی۔ ایک روز بادشاہ نشہ میں چور تھا۔ موقعہ دیکھ کر لڑکی کو آراستہ کر کے اس کے روبرو پیش کیا۔ اس نے اس کے جمال پر از خود رفتہ ہو کر اس کی طرف ارادہ کیا۔ تو اس قطامہ نے فوراً روک دیا اور کہا کہ یہ صورت تجھے تب میسر آسکتی ہے۔ جب یحییٰ کو قتل کر دے۔ اس لیے کہ شیر بہا میری لڑکی کا سر یحییٰ ہے۔ بادشاہ نے خواہش نفسانی سے قتل یحییٰ کا حکم دیا۔ علماء وقت نے کہا کہ یہ فعل شنیع ہے۔ اس سے باز آؤ۔ یحییٰ کے خون کا قطرہ جس زمین پر گر گیا وہاں گھاس نہ اُگے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سر یحییٰ کو طشت میں رکھا جائے اور خون کسی کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ سپاہی حضرت یحییٰ کے لینے کو بھیجے گئے۔ ایک شخص نے جو مقرب بارگاہ شاہی تھا عرض کی۔ کہ حضور یحییٰ کے والد زکریا مستجاب الدعوات ہیں اول انھیں قتل کیجئے۔ تاکہ قتل فرزند پر وہ بد دعا نہ کر سکیں۔ بادشاہ نے اس بناء پر یہ حکم بھی دے دیا کہ قتل یحییٰ سے قبل قتل زکریا ہو جائے۔ ملازمان شاہی حضرت زکریا کی گرفتاری کو بھی روانہ ہوئے۔ یہاں آکر دیکھا کہ پدر و پسر دونوں نماز میں مشغول ہیں۔ پہلے ان بے دینوں نے پہلوئے زکریا سے حضرت یحییٰ کو کھینچا اور مشکیں کسیں۔ دوسری جماعت

نے آپ کی گرفتاری کا قصد کیا تو آپ وہاں سے بھاگ گئے۔ مگر اس جماعت نے آپ کا تعاقب کیا۔ حضرتِ یحییٰ کو تو قصرِ شاہی میں پہنچایا۔ اور حضرت زکریا بھاگتے بھاگتے بے طاقت ہو کر ایک مقام پر درخت کے سایہ میں بیٹھے تھے کہ متعاقبین آتے نظر آئے۔ آپ نے اس درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ وہ شق ہو گیا اور حضرت زکریا اس میں روپوش ہو گئے۔ شیطان نے آپ کی چادر مبارک کا ایک کونہ بیرونِ درخت کر دیا۔ دشمنان زکریا ڈھونڈتے ہوئے جب یہاں پہنچے تو شیطان ایک معتبر بزرگ کی صورت میں آیا اور پوچھا انہوں نے کہا۔ اس حلیہ کے شخص کی تلاش ہے۔ خبیث مردود نے انجان بن کر کہا کہ اس حلیہ کے شخص کو میں نے اس درخت میں روپوش ہوتے دیکھا ہے۔ اور چادر مبارک کا کونہ دکھایا۔ انہوں نے شیطان سے پوچھا کہ اب اس درخت سے باہر نکالنے کی کیا تدبیر ہے۔ شیطان نے کہا کہ باہر نکالنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارا مقصد اُسے ہلاک کرنا ہے۔ لہٰذا اس کی ہلاکت یوں بھی ممکن ہے۔ اور آرہ کی صورت بتائی اور کہا کہ

اِس کے ذریعہ سے اس درخت کے ٹکڑے کر دو

یہ خبیث اس رائے کو پسند کر کے آرہ لائے اور درخت پر رکھ کر اس کے دو پرکالے کرنے والے تھے کہ غیب سے زکریا کو آواز آئی شعر

تڑپنا اس طرح بلبل کہ بال و پر نہ ہلے
ادب ضرور ہے شاہوں کے آستانہ کا

زکریا خبردار! اُف زبان سے نہ نکلے۔ آوازِ آہ سینہ سے نہ آئے۔ ورنہ تیرا نام جریدۂ صابران سے محو کر دیا جائے گا۔ اگر سر اپنے وجود سے تیرے دشمن تجھے نکالیں گے تو ہم حجرۂ شہود میں تجھے جاگزیں کریں گے۔ چنانچہ جب

آرہ درخت کاٹتے کاٹتے فرقِ زکریا تک پہنچا۔ تو جناب الٰہی میں عرض کی شعر

بجرمِ عشق تو مارا اگر کشند چہ باک

ہزار شکر کہ بارے شہید عشق تو ایم

سر سے آرہ چل گیا۔ جسدِ مبارک کے دو پرکالے ہو گئے۔ مگر آہ نہ کی شعر

در بلا لذتیست پنہانی

ناچشیدہ کسے کجا داند

وانکہ او لذت بلا دریافت

درد را بہتر از دوا داند

اِدھر آپ شہیدِ ناز ہوئے۔ اُدھر معصوم ہستی حضرت یحییٰ بادشاہ کے محل میں لائے گئے۔ بارگاہِ شاہی سے حکم ہوا کہ زندہ ہمارے سامنے پیش نہ کرو بلکہ سر لایا جائے۔ ان سنگین دلوں نے جفاکاری سے حضرت یحییٰ کو بحالت مظلومی بیرون محل شہید کر ڈالا۔ سر مبارک کو طشت میں رکھا اور خون کنوئیں میں ڈالا۔ وہ کنواں جوش زن ہوا اور اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر بابلی یا ططوس رومی کے ہاتھوں ہلاک ہوا اور چنے کے ساتھ گھن یوں پسا کہ گروہ بنی اسرائیل سے ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ کہ جب غضبِ الٰہی آتا ہے تو مغضوبین کے ساتھ رہنے والے بھی مغضوب ہوتے ہیں من اکثر سواد قوم فھو منھم حدیث شریف میں ہے و من تبعہ لھم منکم فانہ منھم وعید قرآن پاک میں ہے۔

شواہد امام زین العابدین میں ہے کہ جب آپ سمت کوفہ روانہ ہوئے تو کسی منزل پر قیام نہ ہوا مگر مظلومی یحییٰ کا تذکرہ زبان امام حسین پر رہا۔ ایک روز اثنائے تذکرہ میں فرمایا کہ انتہائے خواری و بے اعتباری دنیا کی یہی ایک دلیل

ہے۔ کہ سر یحییٰ بن زکریا کو ایک نابکار عورت کے لیے ہدیہ بنایا گیا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شہادت یحییٰ کی وحی آئی۔ کہ اے محبوب! یحییٰ بن زکریا کے سر کے عوض میں ستر ہزار آدمی ہم نے مارے اور تیرے فرزند دلبند حسین کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار ناہنجار ہلاک کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ سات بار ستر ستر ہزار قتل کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جبکہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی اور مسیب خزاعی اور ابراہیم بن اشتر نخعی اور علاوہ ان کے بہتر اور حاکم ظاہر ہوئے تو ایک ایک نے چن چن کر کوفی یزیدیوں کو ہلاک کیا۔ اور آخری حاکم ابومسلم نے بقیہ مروانی جماعت کو نیست و نابود کیا۔ پھر صاحبقران امیر تیمور نے بطریق انتقام ان کی نسلیں ہی منقطع کر دیں۔ یہ ابومسلم وہی ہے جس نے ماتم کو ایجاد کیا اور ماتمی لباس سیاہ پہنا۔

عیون الرضا میں ایک روایت ہے کہ بچے کھچے یزیدی حضرت امام مہدی علیہ الرحمۃ والرضوان ہلاک فرمائیں گے اور اس خون ناحق کا انتقام تاقیام قیامت یوں ہی جاری رہے گا۔

یہ روایت عیون الرضا میں ہے۔ اس میں بچے یزیدیوں کا جو بدست مہدی تذکرہ ہے۔ وہ وہی شیعہ ہیں جو آج بھی سوانگ بھر کر نئے نئے ڈرامہ شہدا کے محبت کے پردہ میں دکھاتے ہیں۔

اب بقیہ انبیاء کرام کے واقعات بھی ایسے ہی جانسوز ہیں۔ مگر بخوف طوالت مشتے نمونہ از خروارے اسی پر اکتفا کر کے

اپنے آقا و مولا روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے واقعات مصیبت پیش کرتا ہوں

حضور سرور عالم رُوحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اصل کائنات اور خلاصۂ موجودات ہیں۔ آپ کے مصائب و کرائب اس قدر زبردست ہیں کہ خود فرمایا ما اُوذِیَ نبیٌ کما اُوذیتُ۔ کسی نبی نے اتنے صدمے نہیں اٹھائے جتنے کہ ہم نے۔ چنانچہ اوّل جفاء قریش اور ستمہا کفار نقل کرتا ہوں۔ **مثنوی**

رنج گنج آمد کہ راحتہا دردست

مغز تازہ شد چو بخراشید پوست

ظاہرا کارے تو ویراں می کند

لیک خارے راگلستاں می کند

پس ریاضت را بجاں شو مشتری

بر بلا ہا دل بنہ تا جاں بری

شعر

حسن میں اور عشق میں کیسا یہ ساز و باز ہے

دونوں یک جا جب کہیں پائے تو سوز و ساز ہے

آپ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول سلہ عام الفیل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء اور بروایت دیگر ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۲ اپریل سن مذکورہ کو مکہ معظمہ میں صبح صادق کے وقت ہوئی۔ ولادت باسعادت سے ۲ ماہ قبل سایۂ پدری آپ کے سر مبارک سے اٹھ کر آپ کو دریتیم بنا گیا۔ ۴ سال آپ اپنی دایہ حلیمہ سعدیہ کی خدمت میں رہ کر اپنی فیوض و برکات سے انہیں متمتع فرماتے رہے۔

بعد چار سال کے اپنی والدہ کے پاس آگئے۔ ۲ سال حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا نے آپ کی پرورش فرمائی۔ ۶ سال کی عمر میں آپ کے سر مبارک سے سایۂ مادری بھی مرتفع ہوگیا۔ اب آپ کے دادا عبدالمطلب ۲ سال کے لیے کفیل بنے۔ جب آپ کی عمر ۸ سال کی ہوئی۔ تو بعمر ۸۲ سال وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے اور سایۂ جدی بھی سر مبارک سے اٹھ گیا۔ آپ کے چچا ابوطالب نے زمام کفالت ہاتھ میں لے لی۔ جب آپ کی عمر مبارک ۲۰ سال کی ہوئی۔ تو پانچ سال تک آپ نے بکریاں چرائیں۔ اور اس مدت میں آپ کی راست گوئی۔ امن پسندی شہرۂ آفاق ہو چکی تھی۔ حتیٰ کہ آپ کا اسم شریف بجائے **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کے قریش میں **صادق و امین** مشہور ہوگیا **اللھم صل علیٰ محمد النبی الصادق الامین**

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت کا خیال پیدا ہوا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے روپیہ سے تجارت شروع کرادی۔ پہلے سفر میں آپ کا غلام حضور کے ہمراہ تھا۔ اس سفر میں بہ نسبت سابق بہت نفع ہوا۔ غلام نے حضرت خدیجہ سے آپ کے بہت محامد بیان کئے۔ حضرت خدیجہ نے باوجودیکہ بڑے بڑے عمائدین سے عقد کا انکار کر دیا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود درخواست کر کے عقد کر لیا۔ بوقت عقد آپ کی عمر مبارک ۲۵ سال کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہم سال کی۔ بعد عقد آپ نے خلوت نشینی اختیار فرمالی۔ اور بہی خواہی قوم میں سرگرم سعی رہتے۔ چنانچہ عمائدین ملک سے رہزنی اور مظالم گوناگوں کی شکایت فرما کر اس کے انسداد کے لئے ایک انجمن قائم فرمائی۔ اظہار نبوت سے سات سال قبل ایک روشنی آپ کو نظر آنی شروع ہوئی۔ آپ اکثر

غارِ حرا میں مشغولِ عبادت رہتے۔ پھر آپ کو جو خواب نظر آتا اس کی تعبیر صبح خود بخود ہو بہو ظاہر ہو جاتی۔ جب ایک دن اوپر چالیس سال کی عمر مبارک ہو گئی۔ تو ۹ ربیع الاول سنہ ہجری مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز دوشنبہ روح الامین بحکم رب العالمین اظہار نبوت فرمانے غارِ حرا میں حاضر آئے۔ حضور۔۔ نے جبریل سے مکالمہ فرما کر عزم مکان فرمایا۔ اور ترساں ولرزاں دولت سرا کی طرف تشریف لا کر لیٹے۔ حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کملی اوڑھا دو) جب ذرا سکون ہوا۔ حضرت خدیجہ سے فرمایا۔ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے

حضرت خدیجہ رضؓ نے فرمایا آپ کو کس کا ڈر ہے

آپ اقربا پر شفقت فرماتے۔ بیوہ یتیموں اور بے کسوں کی امداد کرتے ہیں۔ خدا آپ کو اندوہگین نہ کریگا۔ بعد ازاں آپ کو حضرت خدیجہ اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور واقعہ جبریل سنایا۔

(چونکہ ظہور نبی آخر الزمان کے متعلق اس زمانہ کے اکثر عیسائی۔ یہودی عالموں کو علم تھا) ورقہ بن نوفل نے کہا۔ یہی وہ ہستی ہے۔ جس کی موسیٰ علیہ السلام بشارت دے گئے تھے۔ کاش میں جوان ہوتا۔ اور اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب قوم ان کو نکالیگی اور ایذائیں پہنچائیگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا قوم مجھے نکال دیگی؟

ورقہ بن نوفل نے کہا۔ ہاں اس دنیا میں جب کسی نے ایسی پاک تعلیم دی ہے۔ تو اس سے شروع میں عداوت ہوتی ہے۔ اور اس کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دولت کدہ پر تشریف لاتے ہی تبلیغ شروع فرما

دی۔ چنانچہ اول ہی روز حضرت خدیجہ (زوجہ) حضرت علی (بھائی) حضرت ابوبکر (دوست) حضرت زید بن حارث (غلام آزاد شدہ) مسلمان ہو گئے۔ ان اشخاص کا ایمان لانا جو آپ کی چالیس سالہ حرکات وسکنات سے واقف تھے۔ آپ کی اعلیٰ ترین صداقت وراستبازی کی دلیل ہے۔ کچھ دن میں بعض اور بھی ایمان لائے۔

اُس وقت مسلمان پہاڑ کی گھاٹیوں میں جاکر نماز پڑھتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ سب سے اوّل اپنے قریبی رشتہ داروں میں فرمائی۔ پھر قوم اور شہر کے سب لوگوں میں۔ پھر مکّہ کے اطراف وجوانب میں۔ پھر عرب کے تمام حصّوں میں۔ پھر دنیا بھر کے بنی نوع انسان والجنہ میں۔

اس تبلیغ سے جب کفار کی مخالفت حد سے بڑھی

تو آپ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ جو چاہے حبش چلا جائے۔ چنانچہ بہت سے چلے گئے۔ اگرچہ کفار نے وہاں بھی تعاقب کیا۔ لیکن وہ ان کی شر سے محفوظ رہے۔ آخر شاہِ حبش کو کفار قریش نے بھرا۔ وہ بہت برانگیختہ ہُوا۔ مگر جب اُس نے

قرآن پاک سُنا تو اس قدر متاثر ہُوا کہ رو دیا

اور کفار کو اپنے دربار سے نکال دیا۔ بعد ازاں اُنھوں نے حضور کو قتل کی دھمکی دی۔ دولت کا لالچ دیا۔ حتیٰ کہ عتبہ کو جو سردار قریش تھا۔ آپ کے پاس

بھیجا۔ اس نے آپ سے آکر تبادلۂ خیال کرنا چاہا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ

سچّا رسول ہوں۔ کاہن اور جادوگر نہیں ہوں

پھر کچھ آیات قرآنی سُنائیں۔ ان کو سُن کر عتبہ محوِ حیرت ہو گیا اور قوم میں واپس آکر کہنے لگا۔ کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ سچے رسول ہیں۔ ان کے کلام میں

نہ جادو ہے نہ کہانت نہ شعر ہے نہ نظم نہ منتر ہے اور نہ افسون

قوم عتبہ سے بھی منحرف ہو گئی اور کہنے لگی کہ عتبہ پر بھی محمد کا جادو چل گیا۔ جب لالچ اور دباؤ سے بھی مطلب برآری نہ ہوئی۔ تو آپ کے چچا ابو طالب سے کہا۔ کہ اپنے بھتیجے کو سمجھادو۔

ورنہ ہم اُسے جان سے ماریں گے

سارے ملک کو خلاف دیکھ کر چچا کا دل محبت سے بھر آیا۔ آپ کو بلا کر منع کیا۔ آپ نے فرمایا چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیں۔ تو بھی میں اپنے فرضِ منصبی سے نہ ہٹوں گا۔ خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔

ماہِ محرم ۷ نبوت میں کفار نے کہا کہ بنی ہاشم جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہے اگرچہ مسلمان نہیں لیکن ان کا ساتھ دیتا ہے لہٰذا ان سے بھی قطع تعلق کرو۔ انہیں گلی کوچوں میں نہ پھرنے دو۔ کوئی چیز مول نہ دو۔ یہ باہمی معاہدہ کر کے تحریر میں لائے اور دیوار کعبہ پر اسے آویزاں کر دیا۔ یہ موجودہ اصطلاح میں نان کارپریشن کہلاتا ہے۔ یعنی اقتصادی بائیکاٹ ہے۔

بنی ہاشم کے بچے بھوک مارے اتنے روتے، بلبلاتے کہ انکی آوازیں گھاٹیوں سے باہر جاتیں۔ مگران سنگدلوں کو رحم نہ آتا۔ سب نے تین سال کامل یہ مصیبت نہایت استقلال وصبر سے برداشت کی آخر جب دیمک نے ان کا معاہدہ کھالیا اور کفار قریش کے پہرے والی جبل سے اُٹھ گئے تب آپ باہر تشریف لائے۔ اور پھر بدستور سلسلۂ تبلیغ شروع فرمایا۔ سنہ نبوّت میں آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ اور پھر حضرت خدیجہؓ سخت علیل ہوگئیں۔ وفات ابوطالب سے تو حضور پہلے ہی غمگین تھے۔ اب خدیجہ کے طول مرض سے اور مایوسی بڑھی۔ خدیجہ نے اپنی مرض کی شکایت فرمائی تو حضور نے فرمایا۔ خدیجہ اہل بہشت تیرے دیدار کے مشتاق ہیں۔ آپ نے عرض کی۔ حضور سے

زمرگ بیم ندارم دلے ازاں ترسم
کہ من بمیرم وتو جان دیگراں باشی

حضور کے فراق کا صدمہ ہے۔ موت کی کوئی پرواہ نہیں۔ آخرش ابوطالب کے انتقال سے تین روز بعد آپ نے بھی دولت سرائے جاودانی کو رحلت فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سانحہ عظیم کو نہایت استقلال سے برداشت فرمایا اور زید بن حارث کو ہمراہ لے کر پیادہ پا عزم طائف فرمایا۔ گردو نواح اور راستے میں تبلیغ بدستور جاری رکھی۔ یہاں سب سے اول قبیلہ بنو ثقیف جو انتہائی سرکش قبیلہ تھا تبلیغ فرمائی۔ اس میں وعظ ونصیحت کہی۔ انھوں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھادیا۔ چنانچہ جب آپ وعظ فرماتے تو وہ خبیث

پتھر برساتے حتیٰ کہ جسد انور (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم خون میں سرخ ہو جاتا

اکثر خون بہہ کر نعلین مبارکین میں جم جاتا۔ وضو کے لئے جوتا اتارنا مشکل ہو جاتا۔ آپ سے بددعا کے لئے عرض کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں بددعا نہ کرونگا۔ اس لئے کہ ان کی آئندہ نسلیں ایک خدا پر ایمان لائیں گی۔ ہاں یہ دعا کرتا ہوں:۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

الٰہی! میری قوم کو ہدایت فرما دے۔ یہ میرے مرتبہ سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ ارشاد حرف بحرف پورا ہوا۔ اور آئندہ نسلیں خاص طور پر جاں نثار پیدا ہوئیں۔ برخلاف مصنوعی نبیوں کے کہ ان کے بعد ان کی قوم اور جماعت میں بھی تفرق ہو گئی۔

پھر آپ مکہ معظمہ واپس تشریف لائے۔ اور مختلف قبیلوں میں تبلیغ فرماتے رہے۔ سنہ ۱۲ نبوت کے موسم حج کا ذکر ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی تاریکی میں شہر مکہ سے چند میل دور مقام عقبہ پر کچھ لوگوں کی گفتگو سنی۔ آپ اس آواز پر ان کے پاس تشریف لائے۔ یہ چند آدمی تھے۔ جو مدینہ طیبہ سے آئے تھے۔ آپ نے تبلیغ توحید فرمائی۔ بتوں سے نفرت دلائی۔ وہ ایمان لائے اور اپنے وطن کے سچے مبلغ اور واعظ بنے۔ ان کی تبلیغ سے آئندہ سال بارہ آدمی مکہ معظمہ میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ یہ جب واپس ہوئے تو ان کی تعلیم کے لئے مصعب ابن عمیر کو ساتھ کر دیا۔

یہ مدینہ پہنچ کر اسعد بن زراہ کے گھر اترے

ان کی تبلیغ سے بنی عبد الاشہل کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ سنہ ۱۳ نبوت کو ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں مدینہ کے قافلہ میں مل کر آئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ

لانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ اپنے چچا حضرت عباس کے ساتھ ان سے ملے۔ توحید کی دعوت دی۔ اُنھوں نے دعوتِ اسلام قبول کر کے مدینہ چلنے کی درخواست کی۔ آپ نے ان سے امداد و معاونت کی بیعت لی اور جب مسلمانوں پر کفارِ مکہ کی ظلم و تعدی حد سے بڑھ گئی۔ تو آپ نے اپنے غلاموں کو وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔

مگر اس پر بھی کفار قریش نہ ملنے اور جانے والوں کو پریشان کرنے لگے۔ چنانچہ صہیب رومی سے کہا۔ کہ تو مدینہ سے جب آیا تھا۔ تو بے زر مالی تھا۔ مکہ میں ہزاروں کمائے۔ اب جاتا ہے۔ تو مال و زر لے کر کیسے جا سکتا ہے۔ آپ نے بطیب خاطر مال و زر پر ایمان کو مقدم رکھتے ہوئے

سب ان کے سر مارا اور ایمان لے کر مدینہ طیبہ پہنچے

کسی کی بیوی چھین لی۔ غرض کہ مہاجرین نے بڑی مصیبتیں اُٹھا کر اُن سے نجات پائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مخالفین اسلام کی جو ستم شعاریاں اور سفاکیاں تھیں۔ اِن میں خصوصیت سے دو ہمسایہ قابل ذکر ہیں۔

صاحب زلال الصفا نقل کرتے ہیں۔ کہ حضور سید النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہمسائے جابر ظالم تھے۔ ایک ابو لہب ملعون اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط۔ یہ دونوں شب و روز ایذا رسانی میں سرگرم سعی رہتے۔ خبیث نجاستیں۔ لید گوبر لاتے اور راہگذر میں اس سراپا نور کے پھیلاتے۔ کہ بد بو سے مشام دماغ سے پراگندگی پیدا ہو۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ ام جمیل خبیثہ زوجہ ابو لہب ملعون کے دل میں اس ذات ستودہ صفات سے تخم پاشی عناد اتنی زیادہ ہو چکی تھی۔ کہ شب

پھر جنگل میں سرگرداں پھرتی۔ اور خار و خس کا گٹھڑ باندھ کر لاتی اور رہ گزر میں بچھاتی۔ محض اس نیت سے کہ محبوب خدا سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا جب گزر اس راستہ میں ہو۔ تو آپ کے پائے مبارک میں وہ ایذا پہنچائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے۔ راستہ میں خار و خسک ملاحظہ فرماتے۔ انھیں اپنے دست اقدس سے اٹھاتے اور کنار راہ پر فرماتے۔ اور نہایت ملائمت و ملاطفت سے اُسے سمجھاتے کہ یہ کیا حق ہمسائیگی ہے؟ ؎

مے دشکستند در رہ تو خار باہمہ
چوں گل شگفتہ بود رُخ دلستان تو

طارق بن عبداللہ راوی ہیں۔ کہ میں ابتدائے اسلام میں ایک بار سوق ذوالمجاز کی طرف گیا۔ ایک عرب کو میں نے دیکھا۔ کہ حلۂ سرخ زیب تن کئے۔ بزبان فصیح فرما رہے ہیں قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اور ایک شخص اُن کے پیچھے کہتا آرہا ہے کہ ان کا کلام نہ سنو یہ جھوٹے ہیں۔ اگر پتھر اٹھا کر ان کے سر پر مارا جس سے اس قدر خون بہا۔ کہ ٹخنے تک خون میں نہا گئے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ تو مجھے کہا گیا۔ یہ سرخ حلہ پوش جوان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرشی ہیں۔ جو خلق خدا کو خدا کی طرف بلاتے ہیں۔ جو ان کے پیچھے آیا ہے اور جس نے پتھر مارا ہے۔ یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔ اکثر صنادید قریش اس معاملہ میں اس خبیث کے ممد و معاون ہیں۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو لوگ موسم حج میں آتے ہیں۔ اُن کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ اور ان کی طرف سے تنفر پھیلاتا ہے۔ یہ تمام مخالفین کبھی ان کو جادوگر بتاتے ہیں کبھی شاعر کہتے ہیں۔ کبھی کاہن مشہور کرتے ہیں۔ ایک بار مجنون بھی کہہ چکے ہیں۔

روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ عروۃ الزبیر نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے

پوچھا۔ کہ وہ ایذائیں جو تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھیں سب سے زیادہ کیا تھیں۔ اُنہوں نے کہا ایک روز اشراف قریش ایک حجرہ میں جمع ہوئے۔ اور میں بھی ان کے اندر تھا۔ گفتگو ہوتے ہوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تذکرہ شروع ہوا تو آپس میں کہنے لگے۔ کہ ہم نے کبھی کسی کی بات نہ سہی۔ جتنی کہ اس شخص کی باتیں سُن رہے اور سہہ رہے ہیں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) ہماری جماعت کے عقلاء کو سفیہ اور بیوقوف بناتا ہے۔ ہمارے باپ دادا کو گالیاں دیتا ہے۔ ہماری جماعتیں متفرق کر رہا ہے۔ ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ اور باوجود ان تمام باتوں کے ہم نے اسے زندہ چھوڑ رکھا ہے۔

یہی گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ اچانک حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم حرم سے تشریف لا کر استلام رکن کے لئے تشریف لے جا کر طواف کو جا رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں مشغول تھے۔ کفار قریش نے باآواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینی شروع کیں۔ تین بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف کر چکے تھے۔ اور ان کے سبّ و شتم سُن رہے تھے۔ چوتھی بار ٹھہرے اور فرمایا اے گروہ قریش! کان کھول کر سُن لو۔ خدا کی قسم جان محمد قبضۂ قدرت الٰہی میں ہے۔ اور میں تمہاری ہدایت کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم نے میری نصیحت نہ سُنی اور متابعت شریعت نہ کی۔ یاد رکھو! تمہیں ذبح کر ڈالوں گا۔ جب ان بے دینوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ پُرغضب جملے سنے۔ خوف سے لرز گئے۔ اور وہ شخص جو زیادہ سبّ و شتم کر رہا تھا۔ بولا اے ابوالقاسم! تشریف لے جائیے اور اپنا کام کیجئے۔ بخدا آپ جہول نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے کام میں زیرک ہیں۔ اور جو کچھ آپ کر رہے ہیں۔ از روئے دانش و بینش صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر واپس لوٹے اور مشغول طواف ہو گئے۔ پھر ایک دن اسی طرح

وہی جماعت اُسی مقام پر مجتمع ہوئی اور میں بھی وہاں ہی تھا۔ بعض نے اس دن کا قصہ دہرایا اور کہا کہ اس دن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب وشتم ہم نے ایسے مرعوب ہو کر سُنے کہ گویا ہم گونگے تھے۔ یہ کیا ظاہر ہُوا تھا۔ اور اگر آج وہ ظاہر ہو جائیں تو ہم بتائیں۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مشغول طواف ہونا ہی چاہتے تھے کہ ان خونخوار نے اپنے کافرانہ غیظ و غضب میں یکبارگی حملہ کر دیا اور خبیث یہ بکتے ہوئے بڑھے کہ تو ہی وہ ہے جو ہمارے آباو اجداد کو۔ ہم کو اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ہاں میں ہی ہوں جو ایسا کہتا ہوں!

اتنے میں ایک خبیث نے اپنی چادر گلوئے مبارک میں ڈال کر پیٹی یہاں تک کہ سانس کی آمد و شد بند ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پکارے اور فرمانے لگے۔ او خبیثو! کیا اُس ہستی مقدس کو مارتے ہو جو باآواز بلند تبلیغ توحید کرتا اور کہتا ہے کہ خدا ایک ہے اور روشن معجزات تمہیں دکھاتا ہے۔ جو اس جماعت نے جو صدیق رضی اللہ عنہ کو حمایت کرتے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آپ کی طرف جھپٹی۔ آپ کی ریش مبارک پکڑ لی۔ اور اس قدر ضربیں دیں کہ سر مبارک شکستہ ہو گیا۔

مختصر یہ کہ ایسی ایسی بہت سی مصیبتیں اس ہستی مقدس نے محض اپنی اُمت کی خاطر برداشت کیں۔ باوجود اس کے پھر بھی زبان مبارک سے بددعا نہ فرمائی۔ بلکہ ہمیشہ اپنے اصحاب کو یوں فرماتے ہے

بزیر غصہ نہاں دو قہاد شادیہاست
بسے لطیفہ کہ در ضمن نامرادیہاست

چونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (اے ہمارے حبیب اللہ تمہیں دشمنوں سے محفوظ رکھے گا) اس باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیباکانہ دشمنوں میں جاکر ان کے چنگل سے محفوظ و مصئون واپس تشریف لے آتے ہیں۔ ورنہ مخالفین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ ایک بار کفارِ قریش نے باہمی معاہدہ کیا کہ اب کے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں مل جائیں۔ تو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یہ خبر حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملی۔ آپ زار زار روتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو روتا دیکھ کر فرمایا مَا یُبْکِیْکِ (جان پدر! کس چیز نے تمہیں رلایا) آپ نے عرض کی یَا اَبَتَاہُ! اِنَّ الْقَوْمَ عَزَمُوْا عَلٰی اَنْ یَّقْتُلُوْکَ ابا جان! قوم نے تہیہ کیا ہے کہ آپ کو شہید کریں۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا۔ بیٹی! کچھ پرواہ نہ کرو۔ اور پانی لاؤ ہم وضو کرلیں کہ اَلْوُضُوْءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ (وضو مومن کا ہتھیار ہے) اور زرہ نماز ہے۔ چنانچہ آپ نے وضو فرمایا اور مسجد حرام کی طرف تشریف لائے۔ راہ میں جماعت منکرین جمع تھی۔ آپ نے ایک مٹھی میں کچھ سنگریزے لئے اور ان کی طرف پھینکے۔ اور زبان مبارک پر لفظ شَاھَتِ الْوُجُوْہُ جاری تھا۔ سب پر وہ ہیبت پڑی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں اور دعا شَاھَتِ الْوُجُوْہُ کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ جنگ بدر میں یہ تمام جہنم واصل ہوئے۔ اور اسی دن شیبہ ابوجہل عتبہ شیبہ ابی امیہ عمارہ کے لئے دعا بد فرمائی۔

غرض کہ جن جن خبثاء کے لئے دعائے بدفرمائی تھی۔ وہ جنگ بدر میں حضور صیبت سے مارے گئے۔ غرض کہ دیگر انبیاء کرام کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ اذیت پہنچنے کی یہ بھی صورت تھی۔ کہ وہاں انبیاء کو ہی ایذائیں پہنچائی گئیں۔ اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ کے جاں نثاروں کو ستا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچایا۔ یہ دوہری دوہری مصیبت اس ذات ستودہ صفات پر تھی۔ چنانچہ محمد اسحاق رحمتہ اللہ علیہ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ کفار قریش کی بغاوت اور حرکت مذبوحی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی۔ کہ صحابہ میں جس کسی کو تنہا پا کر۔ در جماعت میں دیکھ لیتے پوری تکالیف پہنچاتے اور مذہب چھوڑنے پر مجبور کرتے۔ چنانچہ اُمیہ ابن خلف یہودی کے پاس حضرت بلال حبشی غلام تھے۔ اور تبلیغ صدیق سے پوشیدہ آپ مومن ہو چکے تھے۔ اس کا اظہار جب اس خبیث پر ہو گیا۔ تو اس نے اول زبانی سمجھایا۔ مگر اس مرد خدا کی زبان سے سوائے کلمۂ توحید کے دوسرا جملہ نہیں نکلتا تھا۔ مجبوراً اپنی آتش حسد بجھانے کو یہ تجویز کی کہ ہر روز بطحاء مکہ پر آپ کو لے جاتا۔ اور برہنہ کر کے گرم ریت پر چوہیا کر کے کانٹے دار قمچیوں سے آپ کو زدوکوب کرتا۔ جب مارتے مارتے تھک جاتا تو سمجھاتا۔ اے سیاہ فام دین محمدی سے لوٹ آ۔ اور لات و عزیٰ پر ایمان لے آ۔ ابھی تجھے آزاد کر دوں گا۔ یہ سن کر آپ کی زبان مبارک سے الاحد! الاحد! نکلتا۔ پھر وہ خبیث جل کر زدوکوب کرتا۔ اس قصہ کو مفصل مولانا روم علیہ الرحمتہ نے یوں لکھا ہے۔ مثنوی

تن فدائے خار می کرد آں بلال
خواجہ اش می زد برائے گوشمال
کہ چرا تو یاد احمد مے کنی
بندۂ بد منکر دین منی

می زد اندر آفتابش او بخار
او احد مے گفت بہر افتخار

ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے۔ تو آوازہ الاحد سن کر بے تاب ہو گئے۔ دیکھا تو یہ دیکھا۔ جس کو مولانا فرماتے ہیں مثنوی

تاکہ صدیق آنطرف می گذشت تفت
آں احد گفتن بگوش او برفت
چشم او پر آب شد دل پر عنا
زاں احد می یافت بوئے آشنا
بعد ازاں خلوت بدیدش پند داد
کز جہوداں خفیہ می کرد اجتہاد
عالم اسرار است پنہاں دار کام
گفت کردم توبہ پیشت اے ہمام

آپ نے حضرت بلال کو تنہا چومیخہ دیکھ کر فرمایا۔ کہ اے عاشق الٰہی! اپنی آتش الفت کو برائے چندے پوشیدہ کر۔ ان بے دین یہودیوں کی طرف سے تمہیں یوں ہی امن ملنا ممکن ہے۔ بلال نے عرض کی بہت اچھا۔ اب ایسا ہی کروں گا۔ دوسرے دن صدیق اُدھر سے جو گزرے۔ تو مثنوی

روز دیگر از پگہ صدیق تفت
آں طرف از بہر کارے می برفت
باز احد بشنید وضرب زخم خار
بر فروزید از دلش شور و شرار

بلال کی زبان سے پھر آوازہ الاحد سنی۔ جا کر دیکھا۔ تو اسی طرح وہی چومیخہ کر

رکھا اور کانٹے دار قمچیوں سے مار رکھا تھا۔ آپ نے **مثنوی**

باز پندش داد و باز او توبہ کرد
عشق آمد توبۂ او را بخورد

پھر نصیحت فرمائی اور سمجھایا۔ کہ بھائی سوزو گداز عشق کو پوشیدہ کرو۔ اِن خلشار سے جب ہی نجات ممکن ہے۔ تو حضرت بلال نے دردمندانہ پند سن کر فرمایا۔ بہت اچھا اب ایسا ہی کروں گا۔ صدیق سمجھا کر ادھر آئے اور ادھر حضرت عشق نے جلوہ گری فرما کر بلال سے کہا۔ کہ میاں ؎

کیا مزہ اس عشق کا جس میں کہ رسوائی نہ ہو
مثل مجنوں جب تلک لیلیٰ کا شیدائی نہ ہو

تو مولانا روم فرماتے ہیں۔ "عشق آمد توبہ او را بخورد"۔ حضرت عشق نے آکر صدیق کی تمام نصیحت پر پانی پھیر دیا اور بلال کے سب وعدے نسیاً منسیا کر دیئے۔ اب وہی بلال ہیں اور جوشِ الفت۔ وہی سوز و ساز ہے اور وہی ساز باز۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ ؎

توبہ کردن زیں نمط بسیار شد
عاقبت از توبہ او بیزار شد

آخرش چند بار ایسے ہی کتمانِ محبت کے عہد ہوئے اور ٹوٹے۔ مجبور ہو کر صاف کہہ دیا کہ ؎

فاش کرد اسپر ز تن را در بلا
کاے محمد دے عدوے توبہا
اے تن من وائے رگِ من پُر ز تو
توبہ را گنجا کجا باشد درد

توبہ را زیں پس زدل بیروں کنم
از حیاتِ خُلد توبہ چوں کنم

اے صدیق! میری تو رگ وپے میں محبت محمدی پڑی ہے۔ اس عہد معاہدہ کی یہیں گنجائش ہی نہیں۔ جو اس کو رکھوں۔ علاوہ ازیں حیاتِ خلد سے عہد کرکے حیاتِ دنیوی پر اب کیا رجوع ہوں گا۔ بس یہی بہتر ہے۔ کہ میں اپنے محبوب کی یاد میں جان دے دوں ؎

عشق قہاراست ومن مقہورِ عشق
چوں قمر روشن شدم از نورِ عشق

آخرش صدیق سے جب یہ روزانہ مصیبت دیکھی نہ گئی۔ تو ایک روز سب ماجرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر ڈالا ؎

بعد ازاں صدیق نزد مصطفٰے گفت حالِ آں بلال باصفا
مصطفٰی زیں قصہ چوں گل برشگفت رغبت افزوں گشت اورا ہم بگفت

مختصر یہ کہ حضور نے اپنے عاشق دلدادہ کا جو یہ حال سنا تو ؎

مصطفٰے فرمود کاکنوں چارہ چیست گفت ایں بندہ مرادر اشتریست
ہر بہاکہ گوید اورا می خرم در زیان وحیف ظاہر ننگرم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدیق تم جاؤ اور امیہ بن خلف سے اُسے خرید لو۔ جو کچھ وہ قیمت کہے دے آؤ۔ ہم اُس کو خریدنا چاہتے ہیں ؎

تو وکیلم باش وبخرش بہر من مشتری شو قبض کن ازمن ثمن

صدیق تم جاؤ اور ہمارے وکیل بن کر اُسے خرید لو۔ اور قیمت لے جاؤ۔ صدیق نے عرض کی کہ حضور میں بھی تو غلام ہوں۔ پھر میرا جو کچھ ہے۔ حضور ہی کا ہے ؎

گفت صد خدمت کنم رفت آں زماں
سوئے خانہ آں جہود بے اماں

مختصر یہ کہ جب آپ پہنچے تو وہ خبیث آپ کو زدو کوب کر رہا تھا۔ آپ نے اسے سمجھایا منع فرمایا۔ وہ نہ مانا۔ بالآخر قیمت کے بدلہ مبادلہ غلام کا غلام سے قرار پایا۔ جس کا قصہ یوں ہے۔ کہ یہودی نے کہا۔ صدیق! اگر آپ ایسے ہی ہمدرد ہیں۔ اسے خرید لیجئے آپ نے فرمایا۔ قیمت کہو۔ اس نے کہا فسطاس رومی جو آپ کا مشہور غلام ہے۔ اسے مجھے دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ مردود! ایک فسطاس نہیں ہزار فسطاس اس پر نثار ہیں۔ بس خبردار۔ تیری میری بیع ہو چکی۔ فسطاس تیرا ہے اور یہ میرا ہے

ایں گہر از ہر دو عالم بہتر است
ہیں بنجر زیں طفل ناداں کو حزاست

یہودی نے بلال کو آپ کے سپرد کیا۔ آپ خوش خوش اسے لے کر چلنے لگے۔ تو امیہ بن خلف قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ آپ نے فرمایا ؎

گفت صدیقش کہ ایں خندہ چہ بود
در جواب پرسش او خندہ فزود
گفت اگر جدۃ نبودے واہتمام
در خریداری ایں اسود غلام

امیہ یہ ہنسی کیسی بیہودہ ہے۔ اس پر وہ اور زیادہ ہنسا اور کہنے لگا کہ مسلمان ہو کر عقل بھی کھو بیٹھے۔ فسطاس رومی جیسے غلام کے عوض یہ بلال زنگی۔ اس پر ہنس رہا ہوں ؎

پس جوابش داد صدیق اے غبی
گوہرے دادی بہ جوزے چوں صبی
او بنزد من بہے ارزد دو کون
من بجانش ناظرستم نے بلون

صدیق نے فرمایا۔ بیوقوف تو کیا جانے۔ میں نے بادام دے کر موتی لیا ہے۔ جیسے بچے کو بہلاتے ہیں۔ میرے نزدیک دونوں عالم بھی اس کی قیمت ہوتی۔ تو ارزاں تھا۔ میں نے اس کے باطن کو دیکھ کر لیا ہے۔ اور تو نے فسطاس کے ظاہر کو دیکھ کر پسند کیا۔ القصہ بلال دربار میں حاضر کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس قیمت میں اسے لائے۔ عرض کی کہ حضور میرا ایک غلام فسطاس رومی تھا۔ جو عراق عرب میں حسن و جمال کے ساتھ دانائی اور زیرکی میں شہرۂ تام رکھتا تھا۔ اس خبیث امیہ بن خلف نے اسے بلال کے بدلے میں طلب کیا۔ میں اسے دے آیا ہوں۔ اور انھیں لے آیا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **مثنوی**

گفت اے صدیق آخر گفتمت
کہ مرا انباز کن در مکرمت
تو چرا تنہا خریدی بہر خویش
باز گو احوال اے پاکیزہ کیش

صدیق ہم نے تم سے کہا تھا۔ کہ ہم تم شرکت میں اسے خریدتے ہیں۔ ہم اس کے مشتری ہیں۔ تم اس اشتراء میں ہمارے وکیل۔ لیکن یہ تم نے کیا کیا کہ تنہا خود ہی خرید لیا۔ **مثنوی**

گفت ما دو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد من بر روئے تو
تو مرا میدار بندہ و یار غار
ہیچ آزادی نخواہم زینہار
کہ مرا از بندگیت آزادیست
بے تو بر من محنت و بیدادیست

صدیق اکبر نے عرض کی۔ حضور بلال بھی حضور کے غلام اور صدیق بھی غلام۔ اور غلام کا مال سب آقا کا ہے لہذا صدیق اپنے آقا پر بلال کو نثار کرکے آزاد کرتا ہے۔ صدیق و بلال کے دین و دنیا میں بہبودی تب ہی تک ہے جب تک غلام محبت سامی بنے رہیں۔ اُس غلامی سے آزادی مصیبت ہے۔ اور اس غلامی کی قید راحت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کے اس جواب سے محظوظ ہوئے اور بلال کو مسجد نبوی کا مؤذن بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا اَلْاَنْبِیَاءُ اَشَدُّ بَلَاءً اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ انبیاء کی ہستیاں خصوصیت سے نشانۂ بلاو مصائب ہیں۔ حسب مرتبہ کم و زیادہ سب ہی پر آئیں۔ اور بزرگانِ دین کا فتویٰ ہے۔ کہ بلا عطائے محبوب ہے۔ اور عطاء محبوب پر رنج کرنا خطا بلا مجاہدہ ابدان صیقل آئینہ جان ہے۔

مختصر یہ کہ جوں جوں اسلامی ترقی ہوتی گئی۔ مخالفین اسلام قتل مومنین پر چست ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء کے قتل کی تجویزیں ہوگئیں۔ تو جماعت صحابہ میں سے اکثر کو حبشہ روانہ ہونے کی اجازت دی گئی۔ جیسا کہ اول مذکور ہو چکا ہے۔ یارانِ صحابہ سے اکثر اُدھر روانہ ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی بظاہر کم رہ گئے تو

کفار قریش نے مشورہ کیا کہ یہ موقعہ پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی قوت کمزور ہے۔ سطے پاگیا۔ کہ موقعہ پاتے ہی معاملہ ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقبرۂ جیحون کی طرف تشریف لے جانے کا عزم فرمایا۔ صنادید قریش کو اس کی خبر ملی۔ ابو جہل۔ عدی بن حمرا اور مثل اس کے اکثر سیاہ رُو اُس راستہ پر روپوش ہو کر بیٹھ گئے۔ جب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ سے گزرے۔ دیکھتے ہی اُٹھے۔ اور اس مدنی چاند کو سیہ ہالہ کی طرح گھیر لیا۔ گالیاں دے کر سخت و سست بکنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب تعلیم قرآنی اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔ خاموشی اختیار فرمائی اور ان کے پاس سے گزرتے اُنہیں سوائے سکوت کے کوئی جواب نہ دیتے تشریف لے گئے اور ملول و حزیں گورستان جیحون میں جا کر بیٹھ گئے۔ ابو جہل خبیث یہاں بھی آیا اور اقوال قبیحہ رذیلہ بکنے لگا۔ اکثر خبثاء نے آکر پتھر برسائے۔ جسد نوری مجروح ہوا۔ تمام کپڑے خون میں رنگ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کی شہرت تمام اہل مکہ میں ہو گئی۔

آپ کے چچا حضرت حمزہ شکار میں تھے

اتفاقاً تین روز اسی شکار میں بے خواب و خورش گزرے۔ مگر صحرا نوردی بیابان گشتی کے سوا کوئی شکار نہ ملا۔ مجبور آج واپس گھر کو آئے۔ نہایت درجہ پریشان تو تھے ہی جب مکہ آئے تو عبد اللہ جدعان کی لونڈی نے آپ کو آتے دیکھا طعنہ زنی کی۔ کہ اے حمزہ شکار میں سے کیا لائے۔ وہاں سے خالی ہاتھ

آئے اور انتہائی عار کا داغ اس شکار کے بدلے جو لگا وہ نفع میں۔ آپ نے متحیرانہ دریافت کیا۔ اس نے واقعہ گزشتہ سنایا۔ اس واقعہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور اس قدر غصہ آیا کہ کچھ تفصیل سے دریافت نہ کرسکے۔ گھر میں آئے۔ کھانا مانگا۔ آپ کی بیوی نے دسترخوان بچھا کر جو کھانا موجود تھا۔ رکھا

حمزہ کی نظر بیوی پر جو پڑی تو دیکھا کہ آنکھوں سے اشک خونی رواں ہیں

آپ نے پوچھا کیوں روتی ہو۔ جواب دیا ابو عمارہ کیسے نہ روؤں۔ ایک یتیم تمہارے یتیموں کا تمہارے ہوتے یوں شکار بلا و مصائب بنے اور تم کو سیر و شکار سے فرصت نہ ملے۔ خونکالیف اسے پہنچائی گئیں۔ اگر محض تمہارا رضاعی بھی ہوتا تو برداشت نہ ہوتیں۔

چہ جائیکہ نور دیدۂ ہاشم سرور سینہ عبدالمطلب اسطرح مصیبتوں میں گھرے

اور تم آرام سے شکار کرتے پھرو۔ اور دسترخوان پر بیٹھ کر پیٹ بھرو۔ حضرت حمزہ نے فرمایا صاف صاف بتاؤ۔ کس کے ساتھ کیا ہوا؟ آپ نے کہا کیا بتاؤں کوہ غم سر پر ہے۔ آہ سرد سینہ سے پے در پے جاری ہیں۔ کس طرح کہوں۔ ابوجہل نے تمہارے برادر زادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر پتھر برسائے ہیں کہ تمام جسم خون میں رنگا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ہوا۔ انھوں نے کہا ابوجہل نے ایک جماعت کے ساتھ آپ کو گھیر لیا۔ اور اس قدر مارا کہ پیشانی مبارک سے خون رواں ہوگیا۔ اور ان رخسارہ نوری کو جن سے آفتاب شرماتا ہے۔ زمین میں روندا۔ حمزہ نے کہا

افسوس! ان کے چچا ابوطالب اسوقت کہاں تھے؟

عرض کی وہ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے اور انھیں اب تک اس قصّہ کا علم نہیں۔ فرمایا ابولہب کہاں تھا؟ عرض کی اس خبیث نے خود امداد دی۔ اور کہا کہ ہاں مارو۔ یہ جھوٹا جادوگر ہے۔ فرمایا عباس کہاں تھے۔ عرض کی عباس پروانہ وار اس شمع نبوت کے اِرد گرد پھر رہے تھے اور ان خبیثوں سے کہہ رہے تھے کہ رحم کرو۔ مگر ان کی کون سُنتا تھا۔ حضرت حمزہ فرطِ غم سے رونے لگے اور اسی طرح سے تین روز کا فاقہ کئے دسترخوان سے اُٹھے اور فرمایا اب مجھ پہ کھانا پینا حرام ہے۔ جب تک ان بے ایمانوں سے اپنے بھتیجے کا انتقام نہ لے لوں۔

اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا۔ لوگوں نے مسجد حرام کا پتہ دیا۔ حمزہ یہاں آئے دیکھا کہ خانۂ کعبہ کے آگے سر جھکائے رونق افروز ہیں۔ حمزہ قریب آئے اور عرض کی

السلام علیک یا ابن اخی

اے بھتیجے بتاؤ۔ تمھیں کس کس نے یہ تکلیف پہنچائی۔ اب تمہارا جان نثار چچا حاضر ہے۔ حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلک گوہر صدف دیدۂ تر سے ڈالے اور آہ سرد دل پُر درد سے کھینچ کر فرمایا کہ چچا جائیے اپنا کام کیجئے۔ غریب۔ یتیم۔ بے کس کا نہ بھائی ہوتا ہے نہ برادر نہ چچا ہے نہ کوئی یاور۔ نہ مونس ہے نہ غم خوار۔ نہ محرم ہے نہ غم گسار۔ نہ ناصر ہے نہ مددگار ؎

آہ اندر زمانہ محرم نیست
ہیچ کس راز حالِ من غم نیست

دم نیارم زدن زسوز دردن
آنکہ کس غمگسار و ہمدم نیست
درد مندے و غصہ بسیار است
ہیچ چیز از بلا مرا کم نیست

حمزہ کھڑے کھڑے روتے رہے اور جوش محبت ہیں آگے بڑھ کر معذرت کرنے لگے کہ بھتیجے مجھے خبر ہی بخدا اب ہوئی ہے۔ ہیں شکار میں تھا۔ للہ پتہ بتاؤ۔ اب تاب ضبط نہیں ہے۔ بس جب تک بدلہ نہ لوں گا۔ مجھ پر کھانا حرام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا خدا کی قسم اگر تم نے انہیں تیغ آبدار سے نیست و نابود کر دیا۔ اور ان کے نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیئے۔ تو میرے دل کو کچھ تسکین نہ ہوگی۔ ہاں اگر مجھے راضی کرنا منظور ہے۔ اور میرے جراحت بھرے دل پر مرہم رکھنا چاہتے ہو تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لو۔ حضرت حمزہ نے عرض کی۔ اے جانِ عم! اگر میں یہ کلمہ پڑھ لوں تو کیا آپ خوش ہو جائیں گے۔ اور میرے سامنے اس کمائے ہوئے پھول کو تبسم زیرِ لبی سے کھلا ہوا دکھا دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں

میری خوشنودی۔ رضامندی خدا پر موقوف ہے۔ حضرت حمزہ نے بآوازِ بلند لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا۔ اِدھر انھوں نے کلمہ پڑھا۔ اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور اپنے پیارے چچا سے بغل گیر ہوئے حضرت حمزہ نے عرض کی۔ اب اجازت دیجئے۔ مجھے اب صبر نہیں ہے۔ یہ

کہہ کر مسجد سے باہر تشریف لائے اور ابو جہل کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ درخانہ ابو جہل پر پہنچے دیکھا کہ خبیث صدر جلسہ بنا ہوا ہے۔ اور ارد گرد ایک جماعت شرفائے عرب کی حاضر ہے۔ حضرت حمزہ نے کمان کھینچی اور ابو جہل کے سر کا نشانہ باندھ کر ایسا صحیح تیر چھوڑا۔ کہ خبیث کے سر میں جا کر لگا۔ اور خون بہنا شروع ہوا متحیر ہو کر ادھر اُدھر دیکھا تو

تیر انداز حضرت حمزہ تھے

سبب پوچھا۔ کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مردک تو نے میرے بھتیجے کو ایذا پہنچائی۔ میں تجھے اب زندہ نہ چھوڑوں گا۔ ایک اور شخص اُٹھا۔ اس نے کہا اے ابو عمارہ غضب ناک نہ ہو۔ صبر کرو۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سُن لو۔ تم خود ہی کہہ دو گے۔ کہ بیشک جو کچھ ہم نے کیا۔ ٹھیک کیا۔

آپ نے فرمایا۔ کیوں کہہ دوں گا

میں خود اس امر کی شہادت دیتا ہوں۔ کہ لات۔ عُزّیٰ۔ نائلہ۔ صائلہ محض وہمی معبود ہیں۔ معبود حقیقی ایک خدا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

کشادہ کار چو در راہِ عشق مے یابم
بہیچ حال ازیں راہ رو نمے تابم

اشرافِ عرب اور ابو جہل یہ سُن کر بہت مایوس ہوئے۔ اسی زمانہ میں فاروق بھی مشرف باسلام ہوئے۔ غرضکہ حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ

سے ان جنگجوؤں کا زبردست مقابلہ ہوا۔ آپ ان پر فتح یاب ہوئے۔ اور زخمی ہوکر دربار محمدی میں حاضر آئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بامر الٰہی مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمانے کا عزم کیا۔ یہاں بھی یہود کمر عداوت باندھے ہوئے تھے۔ چنانچہ بعد ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا مقابلہ غزوۂ بدر رہا۔ اور یہ غزوۂ بدر چار بار ہوا۔ پہلا غزوہ تو معمولی طور پر ہوکر ختم ہوگیا۔ پھر غزوۂ بدر الکبریٰ ہوا۔ یہ اتنا زبردست غزوہ تھا۔ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں تشریف لے گئے۔

اسی لڑائی میں شیخ المہاجرین چچازاد بھائی عبیدہ ابن حارث ابن عبدالمطلب نے شہادت پائی۔ یہ پرانے معمر تجربہ کار تھے۔ اور اول جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوا عطا فرمایا وہ یہی تھے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت بھی بحد غایت تھی۔ ان کا واقعہ شہادت یوں ہے کہ جب دونوں لشکر چاہ بدر کے پاس آکر ٹھہرے اور اپنے اپنے جھنڈے قائم کر لئے تو مقابلہ کی ٹھہری۔ لشکر کفار نابکار میں نوسو پچاس آدمی۔ سو گھوڑے۔ سات سو اونٹ تھے۔ اور لشکر اسلام میں تین سو پچاس جان نثار (وہ بھی اکثر خالی ہاتھ) ان میں ستر اونٹ۔ دو گھوڑے۔ چند زرہ۔ اور آٹھ تلواریں تھیں۔ بعد تسویہ صفوف تین شخص کفار میں سے میدان میں آئے۔

ایک عتبہ بن ربیعہ۔ دوسرا شیبہ بن ربیعہ اس کا بھائی۔ تیسرا ولید بن عتبہ۔ ادھر سے ان کے مقابلہ کو تین جوان انصاری دلیرانہ بڑھے۔ ان تینوں جنگجوؤں نے پوچھا تم کن میں سے ہو؟ شجاعان اسلام نے کہا۔ ہم انصاری ہیں۔ عتبہ نے کہا۔ ہمارا تم سے کوئی مقابلہ نہیں۔ ہم اپنے ابنائے اعمام سے مبارزۃ چاہتے ہیں۔ اور ایک ان میں سے پکار کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض پیرا ہوا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری کفو میں سے کسی کو بھیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اے عبیدہ اور اے حمزہ اور اے علی آپ لوگ میدان میں

جائیں۔ یہ تینوں مردانہ واران تین خبیث شجاعوں کے مقابلہ میں پہنچے۔ عبیدہ چونکہ معمر تھے۔ عتبہ کے مقابلہ میں آگئے۔ کیونکہ وہ بھی بڈھا تھا۔ حضرت حمزہ ادھیڑ عمر تھے شیبہ کے مقابلہ میں آگئے۔ کیونکہ وہ بھی سن کہولت کو پہنچ گیا تھا۔ اور حضرت علی شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ چونکہ جوان تھے۔ ولید کے مقابلہ میں تشریف لائے۔ یہ بھی نورسیدہ تھا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے تو اپنے اپنے مقابل واصل بجہنم کر دیئے۔ اور عبیدہ و عتبہ کے مابین اتنا مقابلہ ہوا کہ ایک سے دوسرا زخمی ہوا۔ عتبہ نے جب پورے زخم کھائے اور کافی طور سے مجروح ہوا۔ تو جھنجلا کر نظر بچا کر حضرت عبیدہ کی پنڈلی پر ضرب دی کہ ہڈی ٹوٹ گئی اور مغز باہر آگیا۔ آپ گر گئے۔ حضرت حمزہ و علی کھڑے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب یہ حال دیکھا۔ جھپٹے۔ عتبہ کو تلوار سے گرا کر حضرت عبیدہ کو اٹھا کر سید کونین کے حضور میں لا کر ڈال دیا۔ عبیدہ جب ہوش میں آئے تو آنکھ کھولتے ہی دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں سر ہے۔ خوش ہو گئے عرض کی کہ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَسْتُ شَهِيْدًا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں شہید نہیں ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بَلٰی۔ اَنْتَ شَهِيْدًا۔ بیشک تم شہید اور سردفتر شہداء ہو۔ آپ نے اس بشارت سے مسرور ہو کر اسی وقت یہ اشعار کہے

ونسلمه حتى نودع حوله

ونذهل عن ابنائنا والحلائل

جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے آقا و مولیٰ کی محافظت میں رہ کر جان دے رہا ہوں اور محبت محبوب میں اپنے اعزہ و اقارب کو فراموش کر چکا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیت کی تصدیق فرمائی اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ چنانچہ آپ ختم جنگ تک زندہ رہے۔ اور بعد فتح جنگ بدر منزل روحا میں تشریف لاکر سمت دار القرار روانہ ہو گئے۔ رضوان اللہ علیہم۔

اور شہید دوم حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ اس جنگ بدر میں محفوظ رہے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔ جس کا مختصر تذکرہ یوں ہے کہ:۔

بعد فتح جنگ بدر کفار عرب کے دل میں مومنین کی طرف سے کینہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ صنادید قریش نے باہمی مشورہ کیا۔ کہ انتقام لینا ضروری ہے۔ ایک جرار لشکر جمع کیا۔ تین ہزار بہادران عرب میں سے چھانٹے۔ ان میں سات سو زرہ پوش تھے۔ اور دو سو بیس گھوڑے۔ تین ہزار اونٹ جمع ہو گئے۔ تب مدینہ کو آئے اور جبل احد کو لشکر گاہ بنایا۔ آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سو جان نثار ہمراہ لشکر ان کے مقابلہ کے لئے قائم کئے اور دو پہاڑوں کے مابین ایک درہ تھا۔ وہاں سے دشمن کی آمد کا خطرہ تھا۔ اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جُبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ مقرر فرمایا۔ اور یہ حکم دیا کہ درۂ کوہ پر محافظ رہو۔ کسی مشرک کو ادھر سے نہ آنے دو۔ اور تم کسی صورت میں بھی وہاں سے نہ ہٹنا۔ خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب۔ بعد ازاں تسویہ صفوف فرما کر جب جھنڈے بلند فرمائے گئے۔ تو قبیلہ قریش میں سے طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مقابل طلب کیا۔ ادھر سے حضرت علی اس کے مقابلہ کو نکلے۔ اور پہلے ہی وار میں اس کے سر کا گودا نکال دیا۔ وہ واصل جہنم ہوا تھا۔ کہ اس کا بھائی للکارتا ہوا آیا اور حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ غرض کہ علم داران قریش ایک ایک کر کے جب سب ہلاک ہو گئے اور علم کفر نگونسار ہو گیا۔ تو مسلمانوں نے یکبارگی حملہ کر کے کفار قریش کو لشکر گاہ سے نیچے اتار دیا اور مال غنیمت لوٹنا

شروع کیا۔ جب فتح مبین کا شہرہ درۂ کوہ کے محافظین نے بھی سنا اور غنیمت لٹتی دیکھی مطمئن ہو کر یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید محض فتحیابی کی حد تک کی تھی۔ اب کیا ہے۔ اب تو اللہ نے فتح دے دی۔ ہر چند کہ عبد اللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے روکنے میں مبالغہ بھی بہت کیا۔ مگر کسی نے ان کی نہ سُنی۔ اور وہاں سے لشکر گاہ کفار میں آکر لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ بن جُبیر چند آدمیوں کے ساتھ حسب فرمان سرکار ٹھہرے رہے۔ فرار شدہ دشمنوں نے اس راہ سے بآسانی گزر کر داخل ہونے کا راستہ دیکھا تو اس طرف کا رُخ کیا اور حضرت عبد اللہ بن جُبیر کو معہ ان کے رفقاء کے شہید کر ڈالا۔ اور لشکر اسلام پر چھاپہ مارا۔ یک لخت ہوا کا رُخ بدل گیا۔ فتح نے شکست کی صورت اختیار کی۔ یہ ادنیٰ حکم شکنی محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا نتیجہ دیکھ کر یہ لوگ بہت پچھتائے۔ مگر اب چارہ کار ہی کیا تھا۔ اب لشکر اسلام تین حالتوں پر منقسم ہو گیا۔

ایک جماعت نے تو بھاگنے کی ٹھان لی اور افتاں وخیزاں بھاگ کر جان بچائی اور حوالی مدینہ میں آکر پناہ گزین ہوئے۔

دوسری جماعت نے جان کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دینا بھاگنے سے افضل جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرد گرد حاضر رہے۔ ان میں حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا۔ اور سعد وقاص اور حضرت طلحہ وغیرہ تھے۔

تیسری جماعت سراسیمہ اسی میدان میں حیران وسرگرداں تھی۔ نہ بھاگے بنتی تھی نہ ٹھہرے۔ اور تھوڑے سے مقابلہ میں جام شہادت نوش فرما چکے تھے۔

روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ روزِ احد میں جب مسلمانوں نے اکثر بھاگنا شروع کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت

خشمناک ہوئے۔ اسی حال میں ملاحظہ فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حاضر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی کیا سبب ہے کہ تم اپنے لشکریوں کے ہمراہ نہ گئے۔ عرض کی حضور اِنَّ لِیْ لَکَ اُسْوَۃٌ کہ میرے لئے تو دین و دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا بھی سہارا نہیں۔ حضور میرے مقتدا ہیں اور میں مقتدی ہوں

جاں دہد عاشق واز کوچۂ جاناں نرود
بلبل سوختہ ہرگز زگلستاں نرود
صفت عاشق صادق بحقیقت آنست
کہ گرش سر برود از سر پیماں نرود

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پریشاں جماعت کو للکارا کہ مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ حضور موجود ہیں۔ اور تم بے یار و مددگار مارے مارے پھر رہے ہو۔ یہ آواز سنتے ہی سب جماعت یکجا ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سب کو میرے گرد حفاظت میں چھوڑ دو اور تم صفوف اشقیا کو منتشر کر دو۔ حکم شاہی سنتے ہی

شیر خدا اسد اللہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم

بپھرائے ہوئے میدان میں شیر کی طرح جو گرے۔ اکثر کو واصل جہنم کیا۔ اور تمام دشمنوں کو منتشر کر دیا۔ حضرت روح الامین حاضر دربار ہوئے اور مدح علی کرتے ہوئے عرض پیرا ہوئے کہ حضور یہ کمال مواساۃ اور جوانمردی ہے۔ کہ تعمیلِ حکم میں تنہا علی گھمسان میں جا گھسے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنَّهُ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ

علی مجھ سے ہیں۔ اور میں علی سے۔ کہ اتنے میں غیبی ندا آئی

لَا فَتٰى إِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُوالْفِقَارِ

صاحب درج الدرر اس واقعہ کو لکھ کر فرماتے ہیں۔ کہ یہ تمام مرتبہ جو حضرت علی نے حاصل کیا۔ یہ سب محض **اتباع محبوب کے باعث تھا**

ولقد اجاد فیما افاد

آنکہ بسیر مرتبہ لا فتے رسید
از دولت متابعت مصطفےٰ رسید
آں مردمے کہ برسر اعدا بہ ذوالفقار
ہمچوں کلیم بود کہ با اژدہا رسید
با میر او ز تفرق خلاص یافت
زر گشت کار قلب چو با کیمیا رسید

جب یہ حالت کفار کی ہو گئی۔ تو چار شخصوں نے کفار قریش سے معاہدہ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم قتل کریں گے یہ ابن قمیہ اور ابن حُمید اور عتبہ بن ابی وقاص اور ابن شہاب تھے۔ جب اشرار قریش نے پورا غلبہ کر لیا اور ابرار مغلوب ہو چلے تو ہر ایک کہنہ میں روپوش تھے۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم معدودے چند جان نثاروں کے ہمراہ ایک مقام پر تھے۔ ان چاروں سنگین دلوں نے میدانِ آرزو کو حسب مرام پا کر جرأت کی اور پتھر برسانے شروع کئے۔ حتیٰ کہ اس معدن جواہر رسالت کی طرف ابن قمیہ خبیث نے چند پتھر تاک کر مارے۔ حتیٰ کہ ایک پتھر پیشانی اقدس پر لگا اور خون بہنا شروع ہُوا۔ ریش اقدس خون میں تر ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خون کو دامن ردا سے

جذب فرما رہے تھے۔ اور ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور خون کی اس قدر احتیاط کیوں ہے کہ ردائے مبارک کو تر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا یہ بدبخت اندھے ہیں۔ مگر میری شان رحمت اس امر کی مقتضی نہیں کہ ان پر مصیبت آتی دیکھوں۔ اور خاموش بیٹھا رہوں۔ اگر ایک قطرہ خون بھی زمین پر گر جاتے۔ تو اس قدر عذابِ الٰہی نازل ہو کہ جیسے یہ پتھر برس رہے ہیں۔ اسی طرح شہاب جہنم برسنے لگیں۔

اتنے میں ابن شہاب خبیث نے زور سے بازوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر مارا۔ اور ابن ابی وقاص سے کہا کہ جلدی کر۔ اس خبیث نے ایک پتھر مارا۔ جس سے لب و دندان مبارک زخمی ہوئے۔ اس پتھر سے دندانِ رباعیات شہید ہو گئے

بود لعلش سہیل رخشندہ
رنگ ما رنگ لعل بخشندہ
چوں سہیلش رفیقِ سنگ آمد
سنگ در دم عقیق رنگ آمد

جب تمام جسدِ نوری خون میں نہا چکا تو ابن قمیہ شمشیر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہٹے اور ان خبیث کی نظروں سے روپوش ہو گئے بلکہ نظر ابرار و اشرار سے پوشیدہ ہو گئے تو صحابہ شہادت کے دھوکے میں سخت پریشان ہوئے ؎

نالہ دلہا بہ ثریا رسید
وز مژہ ہا سیل بدریا رسید

ابن قمیہ ملعون نے یقین کر لیا۔ کہ وہ خورشید شرع دریا رفنا میں غروب

ہو چکا۔ وہ ماہ اوج و کمال مغرب ستم میں غروب ہو گیا۔ اپنی قوم کو مژدہ دینے لگا۔ کہ مبارک ہو۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کر دیا ہے۔ شیطان لعین نے اس آواز کو شہرت دینی شروع کی۔ تمام لشکر میں اعلان کر دیا۔

اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ

یہ شیطانی آواز مدینہ تک پہنچی۔ اور یہ خبر دلسوز دوست و دشمن کے گوش نے مسموع کی۔ اشرار اس خبر سے شاداں ہوئے اور ابرار اس تشہیر سے پریشاں۔

مختصر یہ کہ مطمئن ہو کر مشرکین لوٹ کی طرف بڑھے۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر بعد ایک گوشہ سے ظاہر ہوئے۔ تھوڑے صحابہ جو وہاں کھڑے زار زار رو رہے تھے۔ دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ اس گھمسان میں حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے بھی جام شہادت نوش فرما لیا تھا۔

آپ کی شہادت کی صورت یہ تھی۔ کہ جبیر بن مطعم کہ مہتر زادہ مکہ تھا اور اشراف عرب میں مانا جاتا تھا۔ اس کا ایک غلام حبشی مسمیٰ وحشی تھا اور وحشیت میں مشہور۔ گویا اسم بامسمیٰ تھا۔ زبردست مرد میدان دلیر اور زبردست مبارز۔ غرض جب لشکر قریش مدینہ کی طرف بڑھنے لگا۔ تو جبیر نے وحشی کو بلایا اور کہا اے غلام! اگر ہمارا ایک کام کر دے۔ تو تجھے ابھی آزاد کر دوں۔

اس نے کہا فرمایئے۔ اس نے نہایت بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں نے کیا ظلم ڈھا رکھا ہے۔ روز بدر میں میرے چچا کو بھی قتل کر ڈالا۔ اور میں وہی ایک چچا رکھتا تھا۔ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دو چچا ہیں۔ حمزہ اور عباس۔ عباس مکہ میں ہے حمزہ اسوقت

مدینہ میں۔ اگر اس لڑائی میں حمزہ کو تو قتل کر دیوے۔ تو علاوہ آزاد کرنے کے تجھے دولت وافر سے مالا مال کر دوں گا۔

وحشی نے معاہدہ لے کر قتل حمزہ کا وعدہ کر لیا۔ ادھر ہندہ زوجہ ابن ابی سفیان نے اپنے باپ عتبہ کے انتقام کے لیے وحشی سے وعدہ لیا۔ اُدھر دختر حارث بن عامر نے بلا کر کہا کہ اگر تو میرے باپ کا بدلہ محمد یا علی یا حمزہ سے لے تو تجھے بہت مال دوں اور تیری شادی کرا دوں۔ وحشی نے کہا کہ قتل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجھ میں ہمت نہیں۔ اس لئے کہ ان کی محافظت میں بہت آدمی رہتے ہیں۔ مگر حمزہ کو ماروں گا۔ علی بھی چونکہ جوان اور نورسیدہ میدان کارزار نادیدہ ہیں۔ ممکن ہے ان پر بھی قدرت پا جاؤں۔

چنانچہ وحشی آزادی کی خوشی۔ ہندہ کے وعدوں وغیرہ کی مسرت اور دختر حارث سے شادی کا خیال دماغ میں لے کر شیران بیشہ اسلام میں سے ایک کو شہید کرنے کی ٹھان چکا تھا منتظر حرب رہا۔ مگر جب دیکھا کہ ایسا موقعہ اب نہیں نکلتا تو مجبوراً علیحدہ علیحدہ تفحص میں نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا۔ تو دیکھا کہ شمع شبستان نبوت پر پروانے نثار ہو رہے ہیں۔ حضرت علی کی جستجو میں چلا۔ دیکھا کہ ایوان خالی میں ان لوگوں کے مجمعے ہو رہے ہیں۔ جو حرب میں مہارت تام رکھتے ہیں۔ اور خود علی بھی اطراف و جوانب سے بہت چاق چوبند ہیں۔ ہمت نہ پڑی۔ لوٹا اور حضرت حمزہ کی طرف روانہ ہوا۔ دیکھا کہ حضرت حمزہ مثل شیر مست کے لشکر میں للکار رہے ہیں اور لشکر کی صفوں کی صفیں صاف فرما رہے ہیں اور نہایت اطمینان سے محاربہ فرما رہے ہیں ؎

سالہا لعب نماید فلک چوگاں قدر
تا چنیں شاہسوارے سوئے میداں آرد

از رو چستی و چالاکی اگر قصد کند
بدمے گوئے فلک درخم چوگاں آرد

اتفاقاً آپ سباع بن عبدالعزیٰ سے دوچار ہو گئے۔ آپ نے بلا کسی خیال کے ایک ہی وار میں اس کا مستقر سقر بنادیا اور جوش میں گھمسان کی پرواہ نہ کی۔ گھستے چلے گئے۔ اس جگہ کمین گاہ پر وحشی چھپا ہوا کھڑا تھا۔ جیسے ہی حمزہ اُدھر سے گزرے وحشی نے پیروں پر ایسا وار کیا کہ آپ گر گئے۔ فوراً سینہ پر چڑھ کر سینہ چیرا۔ کلیجہ نکالا۔ اور ہندہ کو دکھانے چلا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور ہندہ کے پاس آکر کہا لے یہ حمزہ کا جگر ہے۔ جو تیرے باپ کا قاتل تھا۔ ہندہ نے خوش ہو کر جگر کو لیا اور دانتوں سے چبایا اور پھینک دیا۔ اس خوشی میں اس نے گلے اور پاؤں کا تمام زیور اتار کر وحشی کو بخشا۔ اور کہا جب مکہ پہونچوں گی۔ سو دینار زرِ سرخ تجھ کو بخشوں گی۔ پھر پوچھا۔ حمزہ کو کہاں مارا وہ جگہ مجھے دکھا۔ وحشی اس کو ہمراہ لایا۔ ہندہ نے سرِ حمزہ پر پہنچ کر چھری نکالی۔ اور کان۔ ناک اور بعض اعضاء کاٹ کر ڈورے میں پروئے۔ اور اس ہستی مقدس کو مثلہ کر کے خاک و خون میں پڑا چھوڑا ؎

در خاک و خوں فتادہ رواکے بود تنے
کہ در غزا بدشمنِ دیں کارزار کرد
جانہا فدائے عمِ محمد کہ در اُحد
جاں را برائے دینِ الٰہی نثار کرد

روایت ہے کہ جب شہرۂ شہادت سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مدینہ کے گھر گھر میں پھیل گئی۔ تو کوئی عورت قریش و بنی ہاشم کی نہ تھی مگر زار زار روتی تھی اور مخدرات و محرمات حجرات طہارت نے قصد روانگی احد فرمایا۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حجرے کے پیچھے کھڑی تھیں کہ ایک شخص کو جو اس

لڑائی سے فرار ہو کر آیا ہوا تھا دیکھا۔ آپ نے اُسے بلایا اور حال حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھا۔ اس نے مفصل واقعہ عرض کرتے شرم کی اور کہا کہ لشکر کی حالت ناگفتہ بہ ہے

احوال درون خانہ گفتن ناتواں
خون بر در آستانہ می بین و مپرس

حضرت سیدہ زار زار رو رہی تھیں۔ اور حضرت ام ایمن اور صفیہ اور صدیقہ رضی اللہ عنہن نے جبل احد کی طرف روانگی کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔ حتٰی کہ معہ سیدہ کے روانہ ہوئیں۔ مگر طاقت رفتار نہ تھی چلتیں اور گر جاتیں کہ ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ حضور! آپ کہاں جا رہی ہیں۔ زار زار رو کر سب حال سنایا اور جہاں کا عزم تھا بتایا۔ اس نے عرض کی آپ یہیں ٹھہریں اور میں جا کر ابھی خبر لاتی ہوں۔ حضرت سیدہ نے فرمایا کہ اچھا جا مگر جب تیری نظر جمال آرائے نبوت پر پڑے۔ تو میرا حال زار سنا کر یوں عرض کیجو کہ حضور مصیبت زدہ فاطمہ نے یوں عرض کی ہے ؎

اے آفتاب حق کہ شدی غائب از نظر
آیا شب فراق ترا کے بود سحر
اے نور چشم عالم و چشم و چراغ دل
بکشائی چشم رحمت و در حال من نگر
نالم چو نے ز غصہ و بادام بود بدست
سوزم چو شمع در غم و دردم ز پا بسر

وہ عورت روانہ ہوئی۔ حضرت سیدہ اس کی واپسی کے انتظار میں ایک مقام پر تشریف فرما رہی رہیں۔ یہ عورت جب لشکر گاہ میں پہنچی ہر کس و ناکس

سے حال حیاتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتی۔ حتیٰ کہ یہ اس مقام پر سے گزری جہاں اس کے بھائی کی لاش پڑی تھی۔ بیتاب ہو کر چاہتی تھی کہ لاش سے چمٹ جائے۔ مگر معاً خیال ہوا کہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری منتظر ہیں اور شہادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مشتہر ہے۔ ایسی حالت میں مجھ پر حرام ہے کہ بجز حضور کی زیارت کے کسی کو دیکھوں۔ یہ سمجھ کر آگے چلی تو باپ کی لاش ملی۔ اس سے منہ پھیر کر آگے بڑھی تو اپنے اکلوتے بیٹے کی لاش دیکھی جو بعمر بست سالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں آیا تھا۔ زخم پر زخم کھا چکی تھی۔ بیٹے کی لاش نے اس پر نمک پاشی کی۔ بے جان سی ہو گئی۔ مگر ہمت کر کے آگے بڑھی تو ماں کی لاش دیکھی از خود رفتگی میں کہنے لگی اَهْلًا وَّ سَهْلًا یَا اُمُّ۔ یعنی خوش آمدید اے مادرِ مہربان۔ مجھے ذرا مہلت دو۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ کی صاحبزادی سیدہؓ کو بشارت دے آؤں۔ یہ کہہ کر آگے بڑھی تو دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوائے اسلامی کے نیچے رونق افزا ہیں۔ اور گرد و پیش پروانہ وار تمام صحابہ حاضر ہیں۔ یہ صف چیرتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جا کر گری اور پکاری کہ حضور پدر و پسر و برادر اور تمام میرا قبیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہو چکا۔ میں بھی فدا ہونے کو حاضر آئی ہوں۔ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا پیام لائی ہوں کہ وہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں نالاں و گریاں ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے انہیں کہاں چھوڑا۔ اس نے عرض کی فلاں مقام پر۔ حضور نے فرمایا ابھی واپس جا اور ہماری بشارتِ حیات انہیں پہنچا اور پھر ہمارے پاس آ کر ہمیں مطلع کر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب الارشاد وہ عورت لوٹی۔ اور بشارتِ حیات، سیدہ کو پہنچائی۔ اور کہا خدا کی قسم آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم زیر لواء رونق افروز ہیں اور تمام صحابہ گردو پیش حاضر ہیں۔ حضرت سیدہ نے فرمایا مجھے ان تک پہنچا دے۔ اس نے عرض کی کہ بہت اچھا۔ غرض کہ حضرت سیدہ اس عورت کے ہمراہ جبل اُحد کو روانہ ہوئیں۔ جب حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کو تشریف لاتے دیکھا۔ آگے بڑھے اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ حضرت سیدہ بہت روئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں تسلی تشفی دی۔ آپ نے عرض کی۔ ابا جان! اس عورت نے میری یہ مراد پوری کی۔ اسے کچھ انعام دینا چاہتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا

مانگ کیا مانگتی ہے؟

اُس عورت نے عرض کی۔ صرف یہ چاہتی ہوں کہ بروزِ قیامت میرا ہاتھ سیدہ کے ہاتھ میں ہو۔ اور وہاں مجھے فراموش نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا۔ پھر سیدہ نے شہداء کی لاشوں پر جانے کی اجازت چاہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ آپ اُٹھیں اور صحابہ سے پوچھا ما فعل عمی۔ میرے چچا حمزہ کو تم لوگوں نے کیا کیا اور ان کا کیا حال ہے کیا وجہ ہے کہ سب کو دیکھتی ہوں۔ لیکن اُنہیں نہیں پاتی۔ حارث بن حتم نے عرض کی۔ میں ابھی اُنہیں ڈھونڈھ کر لاتا ہوں۔ یہ تبلاش حمزہ روانہ ہوئے۔ واپس آنے میں جو تعویق زیادہ ہوئی۔ تو حضرت شیر خدا خبر لینے چلے اور حارث سے ملے۔

دیکھا کہ حارث لاش حمزہ پر کھڑے رو رہے ہیں

جیسے ہی علی شیر خدا نے حمزہ کی یہ حالت دیکھی۔ جو نہ کو رہ چکی زار زار رونے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مفصل حال عرض کیا۔

آہ ایں چہ خبر بود کہ دلہا خون شد
جانہا ہمہ سوخت دیدہ ہا جیحوں شد

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس اُٹھے اور بر سر بالینِ حمزہ آئے تو دیکھا کہ حمزہ شہید ہیں۔ مُثلہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے چچا حمزہ کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے وہ آپ کے چچا بھی تھے اور برادر رضاعی بھی۔ اس موقعہ پر حضرت صفیہ کہ حضور کی چچی اور حمزہ کی بہن تھیں آتی نظر آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادہ زبیر سے فرمایا جاؤ اور اپنی والدہ کو واپس لے جاؤ۔ کہیں وہ اپنے بھائی کی لاش کا یہ حال دیکھ کر فرطِ غم سے جان نہ دے دیں۔ زبیر بحکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور اپنی والدہ سے فرمایا۔ کہاں تشریف لے چلیں۔ فرمایا میں نے سُنا ہے کہ بھائی حمزہ کو شہید کر کے مثلہ کر دیا ہے۔ اس حال کے دیکھنے کو جا رہی ہوں۔ زبیر نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی یہ ہے۔ کہ میں آپ کو واپس لے چلو۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اور میری حاضری کی اجازت لے آؤ۔ میں جانتی ہوں یہ جو کچھ بھی حمزہ کے ساتھ ہوا۔ محبت خدا اور رسول میں ہوا ہے۔ اللہ مجھے صبر دے گا اور ان کے صبر و رضا کے بدلے میں خدا میری بھی مغفرت فرما دے۔ زبیر نے آکر اجازت لی اور صفیہ کو لاش حمزہ پر لے آئے۔ صفیہ نے بھائی کی لاش کا یہ حال دیکھ کر زار زار رونا شروع کیا۔ اور جناب الٰہی میں دعا کی کہ خدایا محبت رسول کے مقابلہ میں اپنے بھائی کے حال پر صبر کرتی ہوں۔ اس کے بدلہ میں تو میری خطائیں معاف فرما دے۔

صفیہ کے نالہ و بکا کی حضور تاب نہ لا سکے۔ خود بھی چشم نوری سے سلک گوہر ڈالے۔ سیدہ فاطمہ زہرا بھی رو رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صفیہ تیرے جیسی مصیبت کسی پر نہیں آئی ؎

ہنگام چنیں مصیبت اے دل
کو نالہ و آہ و بے قراری
اے دیدۂ تو اشک ہائے خونیں
از بہر کدام روز داری

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ اور اے صفیہ تمھیں مژدہ ہو کر خاص تمھارے لئے اس وقت روح الامین آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حمزہ کو ملکوت السماء میں اسد اللہ اور اسد الرسول کا خطاب ملا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز پڑھی۔ سب سے اول سیدنا حمزہ بعد میں سب کی۔ پھر سب کو دفن کیا گیا۔ سیدنا حمزہ کے لئے حضور صلی اللہ نے فرمایا کہ انھیں انہی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کرو۔ جب اس کام سے فرصت پائی۔ تو مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

اب وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ اس قافلہ کے سردار اور مبلغ اعظم

حضرت جعفر بن ابی طالب تھے۔ جو حضرت شیر خدا اسد اللہ کے بھائی بھی تھے۔ ان کا تذکرہ یوں ہے کہ جب یہ حبشہ پہنچے۔ تو تبلیغ جعفر سے انہیں کے ہاتھ پر نجاشی والی حبشہ شرف اسلام سے مشرف ہو گیا۔ پھر حبشہ سے لشکر لے کر ایک دن میں خیبر فتح کر لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحد غایت خورسند و شادماں تھے اور بار بار فرماتے تھے۔

کہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں خوشیوں میں سے کس خوشی نے مجھے زیادہ مسرور کیا ہے

ایک قدوم جعفر۔ دوسری فتح خیبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جعفر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اکثر ان سے فرماتے یَا جَعْفَرُ اَشْبَهْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ اے جعفر تم بہت زیادہ میری صورت اور سیرے خلق سے مشابہت رکھتے ہو۔

روایت ہے کہ سالِ ہشتم ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرب شرجیل غسانی کے لیے جب لشکر تیار کیا۔ تو حضرت جعفر بھی اس سریہ میں شریک تھے۔ جب مقام حضرموت پر پہنچے جو مقام بلقا کے نزدیک ہے۔ تو شامی لشکر کفار مقابلہ میں آگیا۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں تین ہزار مجاہد تھے اور لشکر شامی میں ایک لاکھ سوار و پیادہ تھے۔ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔

اوّل تو مقابلہ کرنے میں تامل کیا گیا کہ ادھر کل تین ہزار ہیں۔ اور اُدھر ایک لاکھ سے زیادہ کی تعداد ہے۔ مقابلہ نامناسب ہے۔ مگر قوتِ الٰہی اور

اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی

پر یقین کر کے متوکلاً علی اللہ پائے ثبات کو رکابِ وقار میں رکھ ہی دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عنانِ فتح اس وقت آفریدگار کے یدِ قدرت میں تھی ؎

در دستِ ما چو نیست عنانِ ارادتے
بگذاشتیم تا کرم او چہ می کند

مردانہ وار کارزار کفار میں کود پڑے۔ اثنائے قتال میں جب زید بن حارث رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ تو جعفر بن ابی طالب نے علم اٹھایا۔ اور سواری سے

اتر کر پیادہ پا ہو گئے۔ اور اپنے گھوڑے کو آپ نے خصی کرا دیا۔ یہ پہلا گھوڑا ہے۔ جو اسلام میں خصی کرایا گیا۔ پھر آپ سرگرم محاربہ ہوئے۔ ایک وار تلوار کا آپ کے دست راست پر ایسا پڑا کہ تن مبارک سے وہ ہاتھ جدا ہو گرا۔ آپ نے نہایت دلیری سے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ دشمنوں نے بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ آپ نے اپنے بازو میں علم کو رد کا کہ ایک رومی خبیث نے نیزہ مارا کہ پائے مبارک میں لگا۔

صحاح میں ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سب حال روشن فرمانے کو حجابہائے زمین مرتفع فرمائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچشم خود یہ سارا محاربہ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اور اصحاب کرام کو مطلع کرتے جاتے تھے۔ صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید بن حارث نے علم بلند کیا تھا مگر وہ شہید ہو گئے تھے اب جعفر بن ابی طالب نے اٹھایا ہے۔ مگر یہ بھی مرتبہ شہادت حاصل کر چکے۔ اب ابن رواحہ علم اٹھائے ہوئے جرعہ فنا نوش کر رہے ہیں۔ یہ فرما کر

قطرات اشک چشم مبارک سے جاری ہو گئے

اور فرمایا جعفر بہشت گئے۔ حق تعالیٰ نے دو پر یاقوتی جعفر کو دیئے۔ اس معاوضہ میں کہ ان کے دو ہاتھ کٹے تھے۔ اب وہ جہاں چاہیں اڑیں اور سیر کریں۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے جعفر کو بصورت ملکی دیکھا کہ وہ اڑتے ہوئے سیر کرتے پھرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ کو خواب میں ملاحظہ کیا۔ کہ جنت میں مرغان بہشتی کے ساتھ پرواز کر رہے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں اڑ کر جاتے ہیں۔ اسی وجہ میں آپ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔ اور حضرت علی نے اپنے ایک شعر میں ان کی منقبت اس طرح فرمائی ہے۔

وجعفر الذی یضحی ویمسی
یطیر مع الملائکة ابن امّی

یعنی وہ جعفر کہ صبح و مسا ملائکہ کے ساتھ طیران کر رہا ہے۔ وہ میرا ماں جایا بھائی ہے۔

بعض قصوں میں مروی ہے کہ حضرت جعفر نے اس لڑائی میں پچاس زخم کھائے اور آپ کو گرد و پیش سے ۷۵ آدمیوں نے گھیر رکھا تھا اور چاروں طرف سے تیر و تلواریں ماری جا رہی تھیں۔ جب آپ شہید ہو گئے۔ تو آپ کی لاش مبارک کو خفشار شام نے نیزہ پر اٹھا لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مسجد نبوی کے ممبر پہ رونق افروز تھے۔ اور یہ تمام واقعہ بذریعہ مکاشفہ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب لاش مبارک کی یہ حالت دیکھی تو دعا کی کہ الٰہی میرے چچا زاد بھائی کی لاش کو اتنا رسوا نہ کر۔ حق تعالیٰ عز اسمہ نے اسی وقت ان کے دو بازو پیدا فرما دیئے۔ آپ نیزہ کفار سے اڑے۔ اور جنت الفردوس میں پہنچے

اس وجہ میں آپ کو طیّار کہا جاتا ہے

مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام حال مشاہدہ فرما لیا۔ تو جعفر بن ابی طالب کے مکان پر تشریف لائے اور اسما بنت عُمیس زوجۂ جعفر سے فرمایا۔ کہ جعفر کے بچے کہاں ہیں انہیں میرے پاس لاؤ۔ آپ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیار کیا۔ اور گود میں بٹھا کر اشکِ نوری چشمِ منوّر سے گرائے۔ حضرت اسماء نے عرض کی۔ حضور! آج جعفر کے بچوں کو اس طرح نواز رہے ہیں جیسے یتیموں کو۔ کیا جعفر کی شہادت کی اطلاع آچکی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں۔ وہ شہید ہو گئے۔ حضرت اسماء

غایت بے خودی سے آہ و بکا کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ عورتیں جمع ہو گئیں اور رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسکین و تسلی دے کر تلقین صبر فرمائی اور وہاں سے رخصت ہو کر حضرت سیدہ کے یہاں بچشم پر آب تشریف لائے دیکھا کہ حضرت فاطمہ رو رہی ہیں اور واعماہ کہہ کر آنسو بہا رہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علی مثل جعفر فلتبک البا کیہ" حقیقتاً اگر کوئی روئے تو جعفر جیسے پر روئے سے

حیراں شدہ ام در غمت چوں گویم
از ابر بہار بارے افزوں گویم
گردیدہ ز بہر دیگراں گرید آب
بہتر کہ من خستہ جگر خوں گویم

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تازیست یاد رکھوں گا اس لطف و کرم کو جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر آکر ہم پر فرمایا جبکہ ہمارے پدر بزرگوار جعفر طیار نے جام شہادت نوش فرمایا تو تعزیت فرمانے تشریف لائے اور دست نوری میرے سر پر رکھ کر میرے بھائیوں کو گود میں لیا اور بہت پیار کیا اور آنکھوں سے آپ کے آنسو ایسے جاری تھے۔ کہ محاسن مبارک بھی تر تھی۔ پھر آپ نے دعا فرمائی تھی۔ کہ خدایا جعفر نے بہترین ثواب آخرت حاصل فرمایا۔ اب تو اس کی اولاد کو ان کے باپ کی خلافت عطا فرما دے ہماری ماں جب یتیمی و بے کسی پر گریہ فرمانے لگیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْعَیْلَۃَ تَخَافِیْنَ عَلَیْھِمْ وَاَنَا وَلِیُّھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

کیا تم فرزندانِ جعفر کی بے کسی و یتیمی سے خائف ہو باوجودیکہ میں ان کا دین و دنیا میں وارث ہوں۔ حضرت جعفر کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ دو صغر سن جن کے نام محمد اور عون تھے جو کربلا میں اپنے چچا کے صاحبزادہ امام حسین سید الشہداء کے ساتھ شہید ہوئے۔ جن کا تذکرہ انشاء اللہ اپنے وقت پر آئے گا اور چھ صاحبزادے اور تھے۔ منجملہ اُن کے عبداللہ بن جعفر طیار تھے جو شکل و شباہت کے لحاظ سے بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔ محمد بن جعفر ابوطالب کے ہم شکل تھے اور عون بن جعفر اپنے باپ کے بالکل مشابہ تھے۔ باقی پانچ کا تذکرہ حسب موقعہ انشاء اللہ ہوگا۔

سوراخ می شود دل ما چوں گل حسین
آں جا کہ ذکر واقعۂ کربلا رود
آخر روا بود کہ ستمگین دلانِ شام
بر اہل بیت ایں ہمہ جور و جفا رود

وفات حسرت آیات سیدنا ابراہیم فرزند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اب حسب موقعہ اوّل وفات حسرت آیات فرزند دلبند ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام منقول ہے۔ جو مدینہ طیبہ میں بسال ہشتم ہجری ذوالحجۃ الحرام میں حضرت ام المومنین ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے اور آپ کی دایہ قابلہ سلمٰی آزاد شدہ لونڈی تھیں۔ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرمایا تھا۔ انہوں نے جب حضرت ابراہیم کی ولادت دیکھی۔ خوشی خوشی اپنے خاوند ابورافع کے پاس آئیں اور کہا۔ ماریہ کو خدا نے لڑکا دیا۔ ابورافع

یہ خوشخبری لے کر خدمتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دوڑے گئے اور بشارت فرزند سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع کو اس مژدہ کے صلہ میں انعام بخشا۔

آپ کا نام اس طرح رکھا گیا۔ کہ اسی شب روح الامین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا اِبْرَاهِیْمْ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابراہیم نام رکھ دیا اور بہت مسرور ہوئے۔ آپ کے لئے دایہ مقرر کی گئی۔ جب آپ کی عمر مبارک قریب ڈیڑھ سال کے ہوئی۔ تو سال دہم ہجری میں آپ نے انتقال فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موت کا بہت زیادہ قلق ہوا

ثبوت گریہ اور ممانعت نوحہ و ماتم

روایت ہے کہ جب حضور کو سکرات ابراہیم کی خبر پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دایہ کے یہاں تشریف لائے اور عبد الرحمٰن بن عوف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ابراہیم کو گود میں لیا۔ اور سکرات کی کیفیت ملاحظہ فرما کر دریائے اشک چشم مبارک سے رواں ہوئے۔ عبد الرحمٰن بن عوف نے عرض کی اَتَبْكِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بھی روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ذٰلِكَ رَحْمَةٌ اے پسرِ عوف محض آنسوؤں سے رونا تو سبب رحمت ہے۔ میں نے جو منع کیا ہے۔ وہ منہ اور سینہ کوٹنے کو، کپڑے پھاڑنے کو کیا ہے نہ کہ محض آنسوؤں سے رونے کو

مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِیَّةِ فَلَیْسَ مِنَّا بھی ارشاد ہے اور آنسو تو ثبوت رقت قلب ہے اور جس میں رقت

قلب نہ ہو وہ انسان نہیں۔ آنسو سبب رحمت ہیں۔ اور جس کے دل میں رحم نہ ہو۔ اس پر خدا بھی رحم نہیں فرماتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ پیارے ابراہیم اگر موت امر الٰہی نہ ہوتی تو ہم تمہیں اس حال میں نہ ہونے دیتے۔ مگر اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ جب امر الٰہی آجاتا ہے۔ تو ایک ساعت کم وزیادہ بمقدم ومؤخر نہیں ہو سکتی۔ یوں۔ مجبور ہیں ؎

میرے ہوتے ہوئے لیجائے تمہیں دستِ اجل
اور میں مجبور ہوں اتنا کہ چھڑا بھی نہ سکوں

پھر فرمایا اَلْعَيْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا بِمَا يُرْضٰى بِهِ اللّٰهُ۔ وَاَنَا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ ۝ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ دل اندوہناک ہے۔ مگر ہم وہ جملہ زبان سے نہ کہیں گے جو جاہل کہتے ہیں۔ مگر شکر الٰہی اور جس سے کہ ہمارا رب راضی ہے۔ اور ابراہیم بیشک تمہارے فراق سے ہم غمگین ہیں ؎

دل ز پیوند کساں برداشتن آساں بود
لیک از پیوند جاں خود بریدن مشکل است

شواہد النبوۃ اور دیگر کتب سیر میں مذکور ہے۔ کہ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو زانوے راست پر اور ابراہیم علیہ السلام کو زانوے چپ پر بٹھا رکھا تھا اور پیار فرما رہے تھے کہ روح الامین حاضر ہوئے۔ عرض کی یا حبیب اللہ حضرت رب العزت دونوں کو آپ کے پاس جمع رکھنا نہیں چاہتا۔ ایک رہ سکتا ہے۔ آپ اختیار فرلیں جس کو چاہیں تاکہ ایک کو جوار رحمت میں لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حسین کے

لئے یہ منظور کرتا ہوں۔ تو اس کی جدائی میں میری جان پر بننے کے علاوہ قلب علی بھی ملول ہوگا اور میری نورچشمی فاطمہ کے جگر پر بھی زخم کاری لگے گا۔ بلکہ ان کے بھائی حسن کو بھی صدمۂ عظیم پہنچے گا۔ اور اگر ابراہیم کے لئے یہ تجویز منظور کروں تو کوہ الم ہماری جان سوزاں پر پڑتا ہے۔ لہذا میں اپنی جان پر سوز فراق منظور کرتا ہوں۔ چنانچہ اس معاملہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی۔ اس کے بعد کفار قریش نے بڑی بڑی تعبیریں نکالیں۔

چنانچہ سورۃ الکوثر کا نزول ہی اس وجہ میں ہوا۔ صاحب تفسیر حسینی ماتحت سورۃ الکوثر اس کا شان نزول یوں نقل فرماتے ہیں۔ کہ جب وفات حسرت آیات ابراہیم رضی اللہ ہوئی۔ تو کفار قریش نے کہا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابتر ہو گئے یعنی دم بریدہ (معاذاللہ) مقطوع النسل۔ تو یہ سورۃ مبارکہ نازل ہوئی اور ارشاد ہوا اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ کہ اے محبوب بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک جو آپ کا دشمن ہے وہی مقطوع النسل ہے۔ اور ہر چیز سے محروم ہے۔

بعد وفات جب کبھی سیدنا حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے۔ آپ گود میں لیتے اور پیشانی چوم کر فرماتے۔ وہ پیارا جس پر اپنے لخت جگر کو قربان کر دیا یہ حسین ہے۔

کنز الغرائب میں ایک روایت ہے کہ ایک روز سیدنا حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چہرۂ زیبا دیکھا تو کچھ ملول تھا۔ فرمایا کیوں غمگین ہو عرض کی۔ ابا جان کے پاس جائیں گے۔ مگر بارش سے ڈر لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے علی الفور دعا فرمائی۔ بارش بند ہوگئی۔ یہ وہی حسین ہیں جو دشت کربلا میں باران تیر ستم سے شہید کئے گئے۔ اللہ اکبر۔ جس ذات کے ملال کو رفع کرنے کے لئے بارش بند کرائی جائے۔ اس پر بارش ظلم وستم روا رکھنے والوں پر کیا کیا عذاب ہوں گے؟

اب وفات حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنیئے

کہ کس شان سے ہوئی۔ اور قیامت کبریٰ کا ظہور کس طرح ظہور پذیر ہوا۔

اوّل خواطر زاکیۂ عقلاء عالم اور ضمائر صافیہ بنی آدم پر یہ امر واضح ہونا ضروری ہے۔ کہ لباسِ حیات انسان مستعار ہے اور اساس عمر بحد غایت ناپائیدار۔ لیالی و ایام کے ادوار میں مسافران راہ دور دراز کو عبور کرکے دار عقبیٰ میں قیام کرنا ہے اور مراحل شہور و اعوام میں روندگانِ بادیۂ خونخوار دنیا کو سیاحت کرکے وداع ہونا ہے۔

گنج اماں نیست دریں خاکداں
مغز وفائیست دریں استخواں
آنچہ دریں ماندہ خرگہی است
کاسۂ آلودہ و دست تہی است
ہر کہ ازو خورد دہانش بدوخت
وانکہ ازو گفت زبانش بسوخت

حقیقت یہ ہے کہ جہان رفیق فنا ہے۔ اور یہ دنیا گنج بخش رنج وعنا۔ جو یہاں آیا ہے اس کو جانا ہے۔ اور جو نقطہ صفحۂ رحم قرار پایا اس کو پیدا ہونا ہے

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ اس میں شام و سحر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

آرے اساس خانۂ عمر استوار نیست
واز فنا محل ثبات و قرار نیست

غرض کہ یہ مقامِ فنا ہے۔ یہاں کی عشرت بغیر عسرت نہیں۔ یہاں کی رحمت میں زحمت شریک ہے۔ یہاں کی مسرت میں مضرت ہے۔ یہ خانہ محنت اور کاشانۂ کربت ہے ؎

جہاں را ہر گلے بر نوکِ خاریست
خرابی از پئے ہر نو بہاریست
وصال غنچہ بے خار جفا نیست
چراغ لالہ بے باد فنا نیست
جہاں گر گنج دارد مار با وست
دگر خرما نماید خار با اوست
گر از دے لطف جوئی قہر یابی
وگر تریاق خواہی زہر یابی
نہ سروے در چمن بینم نہ شمشاد
کہ ارّہ ؂ و ہر ستے آزاد

یعنی جس سرو سہی نے چمن وجود میں بلندی حاصل کی۔ اُسے ارّہ فنا نے بیخ و بن سے کاٹا اور جس نہال تازہ نے گلشن حیات میں نشو و نما پائی بتیر حلت

نے اُسے فنا کیا ؎

کدامی سہر و را داد او بلندی
کہ بادشش خم نہ کرد از دردمندی

جس نے دروازۂ عدم سے فضائے وجود میں قدم رکھا۔ اس کو رخنۂ فنا نے نکالا۔ جس نے رخت آمال و آمانی عرصۂ زندگانی میں لاکر رکھا۔ اس کو لازمی طور پر فریب دے کر رہزن اجل نے لوٹا عربی میں کسی نے خوب کہا ہے ؎

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ کُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا
وَالْقَبْرُ بَابٌ کُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

موت ایک جام ہے کہ ہر جان کو اُسے پینا ہے۔ اور قبر ایک دروازہ ہے کہ ہر نفس کو اس میں داخل ہونا ہے۔

قرآن پاک میں ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کوئی ایسی جان نہیں جو ذائقہ موت نہ چکھے کل مخلوق سیموت ہر مخلوق مرنے کے لئے ہے دکل مرزوق سیفوت اور ہر رزق دیا گیا فوت ہونے کے لئے ہے غرض کہ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ہ جو بھی دنیا میں ہے۔ اس کو فنا ہونا ہے۔ اگر بقا ہے تو اس کی وجہ کریم کو جو ذی جلال والاکرام ہے۔ ورنہ خاقان وامیر سلطان و وزیر منشی ودبیر غنی دفقیر صغیر وکبیر جوان وپیر۔ عالم وجاہل۔ ناقص وکامل۔ قائم و قائد۔ بابط وصاعد۔ خفتہ وبیدار۔ مست وہوشیار۔ قوی وضعیف ۔ وضیع و شریف ۔ موحد وملحد۔ مقر وجاحد۔ فاسق وزاہد۔ کابل وجاہد۔ سب کو پنجۂ موت میں آنا اور دنیائے فانی سے سرائے جاودانی کو جانا ہے ؎

در بارگاہ حشر چہ سلطان چہ بینوا
بر آستان مرگ چہ درباں چہ بادشاہ

اگر کسی کو اس جہان میں حیات ابدی اور بقائے سرمدی زیبا بھی ہوتی۔ تو وہ محض انبیاء و مرسلین کے شایانِ شان تھی۔ اس لئے کہ وہ ہستیاں ہادی اور سالک راہ استقامت تھیں۔ اگر کسی کو موت مہلت دیتی اور دروازہ بقا وا ہوتا تو خصوصیت سے سید الانبیاء۔ سند الاصفیا محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لئے زیبا تھا۔ کیونکہ آپ نے ہی فرمایا ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ۔ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں۔ مگر انتقال جسمانی بسرائے جاودانی ان کے لئے بھی لازمی و ضروری ہوا۔ قرآن پاک میں خود انہی کو مخاطب بنا کر فرمایا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اے حبیب آپ بھی دُنیا سے جانے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَلَوْ كَانَ اِنْسَانٌ يَدُوْمُ بَقَاءُهٗ

لَمَا مَاتَ خَيْرُ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدًا

اگر انسان ہمیشہ باقی رہنے والا ہوتا تو خیر المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال جسمانی بھی نہ ہوتا۔

اندیشہ ز مرگِ مصطفےٰ باید کرد

شادی طرب جملہ رہا باید کرد

چوں سید ہر دو کون جاوید نماند

مارا طمع خام چرا باید کرد

روایت ہے کہ سال دہم ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا اور مقام عرفات میں روز عرفہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا یعنی اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل فرمادیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔ اور تمہارے لئے اسلام کو دین بنا کر پسند کیا۔ آقائے مدینہ رحمت مجسم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس آیت میں سے رائحہ انتقال پائی۔ اس لئے کہ ہر شے میں بعد کمال
زوال ہوتا ہے ؎

چو آفتاب بہ نصف النہار یافت کمال
مقرر است کہ رو مے نہد بسوئے زوال

تو آفتاب رسالت، مہتاب نبوت، خورشید ہدایت نیر محبوبیت جب ہر طرح اپنے
کمال کو پہنچ گیا۔ تو اب نظر سفلا میں اس کا زوال لازمی ہوا۔ جب وزیر تدبیر نظم مملکت
کر چکا تو دورے کا التوا ضروری ہوتا کہ وہ اپنے دارالسلطنت میں قرار پکڑے۔

چنانچہ جب تکمیل اسلام اور اتمام انعام ہو چکا۔ تو ناظم عالم سید بنی آدم صلی اللہ
علیہ وسلم کو اس مصیبت خانۂ دنیا میں رہنے سے تعلق بھی کیا رہا۔

روایت ہے کہ بعد حج خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس کسی کو
کچھ پوچھنا، لینا، مانگنا ہے اب مانگ لے۔ شاید آئندہ سال تم ہمیں یہاں نہ پاؤ۔ اور
شاید کل بروز قیامت تم سے پوچھا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح زندگی بسر
کی بتاؤ کیا جواب دو گے۔ سب نے عرض کی کہ ہم یہی جواب دیں گے کہ ادائے
حقوق رسالت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمایا تھا۔ نہایت امانت داری اور عدل
پروری میں امور سیاست و مذہب پورے فرمائے وعظ و نصیحت میں کوئی کمی نہ
رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت سبابہ آسمان کی طرف بلند فرمائی اور پھر
زمین کی طرف کی۔ اس وقت زبان مبارک پر یہ لفظ تھے اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! اَللّٰھُمَّ
اشْھَدْ!! الٰہی گواہ رہ! الٰہی گواہ رہ!!

بعد اس کے جب حج سے مراجعت فرمائی۔ اثناء راہ میں ایک منزل پر
اُترے اس مقام کو غدیر خم کہتے ہیں یہ متصل مقام جحفہ کے ہے۔ یہاں ظہر کی نماز اول
وقت پڑھی۔ اس کے بعد صحابہ و حاضرین جلسہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ اَلَسْتُ

اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ کیا میں تمہاری جانوں کا مالک نہیں ہوں۔
سب نے عرض کی بَلیٰ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ بیشک آپ ہی ہیں ایسے۔ اور کیوں نہ ہوتے جبکہ قرآن پاک شاہد ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہَاتُھُمْ۔ ہمارے نبی مسلمانوں کے ان کی جان سے زیادہ مالک ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

پھر آپ نے فضائل حضرت مولیٰ علی شیر خدا اس طرح بیان فرمائے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ جس کا میں دوست ہوں اس کا علی بھی دوست ہے
ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا مالک خدا ہے اور میں تمام مومنین کا مالک ہوں۔ پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اور جس کا میں دوست ہوں اس کا علی دوست ہے۔ بعد ازاں یہ پانچ دعائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے فرمائیں۔

اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ۔ الٰہی! جو علی کو دوست رکھے اسے دوست رکھو وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ اور ذلیل کر اس کو جو علی کو ذلیل کرے وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ اور اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے وَاَلْحِقْ مَعَہٗ حَیْثُ کَانَ اور ساتھ رہ اس کے جہاں بھی وہ ہو۔

روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر اٹھے اور حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے بَخٍ بَخٍ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ مَوْلَایَ وَمَوْلیٰ کُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَۃٍ۔ مبارک ہو ابن ابی طالب کو کہ انہوں نے تمام مومنین کی جانوں کے دوست بن کر صبح کی۔

ردا نہ براستے سرشہ دین خویش تاجے ساز
زخاکِ پائے جواں مرد وَالِ مَنْ وَالَاہُ

ز دل عداوت او دور دار تا نخوری
ز تیغ لفظ نبی زخم عَادِ مَنْ عَادَاهُ
گواہ پاکی اصلت ولائے شاہ ہے دل
کہ بر کمالِ سعادتش ہَلْ اَتٰی است گواہ

صاحب ورج الدرر راوی ہیں۔ کہ اسی مقام خم غدیر پر آقائے مدینہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں تم میں دو زبردست معاملہ چھوڑتا ہوں۔ ایک قرآن پاک۔ دوسرے میرے اہل بیت۔ ان میں احتیاط رکھنا۔ میرے بعد تمھارا برتاؤ میں دیکھوں گا۔ کہ ان کے ساتھ کیسا رہتا ہے۔ دیکھو ان دونوں میں اختلاف نہ ہونے پائے۔ یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر ملو۔ مگر افسوس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نور دیدہ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کیساتھ ظلم و جفا روا رکھا گیا۔ دشتِ کربلا کے تپتے ہوتے ریت پر جسدہائے مبارک کے ساتھ بے پناہ ستم ڈھائے گئے۔

صاحب مقتل نور الائمہ نقل فرماتے ہیں۔ کہ جب کبھی سیّد الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیلتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر سے تشریف لے آتے تو ٹھہر جاتے۔ اور صاحب کو گود میں لے لیتے اور اکثر یوں دعا فرماتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ۔

ایک دن اسی طرح آپ کھیل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں لے کر دعا کی۔ الٰہی میں حسین کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انھیں محبوب رکھ۔ اور جو انہیں محبوب رکھے تو اُسے بھی اپنا محبوب بنا۔ غیب سے ارشاد ہوا کہ اسے ہمارے حبیب! جس کے لئے تم یہ دعا کر رہے ہو وہ اور ان کا بھائی اور باپ عنقریب جام شہادت سے سرخ جوڑا پہنیں گے۔ حسین تین دن کے بھوکے پیاسے ہمارے دربار میں آئیں گے۔ حسن زہر نوش فرما کر قطعات جگر ڈال

کر فردوس بریں میں آرام پائیں گے۔ ان کے باپ علی نماز میں ضربتِ تیغ سے شہ...
شہادت پیتے ہوئے سُرخرو ہوں گے ؎

آں یکے را ضربتِ تیغ بلا بر فرقِ سر
واں دگر را شربتِ زہر عنا در کامِ دل
دیگرے را حلق تشنہ خوردہ تیغ آبدار
خاکِ دشتِ کربلا از خونِ پاکش گشتہ گِل

مروی ہے کہ ایام مناجۃ الوداع میں سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے فرمایا بھائی گویا مجھ کو خبر دی گئی ہے۔ کہ اس عالم سے چلنا چاہیئے۔ جبریل نے عرض کی یارسول وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ آخرت آپ کے لئے دنیا سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر توجہ عالی آخرت کی طرف کی طرف فرمائی شروع کردی اور اکثر حضور سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ہ کی تکرار فرماتے رہتے۔ صحابہ نے دریافت کیا۔ ان کلمات کی زیادہ تکرار کس وجہ سے ہے۔ فرمایا تاکہ تم آگاہ ہو جاؤ کہ اب ہمارا اس دارِ فنا سے کوچ ہے اور عالمِ بقا کو جانے کا وقت قریب آگیا ہے۔ یہ سُن کر صحابہ زار زار رونے لگے اور عرض پیرا ہوئے۔ اے سید و سردار ہمارے لئے اب کیا سہارا ہے۔ تو آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ کہ تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں"

ایک روایت میں ہے کہ جب سورہ نصر اور آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ سے خبر ارتحال اس عالم بے ثبات سریع الزوال سے معلوم ہو گئی تو ایک ماہ قبل از وفات خاص صحابہ کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ میں

بلایا۔ جب سب صحابہ حاضر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ملاحظہ فرماکر قطراتِ اشک چشمِ نوری سے گرائے ؎

وداع یار و دیارم چو بگذرد بخیال
شود ہمنا زلم از آب دیدہ مالا مال
میانِ آتشِ سوزندہ ممکن است آرام
دلے در آتشِ ہجراں قرار و صبر محال

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت شفقت و درد سے اس طرح دعا دی اور فرمایا مَرحَباً بِکُم وَحَیَّاکُمُ اللّٰہُ بِالسَّلَامِ جَمَعَکُمُ اللّٰہُ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ وَحَفِظَکُمُ اللّٰہُ وَجَبَرَکُمُ اللّٰہُ وَنَصَرَکُمُ اللّٰہُ وَرَفَعَکُمُ اللّٰہُ وَوَفَّقَکُمُ اللّٰہُ وَقَبِلَکُمُ اللّٰہُ وَھَدٰلکُمُ اللّٰہُ وَاٰوَاکُمُ اللّٰہُ وَوَقَاکُمُ اللّٰہُ وَسَلَّمَکُمُ اللّٰہُ وَرَزَقَکُمُ اللّٰہُ۔ دوامی عیش و طرب سے خدا تمہیں زندہ رکھے اور محبت و وداد کے ساتھ تمہاری زندگی بسر ہو اور اللہ کی رحمت ہر وقت تم پر رہے اور ہر بلا سے تم محفوظ رہو اور تمہاری کمزوریاں طاقت و قوت سے بدل جائیں اور اللہ تمہاری مدد فرمائے اور تمہارے رتبہ اور زیادہ بلند کرے اور تمہیں نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری مرادیں پوری ہوں اور تمہیں اللہ ہدایت پر قائم رکھے اور ہر موقع پر سلامتی میں رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے ہمیشہ تمہیں رزق عطا فرمائے۔ میں تم کو پرہیزگاری اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور حق تعالیٰ تمہارا والی ہے اور تمہیں خوف دلاتا ہوں اس احکم الحاکمین کے عقاب و عذاب سے تمہیں لازم ہے کہ طریقۂ کبر و نخوت سے مجتنب رہو۔ اور اس کے ملکوں میں فتنہ و فساد نہ پھیلانا۔

ان تمام جملوں کو صحابہ سن کر سمجھ گئے کہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے وداع ہو رہے ہیں اور نصائح میں جو اس قدر مبالغہ ہے یہ سفر آخرت کے قرب کی دلیل

ہے۔ اور وقتِ فراق بہت ہی قریب آگیا ہے اور ہنگامِ وصالِ رفیق اعلیٰ بہت ہی نزدیک ہے۔

سب زار زار رو رہے تھے۔ اسی اثنا میں متفسر ہوئے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو غسل کون دے؟ فرمایا میرے اہل بیت کے مردوں میں جو اقرب ہو۔ عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کفن کس کپڑے میں دیا جائے؟ فرمایا انہی کپڑوں میں جو میں نے پہن رکھے ہیں۔ یا اگر چاہو تو پارچہ مصری یا یمنی سفید رنگ میں۔ عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز کون پڑھائے گا؟ اس کا جواب سننے کی تاب نہ رہی اور سب باآواز بلند رونے لگے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اشک ریز تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو تشفی دے کر فرمایا کہ صبر کرو۔ بے چین نہ ہو۔ یہ دن سب کے لئے ہے۔ خدا تم پر رحم کرے اور تمہاری خطائیں معاف کرے۔ سنو! جب مجھے غسل و کفن دے چکو۔ تو میرے جنازہ کو اسی گھر میں چھوڑ کر تم سب باہر چلے جانا۔ اس لئے کہ سب سے اول مجھ پر میرے دوست جبریل نماز پڑھیں گے۔ پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر عزرائیل تمام ملائکہ کے گروہ کے ساتھ۔ اس کے بعد تم سب آنا اور نماز پڑھنا۔ میری نماز میں ابتدا میرے اہل بیت سے ہو۔ جب سب فارغ ہو لیں تو زنان اہل بیت پھر تمام صحابہ۔ زنان اہلبیت فرمانے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ تمام جنازہ دعاء مغفرت میت کے لئے نہ تھی۔ بلکہ اس کی نوعیت علیحدہ تھی۔ وہ یہ کہ تمام صحابہ۔ جمع ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے اور چلے جاتے وہاں اللھم اغفر لحیّنا و میّتنا نہیں تھی اسی وجہ میں مرد و عورت سب جنازہ میں شریک تھے۔ جلاء العیون مؤلفہ باقر مجلسی میں ہے کہ جنازۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں صدیق و عمر و عثمان اور علی سب شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنازۂ رسول کی نماز جنازہ نہ ہونے کا الزام غلط اور بے دلیل ہے۔

عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قبر میں کون اتارے گا؟ فرمایا میرے اہلبیت میں سے کوئی مع جماعت ملائکہ کے۔ وہ تم کو دیکھیں گے۔ مگر تم انہیں نہ دیکھ سکو گے۔ پھر سب کو رخصت فرمایا۔ اور فرمایا کہ ہمارا سلام اس جماعت کو پہنچانا۔ جواب موجود نہیں ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت منتظر وقت فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ کے ہیں۔ نہایت بے چینی سے وقت کے منتظر ذکر و شغل میں مشغول ہیں۔

اصلیت زیارت گورستان در حضر بروز آخری چہار شنبہ

آخر شب شب چہار شنبہ ۲۸ صفر المظفر ۱۱ھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیارت گورستان بقیع کے لئے تشریف لے گئے۔ اور وہاں تشریف لیجا کر فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الدِّيَارِ وَالْقُبُوْرِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ٥ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَكُمْ خَلَفٌ۔ اس شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کے ہمرکاب حضرت ابو مویہبہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہالیان مقبرۂ بقیع پر قیام فرما کر استغفار فرمائی اور اتنی دیر دعا فرمائی کہ آپ کے سجدے نے مجھے پریشان کر دیا اور میں دعا کر رہا تھا کہ کاش بقیع کے مدفونوں میں آج میں بھی ہوتا۔ تاکہ اس دعا کی برکت سے میں بھی متمتع ہوتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو مویہبہ اس دنیا کے خزانے مجھ پر پیش کئے گئے۔ اور مجھے اختیار دیا گیا کہ جب تک چاہوں دنیا میں رہوں۔ مگر آخر سمت دار البقا جانا ناگزیر تھا۔ میں نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار۔ خزائن دنیا اور قیام منظور فرما لیجئے۔ فرمایا نہیں۔ قیام دنیا اور خزائن عالم پر لقائے پروردگار کو میں نے اختیار کیا۔

یہ آخری چہار شنبہ وہ ہے۔ جسے آج ہم نے میلے اور تماشوں کے ساتھ بگاڑا ہوا
ورنہ اس چہار شنبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے گئے۔ ہم بھی اگر اس
سنت پر عمل کرتے ہوئے گورستان میں فاتحہ خوانی کرتے تو ثواب ملتا اور
لیکن ہم ہیں کہ ہر اسلامی شعار کو بھی لہو ولعب سے خراب کر دیتے ہیں۔

روایت ہے کہ جنگ احد سے ۸ سال بعد اول مرض موت میں درد سر ہوا۔
آپ نے سر مبارک کو کپڑے کی پٹی سے باندھ لیا۔ یہ دن حضرت ام المومنین
میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا تھا۔ جب مرض نے اشتداد پایا تو دوسرے دن
تمام ازواج مطہرات دولت سرائے میمونہ میں جمع ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی زبان مبارک پر بار بار اَیْنَ اَنَا غَدًا (ہم کل کہاں ہوں گے) جاری تھا۔
حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جملہ ازواج سے فرمایا کہ محبوب
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر روز تشریف لے جانے اور جائے قیام بدلنے میں مشقت
و تکلیف ہوتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ سب متفق ہو کر ایک مقام کے قیام
کی اجازت دے دیں۔ اور میرے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدۂ صدیقہ
سے راضی ہیں۔ سب نے اتفاق فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اور
حضرت صدیقہ کے یہاں قیام کی اجازت دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی
روانگی کا عزم فرمایا۔ ایک ہاتھ دوش علی کرم اللہ وجہہ پر رکھا اور دوسرا ہاتھ فضل
ابن عباس رضی اللہ عنہ پر۔ اور پائے مبارک زمین پر خط کھینچتے جا رہے تھے۔ یہاں
تک کہ حجرۂ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لے آئے بستر مرض لگایا گیا۔ حضور اس
پر آرام گزیں ہوئے۔ جملہ ازواج مطہرات اس نیر رسالت کے ارد گرد حاضر
تھیں۔ مرض ساعت بہ ساعت ترقی پذیر تھا۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی وہیں حاضر تھا۔ میں

نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر شدید بخار تھا کہ جسد اطہر پر ہاتھ رکھنے کی ہمت نہ تھی۔ میں نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شدید بخار اور آپ جیسی ہستی کو۔ فرمایا اَلْاَنْبِیَآءُ اَشَدُّ بَلَاءً اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ حسب مرتبہ بمقابلہ عوام انبیاء پر نزول بلا اشد ترین ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اجر بھی عظیم ملے گا۔ فرمایا۔ ہاں۔ پھر فرمایا۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے ید قدرت میں ہماری جان جو زمین پر ہے۔ تکلیف مرض نہیں دی جاتی۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح گرا دیتا ہے۔ جیسے سوکھے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب حاضر ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوہر اوڑھ رکھی تھی۔ میں نے جو ہاتھ رکھا تو چادر کے اوپر ہاتھ حرارت بخار کا متحمل نہ ہو سکا۔ پھر میں نے چادر ہٹا کر ہاتھ رکھا تو شدید بخار تھا۔ میں نے متعجبانہ کہا کہ سبحان اللہ یہ بخار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے سعید! انبیاء سے زیادہ تکلیف کسی کو نہیں ہوتی۔ اور جس قدر ان پہ بلائیں متضاعف ہوتی ہیں۔ اجر بھی ایسے ہی ہوتے ہیں اور خوشی کی بہ نسبت بلا انبیا پر زیادہ آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محبان راہ و مقربان بارگاہ کے جو زخم لگتا ہے۔ چونکہ محبوب کی طرف سے ہوتا ہے۔ بدیں سبب وہ مرہم سمجھا جاتا ہے۔ اور جو مصیبت و الم محبوب کے لئے اٹھائے جاتے ہیں۔ اس کو عین عطا و کرم جانتے ہیں۔

المے کز برائے دوست کشم   راحت جاں مبتلائے من است
زخم او مرہم است بر دل من   درد او شربت دوائے من است

کسی نے خوب کہا ہے ؎

من خارِ غمش بصد گلستاں ندہم
خاکِ قدمش بآبِ حیواں ندہم
دردے کہ مرا در غم او حاصل شد
آں درد بصد ہزار درماں ندہم

بشیر بن براء رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئی۔ دیکھا کہ شدید بخار تھا۔ میں نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! ایسا بخار تو میں نے کسی کو آتے نہ دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ جیسے ہم بے مثل ہیں۔ ایسا ہی ہمارا مرض بھی بے مثل ہوتا ہے۔ پھر فرمایا۔ ام البراء یہ تو کہو کہ اس مرض کا لوگ کیا نام رکھتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ذات الجنب فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ لطف وکرم الٰہی کو یہی سزاوار تھا کہ پیغمبر کے لئے ایسا ہی مرض مسلّط فرمایا جائے۔ اس لئے کہ اکثر امراض ہمزات شیطان سے ہوتے ہیں اور شیطان کی ہم تک رسائی ناممکن ہے۔ اور یہ مرض اس گوشت زہر آلودہ کے سبب سے ہے۔ جو تمہاری بیٹی براء کے ساتھ خیبر میں کھلایا تھا۔ اور اکثر اس کا اثر ہم پر تازہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت چونکہ انقطاع رگ حیات ہے اور حکمت الٰہی اس امر کی مقتضی کہ اپنے پیغمبر کو مرتبہ شہادت عطا فرمائے۔ بدیں سبب شدت پیدا ہو گئی۔ اور ذات الجنب۔ برص۔ جذام۔ رعشہ۔ نابینائی۔ بلادت ذہن ایسے امراض سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو محفوظ و مصئون رکھا ہے۔

روح الارواح میں ہے کہ یہ عجیب سر ہے کہ جب معدن فتوت، خازن ولایت بضعۂ نبوت سے قریب ہوئے تو دو درِ شاہوار ظاہر ہوئے یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ہر ایک نے میراث پدری حاصل فرمائی جد امجد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء ہیں۔ کہ اثر زہر میں رحلت بسمت دار البقاء فرماتے ہیں اور باپ حضرت

علی مرتضیٰ ہیں جو ضربِ تیغ آبدار سے سفرِ آخرت اختیار فرماتے ہیں۔ حسن بڑے فرزند دلبند ہیں۔ وہ میراث مصطفوی لیتے ہیں۔ اور شربت زہر نوش فرما کر بہشت بریں کو جاتے ہیں۔ اور چھوٹے دلبند حسین میراث اپنے باپ کی لے کر کربلا میں تیغ جفا سے حلقومِ نازنین کٹواتے ہیں ؎

چوں چراغ دیدۂ زہرا کشتندش بہ زہر
زہر را دل بر چراغ دیدہ زہرا بسوخت
چوں رواں کردند خوں از قرۃ العین رسول
چشم عیسےٰ خوں ببارید و دل زہرا بسوخت

ایک روایت میں ہے کہ یہ مرض چودہ روز رہا۔ مگر ان ایام میں احکام شرعیہ اور فیصلہ مقدمات برابر جاری رہے۔

روضۃ الاحباب وغیرہ کتب سیر میں یوں ہے کہ اس مرض سے اول صحت پا کر پھر دوبارہ مرض شروع ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا سخت مرض کسی کو نہ دیکھا۔ مگر اس مرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی استقامت اور انتہائی جمع خاطر اور پابندئ شریعت بھی نہ دیکھی۔ کہ ایسے شدید مرض میں نماز پنجگانہ پابندی وقت سے ادا فرماتے اور نہایت اطمینان سے آئندہ و روندگان سے ملاقات فرماتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے سے بیٹھ گئے اور حضرت سیدہ کی پیشانی کو چوما اور اپنے پاس بٹھایا اور کچھ باتیں کان میں فرمائیں۔ جن کو سن کر حضرت سیدہ زار زار رونے لگیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی تشفی فرماتے ہوئے دوبارہ کان کی طرف جھکے اور کوئی ایسی بات فرمائی۔ کہ حضرت

سیدہ کو متبسم کر دیا۔

حضرت صدیقہ نے اول گریہ اور معاً تبسم ملاحظہ فرما کر تعجب کرتے ہوئے دریافت فرمایا۔ کہ میں نے کبھی تمہیں ایسا نہیں دیکھا۔ کہ رنج میں علی الفور فرحت و سرور کا اظہار ہو۔ ایسی کیا بات تھی۔ جس نے خلاف عادت یہ امر ظاہر کرایا۔ سیدہ نے فرمایا۔ کہ اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے بیٹی رنجیدہ نہ ہونا اب ہمارے رخصت کے دن قریب ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا شوق دلی عالم اقدس کی طرف زیادہ بڑھ رہا ہے۔ اب ہم عنقریب اس دار فانی سے جوار رحمت سبحانی میں جانے والے ہیں۔ لہٰذا تم ہماری صحبت کو غنیمت جانو اور جس قدر ممکن ہو یہیں رہو۔ اس خبر وحشت نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے اور میں زار و قطار رونے لگی۔ پھر میرے کان میں فرمایا بیٹی غمگین ہونا بے کار ہے۔ یہ دن سب کے لئے ہے۔ تمہیں بھی مژدہ ہو کر تم سب سے پہلے ہم سے ملو گی۔ دوسری بشارت اور دیتا ہوں۔ کہ روضۂ رضواں میں تم ہی سیدۂ زنان جنت ہو گی۔ اس مژدہ کو سن کر میں مسرور ہو کر متبسم ہو گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ روح الامین نے مجھ سے کہا ہے کہ زنان جنت کی سیدہ فاطمہ سردار ہو گی اور تمام زنان اہلبیت سے پہلے سیدہ ہی آپ سے ملیں گی۔ یہ دونوں بشارتیں حضرت سیدہ کا غم کم کرنے کو کافی ہوئیں۔

روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بخار نے شدت کی۔ تو فرمایا سات کنوؤں میں سے سات مشک پانی منگواؤ اور ہم پر ڈالو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طشت میں بٹھا کر ایسا ہی کیا گیا۔ اس سے بخار میں گونہ تخفیف ہوئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور جماعت کے ساتھ نماز

ادا فرمائی۔ بعد نماز وعظ فرمایا۔ جس میں بعد حمد و ثنا اور استغفار برائے شہدائے اُحد کے یہ مضمون تھا۔ کہ انصار میرے خاص ہیں۔ انہیں کے ساتھ میں نے ہجرت کی۔ انہوں نے مجھے رہنے کو جگہ دی۔ ان کے جو نیک ہیں ان کی تعظیم کرنا اور جو بد ہیں اُن سے چشم پوشی اختیار کرنا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب انصار نے دیکھا کہ مرض روز بروز ترقی پا رہا ہے۔ تو اپنے گھر میں چین نہ آتا مسجد نبوی کے اردگرد دیوانہ وار پھرتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب انصار کا یہ حال دیکھا حاضر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انصار کی بے چینی کا حال عرض کر رہے تھے کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور انصار کی بے چینی عرض کرنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت خلق و محبت کے اقتدا سے فرمایا کہ مجھے بٹھاؤ علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا پھر فرمایا انصار کیا کہتے ہیں عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! وہ روتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاید اس مرض میں ہم سے جدا ہو کر دار القرار میں قیام فرمائیں گے۔ پھر نامعلوم ہمارا کیا حال ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ایک ہاتھ دوش علی پر رکھا اور دوسرا فضل بن عباس پر۔ اور مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے۔ اور منبر پر تشریف ارزانی فرما کر وعظ شروع فرمایا۔ اردگرد اس شمع نبوت کے مہاجرین و انصار پروانہ وار فدا ہونے کو حاضر تھے۔ آپ نے بعد حمد و ثناء کے مہاجرین و انصار کو وصیتیں فرمائیں اور قریش کے متعلق بہت کچھ فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ گھر سے تشریف لا کر منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور بلال کو حکم دیا کہ اعلان کر دے تا کہ سب لوگ جمع ہو جائیں۔ مجھے کچھ وصیت فرمانی ہے۔ اور یہ بھی کہہ دے کہ

یہ ہماری آخری وصیت ہے

حضرت بلال روتے ہوئے چلے اور مدینہ کے گلی کوچے میں اعلان فرمایا۔ اس وحشت ناک اعلان نے ہر موافق و مخالف کے دل میں بے چینی پیدا کر دی اور تھوڑی سی دیر میں تمام مجتمع ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے اور نہایت دردناک بلیغ و فصیح لب و لہجہ میں خطبہ پڑھ کر قوم کی طرف مخاطبہ فرماتے ہوئے سب سے فرمایا۔ کہ اب ہمارا وقت قریب ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے بہت جلدی علیحدہ ہونے والے ہو۔ سچ کہو جب میں تم سے جدا ہوں گا تو تم کس طرح رہو گے۔ اور یاد رکھو کوئی پیغمبر ہمیشہ کے لئے دنیا میں نہیں آیا۔ اب ہمیں بھی اشتیاق لقائے الٰہی ہے سب نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی بدل و جان پیروی کریں گے اور شریعت غرا و قرآن و فرمان سامی کو اپنا دستور العمل رکھیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے سوال فرمایا کہ سچ کہو میں نے تم میں کس طرح احکام پہنچائے۔ تمہاری وجہ سے کیا کیا مصیبتیں برداشت کیں۔ میرے دندان مبارک تم نے شہید کئے۔ میرے چہرۂ زیبا کو خون میں رنگا اور قسم قسم کی بلائیں میں نے صرف تمہاری ہدایت کی غرض سے برداشت کیں اور جاہلوں سے گالیاں سُنیں۔ بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ کر صبر سے رہا۔ سب نے عرض کی بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ صابر اور انتہائی شاکر ہیں۔ اور فی الواقع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو راہِ ہدایت ہی نہیں دکھائی بلکہ خدا سے ملایا۔ برائیوں سے چھڑایا۔ اس کی جزا ہماری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا ہی دے گا۔ ہم اس کا بدلہ دینے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جس کسی کا قرض میرے ذمہ ہو۔ وہ میرا لحاظ نہ کرے۔ مجھ سے ابھی وصول کرلے۔ جس کسی کو میں نے مارا ہو وہ ابھی مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔ غرضکہ جو کچھ حقوق العباد سے جس بندۂ خدا کا مجھ پر ہو۔ مجھ سے ابھی صاف صاف کہے۔

اور اس کو لے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں کا معاملہ قیامت کے دن کے لئے باقی رہے۔ کوئی اپنے دل میں یہ خیال نہ کرے۔ کہ اگر اس وقت میں اپنا حق لوں گا۔ تو خدا اور رسول کے مزاج کے خلاف ہوگا۔ یا محبوب خدا کے دل میں اس کی طرف سے عداوت پیدا ہوگی۔

یاد رکھو! عداوت میرے دل میں خدا نے پیدا ہی نہیں فرمائی۔ بلکہ میں اس کو اپنا دوست جانتا ہوں۔ جو اپنا حق ابھی مجھ سے طلب کرلے۔ یا مجھے معاف کردے یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور وہی اعلان دہرایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصرار حد سے بڑھ گیا۔ تو ایک شخص اُٹھا اور عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے تین درم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تجھے جھٹلاتا نہیں۔ اور قسم نہیں دلاتا مگر اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کس معاملہ کے ہیں۔ عرض کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ایک فقیر آپ کے پاس حاضر ہو کر سائل ہُوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین درم کا حکم دیا۔ میں نے دے دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ اُنہوں نے ادا فرمائے۔

سیر امام شہید اسماعیل خوارزمی اور روضۃ الاسلام قاضی سدید الدین میں ہے۔ کہ اسی مجلس میں عکاشہ ابن محصن اسدی کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس قدر اس استفسار میں مبالغہ فرماتے تو میں ہرگز عرض نہ کرتا مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکرر سہ کرر غایت مبالغہ سے حکم دے رہے ہیں۔ مجبوراً عرض کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر اب نہ کہوں تو گنہگار ہوتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر تبوک میں ناقہ پر غصہ میں تازیانہ مار رہے تھے۔ وہ میرے شانہ اور پشت پر لگا اور اس سے سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ اب اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جزاک اللہ۔ اے

عکاشہ اچھا ہوا کہ تم نے ابھی کہہ دیا اور قیامت پر نہ چھوڑا۔ میں دنیا میں بدلہ دینے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بمقابلہ آخرت کے۔

اے عکاشہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے۔ کہ وہ چابک کونسا تھا۔ عرض کی ہاں لکڑی کا دستہ اور خیزران سے گتھا ہوا تھا۔ اور تسمہ دُرّہ کی صورت میں اس کے آگے تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کو حکم دیا۔ کہ وہ چابک حضرت سیدہ کے پاس ہے۔ جاؤ اور جلدی لاؤ۔ جب سلمان بارگاہ فاطمہ پر پہنچے۔ آواز دے کر وہ تازیانہ طلب کیا۔ حضرت سیدہ نے فرمایا۔ سلمان! ابا جان بخار میں مبتلا ہیں۔ سواری کرنے کی قوت نہیں تازیانہ کیا کریں گے۔ سلمان نے سب قصہ عرض کر دیا۔ آپ رونے لگیں اور بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کی۔ الٰہی جو میرے باپ سے اس وقت قصاص مانگ رہا ہے۔ اس کے دل میں رحم ڈال دے کہ وہ اس وقت بہت نحیف ہیں" اور تازیانہ سلمان ان سے لے کر مسجد میں آئے۔ یہاں صحابہ نے اس تازیانہ کو دیکھ کر باآواز رونا شروع کیا۔ اُدھر سیدہ نے شہزادہ کونین سیدنا حسنین کو بلا کر تمام قصہ سنایا۔ اور کہا جاؤ ایک ایک چابک کے بدلے میں سو سو چابک اپنے اوپر لے لو اور نانا جان پر فدا ہو جاؤں۔

جس وقت شہزادگان نے یہ سنا۔ معاً دل و جان سے تیار ہوئے اور سمت مسجد روانہ ہوئے۔ جس وقت آپ مسجد میں پہنچے۔ صحابہ کی آوازیں گریہ و زاری سے اس قدر بلند تھیں کہ مسجد گونج رہی تھی۔ گھبرا کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ شہنشاہ کونین نبی الحرمین صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں۔ اور چابک عکاشہ کے ہاتھ میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ عکاشہ اُٹھو اور جس طرح ہم نے تم کو چابک لگایا تھا۔ اسی طرح اسی قوت سے مارو۔

صحابہ کرام عکاشہ کے ارد گرد تھے۔ اور ایک ایک کے بدلے میں سو سو

چابک کھانا چاہتے تھے۔ اور عکاشہ کو سمجھا رہے تھے۔ اتنے میں سیدالشہداء حسین و حسن تشریف لے آئے اور رو رو کر پکارے کہ اے عکاشہ کسی سے بدلہ نہ لے۔ ہم موجود ہیں۔ ایک ایک چابک کے بدلے میں سو سو چابک ہم پر لگا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں شہزادوں کو گود میں لیا اور فرمایا جان پدر تم ایسا خیال نہ کرو۔ قصاص مجھ پر واجب ہے۔ میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ پھر عکاشہ سے فرمایا کہ ہاں عکاشہ جلدی کر اور اپنا بدلہ لے۔

عکاشہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اس روز میری پشت برہنہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پشتِ مبارک سے ردائے مبارک اٹھا لی۔ ملائکہ میں شور برپا ہو گیا۔ عرش معلیٰ لرزنے لگا۔ صحابہ کرام جوشِ گریہ اور خروشِ زاری سے از خود رفتہ تھے۔ کہ قدرت کاملہ نے برعکس اپنا کرشمہ دکھایا۔ عکاشہ کی نظر جیسے ہی شانۂ اقدس محمدی پر پڑی

نقشۂ مہر نبوت آنکھوں میں آگیا

کود کر آگے بڑھا۔ چابک کو اٹھا کر پھینک دیا۔ اور خاتم مشکیں مہر نبوت سیدالمرسلین کو چومنے لگا۔ اور از خود رفتگی میں پروانہ وار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کرتا جاتا تھا اور بار بار عرض کرتا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عکاشہ کے ہاتھوں میں وہ قوت کہاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لے۔ عکاشہ کس دل سے یہ کام کرتا۔ یہ تمام مکر اس وجہ سے تھا کہ مہر نبوت کی زیارت کر لوں۔ اور پشت مبارک کو چوم لوں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا مَنْ مَسَّ جِلْدِیْ لَنْ تَمَسَّہُ النَّارُ یعنی جس نے ہمارے جسم کو مس کر لیا۔ اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ یہی سبب تھا۔ کہ غلام سے یہ قصور سرزد ہوا۔

ورنہ عکاشہ کا جب جان و مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہے تو ایک چابک کی زد کیا حقیقت رکھتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

یہ آخری جلسہ تھا۔ جو حیاتِ جسمانی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں منعقد ہوا۔

اگرچہ یہ روایت درجۂ صحت کو نہیں پہنچی۔ مگر فضائل میں ضعیف روایت بھی مقبول ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں نقل کی گئی ہے۔

انہی ایام میں ایک روز روح الامین دربار حبیب مکرم میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا سلام فرماتا ہے اور یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دنیا میں قیام پسند فرماتے ہیں تو اس مرض سے شفا ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ کہ جبرئیل! میں نے جہاں اپنے تمام امور سپرد بخدا کئے ہیں۔ اس کو بھی اسی کے سپرد کرتا ہوں فَاِنْ شَآءَ اَحْیَانِیْ وَاِنْ شَآءَ اَمَاتَنِیْ

اگر خلاص جوئی وگر ہلاک خواہی
سر بندگی بخدمت بنہم کہ بادشاہی
بکسے نمی توانم کہ حکایت تو گویم
ہمہ جانب تو خواہند تو آں کنی کہ خواہی

روایت ہے کہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرض میں نماز جماعت سے ادا فرمائی۔ ہر نماز کے وقت بلال درِ دولت پر حاضر ہو کر اَلصَّلٰوۃُ حَاضِرَۃٌ عرض کر کے مطلع کرتے۔ ایک وقت کی نماز پر بلال نے حاضر ہو کر وہی عرض کیا۔ جواب نہ پایا۔ اس لئے کہ آقائے مدینہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ برفیق اعلیٰ تھے۔ جو بظاہر غشی کی صورت میں تھا اَلصَّلٰوۃُ حَاضِرَۃٌ کہا۔ پھر جواب نہ ملا۔ روتے ہوئے مسجد میں آکر گرے۔ آپ کی زبان مبارک پر

یہ لفظ تھے وَاغَوْثَاہُ وَالْاِنْقِلَاعُ رَجَاہُ وَالْاِنْکِسَارُ ظَھْرَاہُ۔ افسوس اب کون میری فریاد سنے گا۔ میری امیدوں کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ میری پشت شکستہ ہو گئی ۔

بامن فلک ار جفا نکردے چہ شدے
دزیار خودم جدا نکردے چہ شدے
چوں آخر کار بے می باید زیست
اول تو آشنا نکردے چہ شدے

مختصر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع عالم فنا کی طرف بلایا۔ تو پوچھا نماز ہو گئی۔ عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار ہے۔ اول خود ارادہ فرمایا۔ مگر طاقت اُٹھنے تک کی نہ تھی فرمایا مروا ابابکر فلیصل بالناس۔ ایک صحابی تشریف لائے اور فرمایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے نماز پڑھانے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا وہ امامت فرمائیں۔ بلال بحکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہ تعمیل حکم آپ اُٹھے۔ جب آپ کی نظر مبارک محراب نبوت پر پڑی۔ تو اس کو اپنے محبوب اور قبلۂ ویقین وکعبۂ دین سے خالی پایا۔ ضبط گریہ نہ ہو سکا۔ زار زار رونا شروع فرمایا۔ اہل جماعت بھی بھرے تو بیٹھے ہی تھے۔ باآواز فریاد کر کے چیخنے لگے ۔

زانکہ قد تو بمحراب ندیدم
بر چہرۂ بجز اشک چوں خوناب ندیدم
بے موئے تو یک لحظہ قرارے نگرفتم
بے روئے تو در دیدۂ خود خواب ندیدم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آواز آہ وبکا سُنی۔ حضرت سیدہ سے فرمایا کہ کیا شور وغوغا ہے ؟ عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اصحاب ہیں۔ غم

مفارقت میں نالاں وگریاں ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا۔ اور ان کے کندھوں کی مدد سے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی اور جگر سوزان محبت کے جراحت ہائے فرقت پر مرہم رکھ۔ اور سب کو تسلی دے کر واپس دولت سرائے میں تشریف لائے۔ شب کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو آنکھ لگی۔ تو عجیب وحشتناک خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رو کر عرض کی۔ ابھی ایک خواب دیکھا ہے۔ کہ میں نے زرہ پہن رکھی تھی مگر وہ زرہ بدن سے اتر گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر فرمائی کہ خواب سچا تھا۔ زرہ پناہ جسم ہوتی ہے۔ اور تمہاری پناہ میں تھا۔ اب وہ وقت قریب ہے۔ کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ اور تم تنہا رہ کر دشمنوں میں شکار مصیبت بنو گے۔ اور تیغ جفا سے شہید ہو کر مجھ سے ملو گے۔ اتنا فرمانے پائے تھے۔ کہ سیدہ فاطمہ حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھتی ہوں۔ کہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہی ہوں۔ ناگاہ وہ مصحف مبارک میری نظروں سے غائب ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مصحف مبارک میں تھا۔ جو تمہاری نظروں سے غائب ہونے والا ہوں۔ اتنے میں شہزادگان کونین سیدنا حسنین سید الشہداء حاضر ہوئے اور عرض کی کہ نانا جان ہم دونوں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ وہ یہ کہ ایک تخت ہوا پر اڑ رہا ہے۔ اور ہم دونوں اس کے پیچھے برہنہ سر چل رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ اے نور دیدۂ مصطفٰے وہ تخت ہمارا تابوت تھا۔ کہ ملائکہ اسے لئے جا رہے تھے۔ اور اس کے پیچھے تم دونوں فرق برہنہ کئے گیسوئے مشکیں پراگندہ فرمائے جا رہے ہو۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ان تعبیروں سے اہل بیت میں تاب ضبط نہ رہی اور سب زار و قطار رونے لگے۔

یہاں سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر ماتم روا ہوتا تو خاص یہ مقام تھا۔ لیکن سب نے صرف گریہ و بکا پر اکتفا کیا اور ماتم سے محترز رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت تھی۔

روایت ہے کہ وفات حسرت آیات سے تین روز قبل روح الامین مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کرب و بے چینی بحد غایت ہے۔ دوسرے روز بھی ایسے ہی حاضر ہوئے اور وہی جواب ملا۔ تیسرے روز پھر حاضر ہوئے۔ مزاج پرسی پر وہی جواب پایا۔ کہ اتنے میں ملک الموت معہ اسماعیل نامی ایک فرشتہ کے حاضر ہوئے۔ یہ فرشتہ ایک لاکھ ملائکہ پر حاکم ہے۔ اور ہر فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا حاکم ہے۔ دروازۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ روح الامین نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ملک الموت نے داخلہ کی اجازت نہیں لی۔ یہ اعزاز مخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہے۔ کہ عزرائیل بلا اجازت در دولا پر حاضر نہ ہو سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اجازت دے دو۔ چنانچہ بعد حصول اجازت وہ حاضر ہوئے۔ سلام عرض کیا۔ اور پھر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قبض روح کے لئے باری تعالیٰ عزّ اسمہ نے بھیجا ہے۔

حکم دیجئے۔ اگر فرمائیں روح مبارک کو لے کر عالم بالا پر پہنچاؤں اور حکم کیجئے تو واپس چلا جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کی طرف نظر کی۔ جبریل نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت یہ ہے کہ جناب حق سبحانہ کی یہی مرضی ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزرائیل اپنا کام کرو ہم بھی مشتاق لقاء ذات ہیں۔

گویا سرِ اوقاتِ غیب سے ہاتف عالم لاریب گوش ہوش محبوب میں یوں عرض فرمایا تھا ؎

تو باز ذروۂ نازی مقیم پردہ رازی
قرارگاہ چہ سازی دریں نشیمن فانی
تو مرغ عالم قدسی حریف مجلس انسی
دریغ باشد اگر تو دریں مقام بمانی

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ عزرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی ایک ہزار ملائکہ اسپان ابلق سوار کے ساتھ در دولت سید الانبیا علیہ التحیۃ والثنا پر حاضر آئے اور دروازہ عالی پر کھڑے ہو کر عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعْدِنِ الرِّسَالَۃِ اجازت دیجئے کہ میں حاضر خدمت اقدس ہونا چاہتا ہوں۔ دور دراز سے آیا ہوں۔ حضرت سیدہ بالین اقدس پر حاضر تھیں۔ آپ نے جواب دیا ابھی ملاقات نہیں ہو سکتی۔ کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک ناساز ہے۔ عزرائیل نے پھر اجازت مانگی۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ سہ بارہ ایسی ہیبت ناک آواز کے ساتھ اجازت طلب کی کہ حاضرین دربار ڈر گئے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک کھول دیں۔ دیکھا کہ سب کے حواس پراگندہ ہیں۔ اور ہر ایک از خود رفتہ۔ فرمایا تمھارا کیا حال ہے تم ایسے پریشان کیوں ہو؟

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ کہ ابا جان ایک عجیب مرد مہیب الصوت ہے۔ دروازہ پر کھڑا اجازت چاہتا ہے۔ میں نے تین بار جواب دیدیا مگر وہ جواب نہیں سنتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی تم جانتی ہو یہ کون ہے۔ آپ نے عرض کی ایک بدوی معلوم ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بدوی نہیں ہے۔ یہ وہ ہے جو عمر بھر کی لذتیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔ یہ قطع کنندۂ مرادات ہے۔ یہ جدا کنندۂ مراعات ہے۔ بیٹی! یہ یتیم کنندۂ فرزندان ہے۔ یہ بیوہ کنندۂ زنان جہان ہے۔ یہ وہ حریف ہے کہ بغیر کنجی کے قفل کھول لے۔ اور بغیر راستے کے مرغ جان کو قبض کرلے۔ فاطمہ اس کا نام ملک الموت عزرائیل ہے۔ یہ تمھارے باپ کی روح قبض کرنے آیا تھا۔ یہ تمھیں یتیم بنانے آیا ہے۔ میرے آستانۂ اقدس کی حرمت کا اسے خیال ہے۔ ورنہ اس نے آج تک کہیں داخل ہونے کو اجازت نہیں لی۔ نہ اس کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

یہ تمہارے والد ماجد کا اعزاز خاص ہے۔ جو اجازت داخلہ طلب کر رہا ہے۔ دروازہ کھول دو اور صبر سے کام لو۔ حضرت سیدہ نے ایک آہ دل پر درد سے کھینچی اور اٹھیں۔ اور دروازہ کھولتی ہوئی آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: وَا مَلِيْنَتَاهُ خَرِبَتِ الْمَدِيْنَةُ ہائے افسوس مدینہ اجڑتا ہے۔ صاحب سکینہ آج مدینہ چھوڑتے ہیں۔ افسوس مدنی چاند بھی غروب ہونے کو ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ کا ہاتھ پکڑا۔ اور ان کو سینہ بے کینہ سے لگا کر فرمایا۔ بیٹی غم نہ کرو۔ یہ دن سب کے لئے ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ارشاد الٰہی ہے۔ کہ اتنے میں آپ کی چشمانِ مبارک بند ہو گئیں۔ آپ کو خیال ہوا کہ روح اقدس جسدِ اطہر سے کہیں مفارقت نہ کر گئی ہو۔ سینہ مبارک سینہ اقدس سے ہٹایا اور پکاریں وَا اَبَتَاهُ۔ اے پدر جان من فدائے باباد۔ ایک بار تو آنکھ کھول کر میری طرف اور دیکھ لیجئے۔ ایک بات تو اور بھی زبان مبارک سے فرما دیجئے۔ اس درد آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک وا فرمائیں۔ اور زبان دُر فشاں سے یوں گہر ریزی کی۔ کہ جان پدر! اے سیدہ بضعۃ خیر البشر کیوں روتی ہو۔ تمہارے رونے سے حاملانِ عرش روتے ہیں۔ اور دستِ اقدس سے رخسارۂ سیدہ کے آنسو صاف فرمائے اور متعدد بشارتیں سنائیں۔ پھر دعا کی۔ الٰہی فاطمہ کو میرے صدمہ مفارقت میں صبر عطا فرما۔ بیٹی! جب ہماری روح قبض ہو جائے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا۔ کہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے وَاِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ط اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ

یعنی جب ان پر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں۔ ہم بھی اللہ کے لئے ہیں۔ اور اسی کی طرف رجوع ہونے والے۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کا سلام اور رحمت ہے۔

اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ نہ کہ مصیبت کے ایام یاد کر کے ماتم کریں سینہ کوٹیں۔
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے دونوں نور العین سید الشہدا حسنین کو بہت جلدی لاؤ۔ آپ کو علی الفور خدمت اقدس میں پہنچایا گیا۔ دونوں شہزادے سلام کر کے بالین اقدس پر بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سینہ سے لگایا اور اس قدر پیار فرمایا۔ کہ فرطِ محبت سے چشم نوری بھر آئیں۔ پھر آپ نے حاضرینِ مجلس سے ان کی تعظیم و تکریم و محبت و مؤدت کی وصیت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت میں محبت اہل بیت کے جو خلاف ہے وہ خارجی کہلاتا ہے۔
مقتل نور الائمہ میں ہے کہ جس وقت دونوں شہزادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھے۔ اس وقت دونوں کی طرف نظر ڈالی۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ پھر چشم مبارک بند فرمالیں۔ پھر فرطِ محبت سے دونوں کو سینہ سے لگا کر فرمایا۔ افسوس یہ رخ رنگین داغ یتیمی کے ساتھ خاک و خوں میں آلودہ ہوگا۔ اور یہ گیسوئے مشکیں ظلم و ستم ستمگاران سے گرد آلود ہوگا صبر کرنا۔ کہ میرے بعد جفاکاران امت ان کے ساتھ سخت ظلم کریں گے۔
شہزادوں نے عرض کی۔ نانا جان! آج آپ جو اس قدر پیار فرما رہے ہیں اور سینہ سے لگا رہے ہیں۔ کیا کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں جا رہے ہیں۔ تو ہمیں کس کی پناہ میں دیتے ہیں۔
اُدھر سیدہ رو کر عرض کرنے لگی۔ ابا جان! اگر مجھکو کوئی حاجت ہوگی۔ تو کس سے عرض کروں گی۔ اور ان جگر گوشوں کی ضدیں اب کون پوری کرائے گا۔ اے مونسِ غریباں۔ اے نوازندۂ یتیماں۔ اے ملجائے بے کساں۔ اے دستگیر بے چارگان۔ میں آپ کی جدائی میں کس طرح صبر کروں گی سہ

در غم آباد جہاں بے یار بودن مشکل است
غم زحد بگذشت بے غمخوار بودن مشکل است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو زیادہ تسلی و تشفی دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر چشمان مبارک میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔ پھر سبب گریہ کیا ہے فرمایا انما بکیت رحمۃ من امتی۔ یہ میرا رونا امت کے لیے ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو رخصت فرمایا۔ اور عزرائیل کو حکم دیا کہ اپنا کام کرے۔ تھوڑی دیر بعد عزرائیل سے فرمایا ٹھہر۔ جبریل کو آجانے دو۔ عزرائیل نے عرض کی۔ فرمانبردارِ حکم ہوں۔ بہت اچھا۔

جناب الٰہی کی طرف سے مالکِ دوزخ کو حکم ہوا۔ کہ روح مطہر حبیب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر لائی جا رہی ہے۔ آگ بجھا دے اور اے رضوان روح مقدس کے لئے صفوف حورانِ بہشتی قائم کر اور بہشتوں کو آراستہ و پیراستہ رکھ۔ اور اے سکان صوامع جبروت اٹھو اور صف بستہ کھڑے ہو جاؤ کہ روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتی ہے۔ اے جبریل جاؤ اور ہمارے حبیب کو پیام شوق پہنچاؤ۔ روح الامین گریاں و نالاں دربار عالی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل ایسے وقت مجھے تنہا چھوڑ گئے۔ عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتظام میں مشغول تھا اب بشارتیں لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا بشارتیں ہیں۔ آپ نے عرض کی ان النیران قد خمدت والجنان قد زخرفت والحور العین قد تزینت والملائکۃ قد صففت لقدوم روحک۔ نار جہنم سرد ہو گئی۔ بہشت سجا دیئے گئے۔ صفوف ملائکہ دست

بستہ خیر مقدم کو کھڑی ہیں۔ حور عین کی جماعت مزین کھڑی ہے۔ محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کے لئے۔

جملہ قدسس برائے تو بیاراستہ اند
خوش خرماں گزر اے جاں بتماشہ گہ ناز
قدمے پیش نہ و قصر فلک را بفروز
برقع از رخ بفگن جملہ ملائک بنواز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ یہ سب بشارتیں مبارک ہیں۔ مگر ایسی خوشخبری سناؤ۔ جس سے میری آنکھیں روشن ہوں اور دل حزیں شاد۔ جبریل نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء پر مع ان کے امتیوں کے جنت حرام ہے۔ جب آپ مع اپنی امت کے داخل جنت نہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر سے مسرور ہوئے اور فرمایا جبریل اس سے زیادہ بشارت وافی اور مژدہ کافی اور خبر عالی سناؤ۔ عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طے ہو چکا ہے کہ کل قیامت کو جو عرصہ گاہ حسرت وندامت ہوگا۔ اس میں سب سے اول جس کے فرق ناز پر تاج شفاعت رکھا جائے گا وہ آپ ہی ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل اس سے بھی زائد کوئی ایسی بشارت سناؤ جو گرہ ملال کو میرے دل سے کھولے اور زنگ اختلال کو لوح ضمیر سے مٹائے۔ عرض کی اے مقتداء انبیاء و رسل اے پیشوا مناہج سبل ظاہر فرمائیے وہ غم کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے سب سے زیادہ اس کا غم ہے کہ میرے بعد میرے امتی حقائق قرآنی کس سے سمجھیں گے۔ اور روزہ داران رمضان بغیر میرے کیونکر روزہ افطار کریں گے۔ اجیان بیت الحرام بغیر میرے منا کیونکر جائیں گے۔ اور ان کے اعمال

کی مجھے کیونکر خبر ہو گی۔ جبریل نے عرض کی اے سردار زمین و زمان خوش ہو جئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام امتی آپ ہی کی پناہ میں دیئے ہیں اور قیامت کے روز بھی آپ ہی اُن کے مختار ہیں۔ جس قدر آپ چاہیں بخشوائیں وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اسی لئے فرمایا ہے۔ جب تک آپ خوش نہ ہو جائیں بس ہی نہ کی جائے۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم متبسم ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ اب میں خوش دل ہوا اور میری آنکھیں روشن ہوئیں۔ عزرائیل آؤ اور جس کام پر تم مامور کئے گئے ہو اُسے پورا کرو۔

ملک الموت حضرت عزرائیل مؤدبانہ قبض روح اطہر کے لئے آگے بڑھے اور مشغول قبض ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک آسمان کی طرف تھی اور زبان مبارک پر رب الرفیق الاعلیٰ جاری تھا۔ کہ ناگہاں دست مبارک بیجان ہوئے اور عالم وصال کی طرف ارتحال فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵

رفت آں طاؤس عرشی سوئے عرش
چو رسید اندر مشامش بوئے عرش
شاہبازے ایں قفس درہم شکست
رفت وخوش بر ساعد سلطاں نشست

روایت ہے کہ جب عزرائیل جبریل کے ساتھ روح مطہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبض کر کے اعلیٰ علیین کی طرف روانہ ہوا۔ تو آپ زور زور سے یا محمداہ یا رسول اللہ رب العالمین فرماتے ہوئے روانہ ہوئے اور ایک روایت میں ہے۔ جب اُس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم فانی سے انتقال فرمایا تو حضرت سیدہ کے آنسو جاری تھے۔ اور یہ لفظ زبان مبارک پر تھے یا

ابتاہ اجاب رب دعاہ جنت الفردوس مادا ہ۔ ہائے اباجان! آپ کی دعا خدا نے قبول فرمائی اور اپنے پاس بلا لیا۔ اور جنت قرارگاہ بنادی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اہل بیت اطہار پر تو جو قیامت قائم ہونی تھی ہوئی۔ مگر اس مصیبت میں جن و ملک۔ زمین و فلک۔ ثابت و سیار۔ جبال و احجار۔ نبات و اشجار۔ وحوش و ہوام سباع و سوام۔ مرغان ہوا۔ ماہیان دریا۔ سب گریاں و نالہ کناں تھے۔ عظم اللہ اجورنا بمصائبنا بحضرت سیدنا و نبینا و غیثنا و مغیثنا و غوثنا وغیاثنا وارزقنا شفاعۃ الکبریٰ۔ وادخلنا تحت لوائہ یوم الجزاء

اب حضرت سیّدہ پر کیا گزری

قبل واقعہ سیدہ کے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ حضرت سیدہ کی ولادت کب ہوئی۔ اور آپ کے بھائی بہن کتنے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم شریف کیا تھا؟ واضح رہے۔ کہ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئیں۔ آپ کے دو بھائی اور تین بہنیں اور تھیں۔ صاحبزادگان کا اسم شریف قاسم اور عبداللہ تھا۔ حضرت قاسم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہوئی اور حضرت عبداللہ کا لقب مبارک طیب و طاہر تھا اور ابتدائے اسلام میں ان کی ولادت ہوئی۔ اور بعد چندے رخت ارتحال باندھ کر سمت دارالبقا روانہ ہوئے اور صاحبزادیوں کے اسم شریف ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب۔ فاطمہ تھے۔ ان میں سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ اور یہی ایک صاحبزادی بعد وفات تک حیات رہیں۔ اور تینوں صاحبزادیاں عین حیات سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں انتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت سیدہ

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے۔ کہ آپ کی ولادت سنہ ۳۵ میں قبل ۵ سال نبوت کے ہوئی۔ بعض کا قول ہے۔ سنہ ۴۱ میں واقع ہوئی۔ شیخ ابو محمد بن خشاب اپنی کتاب مو الید میں امام محمد باقر سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی ولادت پانچ سال بعد بعثت و اظہار نبوت کے ہوئی۔

صاحب روضۃ الواعظین فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت خدیجہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں حاملہ ہوئیں۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدیجہ! مجھ کو روح الامین نے خبر دی ہے کہ یہ صاحبزادی جو ہوں گی ان کا نام فاطمہ رکھنا کہ یہ نام ان کا نسلی ہے۔ اس کے معنی پاک پاکیزہ۔ بابرکت خجستہ اطوار کے ہیں چنانچہ جب ان کی ولادت قریب ہوئی۔ تو آپ نے انتظام زچہ خانہ کے لئے حسب رواج قریش میں سے بلایا۔ سب نے انکار کر دیا۔ کہ ہم تمہاری امداد و انتظام زچہ خانہ کو ہرگز نہ آئیں گے۔ کیونکہ تم نے ہماری بات نہ مانی اور متمول کو چھوڑ کر یتیم ابو طالب کی بیوی بنیں۔ تونگری پر درویشی کو ترجیح دی۔ آپ اس جواب سے ملول و اندوہگیں ہوئیں کہ اچانک چار عورتیں ظاہر ہوئیں۔ جو گندم گون دراز قد تھیں۔ انہوں نے حاضر ہو کر کہا ہم بنی ہاشم کی عورتیں ہیں۔ حضرت خدیجہ ان اجنبی عورتوں کو دیکھ کر خائف ہوئیں۔ تو ان میں سے ایک نے کہا کہ خدیجہ غم نہ کر اور اصلا خوف و خطر دل میں نہ لا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تیری خدمت کے لئے بھیجا ہے اور ہم تمہاری بہنیں ہیں۔ میں سارہ بنت اسحاق ہوں اور یہ مریم بنت عمران اور یہ کلثوم ہمشیر موسیٰ علیہ السلام اور یہ آسیہ فرعون کی بیوی ہیں۔ تمہاری خدمت کے لئے ہم چاروں بھیجی گئی ہیں۔ یہ کہہ کر ایک دائیں طرف بیٹھ گئی اور ایک بائیں طرف۔ ایک پیچھے کو۔ ایک آپ کے آگے۔ کہ اتنے میں آثار وضع حمل پیدا ہوئے۔ مختصر یہ کہ حضرت سیدہ فاطمہ کی ولادت ہوئی۔

آپ بید قدرت سے طاہرہ و مطہرہ متولد ہوئیں۔ جب آپ کو ہاتھوں میں لیا گیا۔ ایک نور تمام حجرہ میں چمکا۔ غرض کہ چمن محمدی میں جب یہ ایک پھول کھلایا۔ گلشن سعادت میں یہ غنچہ دلبر آراستہ ہو گیا۔ تو بستان عصمت ریاحین ریاض سے مہک کر نسیم جمال و شمیم کمال تمام عالم میں پھیلانے لگا۔

تبارک اللہ ازیں اختر خجستہ کہ گشت
ز نور طلعت او برج فضل نورانی

روایت ہے کہ بعد ولادت دس حوریں بہشت بریں سے حجرہ مطہرہ میں بھیجی گئیں۔ ہر ایک کے پاس ایک طشت اور ایک ابریق تھا۔ اور ان ابریقوں میں آب کوثر مملو تھا۔ چنانچہ وہ چاروں عورتیں جو پہلے سے حاضر تھیں اٹھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس طشت میں بٹھا کر آب کوثر سے غسل دیا۔ اور ایک سپید کپڑا جو عطر ہائے جنت سے معطر تھا نکالا۔ اس میں سیدہ کو لپیٹ لیا۔ اور ایک ٹکڑے میں جو بحد غائت معطر تھا۔ آپ کا سر مبارک بطریق مقنع کے باندھا اور کہا لو خدیجہ مبارک ہو۔ حضرت خدیجہ نے خوشی خوشی آپ کو گود میں لیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ خدیجہ نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام فاطمہ اور کنیت ام محمد رکھی

اور لقب راضیہ۔ مرضیہ۔ میمونہ۔ زکیہ۔ بتول۔ زہراء عنایت فرمائے۔

روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلبیت میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔ آپ نے فرمایا فاطمہ۔ پھر عرض کیا۔ مردوں میں۔ فرمایا ان کے شوہر علی۔ اور ایک روایت

میں ہے کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مجمع صحابہ میں رونق افروز تھے۔ کہ صحابہ نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عور توں کو یا ان واصحاب سے زیادہ محبوب نہیں رکھتے۔ کہ اتنے میں علی مرتضٰی معہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہ صحابہ نے کہا تھا۔ فرمایا۔ سیدہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہ اور مردوں میں علی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس پر فاطمہ ناراض ہو۔ اس پر خدا ناراض ہے اور جس سے فاطمہ خوش ہے۔ اس سے خدا اور اس کا رسول راضی۔ سچ کہو جو فرزندان فاطمہ کو شکار جور و ستم بنائیں گے۔ ان سے فاطمہ خوش ہوں گی یا ناراض؟ سب نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشنودی محال ہے ؎

قتل اولادِ نبی آں گاہ عذر
بیشک آں عذر لیست بدتر از گناہ

روایت ہے کہ ایک بار سید انبیاء علیہ التحیۃ والثناء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہمراہ لے کر ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ دونوں شہزادگان طفولیت میں تھے۔ چھوٹے صاحبزادہ ایک روز گھر سے باہر آکر مدینہ کے خرموں میں چلے گئے اور درختوں کے نیچے کھیل رہے تھے کہ ایک یہودی جس کا نام صالح بن رفعہ تھا اس طرف سے گزرا دیکھا چھوٹے شہزادے کھیل رہے ہیں۔

اس نے ان کو گود میں لیا اور گھر لے جاکر چھپا دیا۔ وہاں بھر انتظار رہا۔ جب عصر کا وقت گزر گیا۔ تو حضرت سیدہ کی بے چینی بڑھی۔ زار زار رونے لگیں۔ اور اسی اضطراب میں ستر بار حجرہ سے باہر تشریف لائیں کہ کوئی حسین کو شاید لاتا ہو۔ یا کوئی آئندہ روندہ نظر آئے تو اسے تلاش کے لئے بھیجوں۔ آخر بڑے

شہزادہ کو فرمایا کہ جانِ مادر! تمہیں جاؤ اور حسین کو لاؤ۔ انہیں گئے دن کا پہر گزر گیا۔ آپ روانہ ہوئے اور رخرموں میں پہنچ کر پکارے یا حسین بن علی یا قرۃ عین النبی این انت۔ اے بھائی حسین تم کہاں ہو؟

دلِ ما تمام بردی برخ خود سے نمائی
بکجات جویم اے جاں نگہ بر سمت کجائی

مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اچانک ایک ہرن اُدھر سے گزرا۔ آپ نے اس سے فرمایا یا ظبی ھل رایت اخی حسینا اے ہرن! میرے بھائی حسین کو تو نے دیکھا ہو تو بتادے۔ ہرن کو خدا نے زبان ناطق عطا فرمائی۔ اور بحکم الٰہی وہ اس طرح جواب دینے لگا۔ کہ اے نور دیدۂ سرور۔ وا ے سرور سینۂ زہرا و حیدر! اخذہ صالح بن رفعۃ الیہودی۔ اس کو صالح بن رفعہ یہودی نے پکڑ لیا ہے واخفاہ فی بیتہ اور اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔ وہاں سے انہیں لایئے۔ امام حسن خراماں خراماں اس کے گھر پہنچے۔ اور آواز دی۔ صالح باہر آیا۔ آپ نے فرمایا۔ صالح! میرے بھائی حسین کو لا۔ ورنہ ابھی اپنی والدہ سے کہتا ہوں۔ تاکہ وہ دعا کریں کہ روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہے۔ صالح شہزادہ کی اس ذہانت پر سخت متحیر ہوا کہ چھوٹے سے بچے اور تلاش میں یہ ذکاوت کہ آخر چور پکڑ لیا۔ عرض کرنے لگا۔ صاحبزادے تمہاری ماں کون ہیں۔ آپ نے فرمایا میری والدہ زہرا صاحبہ (سدمنہ خضرا) فاطمہ زہرا ہیں۔ صالح نے کہا کہ ہاں تمہاری ماں کو میں جان گیا مگر باپ بتاؤ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میرے باپ شیر یزداں شاہ مرداں علی اسد اللہ ہیں۔ صالح نے کہا تمہارے باپ کو بھی پہچان گیا۔ اب اپنے نانا کو بتاؤ وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا قلنار سول الثقلین سید کونین مقتدائے

حرمین پیشوائے مشرقین سردار مغربین ہیں۔ جن کا نام نامی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ تمام جواب سن کر اس نے کہا کہ اے جگر گوشہ رسول خدا و اے نور دیدہ علی مرتضیٰ قبل اس کے کہ میں تمہارے چھوٹے بھائی کو تمہیں دوں۔ مجھے تعلیم اسلام فرماؤ۔ آپ کی گفتگو نے میرے دل میں گھر کر لیا۔ آپ کے فیض صحبت سے میں بہت متاثر ہوا۔ امام حسن سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے اسے تعلیم کلمہ فرمائی۔ اس نے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا۔ اور گھر میں سے شہزادہ حسین سید الشہداء کو لایا۔ کچھ اشرفیاں آپ کی نذر کیں۔ آپ گھر تشریف لائے اور دلِ فاطمہ زہرا کو تسکین دی۔ بعد ازاں صالح ستر آدمی اپنی قوم کے ہمراہ لے کر خدمت شہزادگان میں آیا اور آپ نے سب کو شرفِ اسلام سے مشرف فرمایا۔ پھر سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ میں نے سخت گناہ کیا کہ شہزادہ صاحب کو چھپایا۔ آپ اس قصور کو معاف فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تو معاف کرتی ہوں۔ مگر یہ فرزندانِ علی مرتضیٰ ہیں۔ لہٰذا علی سے عذر تقصیر کر کے اور معاف کرا لے۔ صالح منتظر رہا۔ جب شیرِ خدا غزوہ سے تشریف لے آئے۔ تمام قصہ عرض کر کے معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ میں تجھ سے بہت خوش ہوں اور اپنی طرف سے تیری خطا معاف کرتا ہوں۔ لیکن یہ دونوں شہزادے ریحان روضۂ رسالت نہال حدیقۂ جلالت جگر گوشانِ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان سے معافی طلب کرتا کہ تو بری ہو۔ صالح گریہ کناں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی اے سید المرسلین۔ اے رحمۃ للعالمین صالح نے خطا کی ہے۔ اسے معاف فرما دیں۔ اور تمام قصہ مفصل عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صالح ہم نے تو تیرا قصور معاف فرمایا۔ مگر یہ

برگزیدگانِ خدا ہیں۔ لہٰذا تو خدا کے حضور میں استغفار کر۔ وہاں کی بخشش حقیقتاً بخشش ہے۔ صالح روتا ہوا جنگل کو چلا۔ اور تضرع زاری سے جناب الٰہی میں اپنے قصور کی معافی مانگنے لگا اور اس طرح عرض پیرا ہوا ؎

یارب بہ درِ تو عذر خواہ آمدہ ام
بگریختہ بودہ ام براہ آمدہ ام
اکنوں زپئے عذر گناہ آمدہ ام
بپذیر کہ با حالِ تباہ آمدہ ام

اسی طرح ستر شبانہ روز جنگل میں روتا رہا۔ آخرش روح الامین بحکم رب العالمین دربارِ رسالت میں حاضر آئے اور عرض کی۔ کہ جناب باری آپ کو سلام فرما کر ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اس بڈھے صالح کو بلا کر بشارت دیجئے کہ ہم نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔ اور اس کا نام آپ کے دوستوں میں لکھا۔ اللہ اکبر ایک یہودی اس خطا پر بعد اسلام بھی اس قدر پریشان ہو۔ جب خطا معاف ہو۔ ستمگارانِ شامی کو جگر گوشۂ مصطفٰے نور دیدۂ زہرا کو زہر قہر سے سات بار دو پارہ کریں۔ اور فرزند پسندیدہ مرتضٰی کو معہ ۷۲ جان نثاروں کے تیغ بے دریغ سے میدانِ کربلا میں ہلاک کریں۔ ان کا کیا حال ہوگا ؎

اے کمربستہ بخوں ریزی اولاد رسول
ہیچ آخر زخداوندِ جہاں شرم نبود
ہیچ اندیشہ نہ کردی کہ رسول الثقلین
از پے حرمتِ ایشاں چہ وصیت فرمود

آہ ازاں دم کہ کند فاطمہ از جورِ تو داد
مصطفےٰ بر تو غضب ناک و علی خشم آلود

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھ سے دریافت کیا۔ کہ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیئے کے روز ہوئے ہیں۔ میں نے کہا چند روز گزر گئے۔ آپ نے مجھے ملامت کی اور بُرا بھلا کہا میں نے عرض کی معاف کرو۔ ابھی جاتا ہوں اور شام کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتا ہوں اور تمہارے اور اپنے لئے عرض کروں گا کہ بخشش کی دعا فرمائیں۔ چنانچہ میں روانہ ہوا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اُٹھے اور حجرہ کی طرف روانگی کا عزم فرمایا۔ میں بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہوا اور کچھ خفیہ گفتگو کر کے غائب ہو گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے تو میرے پیروں کی آہٹ پا کر میری طرف رُخ کر کے فرمایا کون؟ میں نے عرض کی حذیفہ ہے۔ فرمایا ہاں۔ کہو کیا کہتے ہو۔ میں نے عرض کی۔ میرے اور میری والدہ کے لئے آمرزش گناہ کی دعا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِاُمِّكَ ۔ اللہ تجھے اور تیری ماں کو بخش دے۔ پھر فرمایا حذیفہ یہ شخص جو میرے سامنے آیا تھا تو نے دیکھا تھا۔ میں نے عرض کی جی ہاں۔ فرمایا یہ فرشتہ تھا کہ اس سے پہلے کبھی ہمارے پاس نہیں آیا۔ اس نے مجھے سلام کیا۔ اور پھر جناب باری کی طرف سے یہ بشارت سنائی کہ فاطمہ زہرا سیدہ زنان اہل جنت ہوں گی۔ اور شہزادگان حسن و حسین سید جوانانِ اہل بہشت ہوں گے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان جن عورتوں کے مناقب زیادہ ہیں اور مرتبہ بلند۔ وہ مریم بنت عمران۔ خدیجہ بنت خویلد۔ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آسیہ زن فرعون بنتِ فراحم ہیں۔

کتاب الآل مصنفہ امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ میں ایک روایت ہے کہ جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آدم و حوا کو بہشت میں متمکن فرمایا۔ تو ایک روز فردوس اعلیٰ کے باغیچوں میں گلگشت فرماتے ہوئے حضرت حوا کی طرف مخاطبہ فرما کر یوں کہا کہ اللہ نے تم سے زیادہ حسین اور نیک دوسرا پیدا ہی نہ فرمایا حق سبحانہ تعالیٰ نے روح الامین کو حکم دیا۔ کہ جب آدم و حوا فردوس کی گلگشت سے واپس آئیں۔ تو ہمارے حبیب مکرم محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر سیدہ کی زیارت کراؤ۔ چنانچہ جب آپ فردوس میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک شہزادی جنکی رونق افروز ہیں۔ جن کے سر پر ایک تاج نوری ہے اور دو گوشوارہ نوری کانوں میں لٹک رہے ہیں۔ ان کے روئے انور کی تابانی نے تمام بہشت کو منور کر رکھا ہے۔ آدم نے دیکھ کر روح الامین سے پوچھا۔ کہ جبریل یہ صاحبزادی کس کی ہیں۔ جن کو یہ زیبائی عطا فرمائی ہے کہ ریاض جنان ان کے نور سے ایسا منور ہے۔ جبریل نے کہا کہ یہ سیدہ فاطمہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے آپ کے دوش اقدس پر ایک کملی پشمینہ کی تھی۔ کہ دونوں شہزادے تشریف لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کملی میں لیا۔ اتنے میں حضرت شیر خدا و فاطمہ زہرا تشریف لائے۔ انہیں بھی اس کملی میں لے لیا۔ پھر فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا یعنی اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر

والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ پھر فرمایا جو تم سے لڑے میں اس سے لڑنے والا ہوں اور جو محبت کرے میں اس سے محبت کرنے والا ہوں۔

غرض کہ آپ کے بہت کچھ فضائل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں رونق افروز تھے کہ اتنے میں چند خواتین قریش زیورات سے آراستہ اور نہایت پرتکلف لباس سے پیراستہ حاضر ہوئیں اور عرض کی اے ابوالقاسم اگرچہ مذہباً ہم تم سے جدا ہیں۔ مگر قرابت یگانہ ہیں ایک شہر کے ایک گھر کے۔ یہ ہم نہیں چاہتے کہ قطعی رشتۂ رحم منقطع کریں۔ آج شادی ہے اور فلانی لڑکی لڑکے کو منسوب ہوگی۔ لہذا اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ کو بھیجئے۔ تاکہ ان کی شرکت سے ہمارا دل خورسند و شادماں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو کچھ سکوت فرمایا پھر انہیں جواب دیا کہ اچھا تم چلو۔ میں فاطمہ کو بھیجتا ہوں۔ وہ تو گئیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا جانِ پدر! مجھے حکم ہے کہ جفا و آزارِ خلق کو برداشت کروں اور زہر نفاق کو شکر شکر کے ساتھ پیوں۔ آج کچھ قریش کی عورتیں میرے پاس آئی تھیں اور یہ درخواست منظور کرا گئیں کہ میں تم کو ان کے یہاں شرکت کے لئے بھیجوں۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ عرض کی ابا جان میں بندۂ فرماں ہوں ؎

مرا تو جانِ عزیزی و شاہ محترمی
بہرچہ حکم کنی بر وجودِ من حکمی

ابا جان! جانے کو تیار ہوں۔ مگر حیران ہوں کیا پہنوں اور کس جوڑہ کو زیب تن کر کے جاؤں۔ وہ لباس فاخرہ سے آراستہ ہوں گی۔ مجھے خیال

ہے کہ جب وہ عورتیں میرے پرانے کپڑے اور جریدہ چادر دیکھیں گی تو طنز وطعنہ کریں گی۔ اسلام کا استہزاء ہوگا۔ اس جلسہ میں عتبہ کی بیوی، شیبہ کی بیٹی، ابوجہل کی بہن وغیرہ بھی ہوں گی۔ جو انتہا درجہ کی دریدہ دہن اور فضول گو ہیں۔ ممکن ہے یہ تمام کج اندیشہ کہہ بیٹھیں کہ تمہارے باپ تو اپنے کو دنیا ومافیہا کا سردار کہتے ہیں۔ اور تمہارے پاس کپڑوں تک کا کیا حال ہے۔ اور وہ حمالۃ الحطب اُم جمیل زوجہ ابولہب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھایا کرتی ہے۔ اور ہندہ ابوسفیان کی بیوی یہ دونوں حاضر غائب ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں رہتی ہیں۔ یہ بھی ضرور ہوں گے اور اُن سے مخالفت عداوت کی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ یہ عام دنوں میں جب حرم میں آتی ہیں۔ تو دیبائے رومی اور خز مصری اور بردہائے یمنی۔ حلہ عراقی پہنی ہوتی ہیں۔ پھر شادی میں تو نہ معلوم کیا لباس ہوگا۔ اور زیورات مکلل بجواہر اور تکیہ زربفت کے ان کے یہاں ہیں۔ میں اس چادر کے ساتھ جو چند جگہ سے خرموں کی چھال سے سلی ہوئی ہے کیسے اوڑھ کر جاؤں؟

ابا جان! ان کی چشم حق بین کور ہیں۔ یہ جماعت جاہ وحشم دنیا کو دیکھنے والی ہے۔ وہ درخت جو بوستانِ نبوت میں جو بار رسالت سے چڑھا بڑھا ہو۔ اس کی نظر میں دیبا وزیورہائے دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ مگر ان اندھوں کی نظریں یہاں تک کیسے پہنچ سکتی ہیں ؎

وہ کہ آں صورت پرست از حالِ ما آگاہ نیست

آرے آرے اہل صورت را بمعنی راہ نیست

ابّا جان۔ آج اماں جان ہوتیں۔ تو وہ یہ سب ظاہری سامان بھی مہیا فرما دیتیں۔ مگر انہوں نے پہلے ہی جوارِ رحمت میں قیام فرما لیا اور مجھ کو اپنے

فراق میں رونا چھوڑا۔ یہ فرما کر سیدہ کے چشم نوری بھر آئے اور قطرات اشک رخسار انور پر ٹپکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آبدیدہ ہوئے۔ پھر فرمایا۔ جان پدر! ملول نہ ہو۔ اگر وہ دنیاوی زیورات سے آراستہ ہیں تو تم حلہائے نوری سے پیراستہ۔ بیٹی یہ ملمع دنیاوی ہے۔ بعد چندے سوائے خسران و زیان کچھ نہیں۔ تمہاری آراستگی آخرت میں جلوہ ریزی کرے گی۔ بیٹی! ہم اپنی کملی پر فخر کرتے ہیں الفقر فخری یہ فقر ظاہری اور باعث فخر ہے ۔

ماؤ گلیم فقر کہ تارے ازاں بہ است
از حلۂ یمانی و دیبائے ششتری
ماؤ پلاس عجز کہ در دیدۂ خرد
زیبا تر از پلاس خزاست عبقری

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے کہ اتنے میں روح الامین حاضر دربار بحکم کردگار ہوئے۔ اور عرض کی کہ حضرت جلیل بعد سلام ارشاد فرماتے ہیں کہ فاطمہ سے کہہ دیجئے کہ وہ شادی میں اسی لباس سے تشریف لے جائیں اور ہماری کارسازی کا مشاہدہ فرمائیں۔ آج سیدہ کا حسن و جمال اس ہی شان میں ہمیں دکھلانا منظور ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ وہ استہزا کریں گی۔ اور ہماری یہ مرضی ہے کہ اسی صورت میں وہ پرتوہ جمال فاطمی پر پروانہ وار نثار ہو کر قید کفر سے خلاصی پائیں۔

خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! ابھی جبریل امین آئے تھے اور جناب باری کا یہ حکم لائے ہیں۔ آپ نے سن کر جواب دیا بہت اچھا۔ نافرمانی اپنا شیوہ نہیں۔ جو خطرہ دل میں آیا تھا۔ وہ عرض کر دیا۔ اب جبکہ حکم الہٰی یونہی ہے۔ مجال توقف ہی نہیں۔ آپ اٹھیں اور مقنعہ فقر زیب فرق فرمایا چادر

عصمت اوڑھی اور مثل خورشید انور تنہا بغیر خادمہ کے شرکت شادی کو روانہ ہوئیں۔
کیونکہ الشمس بنجوم السماء فریدۃ وچاند سورج ستاروں میں آسمان پر
ایک ہے ؎

چہ غم خورشیدِ تاباں را اگر تنہا رود در راہ
چہ غم سرو خراماں را اگر تنہا بروں آید

چنانچہ جب آپ دولتکدہ سے جلسہ شادی میں روانہ ہوئیں۔ توجسہ گاہ میں
تمام خواتین قریش چشم براہ اور گوش بآوازِ قدم تھیں کہ اب وہ نیک ساعت آنے
والی ہے کہ شہزادی کونین والدہ حسین جگر گوشہ سید الثقلین رونق افروز ہوں۔
کہ اچانک ان کے کان میں آواز آئی۔ کہ مؤدب ہو جاؤ شہزادی کونین لخت جگر محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ زہرا تشریف لاتی ہیں کہ اتنے میں سیدہ طاہرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے حسن وجمال باطنی سے درودیوارہائے دیوانخانہ کو اپنے
شیشۂ جمال سے مثل خورشید تاباں کے روشن فرمایا۔ حضرت سیدہ نے سلام
فرمایا۔ سب نے ادب سے عرض کی ؎

کردی سلام ذوق سلامت بدل رسید
ویں خانہ از سلام تو دار السلام شد

تمام خواتین جلسہ ہیبت وجلال سے محو حیرت تھیں۔ کسی میں تاب کلام نہ
تھی اور سیدہ خراماں خراماں تشریف ارزاں ہوئیں۔ خواتین قریش کی نظر دل میں
آپ کا لباس فاخرہ ایسا جچا کہ محو حیرت تھیں اور دل میں کہہ رہی تھیں کہ ایسا کپڑا
آج تک دیکھا نہ سنا۔ فرق اقدس پر جو نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک تاج مرصع بدر
شاہوار مکلل بیاقوتِ آبدار مثل لعل درخشندہ مثال فیروزہ رخشندہ ہے۔
کہ آنکھیں اس کی تابانی سے خیرہ ہیں۔ اور قمیص مبارک ایسی زری سے مغرق

ہے۔ کہ اتنا صاف زری دنیا کے خزانوں میں کہیں نہ پائی۔ زیورات ایسے سجے ہیں۔ کہ زرگرانِ عالم جس کی مثال بنانے سے قاصر ہیں۔ اور کنیزان پاکیزہ سرشت ہمراہ ہیں۔ جو چاروں طرف اس بقعۂ نور کے چل رہی ہیں۔ کسی نے چادرِ مبارک کے دامن اُٹھا رکھے ہیں۔ کوئی خاکِ قدم آنکھوں میں لگا رہی ہے۔ ایک خادمہ آپ کے پیچھے پیچھے پنکھا کرتی آ رہی ہے۔ ایک آگے آگے سنہری انگیٹھی میں عود کا بخور روشن کئے آ رہی ہے۔ جس کی خوشبو سے مشام دماغ معطر ہو رہے ہیں۔ اس عظمت دبدبہ سے کوکبۂ فاطمی اس گھر میں پہنچا۔ کہ در و دیوار سے یہ آوازیں آنے لگیں ؎

تو از ہر در کہ باز آئی بدیں خوبی و زیبائی
درے باشد کہ از رحمت بروئے خلق بکشائی

بزیور ہا بیارایند وقتے خوب رویاں را
تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیور ہا بیارائی

ملامت گوئی بے حاصل ترنج از دست نشناسد
دراں ساعت کہ بریوسف جمال از پردہ بنمائی

غرض کہ چشمہائے خواتین اس گوہر صدف خلق و ادب پر پڑتے ہی خیرہ ہو گئیں۔ اور آئینۂ عقل و فہم تیرہ۔ اپنی جگہ سے اُٹھیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتی تھیں کہ یہ فاطمہ ہیں یا کسی سلطان ہفت اقلیم کی صاحبزادی۔ یہ زہرا ہیں یا کسی خاقان مملکت کی حرم ؎

ایں کیست ایں ایں کیست ایں در حلقہ ناگاہ آمدہ
ایں نور اللہ است ایں از نزد اللہ آمدہ

ایں بخت ودولت رانگر ایں لطف ورحمت رانگر

درچارۂ بداختراں باروئے چوں ماہ آمدہ

یہ کون خاتون ہے کہ چہرۂ زیور کا نور مثل آفتاب ہے۔ اور یہ کپڑے کہاں سے
آئے ہیں خزائن ملوک عرب میں نظر نہیں آتے۔ ایسے کپڑے نہ چرب دستنا
مصر واسکندریہ بنا سکتے ہیں نہ ہنرمندان روم وفرنگ تیار کر سکتے ہیں جب
حواس درست ہوئے تو پہچانا کہ یہ سیدہ فاطمہ زہرا ہیں۔ پہچانتے ہی جسم پر
لرزہ طاری ہوا۔ اور سب قدم فاطمہ پر جھک گئیں۔

اس واقعہ عظیم کو دیکھ کر اکثر کافرہ خواتین حضور کو جادوگر (معاذ اللہ)
قرار دے کر جلسہ گاہ سے چل دیں۔ اور اکثر اپنی غلطی کی معترف ہو کر نہایت
ادب سے تواضع میں مشغول ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ سیدہ ہم شرمندہ ہیں کہ
ہماری وجہ سے آپ کو تشریف آوری کا تکلیف برداشت فرمانی پڑی۔ اب
حکم دیجئے کیا پیش کریں۔ کس قسم کا شربت حاضر کیا جائے۔ ہمارے
ابا جان کا ارشاد ہے اجوع یومین واشبع یوما۔ دو دن بھوکی
رہوں اور ایک دن کھاؤ۔ ہاں اگر مجھے خوش کرنا چاہتے ہو۔ تو ظلمت کدۂ
کفر سے قدم جہالت کو نکال لو۔ اور فضائے نور افزائے ایمان میں آ
جاؤ۔ جیسے ہی ارشاد سیدہ سنا۔ سب نے تہ دل سے باآواز عرض کیا اَشْهَدُ
اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔

آرام دل و زندگی جاں زدم اوست

ہر جا کہ نہد پائے صفا در قدم اوست

صاحب شواہد النبوۃ اس واقعہ کو مدینہ میں لکھتے ہیں اور بعض مکہ معظمہ میں۔
بہرکیف روایت معتبر یہ ہے کہ یہ قصہ بعد ہجرت کا ہے۔ اس وقت آپ کی

عمر مبارک ایک روایت سے ۹ سال کی تھی۔ اور ایک روایت سے ۱۴ سال کی۔ اور ایک اور روایت ہے۔ جو زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں بست سالہ عمر مبارک ہے۔ بہرکیف واقعہ سب نے یہی لکھا ہے۔ اختلاف عمر و مقام میں ہے۔ نیز اس میں اختلاف ہے کہ کس ماہ کا واقعہ ہے۔ بعض رجب المرجب لکھتے ہیں اور بعض صفر المظفر۔ بست سالہ عمر جس روایت میں ہے وہ رمضان المبارک بتاتے ہیں

آپ کی شادی کی مختصر کیفیت

آپ کی شادی کے متعلق اکثر اکابر صحابہ عرض کرتے تو حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرما دیتے۔ کہ میں اس معاملہ میں حکم الٰہی کا منتظر ہوں۔

مناقب ابوالمؤید خوارزمی میں ہے کہ روز خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دولت سرائے ام سلمہ میں رونق افروز تھے کہ ایک فرشتہ خدمت گرامی میں حاضر ہوا۔ جس کے بیس سر تھے۔ اور ہر سر میں ہزار زبان تھی۔ اور ہر زبان سے تسبیح و تہلیل کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ جبریل ہیں۔ آپ نے فرمایا بھائی اس سے قبل تم کبھی اس صورت میں نہیں آئے۔ فرشتہ نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جبریل نہیں ہوں۔ مجھے صرضائیل کہتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس لئے مجھے بھیجا ہے کہ نور کی تزویج نور سے کردوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرضائیل صاف بتاؤ کس کی تزویج کس کے ساتھ کرنے آئے ہو۔ عرض کی سیدہ فاطمہ

کی علی اسد اللہ سے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت علی کو بلایا اور سیدہ کا عقد اس فرشتہ کی موجودگی میں حضرت علی سے کر دیا ۔ ایک روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھا ۔ کہ آثار وحی چہرۂ زیبا پر ظاہر ہوئے ۔ تھوڑی دیر میں انجلاء وحی ہو گیا ۔ تو فرمایا انس تمھیں معلوم ہے ۔ اس وقت جبریل خدا کی طرف سے کیا پیام لائے تھے ۔ میں نے عرض کی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں اور باپ آپ پر نثار ہوں ۔ اللہ اور اللہ کا رسول ہی جانتا ہے ۔ فرمایا یہ پیغام تھا کہ ان اللہ تعالیٰ یامرک ان تزوج الفاطمۃ من علی حق تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ سیدہ فاطمہ کا عقد حضرت علی سے کر دو ۔ انس جاؤ اور شرفاء مہاجرین مثل صدیق و فاروق و ذی النورین اور طلحہ و زبیر کو بلا لاؤ ۔ اور اکابر انصار سے سعد وقاص ۔ معاذ بن جبل ۔ عبادہ بن صامت ۔ اسید بن حضیر کو بھی کہو کہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یاد کرتے ہیں ۔ میں حسب الارشاد گیا اور سب کو بلا لیا ۔ حضرت علی بھی حاضر تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بلیغ پڑھا ۔ جس میں حمد و ثنا و ترغیب نکاح کا مضمون تھا ۔ پھر فرمایا مجھے امر الٰہی ہے کہ فاطمہ کو علی کے عقد میں دے دوں ۔ لہذا ان کا مہر چار سو مثقال مقرر کرتا ہوں ۔ علی تم منظور کرتے ہو ۔ حضرت علی نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بخوشی منظور کرتا ہوں ۔ تین بار اس کی تکرار فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا پر یہ جلسہ ختم فرمایا جمع اللہ شملکما واسعد جدکما وبارک علیکما واخرج منکما ولداً کثیراً طیباً ۔ جمع کرے اللہ تعالیٰ تمھاری پراگندگی کو ۔ اور بھلائیاں تمھارے قریب رہیں اور برکت دے اللہ تمھارے اندر اور تم سے نیک اور پاک

اولادیں عطا فرمائے۔ یہ تین بار کا ایجاب و قبول اس لئے مسنون ہے۔

مناقب خوارزمی میں ہے۔ کہ اس شادی کے متعلق متعدد احادیث ہیں۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ کچھ میوہ بہشتی روح الامین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل یہ کیسے میوے ہیں عرض کی۔ حضور آج تمام ملائکہ کو حوالی بیت المقدس میں جمع ہونے کا حکم ہوا اور تمام حوران بہشتی آراستہ کی گئیں۔ اور راحیل فرشتہ کو حکم ہوا۔ کہ وہ منبر نوری پر جو خطبہ گاہ آدم صفی ہے۔ بیت المقدس میں پہنچ کر خطبہ پڑھے اور سیدہ فاطمہ کا عقد شیر خدا علی مرتضیٰ سے کرے اور میوہ ہائے جنت ملائکہ اور حوران بہشتی پر لٹائے۔ اس سنت کے ماتحت بھی نکاح میں خرمے کھانے سنت ہوئے۔

چنانچہ اس جلوس سے فرصت پاکر میں بحکم الٰہی اس امر کی اطلاع کرنے حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہوں۔ کہ اب زمین پر آپ بھی اس عمل کو پورا فرما دیجئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماع مہاجرین و انصار فرما کر عقد نکاح فرمایا اور سیدہ کو حضرت علی کے یہاں رخصت کیا۔ عشا کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے یہاں تشریف لائے اور ایک کوزہ پانی پر معوذتین پڑھ کر یہ دعا پڑھی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پھر اس پانی پر دم کرکے سیدہ اور علی کو تھوڑا تھوڑا پلایا۔ اور تھوڑا سر اور سینہ پر ڈالا۔ پھر دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمَا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمَا اَللّٰھُمَّ کَمَا اَذْھَبْتَ عَنِّی الرِّجْسَ وَطَھَّرْتَنِیْ فَطَھِّرْھُمَا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے لگے۔ تو سیدہ فاطمہ رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی کیوں روتی ہو۔ میں نے تمھیں کس کو دیا ہے۔ تم جانتی ہو۔

میں نے تمہارا اس سے عقد کیا ہوا ہے کہ جو اسلام میں بہت اول علم میں بہت سے اعلیٰ اعزاز میں بہت سے افضل ہے۔ اور اللہ نے اُسے گنجینہ عرفان بنایا ہے۔ پھر فرمایا آنا مدینۃ العلم وعلی بابھا میں شہر عرفان ہوں تو علی دروازہ عرفاں ہیں

حضرت سیّدہ کا جہیز

سیدہ کے اس جہیز کی تو کوئی حد و غایت ہی نہیں۔ جو دربار الٰہی سے آخرت میں ملے گا۔ لیکن دنیا میں جو جہیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ اس میں دو جوڑے اور دو بازو بند نقرئی۔ اور ایک چادر ایک پیالہ ایک چکی دو گلاس۔ ایک مشک۔ ایک کٹورہ پانی پینے کا دو رضائی جو کتان سے ملو تھیں۔ چار گدے دو اُون سے بھرے ہوئے اور دو لیف خرماں یعنی کھجور کی چھال سے تھے۔

امام ابو بکر طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ستین الجامع للطائف البساتین میں نقل فرماتے ہیں۔ کہ ایک منافق نے منافقان مدینہ سے کہا۔ کہ علی تم نے کہاں شادی کی۔ تم معدن فضل و کمال اور شجاع ترین مبارزان ہو پھر وہاں سے جہیز بھی کیا ملا ہوگا۔ اگر میری لڑکی سے شادی کرتے تو جہیز میں اپنے گھر سے تمہارے گھر تک اُونٹوں کی قطار لگا دیتا۔ حضرت علی نے فرمایا یہ شادی نہ تقدیر سے ہوئی ہے نہ تدبیر سے۔ بلکہ اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ تھا۔ علاوہ ازیں میری نظر مال و متاع دنیا پر نہیں۔ میرا مقصد محض رضائے الٰہی ہے۔ ہماری عزت نہ اعمال سے ہے نہ اموال سے اور ہماری مباہات کردگار پر ہے نہ درہم و دینار پر سے

ہمت ما را نظر بر درہم و دینار نیست
مقصد و مقصود ما جز پرتو دیدار نیست

جب مرتضیٰ شیر خدا یہ جواب دے چکے۔ تو غیب سے آواز آئی کہ اے علی اوپر دیکھو اور سیدہ فاطمہ کے جہیز کا جو مقابلہ کرے اُسے دکھاؤ۔ حضرت علی نے سر مبارک بلند فرمایا تو تمام میدان پُر از ناقہائے بہشت دیکھا اور ہر ناقہ میں جواہرات بہشتی مملو تھے۔ اور ہر ناقہ پر ایک کنیز حسین و جمیل اور ایک غلام خوبصورت سوار تھا پھر آواز آئی ھذا جھاز فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جہیز ہے حضرت علی شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ نے یہ تمام سامان ملاحظہ فرما کر اس منافق سے کہا کہ چل تجھے جہیز دکھاؤں یہ کہہ کر گھر لائے۔ حضرت سیدہ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ آپ کہتے ہیں یا میں کہوں۔ آپ نے فرمایا کس امر کے متعلق۔ فرمایا کہ سرزنش منافقاں جو آپ نے سنی اور میرا جہیز چشم بصیرت سے ملاحظہ فرمایا۔ یہ سُن کر منافق شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

معارج النبوۃ میں ہے کہ ایک روز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلیمان علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صاحبزادی کو بڑا زبردست جہیز دیا۔ منجملہ اس کے یہ ہے کہ اپنے داماد کے لئے ایک تاج تیار کرایا جس میں سات سو سچے نگینے۔ ہیرا و یاقوت و فیروزہ و زمرد کے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ نے اس تذکرہ کو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سامنے کہا۔ حضرت سیدہ کو اس ذکر سے کچھ ملال ہوا اور یہ خیال ہوا کہ شاید علی اپنے دل میں یہ سمجھے ہیں کہ سلیمان تو اپنی بیٹی کو اس قدر جہیز دیں اور خواجۂ عالم سید بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام انبیا سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں۔ اپنی بیٹی کو اس صورت میں کتخدا فرمائیں کہ نہ داماد کے پاس دولت دنیاوی نہ فاطمہ کے ساتھ کچھ سامانِ عیش۔ مگر اس راز کو سیدہ نے

اپنے دل میں رکھا اور کسی پر ان کا انکشاف نہ کیا۔ اسی خطرہ میں کچھ دن گزر گئے۔
ایک روز مولا علی شیر خدا خواب میں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ کہ فاطمہ صدر بہشت میں ایک تخت مکلل بجواہر پر رونق افروز ہیں اور حوریں ارد گرد کمر بستہ حاضر ہیں اور ایک صاحبزادی نہایت حسین جمیل زیورات سے آراستہ سامنے کھڑی ہے۔
حضرت علی نے سیدہ سے پوچھا۔ یہ کس کی لڑکی ہیں آپ نے فرمایا سلیمان علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں۔ حق تعالیٰ نے انھیں میری خدمت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔
اس روز جو ابا جان نے آپ سے ان کے جہیز کا ذکر کیا اور آپ نے مجھ سے کہا۔ تو میرے دل میں کچھ خطرہ پیدا ہوا۔ اس کے بدلے اللہ نے انھیں میری خدمت کے لئے مقرر فرمایا۔ اور آپ کو دکھایا کہ اعزاز و حرمت فاطمہ عنداللہ ایسا ہے۔ اور تاج کے بدلہ میں لوائے حمد آپ کے لئے مقرر فرمایا۔ لوائے حمد وہ زبردست علم ہے۔ کہ سوائے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لئے مخصوص نہیں۔
اس علم کا طول ایک ہزار برس کی راہ کا ہے۔ اس کا قبضہ چاندی کا ہے اور نشان یاقوت سرخ کا ہے۔ اور اس میں جڑاؤ سبز زمرد کے ہیں۔ اس پر زریں حروف میں منقش ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
یہ لواء عرصات حشر میں قائم کیا جائے اور منادی ندا دے کہ کون ہیں۔ نبی امی سید عربی خواجہ ہاشمی رہنماء تہامی محمد بن عبداللہ تشریف لائیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہو کر اس علم کو ہاتھ میں لیں۔ پھر تمام انبیاء آدم سے عیسیٰ تک مع صدیق و شہداء و صلحا و جمیع مومنین اس لواء کے نیچے آکر جمع ہوں۔ چنانچہ خود فرمایا آدم و من دونہ تحت لوائی یوم القیمۃ ؂

آدم و من دونہ تحت اللواء　　　آمدہ چوں تو علم افروختہ

پھر ایک تاج نوری لایا جائے اور فرق سلطان انس و جاں پر رکھا جائے۔ اور حلہ حریر سبز سے بدن مبارک آراستہ ہو۔ پھر براق حاضر کیا جائے۔ کہ اس پر شہسوار میدان اسریٰ سوار ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جماعت انبیا تاج پوش براقوں پر سوار ہو کر روانہ ہوں۔ یہاں تک کہ بہشت پہنچیں۔ اس وقت علم آپ کے دست مبارک میں ہو گا۔ اور آپ آگے آگے اس کو کبۂ نوری کے چلیں گے۔ اس وقت منادی آپ سے پوچھے گا کہ علی یہ تاج اچھا ہے یا داماد سلیمان علیہ السلام جس کا تذکرہ تم نے ہماری فاطمہ کے حضور میں کیا تھا۔

امام نجم الدین عمر نسفی تفسیر فاتحہ میں روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ کے یہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ فاطمہ ملول و حزیں تشریف فرما ہیں اور گریہ کناں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب گریہ ملال دریافت فرمایا۔ تو عرض کی کہ ابا جان! بر سبیل حکایت عرض کئے دیتی ہوں اس کو شکایت نہ سمجھا جائے۔ وہ یہ کہ تین روز سے کھانا نہیں کھایا ہے۔ مجھے اپنی پرواہ نہیں۔ مگر حسن و حسین کے گلگوں عارض کمائے ہوئے جب دیکھتی ہوں۔ جگر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ وہ بھوک کی وجہ سے بے طاقت ہوئے جا رہے ہیں۔ جب وہ بھوک سے روتے ہیں۔ میں بھی اپنے میں تاب ضبط نہ دیکھ کر روتی ہوں اور علی بھی رونے لگتے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ رکھا تھا۔ آج بھی اس کا افشانہ ہوتا۔ مگر آج دونوں شہزادوں نے آبدیدہ ہو کر بھولی بھالی زبان سے یوں فرمایا کہ اماں جان اب تو ہمارے اندر چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔ اماں! کیا اس طرح اور بچے بھی بھوکے رہتے ہیں جیسے کہ ہم بھوکے ہیں۔ بس یہ سن کر میری نظروں میں تمام عالم تاریک ہو گیا۔ ابا جان! یہ تو فرمائیے کہ اگر ایسی حالت میں اپنے رب سے مانگا جائے تو بے صبر

اور گستاخ تو نہ کہا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی خدا سے مانگنا بے صبری و گستاخی نہیں بلکہ سوال کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت سیدہ گھر میں تشریف لے گئیں اور دوگانہ نفل ادا فرما کر زبان نیاز سے مناجات عرض کرکے یوں عرض پیرا ہوئیں کہ الٰہی! تو خوب جانتا ہے۔ کہ عورت مرد کے مقابلہ میں بغایت کمزور ہے۔ پھر پیغمبروں کی قوت کا مقابلہ تو محال۔ اگر ابا جان سے ساتھ کوئی خاص سر ہے۔ تو وہ ان کی شایانِ شان ہے۔ وہ خود بارہا فرما چکے ہیں ابیتُ عند ربی۔ یطعمنی ربی ویسقینی۔ میں اپنے رب کے پاس کھاتا پیتا ہوں۔ میں تیری ادنیٰ کنیز۔ مجھ میں یہ قوت کہاں۔ اگر میرے ساتھ بھی ایسا ہی منظور ہے۔ تو مجھے طاقت تحمل عطا فرما۔ تاکہ یہ اندوہ راحت بخش دل و جان ہو۔ یہ کہا اور بے ہوش گئیں۔ کہ روح الامین دربار الٰہی میں حاضر ہوئے اور عرض کی اُٹھئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہوا؟ عرض کی۔ گریہ وزاری فاطمہ سے ملائکہ میں شور مچ گیا۔ عرش معلی لرز گیا۔ انہیں سنبھال لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ دیکھا کہ فاطمہ سجدہ میں بیہوش ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر مبارک اُٹھا کر اپنے پہلو میں لیا اور رائحہ گیسوئے مشکبار سے ان کی مشام کو معطر بنایا۔ وہ ہوش میں آئیں۔ تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کے پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور دعا کی۔ الٰہی! فاطمہ کو بھوک پیاس سے محفوظ کر دے۔ حضرت سیدہ فرماتی ہیں کہ اس دعا کے بعد سے جب تک میں دنیا میں رہی۔ کبھی بھوکی نہ رہی۔

اسی معارج میں دوسری روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ کے پاس تشریف لائے۔ تو سیدہ کو تین روز کے فاقہ سے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست دعا دراز فرما کر یوں دعا فرمائی اللھم انزل رزقا

علی محمد و اھل بیتہ کما انزلت علی مریم بنت عمران۔
الٰہی رزق نازل فرما محمد اور اس کے اہل بیت پر جیسے کہ فراخی رزق فرمائی تھی مریم بنت عمران پر۔ پھر فرمایا۔ فاطمہ حجرہ میں جاؤ اور جو کچھ ہو لے آؤ۔ آپ گئیں تو آپ کے پیچھے پیچھے دونوں شہزادے بھی چلے۔ سیدہ نے دیکھا کہ ایک کاسہ مکلل بجواہرات ہے۔ اس میں ثرید بھرا ہے اور کچھ گوشت بھنا ہوا ہے۔ جو اس پر رکھا ہے۔ اس میں سے مشک و زعفران کی خوشبو آ رہی ہے۔ سیدہ اس پیالہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلوا باسم اللہ۔ کھاؤ خدا کا نام لے کر۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معہ صاحبزادی اور جگر گوشان مولا علی کے لے سے تناول فرمایا۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ اسی کاسہ میں سے دونوں وقت سات روز کامل نوش فرمایا۔ اور اس میں سے ذرہ بھر کم نہ ہوا۔ ایک روز شہزادے حسین گھر میں سے ایک لقمہ اس گوشت کا ہاتھ میں لے کر باہر تشریف لائے۔ ایک یہودی کی عورت نے دیکھ کر کہا۔ کہ اے اہل بیت تمھیں یہ بھنا گوشت کہاں سے ملا۔ امام حسن نے فرمایا۔ کہ عالم غیب سے ہم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ یہودیہ نے کہا اس میں سے تھوڑا مجھے بھی چکھاؤ۔ چونکہ اس گھرانہ میں سائل کا سوال رد کرنا شیوہ ہی نہ تھا ہاتھ بڑھایا اور چاہتے تھے کہ اسے دیں کہ یک لخت وہ لقمہ پس خوردہ معہ اس کاسۂ غیبی کے غائب ہو گیا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو فرمایا اگر اس راز کا اظہار نہ ہوتا۔ تو تا حیات اہل بیت یہ کاسہ خالی نہ ہوتا۔

غرض کہ فضائل سیدہ اس قدر ہیں کہ اگر لکھے جائیں تو ایک مستقل کتاب بنے۔ بخوف طوالت اسی پر اکتفا کر کے حال وفات لکھتا ہوں :۔

وفات حضرت سیّدہ کا مختصر حال

روایان صادق الروایت اور مخبران ظاہر الدرایت نقل فرماتے ہیں۔ کہ الم مفارقت سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جتنا سیدہ فاطمہ کو ہوا کسی کو نہ تھا۔ کہ وفات حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر گریاں و نالاں تھیں۔ کہ آپ کی زاری پر ہر ایک شجر و حجر روتا۔ زمین و آسمان میں کوئی ایسا نہ تھا۔ جو گریہ فاطمہ پر نالہ کناں نہ ہوا ہو۔ پریوں کے نالہ فغاں۔ اور ملائکہ سماوی کا گریہ اور زاری ملائکہ ذروہ عرش مجید لوگوں کے کانوں میں گونجتی تھی۔ اور حقیقتاً بات بھی یہ ہے۔ کہ وفات سید کائنات سے بڑھ کر اور غم بھی کیا ہوتا کہ چراغ عالم مخفی ہو گیا ؎

آں سرو خوش خرام چو اندر چمن نماند
ہر طرف باغ زیب گل و یاسمن نماند
یعقوب وار دیدۂ نرگس سفید شد
از درد آنکہ یوسف گل پیرہن نماند

جب سیدہ کی زاری کسی طرح رکتی نظر نہ آئی تو ایک روز حضرت علی نے فرمایا۔ اے نور دیدۂ مصطفیٰ آج مدینہ میں قیامت ہے۔ اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے راضی رہوں۔ تو صرف یہ بات ہے کہ تم یہ گریہ وزاری چھوڑ کر صبر و شکیبائی سے کام لو۔ سیدہ نے عرض کی تعمیل حکم کو تیار ہوں۔ مگر کیا کروں۔ کسی طرح جی نہیں مانتا ؎

آنکھوں پہ اختیار ہے اچھا نہ روئیں گے
پر قلب زار زار تو بے اختیار ہے

آپ نے فرمایا۔ شب کو روضۂ اطہر پر چلیں گے۔ اللہ نے چاہا تو وہاں دل ٹھہر جائے گا۔ چنانچہ شب ہوئی جب تمام مرد سو گئے۔ تو سیدہ کے لینے کو شیر خدا گھر آئے۔ دیکھا تو بیہوش ہیں۔ آپ کو ہوش میں کیا۔ جب آپ کی نظر مبارک چشم علی پر پڑھی تو پکاریں یا اباالحسن۔ اے حسن و حسین کے ابا! رات کتنی باقی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ دو تہائی رات ابھی باقی ہے۔ عرض کی تو اب اجازت ہے کہ میں چلوں۔ آپ نے فرمایا ہاں چلو۔ مگر بلند آواز سے نہ رونا۔ یہ سن کر سیدہ چاہتی تھیں کہ علی کے قدموں میں گریں کہ حضرت علی نے ہاتھوں میں روک لیا۔ اور روضہ مقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لائے۔ سیدہ کی جیسے ہی نظر قبر منوّر پر پڑی تو روئیں اور بے ساختہ زبان مبارک سے یہ لفظ نکلے یا خیر خلق اللہ مالك و للتراب۔ اے کائنات سے افضل۔ اے درِ صدف توحید تم کو اور خاک سے کیا تعلق۔ یہ کہہ کر روضۂ اطہر پر گریں اور اپنا چہرۂ زیبا گرد مزار میں آلودہ فرمایا اور زبان حال سے یہ فرما رہی تھیں ؎

زیں مصیبت بے غم دل در جہاں یکجاں کجاست
در ہمہ روئے زمین یک دیدہ بے طوفاں کجاست
عالمے ہم چو سکندر در سیاہی ماندہ اند
اے خضر بنمائی رہ کاں چشمۂ حیواں کجاست

حضرت علی نے بہت کچھ تسکین دی اور فرمایا اس قدر زاری نہ کرو تو سیدہ نے فرمایا یا ابن عم لاتلومنی اے چچا کے بیٹے مجھے ملامت نہ کر کہ میں مصیبت زدہ ہوں۔ اور برجستہ ایک قصیدہ اسی زاری میں فرمانا شروع کیا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

صُبّت علیّ مصائب لو انّھا
صبّت علی الایام صرن لیا لیا

مجھ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں۔ کہ اگر ان مصیبتوں کو دنوں پر ڈالا جائے۔ تو تمام ہجوم اندوہ سے مثل شب تیرہ کے ہو جائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدہ فاطمہ زیارت روضہ مطہرہ کو حاضر آئیں تو خاک قدم اُٹھا کر آنکھوں سے ملی اور زار زار رو کر یوں فرمانے لگیں ؎

نو بہار من کجا شد آں گل سیراب کو
مے تواں دیدن بخوابش اے دریغا خواب کو
گر نگریم ور نخندم ہیچ انکارم مکن
گریہ را صد وجہ دارم خندہ را اسباب کو

روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ بعد وفات حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کسی نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ہنستے نہ دیکھا۔ بلکہ رات دن سینہ بریاں و چشم گریاں رہتیں۔

جب وفات خواجۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ماہ وبقو لے تین ماہ پانچ یوم اور بروایتے چھ ماہ گزر گئے تو آپ کو کوئی تکلیف رہتی۔ صرف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا صدمۂ وفات تھا۔ کہ ایک روز شیر خدا اسد اللہ دولت کدہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ آٹا گوندھا جا رہا ہے۔ اور تھوڑی مٹی تر کر رکھی ہے اور صاحبزادوں کے کپڑے دھوئے جا رہے ہیں۔ حضرت علی نے بے وقت یہ انتظام دیکھ کر فرمایا۔ کہ اے نور دیدۂ مصطفٰے اے محبوبۂ سردار انس وجاں وائے جگر گوشۂ آخر الزمان یہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عرض کی ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ ۔ اوقات مصیبت گزر گئے۔ اب دولتِ وصال کے ایام آئے۔ شب کو میں نے ابا جان

کو خواب میں دیکھا۔ کہ میرے سرہانے کھڑے اِدھر اُدھر ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے کسی کا انتظار ہو۔ میری نظر جیسے ہی پڑی۔ میں بے تاب ہو کر پکاری یٰا ابتاہ یا ابن انت آبا جان! آپ کہاں ہیں۔ لو میں تو تمھارے سوز و فراق میں دل سوختہ و تن گداختہ ہو رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی میں یہاں ہوں اور تمھارا منتظر ہوں۔ جانِ پدر! ایامِ فراق گزر چکے۔ اور اوقات وصال قریب آئے۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ تم قفس عنصری کو خیر باد کہہ کر عالم ارواح میں ہم سے آکر ملوگی۔ بلکہ فاطمہ! ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں نے عرض کی ابا جان میں آرزو مند لقائے سامی ہوں۔ ابھی لے چلئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی خیر! کل تک تم ہم سے مل لینا۔ اتنے میں آنکھ کھُل گئی۔ اب میرا خیال ہے۔ کہ شاید آج شب میں تم سے جدا ہو جاؤں اس لئے یہ روٹیاں پکاتی ہوں۔ کہ میرے دونوں لختِ جگر۔ نور بصر۔ قرۃ العینین شہزادہ حسنین بھوکے نہ رہیں۔ آپ میرے غم جدائی میں از خود رفتہ ہوں گے وہ کس سے روٹی مانگیں گے۔ کپڑے یوں دھو رہی ہوں کہ میرے بعد نا معلوم ان کے کپڑے کوئی دھوئے یا نہ دھوئے۔ کم از کم ایک بار تو اور دھو کر پہنا دوں۔ مٹی یوں بھگوئی ہے کہ ان کی زلفیں مشکیں دھو کر نکھار کر ایک بار انہیں اور دولہا بنا لوں۔ معلوم نہیں کہ میرے بعد کتنا غبار ان کے گیسوؤں پر ہو۔ اور یہ یتیم کس طرح رہیں۔

حضرت مولا علی نے زبان فاطمہ سے یہ کلام فراق جو سنا۔ آنسوؤں کی جھڑی باندھ دی اور فرمانے لگے افسوس سرکار مدینہ کے زخمِ فراق سے ابھی نجات نہ پائی تھی کہ تم بھی رفاقت ترک کرتی ہو۔ اے بضعۂ احمد۔ وے بضاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اے سیارۂ راہ قبول۔ وے ستارۂ جلوہ گاہ رسول! میں کیونکر جیوں گا اور میری مفارقت تمھارے دل نے کیونکر گوارا کی۔ اور برجستہ ایک شعر فرمایا ؎

یا زہرۃ الزہراء فی افق العُلیٰ
والدرۃ البیضاء فی صدف النہیٰ
اے تو در درج نبوت گوہر عالم فروز
وے تو در برج ولایت زہرۂ روشن جبیں

سیدہ نے فرمایا۔ اے شیر خدا۔ غم مفارقت میں صبر کرنا اور میری جدائی میں نہ رونا کہ تمہارے رونے سے میرے لخت جگر شہزادہ حسن و حسین کو صدمہ ہوگا۔ اور ان کے صدمہ سے میری روح پریشان ہوگی۔ پھر دونوں شہزادوں کو سینہ سے لگا کر زار زار رونے لگیں۔ پھر غسل دے کر زلفیں سنوار کر کپڑے پہنا کر فرمانے لگیں۔ میں نہیں جانتی کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہو۔ پھر شہزادوں نے فرمایا کہ اے جانان مادر! اپنی نانی خدیجہ کی خدمت میں ہو آؤ۔ دونوں شہزادے گورستان بقیع کو روانہ ہوئے اور حضرت علی سے فرمایا۔ کہ اب آپ یہیں رہیں۔ کہ وقت وداع قریب ہے۔ حضرت علی نے فرمایا۔ افسوس تم نے بھی ساتھ چھوڑا۔

دلہا کباب می شود از آتش وداع
یارب کہ برفتہ زجہاں رسم انقطاع

غرض کہ حضرت علی بیٹھ گئے۔ پھر سیدہ نے فاطمہ بنت عمیس کو بلا کر فرمایا کہ روٹیاں پکا دے۔ فاطمہ بنت عمیس روٹی پکانے میں مشغول ہوئیں۔ اور سیدہ زہرا نے نہایت مبالغہ سے غسل فرمایا۔ پھر لیٹ گئیں اور حضرت اسماء بنت عمیس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگیں۔ اسماء مجھے اس کی زیادہ فکر ہے کہ میرا جنازہ باہر جائے گا۔ اور لوگ دیکھیں گے۔ اس نے عرض کی سیدہ! میں نے حبشہ میں دیکھا ہے۔ کہ عورتوں کے جنازہ پر نرم شاخیں کمان کی طرح باندھ کر اوپر سے چادر ڈال دیتے ہیں۔ اس طریقہ سے جنازہ نکالنے میں پردہ دری نہیں

ہوتی۔ آپ نے وہ گہوارہ بنوا کر ملاحظہ کیا اور بہت خوش ہوئیں۔ پھر وصیت فرمائی۔
کہ میرا جنازہ اس گہوارہ میں اٹھایا جائے۔ اور مجھے غسل اسماء بنت عمیس دیں۔ میرے
جنازہ کے ساتھ زیادہ مجمع نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اسماء اب تو تھوڑی دیر کو باہر جاؤ میں
اپنے رب جلیل کے حضور میں مناجات کر لوں۔ حضرت اسماء بنت عمیس زوجۂ
صدیق اکبر باہر آگئیں۔ تھوڑی دیر بعد جب ہچکیوں کی آواز مسموع ہوئی تو اندر
تشریف لے گئیں تو دیکھا کہ سجدہ میں رو رہی ہیں۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ
میں نے کان لگائے۔ تو جناب الٰہی میں عرض کر رہی ہیں کہ الٰہی بحرمت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جگر گوشوں کو میری جدائی میں صبر عطا فرما اور
بطفیل خواجۂ کائنات میری خطائیں معاف کر۔ اور میرے ابا جان کی اُمت
کے گناہوں سے درگزر۔ اس آواز سے میں بھی از خود رفتہ ہو کر رونے لگی۔
میری آواز گریہ سُن کر سیدہ نے سر مبارک اُٹھایا۔ مجھے دیکھ کر فرمایا۔ اسماء
میں نے تم سے کہا تھا کہ باہر رہو۔ جب میں بلاؤں تو آنا۔ میں تب باہر
گئی۔ تھوڑی دیر بعد آواز آنا بند ہو گئی تو میں بے تابانہ پکاری یا قرۃ
عین الرسول۔ کچھ جواب نہ ملا۔ پھر پکاری یا سیدۃ النساء یا بنت
المصطفیٰ پھر بھی جواب نہ ملا۔ چادر مبارک چہرۂ زیبا سے ہٹائی۔ تو معلوم
ہوا۔ کہ عروس روح کلبۂ فنا حجرۂ عنا سے نکل کر روضۂ نفاد دار البقا کی طرف
پرواز کر چکی ہے۔ میں زار زار روتے ہوئے قدموں پر گر پڑی۔ تو آپ نے حرکت
فرمائی۔ اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ اسماء مزارِ پر انوار سید الابرار
پر اگر جاؤ تو میرا سلام عرض کر دینا۔ یہ فرمایا اور ۳ رمضان المبارک ۱۲ھ
یوم سہ شنبہ اور بروایت روضۃ الشہداء ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو
محنت خانہ دنیا سے دار البقا کو رحلت فرمائیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس صدمہ جانکاہ نے حضرت شیر خدا مولا علی مشکلکشا کی جان پر جو کچھ بنانا تھا بنایا۔ آپ کی چشم مبارک سے برابر آنسو جاری تھے اور کلمات شکر کا ورد بدستور ساری۔ اس صدمہ میں آپ نے چند اشعار فرمائے جو یہ ہیں ؎

حبیب لیس بعد لہ حبیب
وما لسواہ فی قلبی نصیب

مجھ سے وہ میرا پیارا جدا ہوا ہے کہ جس کے بعد اب کوئی محبوب ہی نہیں آتا۔ اور میرے دل میں اس کے سوا کسی کا حصہ بھی نہیں

اری علل الدنیا علی کثیرۃ
وصاحبہا حتی الممات علیل

دنیا کے امراض بکثرت دیکھتا ہوں
اور مریض بلکہ موت بھی بیمار ہے

لکل اجتماع من خلیلین فرقۃ
وکل الذی دون الفراق قلیل

ہر اجتماع میں افتراق ضروری ہے۔ اور ہر وصل سوائے فراق کے کم ہے۔

وان افتقادی فاطما بعد احمد
دلیل علی ان لا یدوم خلیل

اور سیدہ فاطمہ جیسی محبوبہ کی جدائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دلیل ظاہر وعلامت باہر ہے۔ کہ محبوب ہمیشہ کسی کا کسی کے پاس نہیں رہ سکتا۔

آہ! سچ ہے ؎

فلک را غیر ازیں خود نیست کارے
کہ گرداند جدا یارے زیارے
بہر جا دوستاں بیند ہم آواز
ہماں جا نغمۂ دوری کند ساز

آپ کا جنازہ مبارک حضرت اسماء بنت عمیس زوجۂ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تیار کیا۔ آپ نے ہی حسب وصیت غسل دیا۔ آپ نے ہی کفن پہنایا۔ آپ نے ہی گہوارہ تیار کیا۔ اور اس محبوبۂ ناز کو سلایا۔ آپ کے جنازہ مبارک کے ساتھ مندرجہ ذیل اجلۂ صحابہ شرکت فرما سکے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ۔

بروایت اصح آپ جنت البقیع قبۂ اہلبیت میں مدفون ہوئیں۔ یہاں ہی بعد میں حضرت عباس۔ حضرت امام حسن سید الشہداء۔ حضرت امام زین العابدین۔ حضرت امام محمد باقر۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم مدفون ہوئے۔ اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سر سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ بھی یہاں ہی مدفون ہے۔

اس مقام کو قبۂ اہل بیت کے علاوہ بیت الحزن بھی کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک بیت الحزن بقیع میں دوسرا مقام ہے۔ اور قبۂ اہلبیت دوسرا مقام۔

کتب شیعہ اور بعض ضعیف روایات احناف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر آپ کو رات ہی میں

دفن کر دیا اور سب کو اطلاع نہ کی۔ صبح فاروق اعظم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما نے
شکایت فرمائی۔ تو آپ نے معذرت کرتے ہوئے جواب دے دیا۔ کہ میں مرحومہ
کی وصیت سے مجبور تھا اور اصح روایت یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ بقیع میں دفن ہوئیں۔

اسکی مؤید دو باتیں ہیں اول یہ کہ جب جنازہ باہر نکالنا ہی مقصود نہ تھا تو گہوارہ وغیرہ کیوں
بنا۔ بنابریں ثابت ہوا کہ ضرور جنازہ مبارکہ باہر آیا اور وصیت امام حسن سید الشہداء سے بھی ثابت
ہے کہ آپ بقیع میں مدفون ہوئیں چنانچہ وہ وصیت مفصل حالات حضرت امام
حسن سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مذکور ہوگی۔

حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا عقد
امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا۔ بعد انتقال فاروق
اعظم دوسرا نکاح عون بن جعفر سے ہوا۔ مگر آپ کی اولاد یں صغر سنی میں انتقال
فرما گئیں۔ دوسری صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ
کو منسوب ہوئیں۔ ان سے ایک صاحبزادہ ہوئے جن کا نام علی رکھا گیا۔ اور ایک صاحبزادی
پیدا ہوئیں ان کا نام بھی ام کلثوم تھا۔ یہ بعد اپنی خالہ کے انتقال کے محمد بن جعفر کے
عقد میں آئیں۔ ان سے اولاد کا سلسلہ جاری ہوا۔ اسی طرح حضرت علی بن عبد اللہ بن
جعفر سے بھی نسل چلی جو فاطمی جعفری کہلاتے ہیں۔ اور دونوں شہزادے امام حسن و
حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت ان کے مفصل تذکرہ میں آئے گی۔ اس لئے کہ اس
کتاب کی علت غائی یہی دو ہستیاں ہیں۔ یا یوں کہئے کہ اس رات قصائص کے یہی
دو دولہا ہیں۔ اس واسطے اس مقام پر ان کا مختصر تذکرہ بے لطف ہوگا۔

حاکم جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ ہر ایک ماں کے بیٹوں کا عصبہ باپ کی طرف سے ہوگا۔ مگر حسنین کا ولی
اور عصبہ میں ہوں۔ اس کو علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں نقل

فرماتے ہیں۔
احناف کے نزدیک سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی زندگی کا سب میں مہتم بالشان دور بعد وفات حضور سید یوم النشور ہے کہ اس میں آپ نے بجز گریہ وزاری اور کچھ نہ کیا ہر آن ہر لحظہ تصویر نبی آنکھوں میں رکھی مگر

حضرات شیعہ کا سب میں اہم واقعہ مطالبۂ فدک

قرار دیتے ہیں۔ اور یہ اگرچہ ایک معمولی قصہ ہے جو ایک بار ہوا پھر تا زیست اس کا تذکرہ ہی نہیں آیا۔ مگر باہمی نزاع شیعہ وسنی کے باعث یہ بڑا اہم قصہ ہو گیا ہے۔ میں اگرچہ یہ چاہتا تھا کہ اس کتاب کو مخزن سیر و تواریخ ہی رکھوں اور واقعات دل گداز کے سوا کوئی جھگڑے کی بات نہ آنے دوں۔ مگر بحیثیت ایک مؤرخ کے جہاں اکثر حالات وکوائف نذرِ ناظرین کئے ہیں اس پر بھی قدرے روشنی ڈالتے ہوئے گزرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں کہ اس معاملہ میں جو کچھ ہوا وہ کیا ہوا اور کیسا ہوا۔ ناظرین قصہ کو دیکھ کر خود ہی فیصلہ فرمالیں گے کہ اس میں کسی ہستی کے ذمہ کوئی الزام نہیں آتا۔

فدک ایک زمین تھی جس میں خرموں کا باغ تھا۔ جو بطور فے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی آپ اپنی حیات صوری میں اس کی آمدنی پر اس طرح متصرف تھے کہ اہل بیت وازواج مطہرات کے خرچ سے جو بچتا اُسے خیرات فرما دیتے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بحیثیت خلیفۂ رسول ہونے کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تمام ترکہ پر قبضہ فرما کر حسب ارشاد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تقاسمہ فرمانا شروع کیا۔
سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھ کر کہ فدک ابا جان کا مملوکہ ہے اور باپ کے

متروکہ سے بیٹی حقدار ہے۔ جناب صدیق کے حضور میں مطالبہ فرمایا۔ کہ فدک چونکہ ابا جان کا ہے۔ لہٰذا وہ میرا حق ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ کہ تابع حکم و فرمان سامی ہوں۔ مگر آپ سے پہلے حکم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا مجھ پر فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لانرث ولانورث ہم انبیا کی جماعت ہیں نہ کسی کا ہم ورثہ لیں اور نہ ہمارا متروکہ کسی کا ورثہ بنے ماترکناہ صدقۃ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ اب حضور کی جیسے مرضی میری مجال نہیں کہ متروکہ نبی پر احکام میراث جاری کردں۔ ہاں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں تصرف تھا۔ بحیثیت خلیفہ رسول میں بھی کرتا رہوں گا۔ اس سے آگے یہ لفظ ہیں فغضبت فاطمۃ لاتتکلم حتی ماتت۔ یعنی پھر غصہ ہوئیں حضرت سیدہ اور نہیں گفتگو کی یہاں تک کہ رحلت فرمائی۔

اس کے معنی حضرات شیعہ یہ کرتے ہیں کہ سیدہ صدیق اکبرؓ سے ناراض ہو کر گئیں اور مرتے وقت تک صدیق سے کلام نہ فرمایا۔ اس پر چند امور قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ حدیث کے لفظ یہ نہیں بتاتے کہ صدیق سے ناراض ہوئیں اور صدیق سے ہی تازیست اس رنج کو دل میں رکھ کر بات نہ کی۔ دوسرے یہ الفاظ بھی حدیث میں نہیں کہ اس سوال کرنے پر آپ ناراض ہوئیں۔ اور پھر اس معاملۂ فدک میں تازیست گفتگو نہ فرمائی۔

تو اب غور طلب یہ امر ہے کہ سیدہ شباب اہل الجنۃ حقیقتاً مومنہ اور مومن گر تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن شام تک بھی دل میں رنج نہیں رکھتا۔ قرآن پاک میں ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے

میں تمھیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے تسلیم کرلیں۔

پھر صدیق نے جواب میں حکم سرکار ابد قرار سنایا تھا۔ اُسے ماننا تو درکنار (معاذ اللہ) سیدہ ناراض ہوجائیں ہم اس عقیدہ کو ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں۔ ہم اس ہستی مقدسہ کو نہ صرف مومنہ جانتے ہیں بلکہ محض ان کی محبت کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ لہذا اس حدیث کے اخیر ٹکڑے کے یہی معنی صحیح سمجھیں گے کہ سیدہ کو جب اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے اس سوال پر ناراض ہوئیں اور بہ تعمیل ارشاد سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر معاملہ فدک میں گفتگو نہ فرمائی۔ اور اس کی مؤید حدیث بیہقی ہے۔ جو شعبی سے نقل فرماتے ہیں کہ جناب سیدہ کی مرض وفات میں صدیق حاضر ہوئے۔ اجازت داخلہ طلب فرمائی۔ شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خلیفہ رسول اللہ صدیق اجازت حاضری چاہتے ہیں۔ سیدہ نے فرمایا۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ مگر آپ کی اجازت مقدم ہے۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور بہت دیر تک گفتگو رہی۔ اثنائے گفتگو میں فدک کا تذکرہ بھی نہ ہوا۔

علاوہ ازیں صدیق اکبر کی بیوی اسماء بنت عمیس تو ہر وقت حاضر دربار رہی تھیں۔ تو سمجھنے کی بات ہے کہ جس کے خاوند سے ناراضگی ہو۔ اس کی بیوی سے محبت قرین عقل نہیں۔

ایک حدیث میں یوں ہے جو بخاری شریف اور موطا میں منقول ہے کہ سیدہ نے ازواج مطہرات کو معہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ اور اپنا ترکہ فدک ان سے طلب کیا۔ صدیق اکبر نے جواب میں کہلوا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ ہمارا ورثہ نہ کوئی لے نہ اپنا ہمیں دے۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ البتہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں

سے اسی طرح نوش فرما سکتے ہیں۔ جیسے زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ یہ حکم سنتے ہی تمام ازواج مطہرات اپنے دعولی سے دستبردار ہوگئیں۔

شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ فدک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات صوری میں حضرت سیدہ کو ہبہ فرمادیا تھا مگر اس پر شیعہ وسنی متفق ہیں کہ فدک عین حیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبضہ میں تھا اور سیدہ کا کوئی قبضہ اس پر نہ تھا۔ اور اس کی مؤیدہ ہی حدیث ہے کہ بعد وفات سیدہ نے طلب فرمایا۔ اگر مقبوضہ ہوتا تو طلب کرنا تحصیل حاصل تھا۔ اور یہ مسئلہ ہر دو فریق کا مسلمہ ہے کہ ہبہ قبل القبض باطل ہے۔

ہم اس دعویٰ کی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ ہبہ کی حدیث غلط ہے یا صحیح۔ کیونکہ تسلیم کر لینے میں ہمارا مقصد باطل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جب حیات سرکار مدینہ میں قبضہ نہیں ہوا تو ہبہ باطل رہا اور جب ہبہ باطل رہا۔ تو دعویٰ ہبہ کا بے سود ہے۔ اب رہا سوال متروکہ۔ اس کا جواب ہو چکا۔ اور متروکہ زمین عورتوں کا ورثہ نہ ہونا کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب من لایحضر الفقیہ کے باب نوادر الوصایا میں ہے کہ فاما الارض والعقار فلا میراث لھن یعنی عورتوں کا زمین اور ملک مزروعہ میں کوئی حصہ نہیں۔ اور سوانح سیدہ مؤلفہ مولوی بہاؤالدین پنڈی میں بھی یہی دلائل موجود ہیں۔

بنابریں صاف ظاہر ہے کہ سیدہ کا سوال فدک کے متعلق اس وقت تک ہی تھا جب تک وہ ورثہ پدری کی حقدار اپنے کو سمجھتی رہیں اور جب حدیث سن لی صاف دست بردار ہوگئیں اور تا زیست کبھی سوال نہ فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی آمدنی فدک اسی طرح منقسم ہوتی رہی۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات صوری اور صدیق کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔

پھر انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس زمین کا متولی بنادیا۔

ایک بار تقاسمہ میں کچھ باہمی بدمزگی ہوئی۔ تو علی وعباس نے حضرت فاروق کے پاس حاضر ہوکر تمام قصہ کہا۔ فاروق نے صحابہ کو جمع فرمایا اور اُن کے سامنے یہ تقریر کی کہ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں۔ سچ بتاؤ۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ ہم جماعت انبیاء ہیں۔ نہ ورثہ لیتے ہیں۔ نہ ہمیں کسی کا ورثہ ملتا ہے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ سب اصحاب نے شہادت دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی میں سے ایک سال کا نفقہ ازواج مطہرات کو دے دیتے تھے۔ اور ماتقی حوائج مسلمین پر صرف فرماتے۔ یہی عمل صدیق اکبر خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ان کے بعد میں نے بھی دو سال تک وہی عمل کیا۔ پھر تم دونوں مل کر جب میرے پاس آئے اور عہد کیا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے وہی ہم کریں گے۔ میں نے تمھارے حوالہ کیا۔ اگر اب تم یہ چاہو کہ اس کو تم دونوں پر تقسیم کردوں تو اس کی مجھ سے امید نہ رکھو۔

چنانچہ یہ زمین حضرت علی وعباس کے قبضہ میں رہی۔ پھر تنہا حضرت علی متولی رہے۔ پھر دونوں صاحبزادوں امام حسن وحسین کی تولیت میں رہی۔ ان کے بعد امام زین العابدین اور حسن مثنّیٰ متولی رہے۔ یہاں تک کہ پھر مروان قابض ہوگیا۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں اس زمین کو ترکہ بنا کر تقسیم نہیں فرمایا۔ نہ سیدالشہداء۔ امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما نے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ صدیق جیسی پاک ہستی سیدہ کی ناراضگی کیونکر گوارا فرما سکتی تھی اور سیدہ جیسی مقدس ہستی فرمان نبوی سن کر کیونکر ان پر غضبناک ہو سکتی تھی۔ صدیق تو اپنی زندگی اور زمانہ خلافت میں اتنے دیانت دار مشہور تھے کہ آپ کی امانت داری ضرب المثل تھی۔ آپ تمام ممالک مقبوضہ کی آمدنی سے اپنی ذات پہ ایک حبہ بھی زائد از ضرورت صرف کرنا گوارا نہ فرماتے تھے اور وقت وفات اپنا تمام متروکہ بیت المال میں داخل فرما دیا۔ غرض کہ ہمارا عقیدہ دونوں ہستیوں کے متعلق کوئی سوء ظن اور گستاخی کی اجازت نہیں دیتا۔ اور واقعات سیر وحدیث بھی اسی خیال کے مؤید ہیں (واللہ تعالیٰ اعلم)

تذکرہ خصائص وفضائل شیرِ خُدا اور آپ کی وفات

اب خصائص وفضائل شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور آپ کی وفات کا تذکرہ سنئے

اگرچہ ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہمیں کوائف وحالات جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں بیان کرنے چاہئیں تھے۔ پھر عمر فاروق کے پھر عثمان رضی اللہ عنہم کے۔ پھر شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے۔ مگر سب سے مقدم ذکر مولیٰ علی شیر خدا اس غرض سے رکھا گیا۔ کہ سلسلہ مضمون اسی کا متقاضی تھا۔ کیونکہ جب حضرت سیدہ کے حالات آ گئے۔ تو ان کے زوج مکرم مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل وخصائص بیان ہونے چاہئیں۔ بنابریں اس طرح سلسلہ رکھا گیا۔

دوسرے شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت سیدی امیر المومنین مولیٰ علی

شیر خدا ائمہ اثنا عشر میں پہلے امام ہیں اور شمائل و فضائل جس قدر آپ کے ہیں۔ کسی دوسرے صحابی کے نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم کو اس قدر فضائل کسی کے نہ ملے۔ جتنے کہ امیر المومنین سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ملتے ہیں۔ اگرچہ مرتبہ تقرب میں موجب افضل نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک یہی حدیث وہ ہے۔ کہ تمام فضائل و فواضل پر حاوی ہے۔ جو فضائل صدیق میں آئے گی۔

آپ کی ولادت باسعادت مکہ معظمہ میں بعد از تیس سال عام الفیل یوم جمعہ ۱۲ رجب المرجب کو ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ یمن میں ایک شخص مشرم بن دعیب الشیقا زاہدانِ یمن میں مشہور ایک سو نوے سال کی عمر کا تھا۔ ایک روز اوقات عبادت میں اس نے وقتِ مناجات جناب الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی اپنے حبیب مکرم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مقرب عزیز کی زیارت کرا دے۔ تیر دعائے سبے ریا ہدف اجابت پر لگا۔ حضرت ابوطالب کو سفر یمن لاحق ہوا۔ جب آپ یمن پہنچے۔ تو شرفائے یمن سے ملاقات فرمائی۔ منجملہ اُن کے مشرم کی زیارت کو بھی تشریف لائے۔ مشرف نے آپ کو دیکھ کر بہت تعظیم کی۔ اپنے پہلو میں بٹھایا۔ پھر پوچھا آپ کس قوم سے ہیں اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ نے کہا میں اہل تہامہ سے ہوں۔ مشرم نے کہا تہامہ میں کس جگہ کے ہیں۔ آپ نے فرمایا اہل مکہ سے۔ پھر اس نے کہا کس قبیلہ سے ہیں۔ آپ نے کہا بنی ہاشم بن عبد مناف سے۔ مشرم یہ سنتے ہی اُٹھا اور پیشانی ابوطالب کو چوما۔ اور کہا الحمدللہ خدا نے میری دعا قبول فرمائی۔ اور مرنے سے پہلے آپ کی زیارت کرائی۔ آپ اپنا نام تو بتائیں۔ آپ نے فرمایا

مجھے ابوطالب کہتے ہیں۔ مشرم نے کہا اور آپ کے باپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا عبدالمطلب۔ مشرم نے کہا۔ میں نے کتب سابقہ میں پڑھا ہے کہ عبدالمطلب کے دو نبیرہ ہوں گے۔ ایک نبی مرسل ہوگا۔ اس کے باپ کا نام عبداللہ اور دوسرا ولی کامل ہوگا۔ اس کے باپ کا نام ابوطالب ہے۔ جب وہ نبی تیس سال کے ہو جائیں گے۔ تو اللہ اس ولی کو پیدا فرمائے گا۔ مشرم نے پوچھا کیا وہ نبی پیدا ہو گئے آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا نام ہے۔ اور ۲۹ سال اس وقت ان کی عمر ہے۔ مشرم نے کہا ابوطالب مبارک ہو۔ تم کو اس سال میں وہ فرزند دلبند عطا ہوگا۔ جو امام متقیان اور پیشوائے مومنان بنے گا۔ جب تم مکہ پہنچو تو اپنے برادر زادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں میرا اسلام عرض کر دینا۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ مشرم آپ کے نیازمندوں سے غائبانہ نیازمند ہے اور اس امر کی شہادت دیتا ہے۔ کہ خدا ایک ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔ اور جب تمہارے فرزند دلبند متولد ہوں۔ تو انہیں بھی میرا اسلام شوق عرض کر دینا اور انہیں بشارت دینا کہ آپ وصی پیغمبر ہوں گے۔ اور آپ پر مراتب ولایت کا اختتام ہوگا۔

ابوطالب نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا۔ اس کی تصدیق میں کیونکر کروں مجھے کوئی ایسی کرامت دکھاؤ۔ جس سے میں تمہیں صاحب تصرف مان سکوں۔ مشرم نے کہا۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ فرمائیں میں خدا سے دعا کروں گا۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور قبول فرمائے گا۔ ابوطالب نے ادھر اُدھر دیکھا تو ایک انار کا درخت خشک نظر آیا۔ آپ نے کہا۔ کہ یہ درخت ابھی تر و تازہ ہو کر پھل دے۔ مشرم نے دعا کی۔ اس درخت میں تازہ انار پیدا ہوئے۔ اور وہ سرسبز ہوا۔ ابوطالب نے وہ انار لئے ایک کو تراشا۔ تو سرخ مثل

لعل رمانی کے اس کے دانہ نکلے ۔ آپ یہ کرامت دیکھ کر واپس مکہ تشریف لائے۔
اور اس سال حسب پیشگوئی مثرم بن دعیب آپ کی بیوی فاطمہ بنت اسد سے طواف خانہ کعبہ میں ولادت شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ ہوئی ۔ آپ کی ولادت کا قصہ یوں ہے کہ ؛

آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد حاملہ تھیں۔ نواں مہینہ تھا۔ خانہ کعبہ میں طواف کے لئے حاضر ہوئیں ۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں مشغول طواف تھی ۔ تین شوط باطمینان پورے کر چکی تھی ۔ شوط چہارم کر رہی تھی کہ درد زہ محسوس ہوا تھا ۔ سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے کے تغیر سے مجھے پہچانا۔ اور فرمایا کیا بات ہے ۔ جو آپ کا رنگ متغیر ہو رہا ہے ؟

میں نے عرض حال کیا ۔ فرمایا فاطمہ ! طواف پورا کر چکیں ۔ یا نہیں ۔ میں نے عرض کی ۔ نہیں ۔ فرمایا طواف پورا کر لو ۔ اور اسی حال میں اگر درد بڑھ جائے تو اندرون خانہ کعبہ چلی جانا ۔ کہ اس میں کوئی حکمت الٰہی ہے ۔

صاحب بشارۃ المصطفیٰ نقل فرماتے ہیں کہ میں عباس بن عبد المطلب اور چند قبیلہ بنی عبد العزیٰ کے لوگوں کے ساتھ مسجد بیت الحرام میں بیٹھا ہوا تھا ۔ کہ فاطمہ بنت اسد مسجد میں آئیں اور ان کو نواں مہینہ تھا ۔ جب وہ مشغول طواف ہوئیں ۔ تو شوط رابع میں چلنے کی قوت نہ رہی تو آپ پکاریں ۔ اے خداوند خانہ بالحرمت کعبہ اس ولادت کو مجھ پر آسان فرما ۔ کہ یک لخت دیوار کعبہ شق ہوئی اور فاطمہ بنت اسد اندرون کعبہ تشریف لے گئیں اور ہماری نظروں سے غائب ۔ ہم نے اندرون کعبہ آپ کو تلاش کیا مگر نہ ملیں ۔ چوتھے روز آپ اسی کعبہ سے باہر تشریف لائیں ۔ اور حضرت علی کو گود میں لئے ہوئے تھیں ۔ آپ کے فضائل میں ابوداؤد کا یہ شعر مشہور ہے ۔ جس کو صاحب

روضتہ الشہداء نقل فرماتے ہیں ؎

ولدته فی الحرم المعظم امه
طالب وطاب ولیدها والمولد

اس کا کسی نے شعر میں یوں ترجمہ فرمایا ہے ؎

گوہر چو پاک بود و صدف نیز پاک بود
آمد سیادۂ حرم کعبہ در وجود

فاطمہ بنت اسد حضرت علی کو گود میں لائیں۔ اور ابوطالب کو بشارت دی۔ ابوطالب نے آکر آپ کو گود میں لیا۔ اور آپ کا رخسارۂ انور دیکھنے لگے کہ حضرت نے ہاتھ بڑھایا اور باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ابوطالب نے کہا۔ فاطمہ اس کا کیا نام رکھا؟ آپ نے فرمایا آپ جو چاہیں نام رکھ دیں۔ ابوطالب نے کہا اس کا نام زید رکھتا ہوں

جب خبر ولادت علی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ تو فرمایا۔ اس کا کیا نام رکھا؟ ابوطالب نے کہا میں نے اس کا نام زید رکھا ہے۔ اور ان کی ماں نے اسد رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا نام علی رکھو جو عالی ہمتی کی خبر دے۔ آپ کی والدہ نے عرض کی۔ خدا کی قسم مجھے غیب سے یہ آوازیں آتی تھیں کہ فاطمہ اس کا نام علی رکھ مگر میں نے اس کو چھپایا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ فاطمہ بنت اسد اور ابوطالب کے مابین نام رکھنے میں جھگڑا ہوا۔ شب کو فاطمہ حرم میں آئیں اور آسمان کی طرف رخ کر کے برجستہ یوں کہنے لگیں ؎

بیّن لنا بحکمك المرضی
ماذا تری من اسم هذا الصبی

یعنی الٰہی حکم ظاہر فرمادے۔ جو کچھ اس بچہ کا نام رکھنا منظور ہے تو دیوار کعبہ کی طرف سے ایک آواز سنی جس میں کوئی یہ بیت کہہ رہا تھا ؂

فاسمہ من شامخ علی

علیٌّ اشتق من العلی

یعنی اس بچہ کا نام علی رکھ۔ یہ نام علی سے مشتق ہے۔

نصیریہ عقیدہ میں اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُہ سے استناد کر کے آپ کو خدا کہتے ہیں۔ جو اسلام میں شرک خالص ہے

روایت ہے کہ آقائے مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو حضرت علی کو گود میں لے کر تحنیک فرمائی۔ یہ ایک مسنون طریقہ ہے کہ بعد پیدائش فرزند کسی بزرگ کو بلا کر تحنیک کرائی جائے۔ اس کا یہ طریقہ ہے کہ کھجور یا چھوہارہ چبا کر اپنی زبان سے اس طفل رضیع کے تالو میں لگادے۔

چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک اُن کے منہ میں دے کر اپنا لعاب دہن انہیں چٹایا۔ اسی لئے حضرت علی اکثر فخریہ فرمایا کرتے کہ فی فمی لعاب رسول اللہ میرے منہ میں حضور خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن ہے۔

آپ کی ولادت کے پانچ سال بعد قریش میں ایک قحط عظیم پڑا۔ حضرت ابوطالب چونکہ کثیر العیال اور قلیل الاموال تھے۔ اُن پر اس قحط نے زیادہ اثر ڈالا۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا کہ ابوطالب کی کثیر العیالی نے انہیں قحط محسوس کرایا ہے لہذا چلو ان کی اولاد کی کفالت کریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ معہ حضرت عباس تشریف لائے اور ارادہ ظاہر فرمایا۔ ابوطالب نے عرض کی۔ عقیل کو میرے پاس رہنے دو۔ باقی اولاد میں سے

جس کو چاہو لے لو۔ چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو لیا اور حضرت عباس نے جعفر کو۔ اس طرح سے حضرت علی کی ابتدائی تعلیم و تربیت آغوش نبوی میں ہوئی۔ بعد اظہار بعثت آپ اسبق بالایمان لوگوں میں ہیں۔ نماز پنجگانہ سب سے اول حضرت علی نے پڑھی۔ بروز دوشنبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار نبوت ہوا اور سہ شنبہ کے دن حضرت علی نے نماز پڑھنی شروع کی۔

سیرۃ ابن ہشام اور ترمذی باب المناقب میں ناقل ہیں۔ کہ آپ دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ آپ نے اپنی عمر مبارک میں کبھی کفر و شرک نہ کیا۔ آپ اوائل ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ کے پہاڑوں کے غاروں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھتے۔

ایک دن ابوطالب نے دیکھ لیا۔ استفسار کیا کہ یہ تم کیا کرتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا! یہ طریقہ مذہب الٰہی اور اس کے ملائکہ اور تمام انبیاء کرام اور ہمارے جدّ امجد ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ مجھ کو خدا نے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ میں اس کے بندوں کو ہدایت کروں۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ سب سے اول آپ کو یہ دین حق قبول کرنا چاہیئے۔ ابوطالب نے کہا کہ میں تو ابھی اس امر کے لئے تیار نہیں۔ مگر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اپنا کام کئے جاؤ۔ اپنی زندگی میں میں تمہارا محافظ ہوں۔ اپنے ہوتے ہوئے تم کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچنے دوں گا۔ پھر جناب امیر سے فرمایا کہ تم اپنے ابن عم کی پیروی کرو۔ وہ تم کو برائی کی طرف نہیں لے جائیں گے۔ یہ عبارت خصوصیت سے سیرۃ ابن ہشام میں ہے۔ اور یہی مضمون ابن اثیر و تاریخ ابوالفداء وغیرہ میں ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبل بیان فضائل کے اول قصہ خلافت کو صاف کر دیا جائے۔ کیونکہ اس معاملہ کو حضرات شیعہ نے بہت ہی طول دے دیا ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے :-

قصّۂ خلافت

بعد وفات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی فکر ہوئی۔ اس میں متعدد جماعتیں بننے لگیں اور زیادہ تاخیر و تعویق خطرناک تھی۔ بلکہ انہدام بناء اسلام کا خوف تھا۔ چنانچہ مصلحتہً اجلّہ صحابہ سے استمزاج کیا گیا کہ خلیفۂ اول کس کو مقرر کیا جائے؟ اس وقت اہلبیت میں سے کوئی شریک نہ ہو سکا۔ کہ وہ سب انصرام مہمات وفات میں منہمک تھے۔ چونکہ زمانہ حیات صوری میں وقت مرض حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کے لئے حکم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے دیا تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں مقام باب الامامۃ پر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاشتد مرضہ فقال مروا ابابکر فلیصل بالناس قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ رجل رقیق اذا قام مقامك لم یستطع ان یصلی بالناس فقال مری ابا بکر فلیصل بالناس فعادت فقال مری ابابکر فلیصل بالناس فاتاہ الرسول فصلی بالناس فی حیاۃ النبیؐ اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ کے بار بار سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب ہو چکا تھا۔ کہ جسے خدا خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ وہی خلیفہ ہوگا۔ ایک دو بار ایسا بھی فرمایا کہ خدا نہیں چاہتا مگر ابوبکر کو۔ علاوہ ازیں بہت سی احادیث ہیں جو بخوف طوالت نقل نہیں کی گئیں۔

صاحب سیرۃ حلبی حضرت علی کا ایک قول نقل فرماتے ہیں جو ہمارے دعوے کی دلیل واضح ہے۔ ہم اس حدیث کو حاشیہ ابن ماجہ شریف سے نقل کرتے ہیں قال علی رضی اللہ عنہ قال کان من النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عہد فی ذلک ما ترکت القتال علی ذلک والنبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یمت فی مرۃ بل مکث ایاما والیالی فیوذنہ بالصلوٰۃ فیامر ابابکر یصلی بالناس وھو یری مکانی فلما مات صلی اللہ علیہ وسلم اخترنا بالدنیا من رضیہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا فبایعناہ۔ یعنی حضرت علی نے فرمایا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے عہد نہ لیتے۔ اس خلافت کے معاملہ میں تو ہم مقاتلہ ترک نہ کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم علی الفور دنیا سے رخصت نہ ہوئے۔ بلکہ چند روز بیماری میں رہے اور مؤذن جب اذان دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم فرماتے اور خود ملاحظہ فرماتے اور میں بھی حاضر ہوتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ہم نے دنیا میں بھی صدیق کو اختیار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ایسی ہی پائی اور جب دین میں حضور ہمارا امام بنا چکے تو خلافت میں ہم نے ان سے بیعت کر لی اب معاملہ صاف ہی ہو گیا۔

سیرۃ حلبی ایک معتبر کتاب ہے۔ علاوہ ازیں جو صورت حضرت علی فرما رہے ہیں وہ قرین قیاس بھی ہے۔

مزید برآں صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے۔ جس کے معنی صاف بتا رہے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد کر دی تھی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں مجھ سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلا لو۔ تاکہ میں ایک دستاویز لکھ دوں۔ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی آرزومند خلافت کی آرزو کرے یا کوئی یہ کہے کہ میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔ مگر اللہ اور مسلمان سوائے ابوبکر کے کسی کو نہ مانیں گے عن عائشۃ قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ ادعی لی ابابکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا

فاتی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر۔ جبیر بن مطعم راوی ہیں کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر آنا۔ اس نے عرض کی۔ اگر پھر آؤں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤں۔ یعنی اگر آپ کا انتقال جسمانی ہو جائے تو کیا کروں۔ فرمایا۔ میں نہ ملوں۔ تو ابو بکر پاس چلی آنا عن جبیر بن مطعم ان امرأۃ سألت رسول اللہ علیہ وسلم شیئا فامرھا ان ترجع الیہ فقالت یا رسول اللہ ارایت ان جئت ولم اجدک قال ابی کانھا تعنی الموت قال فان لم تجدینی فاتی ابا بکر۔

مختصر یہ کہ ہم صحابہ کرام کے متعلق کوئی سوء ظن کرنے کے حقدار نہیں ہیں۔ ان کے مقابلہ میں چرمی گوٹیاں کرنے کا کوئی مجاز نہیں۔ آقائے مدینہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق فرما گئے الصحابۃ کلھم عدول یعنی تمام صحابہ عادل ہیں۔ پھر کسی اصحابی کے متعلق کسی امر میں مثل حضرات شیعہ برائی کا الزام دینا حقیقتاً حماقت نہیں تو بے عقلی و ناعاقبت اندیشی سے کسی طرح کم نہیں۔

خلافت صدیقی کی بابت مؤرخین لکھ رہے ہیں۔ تقیفہ بنی ساعدہ میں اس امر کی بابت استمزاج ہوا کہ اب خلیفہ کون ہو۔ وفات قیامت آیات کے بعد ہر انصاری نے علیحدہ ایک خلیفہ تجویز کر لینا چاہا۔ ادھر قریش میں بے چینی تھی۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما آستانہ نبوی پر حاضر تھے۔ آپ نے یہ قصہ سن کر حضرت علی سے اجازت لی اور اس مجمع میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک ہنگامہ برپا ہے۔ سعد ابن عباد انصاری اپنی خلافت کے متعلق کچھ تحریک کر رہے تھے۔ انصار ابھی کسی کی مخالفت پر متفق نہیں ہوئے تھے کہ یہ دونوں حضرات پہنچ گئے۔ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سعد بن عباد خاموش ہو گئے۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ میں دیکھتا ہوں تم باہمی خلافت پر غور کر رہے ہو۔ کیا تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد معلوم نہیں کہ فرمایا ہے الائمۃ من قریش یعنی امام قریش میں سے ہوں گے۔ اس کو سن کر بعد ردّ و قدح بسیار اس امر پر فیصلہ ہو گیا کہ بیشک قریشی ہونا چاہیئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ابوبکر سے بہتر اس خدمت کے لئے کسی کو نہیں جانتا۔ لہذا سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ جب فاروق اعظم نے بیعت کر لی۔ تو سب نے بخوشی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ اس مکان میں جو لوگ حاضر تھے۔ سب اجلہ صحابہ تھے اور مؤرخین نے انہیں کو اہل تقیقہ کہا ہے۔

جب صدیق اکبر خلیفۃ المومنین قرار پا گئے تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلوایا اور معاملہ خلافت کا تذکرہ کیا۔

یہاں مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ آپ نے اسی دن بخوشی بیعت فرما لی۔ اور بعض کا خیال ہے کہ چالیس روز تک آپ عدیم الفرصت رہے۔ اس کے بعد آپ نے بیعت کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶ ماہ بعد بیعت فرمائی۔ بعض کہتے ہیں جب سیدہ خاتون رضی اللہ عنہا رحلت فرما چکیں۔ اس وقت بیعت کی۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مکان بنی سعد سے واپس آ کر منبر پر کھڑے ہوئے۔ اور چار جانب دیکھا۔ تو حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ نظر نہ آئے۔ آپ نے آدمی بھیج کر بلایا۔ اور فرمایا اے شیر خدا اخ و صہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ میری خلافت سے ناراض ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں ضروری کاموں میں مشغول

ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہوسکا۔ اس کی وجہ سے آپ مجھ پر الزام نہ دیجئے۔ میں بطیب خاطر آپ کی بیعت کو موجود ہوں پھر آپ نے بیعت کرلی۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ تاریخ الخلفاء میں یہی مضمون تحریر فرماتے ہیں۔ تاریخ اعثم کوفی میں آپ کا اس وقت بیعت نہ کرنا منقول ہے اور بخاری و مسلم کی روایت سے آپ کا بعد وفات سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا بیعت کرنا درج ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اگر اس خلافت کے مخالف نہ تھے۔ تو اتنے دن بیعت کرنے میں کیوں تامل فرمایا؟ اس کے متعلق حضرات شیعہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی عداوت باطنی کی وجہ سے بہت ملبا چوڑا قصہ بنا گئے ہیں اور جو کچھ دل میں آیا خوب زور دے کر لکھا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ ہستیاں تمام و کمال صحبت یافتہ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ ان کے متعلق ہمیں کچھ چہ میگوئی کرنے کا کیا حق ہو سکتا ہے۔ بقول شخصے "ڈوکری کو رام کتھا سے کیا بحث" بڑ دں کی باتیں بڑے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم اس کی بابت کچھ نہیں لکھنا چاہتے۔ کہ اس بیعت میں حضرت علی کی طرف سے کیوں تاخیر و تعویق ہوئی۔ ہاں یہ ضرور کہیں گے۔ کہ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا دور صحابہ کے لئے ایک ابتلاء و مصیبت کا دور تھا۔ خصوصیت سے اہل بیت نبوی کے لئے یہ عہد بالکل خارزار تھا۔ اس دور میں ان کی نظروں میں عالم تاریک تھا۔ موسم بہار خزاں سے بدلا ہوا تھا۔ کوئی خوش کن پھول نہ تھا۔ جو ان کی پریشانی میں تخفیف کرتا۔

نہج البلاغت جو خطبات علی کا مجموعہ ہے۔ جس کو حضرات شیعہ بھی مستند مانتے ہیں۔ اس میں حضرت علی جناب صدیق و فاروق کی اسطرح تعریف فرماتے ہیں کہ جس کو سن کر کسی مسلمان کے دل میں باہمی رنجش کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ ایک خطبہ میں فرماتے ہیں هما امامان عادلان

قاسطان دماتا علی الحق صدیق وفاروق دونوں عادل۔ شریعت اسلام پر عمل کرنے والے تھے۔ یہاں تک اسی راست گوئی اور عدل پروری میں دُنیا سے رخصت ہوئے۔

جب خود سرکار یہ فیصلہ کریں۔ تو پھر خدام کی مجال۔ جو زبان طعن کھول سکیں۔ مگر ہاں۔ سبّ وشتم کی وہی جرأت کر سکتا ہے۔ جو رفض امر شیر خدا کرے۔ اور حضرت علی کو اپنا پیشوا زبان سے ہی مانے اور دل میں ان کی کوئی وقعت نہ رکھے۔

حضرت صدیق نے اپنی وفات سے قبل بمشورۂ شیر خدا، حضرت فاروق اعظم کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تو حضرت علی نے کوئی عذر نہ کیا اور علی الفور فاروق سے بیعت کرلی۔

حضرت فاروق نے کسی کو خلافت کے لئے نامزد نہ کیا۔ بلکہ ۶ شخصوں پر خلافت منحصر کردی۔ اور فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ تین دن میں ان میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلیں۔ وہ ۶ حضرات یہ تھے۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن ابی وقاص۔ عثمان بن عفان۔ علی مرتضیٰ

ان میں باہمی مشورت ہوئی۔ تو حضرت زبیر نے اپنا حق حضرت علی کو دے دیا اور حضرت طلحہ نے عثمان غنی کو۔ اور حضرت سعد نے عبدالرحمٰن بن عوف کو۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنا حق اس شرط پر چھوڑا کہ دو شخصوں میں انہیں انتخاب کا حق دیا جائے۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن نے دو شبانہ روز غور فرما کر علیحدہ علیحدہ علی وعثمان کو بلایا۔ اور فرمایا میں چاہتا ہوں۔ کہ اگر میں تم سے بیعت کروں تو تم کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کرو اور حضرت شیخین کے قدم بقدم چلو۔ حضرت عثمان

نے بلا کسی عذر کے صاف اقرار بھی فرما لیا۔ اور حضرت علی نے یوں فرمایا کہ حتی الامکان ایسا ہی کروں گا۔ عبدالرحمٰن بن عوف یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے اور دوسرے وقت علیٰ رؤس الاشہاد دونوں بزرگوں سے پھر وہی سوال کئے۔ دونوں نے وہی جواب دیئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان سے بیعت فرما لی اور کسی نے انکار نہ کیا حضرت علی نے بھی بطیب خاطر بیعت کر لی۔

علاوہ ازیں حضرت مولا علی شیر خدا چونکہ باب علم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس بنا پر حکمت الٰہیہ اور عقل سلیم بھی اس امر کی مقتضی ہے کو سب کے بعد خلیفہ ہوں۔ اس لئے کہ عمارت مکمل ہو جانے کے بعد اس عمارت کی محافظت کے لئے دروازہ لگتا ہے۔ دنیا میں قبل از عمارت کوئی دروازہ کے قفل نہیں لگاتا۔

اسی وجہ میں ہم آئمہ اربعہ کو مان کر اس قلعہ اسلام کو بحمدہ تعالیٰ مستحکم بنائے ہوئے ہیں۔ اب وہ حضرات جو سب شیخین کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ ان کے متعلق ہم اس رسالہ میں کچھ لکھ کر لطفِ مضمون کو خراب کرنا نہیں چاہتے۔ مگر ہاں اتنا کہنا بے جا نہیں سمجھتے۔ کہ وہ **شیر خدا کو دروازۂ عرفان سمجھ کر اس محل عرفان کی دیواریں منہدم** کر کے اس محل کو غیر محفوظ کر چکے ہیں جس مکان یا جس قلعہ میں دروازہ مستحکم ہو اور دیواریں منہدم وہ قلعہ کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہی سبب ہے کہ ان حضرات نے اس ضد میں قرآن تک کو محرف مان کر اپنا حصہ اسلام سے بھی چھوڑ دیا۔ جس کی مفصل بحث ہمارے ایک ناول "صبح نور" میں موجود ہے۔ جس کے مطالعہ سے ناظرین سمجھ سکیں گے کہ ان حضرات کے یہاں یہ قرآن موجودہ کتنا غیر معتبر ہے۔

خیر۔ خلافت وامارت کی بحث بقدر ضرورت ہم لکھ چکے۔ مفصل بحث پھر کسی موقعہ پر کریں گے۔ اب اپنے اصل مضمون کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ یعنی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل وخصائل اور آپ کی شہادت۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل خصائل اور شہادت

مناقب ابن مردویہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز قبل از وفات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا یا ابا الریحانتین۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ کہ میرے ان دونوں پھولوں کا خیال رکھنا۔ یہ مرجھانے نہ پائیں۔ عنقریب دو رکن تم سے جدا ہو کر اپنے مقام پر جانے والے ہیں۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت علی نے فرمایا ھذا احد رکنی یہ ایک رکن ہے۔ جو آج جدا ہو کر اپنے مقام کو گیا۔

پھر جب سیدہ کی وفات ہوئی۔ تو فرمایا ھذا رکن الثانی یہ دوسرا رکن بھی مجھ سے جدا ہوا۔ روایت ہے۔ کہ حضرت مولا علی شیر خدا اکثر فرمایا کرتے تھے۔ میں نے بہت زبردست مصیبتیں اُٹھائیں اور متعدد بلائیں برداشت کی ہیں۔ مگر سخت ترین بلا اور اشد ترین مصائب تین ہیں:۔

اوّل:۔ وفات قیامت آیات خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ میرے ہادی راہ اور پشت پناہ تھے۔ جب سے وہ آنکھوں سے اوجھل ہوئے ہیں۔ میرا دل آتش فرقت سے بریاں اور چشم نادیدہ غایت حسرت سے گریاں ہے ؎

اے ہم نفساں آہ کہ بے یار بماندم — در دست غم ہجر گرفتار بماندم
آں بحر رسالت چو شد از دیدہ من دور — من با صدف چشم گہربار بماندم

دوسری:۔ وفات حلیلہ جلیلہ دلبند مصطفےٰ جگر گوشہ احمد مجتبیٰ فاطمہ زہرا ہے کہ سکون دل پر غم ہے اور نور دیدۂ پرنم کیونکہ وہ میری مونس و غمگسار اور یار وفادار تھیں۔

تیسری بلا خبر شہادت جگر گوشہ حسن وحسین ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دی ہے۔ شواہد النبوۃ میں ہے کہ ایک بار سفر فرماتے آپ میدان کربلا میں پہنچ گئے۔ اس زمین کو دیکھ کر زار وقطار گریاں ہوئے۔ ہمراہی سبب گریاں پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم یہی وہ مقام ہے جہاں قافلۂ حسین آکر ٹھہریگا۔ اونٹ اس مقام پر ہوں گے۔ خیمہ حرم محترم یہاں ہوگا۔ میرا لخت جگر زخموں میں چور اس مقام پر ذبح ہوگا۔ عرض کیا گیا حضور اس مقام کا کیا نام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کربلا۔

آپ کے القاب: جو دربار نبوی سے ملے بہت ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہیں۔ امیر النحل۔ یعسوب الدین۔ بیضۃ البلد۔ کرار غیر فرار۔ اسد اللہ الغالب۔ مطلوب کل طالب۔ امیر المؤمنین۔ مولی المومنین۔ ولی المتقین۔ امام المتقین۔ سید العرب۔ صدیق الاکبر۔ امام البررہ۔ خلیفۃ الرسول۔ قاتل الفجرہ۔ مقیم الحجۃ۔ ولی اللہ۔ امام الاولیا وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خطاب صدیق اکبر ہونا اس امر کا مقتضی نہیں کہ دوسرے صحابہ کو صدیق اکبر نہ کہا جائے۔

مسند امام احمد حنبل جزو سابع میں ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز امام حسن وامام حسین کے ہاتھ پکڑ کے فرمایا جو مجھے دوست رکھتا ہے اور ان دونوں کو مع ان کی ماں اور باپ کے محبوب سمجھتا ہے۔ وہ قیامت کے دن میدان حشر میں میرے ساتھ ہوگا۔

فردوس الاخبار میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ علی کی محبت ماحی السیئہ ہے اور علی کی دشمنی اتنا زبردست گناہ ہے۔ کہ نیکیاں اس کے گناہ نہیں مٹا سکتیں۔

غزوہ خیبر کے متعلق روایت ہے کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ کل یہ علم اس شخص کے ہاتھ میں دیں گے جو یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اور اللہ اور رسول اللہ اُسے دوست رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولیٰ علی شیر خدا کو وہ علم ملا۔ اور آپ ہی قالع خیبر اور فاتح عسکر ہیں۔ غرض کہ آپ کے فضائل بہت ہیں اس عجالہ میں ان کا احصا متعذر ہے۔

آپ کی عبادت کی یہ کیفیت تھی۔ کہ شب بھر عبادت فرماتے۔ حلم اس درجہ کا تھا کہ ایک روز آپ نے اپنے غلام کو آوازیں دیں۔ باوجودیکہ وہ غلام پس دیوار موجود تھا۔ جب آپ ستر بار پکار چکے اور نہ بولا تو آپ وہاں تشریف لائے دیکھا کہ کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے میری آواز سنی۔ عرض کیا جی ہاں سنی۔ فرمایا جواب کیوں نہ دیا۔ عرض کیا آپ کو غصہ میں آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس ذریعہ سے آپ کو غضبناک کرکے دیکھنا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ غصہ کرنے سے شیطان خوش ہوتا ہے اور ضبط غصہ سے رنجیدہ۔ تو پھر میں ایسا کام کیوں کروں۔ جس سے شیطان خوش ہو۔ بلکہ اُسے اور زیادہ غمگین کرتا ہوں۔ جا میں نے تجھے آزاد کیا اور جب تک میں زندہ ہوں تیری خورد و نوش میرے ذمہ ہے۔

تواضع اس درجہ کی تھی۔ کہ زمانہ خلافت میں جب کہ آپ کی سلطنت افریقہ مغرب سے سمرقند تک پھیل چکی ہے۔ آپ پیادہ پا بازار کوفہ میں تشریف لے آتے اور رعایا برایا جو کچھ عرض کرنا چاہتی۔ بے فکری سے عرض کر لیتی اور لوگ پکار کر کہتے کہ ہٹ جاؤ امیر المؤمنین تشریف لے جا رہے ہیں۔ راستہ دے دو۔ مگر آپ کبھی کسی کو نہ فرماتے۔

ایک روز آپ بازار سے کچھ سامان خرید کر خود دولت کدہ کی طرف لا رہے تھے کوئی نیاز مندوں میں سے بڑھا اور عرض کی حضور یہ سامان میں لے چلوں

گا آپ نے فرمایا ابو العیال احق ان یحملہ بچوں والا زیادہ حق دار ہے کہ گھر کا بار اٹھائے۔ اس نے عرض کی حضور! آپ ہمارے خلیفہ ہیں۔ ایسے کام خدام کریں گے۔ آپ کو اس سے کیا نسبت؟ تو فرمایا لاینقص الرجل من کمالہ ما یحملہ الی عیالہ انسان کا کمال گھر کا سامان اٹھا کر لے جانے سے کم نہیں ہو جاتا۔

آپ **سخاوت** میں ایسے بے مثل ہیں کہ حاتم بھی اس در سے سخاوت سیکھنے آئے۔ جس کی صریح دلیل یہ ہے کہ آپ کی سخاوت کی تعریف قرآن پاک میں بھی موجود ہے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ یعنی جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں پوشیدہ اور ظاہر اس کا بدلہ ہے ان کے رب کے پاس ان کو نہ کچھ اندیشہ ہے نہ کچھ غم۔

صاحب تفسیر حسینی اس آیۂ کریمہ کا شان نزول یہ تحریر فرما رہے ہیں کہ شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چار درم تھے آپ نے ایک درم علانیہ طور پر صدقہ فرمایا۔ ایک درم پوشیدہ۔ ایک شب میں خیرات فرمایا ایک دن میں تصدق کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت فرمایا کہ تم نے کیا صدقہ کیا اور کس غرض سے اس طرح صدقہ کیا۔ عرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی یہی چار صورتیں میرے ذہن میں آئیں۔ چاروں سے موافقت کر کے اس طرح صدقہ کیا تاکہ باری تعالیٰ عز اسمہ کسی صورت کو پسند فرما کر میرا صدقہ قبول کر لے۔

صاحب تفسیر کشاف اس آیۃ کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے چالیس ہزار دینار اس طرح صدقہ فرمائے کہ دس ہزار اعلانیہ دس ہزار خفیہ اور دس ہزار شب میں۔ ہزار دن میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیۃ کریمہ تعریف صدیق میں نازل فرمائی۔

دوسرے مقام پر اور ارشاد ہے یُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُونَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِیرًا ۝ وَیُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْکِینًا وَیَتِیمًا وَأَسِیرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِیدُ مِنْکُمْ جَزَاءً وَلَا شُکُورًا ۝ یعنی اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں۔ جس کی برائی پھیل جاتی ہے۔ اور کھانا کھلاتے ہیں۔ اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو ان سے کہتے ہیں۔ ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول تفسیر حسینی میں یوں ہے کہ آقائے مدینہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو دولت کدہ میں رونق افروز ہوئے تو شہزادۂ کونین سیدنا حسین سید الشہداء کو بیمار پایا۔ حضرت سیدہ فاطمہ و شیر خدا مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ منت مانو۔ اللہ انہیں شفاء عاجل عطا فرمائے گا۔ سیدہ اور مرتضیٰ نے تین روزوں کی منت مانی اللہ تعالےٰ نے سبطین کو صحت کامل عطا فرمادی۔ آپ نے معہ سیدہ کے روزے رکھے۔ پہلے روزہ پر جو لاکر روٹیاں بنائیں۔ وقت افطار دروازہ پر ایک فقیر نے پکار کر کہا اے اہلبیت محمد مسلمان سائل ہوں۔ آپ نے اپنا حصہ عطا فرما کر پانی پر افطار کر لیا۔ سیدہ نے بھی دیدیا اور پانی پر روزہ افطار فرما کر دوسرا روزہ رکھا۔ اس روز بھی ایک یتیم افطار کے وقت دروازہ پر سائل بن کر آیا۔ آپ نے معہ سیدہ کے تمام کھانا ایثار فرمادیا۔

اور پانی پر افطار کر کے تیسرے روزہ کی نیت کرلی۔ تیسرے روز وقت افطار ایک اسیر حاضر ہو گیا۔ آپ نے تیسرے دن بھی تمام کھانا اسے بخش دیا۔ اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

حدیث میں روایت ہے کہ مدتوں حضرت خیر خدا کی یہ شان رہی کہ سیر ہو کر کھانا تناول نہ فرماتے۔ جب آپ سے عرض کیا جاتا تو فرمادیتے کہ حسبی من الطعام ما یقیم ظھری مجھے کھانا اس قدر کافی ہے۔ جو میری پشت سیدھی رکھے۔ اور عبادت الٰہی میں کمزوری سے نقصان نہ آنے دے۔

علاوہ ازیں بہت سی آیات ہیں جو حضرت علی کی فضیلت میں وارد ہیں۔ سورۃ رعد میں ایک آیت ہے اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں منذر ہوں اور علی ہادی ہیں۔

تفسیر درمنثور میں ہے کہ اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ کی بابت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ علی کی تعریف کی ہے اور حافظ ابونعیم حلیہ میں ابن عساکر سے بھی یہی روایت کرتے ہیں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ کے ماتحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ علی سید الصادقین ہیں۔ ایسا ہی تفسیر ثعلبی اور درمنثور سیوطی میں ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی کی شان میں ہے از مسند امام احمد و تفسیر ثعلبی۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ اس آیۃ کریمہ میں مومن سے مراد علی ہیں اور فاسق سے مراد ولید بن عتبہ ہے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا

مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ اس آیت کریمہ میں حضرت علی کی شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں حضرت عکرمہ سے روایت فرماتے ہیں۔ کہ علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے چچا سید نا حمزہ سید الشہداء اور چچازاد بھائی عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل فرمائی۔ عبیدہ جنگ بدر میں مرتبہ شہادت پا چکے اور حمزہ جنگ احد میں اپنا کام بنا چکے۔ اور میں اس اُمت کے بدترین خبیث کا منتظر ہوں۔ پھر آپ نے اپنا دست اقدس محاسن مبارک پر پھیر کر فرمایا مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ خون سے رنگی جائے گی۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ بخاری شریف اور مسند امام حنبل و ابوداؤد و ترمذی سے تفسیر ثعلبی میں ہے۔ اور صواعق محرقہ میں ابن حجر مکی بھی ناقل ہیں۔ کہ براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی دعا کرو۔ کہ الٰہی مجھ سے عہد فرما کہ میری محبت مومنوں کے دل میں ڈال دے۔ اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ اور بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی طرح ۳۰۰ آیات حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کی شان مبارک میں نازل ہوئی ہیں۔

ایک روز آپ بیت المال میں تشریف لے گئے۔ تو سونا چاندی کافی تعداد میں آپ نے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا صفراء و یا بیضاء غری غیری اے زرد اور سپید میرے سوا دوسرے کو تو مغرور بنا دیتا ہے۔ مگر میں تیرے دام تزویر میں نہ آؤں گا۔

چگونہ عشوۂ دنیا مرا فریب دھد
چو من بدیدۂ ہمت دراں نمی نگرم
چو گرد خرمن من خوشہ چیں بود پروین
سزد کہ مزرع دنیا بہ نیم خو نخرم

آپ کی کرامات بے حد ہیں۔ منجملہ ان کے چند نذرِ ناظرین کرتا ہوں۔

کرامات: ایک کرامت جناب امیر کی یہ تھی کہ آپ جب رکاب میں پاؤں مبارک رکھتے۔ قرآن مجید شروع فرماتے دوسری رکاب میں پاؤں پہنچتے پہنچتے ختم ہو جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کرامت کی تعریف ہی یہ ہے کہ عقل و خردِ انسانی اُسے تسلیم نہ کرے اور یہی کیفیت معجزہ کی ہے۔ جو بات قرینِ عقل ہو اور جو امر عقل و خرد میں آجائے اسے کرامت یا معجزہ قرار دینا ہی حمق ہے اس قسم کی کرامتوں کو بسط زمان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

جب آپ جنگ صفین میں تشریف لے گئے راستہ میں ہمراہی شدتِ تشنگی سے بے چین ہوئے۔ چاروں طرف دیکھا مگر پانی نہ ملا۔ حضرت شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ ذرا آگے چلو۔ سب چلے تو ایک گرجا ظاہر ہوا سب لوگ وہاں ٹھہرے اور اس گرجا کے راہب سے پانی کی بابت دریافت کیا۔ راہب نے کہا پانی یہاں سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ اصحاب نے عرض کی حضور اجازت دیجئے تاکہ ہم لوگ جوں توں وہاں پہنچیں۔ آپ نے فرمایا وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ ایک طرف اشارہ کرکے فرمایا اسے کھودو۔ یہاں پانی ہے۔ سب نے اُسے کھودا۔ تھوڑی مٹی ہٹاتے ہی ایک چٹان نکلی سب نے کوشش کی۔ مگر وہ چٹان نہ ہٹی۔ شیرِ خدا گھوڑے سے اُترے اور آستین چڑھا کر تن تنہا اس چٹان کی طرف بڑھے۔ آپ نے اس چٹان کو ہٹا دیا۔ دیکھا تو نیچے صاف ستھرا شیریں ٹھنڈا پانی ہے۔ سب نے

خوش ہو کر پینا شروع کیا۔ تو اتنا نفیس پانی اس سفر میں کہیں میسر ہی نہ آیا تھا۔
پھر جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اس چٹان سے اس چشمہ کو ڈھانک دیا۔ اور فرمایا
یہ چشمہ ڈھکا ہوا خاک سے محفوظ رہے گا جسے پانی پینا ہو۔ ایک طرف سے لے
لیا کرے۔ اتنے میں اس کنیسہ کا راہب شمعون بن یوحنا آپ کی خدمت میں
حاضر ہوا اور عرض کی کیا آپ پیغمبر ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ عرض کی تو آپ
فرشتہ مقرب ہیں؟ فرمایا نہیں پھر عرض کی تو آپ کون ہیں؟

آپ نے فرمایا میں داماد رسول خدا سرور انبیاء محمد بن عبد اللہ ہوں۔
(صلی اللہ علیہ وسلم) راہب نے عرض کی۔ ہاتھ لائیے تاکہ میں قلادہ غلامی گلے
میں ڈالوں۔ آپ نے ہاتھ بڑھائے۔ اس نے دست بوسی کر کے باآواز کہا
اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

بعد ازاں شیر خدا نے دریافت فرمایا کہ تو اتنی مدت سے مسلمان کیوں نہ ہوا
اور آج علی الفور اسلام قبول کرنے کا کیا سبب ہے۔ اس نے عرض کیا۔
حضور یہ کنیسہ اسی کے ہاتھ پر فتح ہونا تھا۔ جو اس چٹان کو ہٹا کر چشمہ نکالے اور
ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص اس چٹان کو ہٹا کر چشمہ نکالے گا وہ
رسول الٰہی ہوگا یا داماد رسول۔ اس سے قبل بہت آدمی آئے مگر کسی نے اس
چٹان کے ہٹانے کی ہمت نہ کی۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سن کر اس
قدر گریہ فرمایا محاسن مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

پھر فرمایا حمد ہے اس ذات مقدس کی وجہ میر کو جو مجھے کبھی نہ بھولا اور
کتب سابقہ میں بھی مجھے یاد رکھا۔ پھر وہ راہب آپ کے لشکر میں شریک
ہو کر اہل شام کے مقابلہ میں آیا اور اس قدر مقاتلہ کیا کہ شہید ہوا۔ مرتضی کرم اللہ وجہہ

نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور دفن کیا۔

ایک مرتبہ دریائے فرات میں طغیانی آگئی۔ لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ ہمارے کھیت ڈوبے جارہے ہیں اور مکانات منہدم ہو رہے ہیں۔ آپ دولت کدہ میں تشریف لائے۔ عمامہ نبوی سر مبارک پر باندھا جبہ مبارک زیب تن فرمایا ردائے اقدس دوش مبارک پر ڈالی۔ باہر تشریف لائے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر مقام فرات پر پہنچے۔ خدا کا ہجوم ہمراہ تھا۔ آپ نے اپنے عصا مبارک سے فرات کی طرف اشارہ کیا۔ ایک گز ہٹی۔ فرمایا بس۔ عرض کیا گیا حضور ابھی اور کم ہونی چاہیئے۔ آپ نے دوبارہ اور اشارہ فرمایا کہ سب پکار اُٹھے کہ بس حضور کافی ہٹ گئی۔ آپ نے عصائے مبارک ہٹالیا۔ اور فرات تب سے اسی حد پر قائم ہے۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کسی مقام سے تشریف لائے۔ منزل صہبا میں ٹھہرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے زانوے مبارک پر سر مبارک رکھ کر خواب ناز میں چشم نرگسیں مکحل فرمالیں کہ عصر کا وقت ہو کر تنگ ہوا۔ حتی کہ آفتاب قریب بغروب آیا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ اگر عصر پڑھتا ہوں تو محبوب کے خواب ناز میں فرق آتا ہے۔ نہیں پڑھتا تو فریضۂ الٰہی قضا ہوتا ہے۔

پھر سوچا کہ نماز ان کے ذریعہ سے ہم پر فرض ہوئی۔ ایمان ملا تو ان سے۔ اسلام ملا تو ان سے۔ پھر مقدم یہ ہیں۔ ان کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے۔ بلا سے عصر جائے مگر محبوب کے خواب ناز میں فرق نہ آئے۔ بالآخر سورج غروب ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوئے۔ دریافت فرمایا کہ علی عصر پڑھی؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیوں؟ عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب ناز میں فرق نہ آنے دینا عصر پر مقدم رکھا۔ آپ متبسم ہوئے اور جناب الٰہی میں عرض کی کہ خدایا علی کی عصر تیرے حبیب کی خدمت میں قضا ہوئی ہے۔ چنانچہ سورج واپس اپنے مقام پر آیا۔ حضرت علی نے وقت عصر ادا

کی۔ پھر سورج غروب ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ واقعہ ایک شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

مولا علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

شواہد النبوۃ میں ہے کہ آپ اپنے زمانۂ خلافت میں ایک بار زمین بابل پر پہنچے۔ راہ طے کرنے کی عجلت میں نماز قضا ہو گئی۔ آپ نے دعا فرمائی۔ سورج لوٹ کر آیا۔ آپ نے معہ ہمراہیوں کے نماز ادا فرمائی۔

آپ کے رفقاء میں سے ایک جوان تھے۔ جو بارہا آپ کے ہمراہ رہ کر مخالفین سے محاربہ و مقاتلہ فرما چکے تھے۔ ایک روز آپ نے بعد انفراغ نماز فجر ایک خادم سے فرمایا۔ فلاں مقام پر جاؤ۔ وہاں ایک گھر ہے۔ اس میں ایک مرد، ایک عورت باہم لڑتے ملیں گے۔ ان کو ہمارا پیام کہو اور ہمراہ لے آؤ۔ چنانچہ وہ خادم روانہ ہوا دیکھا کہ فی الواقع باہمی لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ لڑنے والا جوان وہی رفیق ہے۔ جس کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے۔

وہ جوان حکم امیر اسد اللہ سنتے ہی لڑائی چھوڑ کر معہ اپنی بیوی کے حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس جوان سے فرمایا رات کو تم میں بہت لڑائی ہوئی۔ اس نے عرض کی حضور بیشک ہوئی اور اس کی بنا محض یہ ہے۔ کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا۔ شب کو جب میں اس کے پاس گیا۔ تو اس کی صورت سے سخت نفرت ہو گئی۔ میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں وہ میری منکوحہ رہنے پر مصر ہے۔ اسی ضد میں شب بھر لڑائی رہی۔ اور اب بھی وہی جھگڑا تھا کہ حضور کا آدمی ہمیں بلا لایا۔ آپ نے تخلیہ کر کے اس عورت کو علیحدہ بلایا اور فرمایا تو اس جوان کو پہچانتی ہے۔ اس نے عرض کی نہیں، صرف یہ جانتی ہوں کہ یہ کل سے میرا خاوند ہے۔ آپ نے فرمایا اب تو

اچھی طرح جان جائے گی۔ مگر جو کچھ میں کہوں اس کا جواب سچ سچ کہنا۔ جھوٹ قطعی نہ بولنا۔ اس نے عرض کی بہت اچھا۔ آپ نے فرمایا۔ تو فلاں شخص کی بیٹی ہے تیرا چچازاد بھائی تجھ پر عاشق تھا۔ اس نے عرض کی بالکل صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے، باپ نے ضد میں آکر تیرا نکاح اس سے نہ کیا اور گھر میں آنے کی ممانعت کردی۔ عرض کی جی ہاں۔ فرمایا ایک روز تو قضائے حاجت کو گھر سے نکلی۔ راستہ میں تیرا چچازاد بھائی تجھ سے ملا۔ اس وقت تم دونوں سے صبر نہ ہو سکا تم نے زنا کیا اور تو اس وقت حاملہ ہوئی۔ اس راز کو تو نے باپ سے خفیہ رکھا۔ عرض کیا بیشک ایسا ہی ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تیری رازدار تیری ماں تھی۔ رات تیرے بچہ ہوا۔ تیری ماں تجھے باہر لائی اور جنگل میں تیرے باپ سے پوشیدہ لڑکا ہوا۔ عرض کی۔ ہاں ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر ایک دیوار کے نیچے ڈال دیا تھا۔ اتفاقاً اس وقت ایک کتا آگیا اور اس بچے کو سونگھنے لگا تو نے اس کے پتھر مارا۔ وہ بجائے کتے کے اس بچے کے سر میں لگا اور خون بہنے لگا۔ تیری ماں نے کپڑا پھاڑ کر اس بچہ کے پٹی باندھی۔ اور تجھ کو ہمراہ لے کر بچہ وہیں چھوڑ کر گھر آئی۔ عورت یہ سن کر شرم سے زمین میں گڑ گئی اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگی یا امیرالمومنین کانک ثالثنا۔ گویا کہ آپ ہمارے ساتھ میں تیسرے تھے۔ واقعات من وعن بالکل صحیح ہیں۔ پھر فرمایا۔ اس بچے کی تجھے خبر ہے۔ اس کا کیا حشر ہوا۔ وہ یہ سن کر رونے لگی اور بولی حضور اللہ جانے یا آپ۔

آپ نے فرمایا۔ صبح اُسے آئندو روندگان نے دیکھا۔ ایک شخص اپنے گھر اُٹھا لایا اور پرورش کی۔ حتیٰ کہ وہ جوان ہو کر ہمارا رفیق حرب بنا اور بدقسمتی سے تیرا خاوند ہوا۔ چونکہ وہ ہماری صحبت میں رہ چکا ہے۔ اللہ نے اُسے اس شرمناک گناہ سے بچایا۔ پھر اُسے بلا کر اس کا سر دکھایا۔ تو پتھر کا نشان موجود تھا۔ فرمایا لے اسے

اپنے ساتھ لے جا تو اس کی بیوی نہیں ماں ہے اور یہ تیرا خاوند نہیں بیٹا ہے۔

اب واقعات دلگداز یعنی کوائف شہادت حضرت آیت شن لیجئے۔ اس لئے کہ اس منبع مکارم اور معدن اکارم ہستی کے فضائل کی کوئی حد و غایت نہیں بے انتہا ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"۔ پھر کاتب وحی ایک مدت تک رہے۔ غرض کہ فضائل کی تفصیل اگر کی جائے۔ تو اس مختصر میں ان سب کا اجتماع متعذر ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا کر کے حالات شہادت مختصراً ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

شہادت

جب آپ سریر خلافت پر متمکن ہوئے۔ اور واقعہ جمل وصفین گزر چکے۔ جن کی تفصیل کتب تاریخ میں مفصل موجود ہے۔ اور قصۂ حکمین مقام دومۃ الجندل پر خروج خوارج ہوا۔ جو حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے منحرف ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ بعض آپ کو اس امر پر مجبور کرتے تھے کہ آپ نے یہ صلح ایسی کی ہے کہ آپ سخت گنہگار ہوئے ہیں معاذ اللہ توبہ کیجئے اور حرب شام کے لئے تیار ہو جائیے۔ آپ جواب میں فرماتے تھے کہ اول باہمی فیصلہ نہ کرنا تھا اور جب کر لیا تو انحراف مواعید شیوۂ مومنین نہیں۔ غرض کہ بہت کچھ طول طویل داستان ہے۔ جس کو ما نحن فیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ مختصر یہ کہ جب فسادات خوارج زور پر ہو گئے اور قتل و غارت بحد غایت بڑھ گئے۔ تو لشکر امیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضور قتل و غارت مومنین پر تمام خوارج کمربستہ ہیں اور ہر وقت خونریزی پر تلے ہوتے ہیں۔ لہذا سب سے اول ان پر چڑھائی کی ضرورت ہے۔ ورنہ جب یہ زوردل پر ہو گئے تو ان کا فتنہ فرو ہونا دشوار ہے۔ چنانچہ حضرت مولیٰ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ

نے ان کی طرف لشکر کشی فرمائی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب لڑائی نے زور پکڑا تو خود بنفس نفیس ان کی طرف روانہ ہوئے اور اتمام حجت کے لیے وعظ فرمایا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ ہزار آدمی خوارج سے نکل کر لشکر امیر المومنین میں زار زار روتے ہوئے آکر ملے۔ ابن کواکہ سردار لشکر خوارج تھے۔ یہ بھی دس آدمی ہمراہ لے کر مذہب خوارج سے انحراف کر کے لشکر مومنین میں آملے۔ خوارج نے جب کمزوری دیکھی تو عبداللہ بن وہب اور حرقوص بن زہیر کو ایک سریہ کا سردار بنا کر نہروان کی طرف روانہ کیا۔ یہ حرقوص بن زہیر وہی ہے جسے ذوالثدیہ بھی مورخوں نے لکھا ہے۔ جب حضرت علی نے یہ سُنا تو اس لشکر کا تعاقب فرمانے کو روانہ ہوئے۔ اس لڑائی کی پیشگوئی آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو فرما بھی چکے تھے۔ اور جس جماعت کے مقابلہ میں آپ تشریف لے جا رہے تھے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائفہ مارقین فرمایا تھا۔

شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت شیر خدا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو خبر دی گئی تھی کہ عنقریب تم جماعت مارقین سے محاربہ کرو گے اور اس لشکر کا سردار وہ شخص ہو گا۔ جس کے سار کندھوں کے درمیان گوشت مثل پستان زنان ابھرا ہوا ہو گا۔ اس پر بال ہوں گے۔ اُسے ذوالثدیہ کہا جائے گا۔

دلائل ابن وہبی میں روایت ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ آپ کچھ سامان تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص قبیلہ بنی تمیم سے اُٹھا کر اُسے ذوالخویصرہ کہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آکر بکنے لگا اعدل یا رسول اللہ حضور عدل فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا وَیْحَکَ مَنْ یَّعْدِلُ بَعْدِیْ۔ تجھ پر افسوس ہے۔ میرے بعد پھر کون عدل کرے گا۔ اگر میں عدل

نہیں کروں گا تو عدل دنیا سے اُٹھ جائے گا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حاضر تھے آگے بڑھے اور عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے میں ابھی اس کی گردن اڑاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمر! چھوڑو اس کے ساتھ ایک جماعت پیدا ہوگی کہ تحقرون صلوٰتکم لصلوتھم وصیامکم بصیامھم یقرءون القرآن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لا یعود۔ تم ان کی نمازوں سے اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں سے۔ قرآن پڑھیں گے۔ مگر ان کے حنجروں سے نیچے نہ گزرے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر شکار سے کہ پھر لوٹتا نہیں۔

ان کا پیشرو ایک سیاہ مرد ہوگا کہ اس کے بازوؤں یا شانوں پر مثل پستان زناں گوشت ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور بیشک حسب پیش گوئی ویسا ہی ہوا اور حضرت علی نے اس سے حسب خبر مجادلہ ومحاربہ فرمایا اور میں اس لشکر میں تھا۔ چنانچہ جب اس لشکر کے پیشرو کو دیکھا تو وہی حلیہ تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ سچ ہے ؎

زبانِ مصطفےٰ معجز نشاں بود
خبر از ہرچہ میداد آنچناں بود

روایت ہے کہ جب لشکرِ شیر خدا کرم اللہ وجہہ نہروان کے راستہ میں ایک گرجا کے پاس گزرا تو اس کنیسہ سے ایک پیر مرد بالاخانہ پر آیا اور پکارا کہ اے لشکرِ اسلام! اپنے پیشوا کو کہو کہ وہ میرے پاس تشریف لائیں آپ سے عرض کیا گیا آپ نے عنان مرکب اس طرف پھیری۔ جب آپ اس سے قریب ہوئے تو

اس نے عرض کی اے سردارِ لشکر! کہاں تشریف لے جا رہے ہو ؟ آپ نے فرمایا دشمنان دین کی سرکوبی کے لیئے۔ راہب نے عرض کی ٹھہریئے اور لشکر کو روکئیے اس لیئے کہ آج کل ستارۂ مسلین ہبوط میں ہے اور طالع مسلین ضعیف۔ چند روز بعد جب کوکب بابط صعود کی طرف متوجہ ہو جائے اور طالع مسلین قوت پا جائے۔ آپ جہاں چاہیں جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ راہب کیا تو علمِ آسمانی رکھتا ہے اس نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا فلاں ستارہ کی سیر سے خبر دے۔ اس نے عرض کی قسم خدا کی میں نے اس ستارہ کا نام بھی نہیں سُنا۔ پھر آپ نے اور سوال فرمایا۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ علمِ آسمانی سے اتنی خبر بھی تجھ کو نہیں تو پھر ہم تیری کیا مانیں۔ پھر فرمایا زمین کے حالات سے بھی واقف ہے۔ عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو جہاں کھڑا ہے۔ تجھے معلوم ہے تیرے قدموں کے نیچے کیا چیز مدفون ہے۔ عرض کی میں یہ بھی نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا ایک برتن ہے۔ جس میں اتنے دینار ہیں۔ راہب نے عرض کی۔ آپ یہ بات کس دلیل سے فرما رہے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا۔ مجھے میرے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تو جب حربِ نہروان پر جائیگا۔ تو راستہ میں ایک راہب ملے گا۔ وہ منع کرے گا۔ اس کے پیر کے نیچے ایک برتن پُرانہ دینار ہوگا۔ جس میں اتنے دینار ہوں گے اس کے منع کرنے سے نہ رکنا۔ علی تیرے لشکر کے ۱۰ آدمی سے زیادہ شہید نہوں گے اور اس لشکر کے ۱۰ سے زیادہ بچ کر نہ جائیں گے۔ راہب یہ سُن کر متحیر ہوا اور جہاں کھڑا تھا اُسے کھودا وہ برتن برآمد ہوا اور اسی قدر دینار نکلے جتنے حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے بتائے تھے۔ چنانچہ راہب کنیسہ سے باہر آیا اور حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ

کے دستِ اقدس پر مسلمان ہوا۔ پھر حضرت شیرِ خدا با سطوت تام و شوکت تمام سوئے نہروان روانہ ہوئے ؎

تائید بر یمین وے و فتح بر یسار
اقبال بر رکاب وے و بخت ہم عنان

غرض کہ نسیم مژدہ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ لے کر آئے اور شمیم مراد گلشن فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ سے اہلِ کرشام دماغ کو تازہ کرنے لگی ؎

صبح ظفر از مشرق انوار بر آمد
اصحابِ غرض را شبِ سودا بسر آمد

وہ گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ تھوڑی دیر میں چار ہزار کے لشکرِ خوارج میں سے حسب پیشگوئی مخبرِ صادق تین ہزار نو سو نوے خبثاء واصلِ جہنم ہوئے اور نو افراد لشکر امیر میں سے جامِ شہادت پی کر داخل خلد بریں ہوئے اور باقی مجاہد فی سبیل اللہ اور غازی بامان اللہ رہے۔

حضرت مولا علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ ذو الثدیہ کو ان لاشوں میں سے تلاش کرو۔ سب طرف ڈھونڈا مگر اس کا پتہ نہ چلا۔ آخر اہلِ لشکر کہنے لگے شاید وہ خبیث بھاگ گیا۔ حضرت شیرِ خدا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا خدا کی قسم وہ بھاگ نہیں سکتا۔ مجھے میرے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی خبر دی ہے۔ پھر ڈھونڈو۔ پھر ڈھونڈا گیا تو چالیس لاشوں کے نیچے دبا ہوا ملا۔

پھر حضرت شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ اب تم میں سے کون ہے جو کوفہ میں خبر فرحت اثر فتح لشکر اسلام پہنچائے ابن ملجم آگے بڑھا اور عرض

کی حضور میں جاتا ہوں اور اہل کوفہ کو بشارت دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں جانا بھی تجھے ہی چاہیئے اس لئے کہ تجھے اپنا کام بھی کرنا ہے۔

یہ ابن ملجم مصری تھا اور جب لوگ قتل عثمان ذی النورین کو مصر سے آئے تھے۔ ان کے ساتھ یہ بھی آیا تھا۔ پھر وہاں سے کوفہ میں آگیا۔ اور توبہ کر کے لشکرِ شیرِ خدا میں شریک ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب وقت حرب خوارج شیر خدا نے ہر مقام سے لشکر کے لئے آدمی طلب فرمائے تو یمن سے ۱۰ آدمی آئے۔ اور ان میں ہی ابن ملجم بھی آیا۔ یہ حلیہ میں بہت زیادہ درشت رو تھا اور جسامت سہمگین بایکل وہیب تھی۔

بعد فتح تمام خدام نے امیر المومنین کی خدمت میں تحائف نذر کرنے شروع کئے۔ ابن ملجم کے پاس ایک تلوار بنہایت قیمتی تھی۔ اس کو لے کر حاضر ہوا اور آپ کے پیش کی۔ آپ نے وہ تلوار ملاحظہ فرما کر واپس کر دی۔ ابن ملجم نے عرض کی۔ حضور آپ نے سب کے ہدیے قبول فرمائے میری نذر کیوں واپس فرما دی۔ حالانکہ میں نے وہ تلوار نذر کی تھی۔ کہ عرب میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ابن ملجم۔ یہ تلوار میں تجھ سے کیسے لے سکتا ہوں۔ جبکہ تو مجھ سے اس تلوار کے ذریعہ اپنی مراد حاصل کرنے والا ہے۔ یہ سُن کر ابن ملجم زمین پر گرا اور بہت رویا۔ پھر عرض کی کہ حضور مجھ سے ایسا کیونکر ممکن ہے۔ کہ میں اور حضور پر تلوار چلاؤں۔ جبکہ میں حضور کی محبت میں ترکِ وطن و مسکن کر کے حضور کے ساتھ خوارج سے لڑا ہوں ؎

حاشا کہ دلم از تُو جدا خواہد شُد
یا باکسِ دیگر آشنا خواہد شُد

آپ نے فرمایا شدنی امور میں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ اور ہونے والی بات میں کسی طرح فرق آنا ممکن نہیں۔ ابن ملجم نے عرض کی۔ حضور اس وقت میں آپ کے سامنے دست بستہ حاضر ہوں۔ میرے دونوں ہاتھ کٹوا دیجئے۔ تاکہ میں اس فعل شنیع کا مرتکب ہی نہ ہو سکوں۔

آپ نے فرمایا مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ہے اور میں ان کی پیشگوئی کو صحیح جانتا ہوں۔ اس نے عرض کی حضور ! آقائے مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پیشگوئی فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ابن ملجم خوارج کے لشکر سے علیحدہ ہو کر علی کے لشکر میں نہروان آئیگا اور محاربہ میں مجبوراً شریک ہوگا۔ کہ اسے اس لشکر سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ملے گی۔ اتفاق سے لشکر علی فتح یاب ہوگیا۔ تو ابن ملجم، علی سے روانگی کوفہ کی فتح لشکر کی بشارت دینے کے بہانہ سے اجازت لے گا۔ اور وہ وہاں جا کر وہاں مژدہ فتح لشکر علی سنائے گا اور کہے گا ؎

خورشید ظفر از افق فتح بر آمد
وز پرتو وے ظلمت بسر آمد
در آئینہ تیغ شہنشاہ ولایت
رخسارۂ دل آرائے جلوہ گر آمد

پھر ایک ذریعہ سے وہ آمادۂ قتل علی ہوگا۔ حتیٰ کہ اسی کی تلوار سے محاسن مبارک خون میں تر ہو گئی۔ ابن ملجم زار زار رونے لگا اور عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے ابھی قتل کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ قبل جرم قصاص جائز نہیں۔

بالآخر وہ روانہ ہوا اور کوفہ کے گلی کوچوں میں فتح یابی لشکر علی کی بشارت دیتا پھر رہا تھا۔ کہ ناگاہ اس کے کان میں ایک مکان سے دف کی آواز کے ساتھ

گانے کی آواز آئی۔ دروازہ پر کھڑا ہو کر دل میں کہنے لگا۔ کہ اس ممنوع فعل سے لوگوں کو منع کروں اور عذاب الٰہی سے تخویف دلاؤں۔ یہ سوچ کر پکارا کہ اسے اہلخانہ یہ کیا غضب ہے۔ غنا و سرود کو شریعتِ اسلام منع کرتی ہے اور تم کیا یہ غضب کر رہے ہو کیا تمھیں مرنا نہیں ہے ؎

زنفسِ نابکار و طبعِ منحوس
بزندانِ شقاوت مانند محبوس

اس آواز کو سن کر گھر میں سے عورتوں کی جماعت باہر آگئی۔ چونکہ یہاں شادی تھی۔ تمام عورتیں حلہائے قیمتی سے آراستہ اور زیورات مزین سے پیراستہ تھیں۔ ان میں ایک عورت نہایت حسین و جمیل تھی۔ اور اس کا نام قطامہ تھا یہ عرب بھر میں حسین و جمیل مشہور تھی۔ ابن ملجم کی جیسے ہی نظر اس پر پڑی۔ شعلۂ فسق اس کے سینۂ پر کینہ میں بھڑکا اور خرمنِ صبر کو برقِ محبت نے جلا دیا۔ گیا تھا نصیحت کرنے خود قعرِ فضیحت میں گر گیا۔

قطامہ کو اشارہ سے علیحدہ بلایا اور پوچھا ایمر اَنتِ اَمْ ذَاتَ بَعْلٍ تو خاوندوالی ہے یا بغیر خاوند؟ اس نے کہا بغیر خاوند ہوں۔ کہا کس قبیلہ سے ہے۔ اس نے کہا قبیلہ تیم الرباب سے ہوں۔ یہ قبیلہ خوارج میں سے تھا۔ پھر پوچھا شادی کرنا چاہتی ہے یا نہیں۔ قطامہ نے کہا چاہتی ضرور ہوں۔ مگر میری شرائط پوری کرنے والا مجھے اب تک نہ ملا۔ ابن ملجم نے کہا وہ کیا ہیں؟ قطامہ رونے لگی اور یوں گویا ہوئی کہ اے ابن ملجم! لشکرِ علی نے حرب نہروان میں میرے بارہ رشتہ دار قتل کئے ہیں۔ میں نے جب سے اپنا مہر تین بات رکھا ہے۔ ابن ملجم نے کہا وہ بیان کر۔ قطامہ نے کہا۔ تین ہزار درہم نقد۔ ایک کنیز حسینہ و جمیلہ اور قتل علی بن ابی طالب۔

ابن ملجم نے کہا دو امور تو ممکن ہیں۔ مگر مولیٰ علی شیر خدا کا قتل بڑی زبردست شرط ہے۔ قطامہ خوف خدا کر۔ علی شہسوار براق لافتیٰ ہیں۔ ان کی شجاعت و بہادری اتنی شہرۂ آفاق ہے کہ ملائکہ تحسین کرتے ہیں ؎

چو او بر کشد ذوالفقار از غلاف
زہیبت فتد لرزہ در کوہ قاف
چو در دست او نیزہ گرداں شود
بلائے دلیراں و گرداں شود

قطامہ اس خیال سے باز آ۔ یہ کسی میں ہمت نہ ہو گی کہ علی کے ساتھ ایسا خیال بھی دل میں لا سکے۔ قطامہ نے کہا درہم و کنیز سے دستبرداری ممکن ہے۔ مگر سب سے بڑی شرط یہی ہے۔

ابن ملجم نے غور و تامل کر کے کہا۔ کہ خدا کی قسم علی کا کہنا صحیح ہے۔ خدا کو یونہی منظور ہے۔ میں اس شہر میں مژدہ فتحیابی دینے نہ آیا تھا۔ بلکہ قتل علی کو آیا تھا۔

ابن ملجم نے کہا اچھا قطامہ میں تیار ہوں۔ مگر ایک ضرب کا ذمہ دار ہوں۔ قطامہ نے کہا اچھا ایک ہی ضرب سہی۔ مگر اپنی تلوار مجھے لا کر دے۔ چنانچہ ابن ملجم اپنی تلوار لایا۔ قطامہ نے اُسے لیا ہی تھا کہ شہر میں شور ہوا۔ امیر مرتضیٰ لشکر ظفر پیکر کے ساتھ رونق افروز ہو رہے ہیں۔ ابن ملجم امیر مرتضیٰ کی تشریف آوری کی خبر سُن کر جہاں ہزاروں استقبال جا رہے ہیں خود بھی روانہ ہوا۔ شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اہل شہر کی سلامت مبارک لیتے مسجد کوفہ میں تشریف لائے۔ کہ اہالیان کوفہ نے تہنیت نامے شروع کئے۔

للہ الحمد کہ مقصود ز در باز آمد
مردم چشم جہاں بین ز سفر باز آمد

للہ الحمد کہ از وصل مسیحا نفسے
بتن خستہ دلاں جان دگر باز آمد

آپ نے مسجد پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرمائی۔ اور اعیان واشراف کوفہ تمام حاضر تھے۔ کہ بعد الفراغ نوافل آپ منبر پر چڑھے اور خطبہ فرمایا۔ جس میں حمد الٰہی اور نعت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ پھر قوم کو عقوبت ربانی سے ڈرایا۔ اور اتباع شریعت غرا محمدی کی وصیت فرمائی۔ پھر داہنی طرف رُخ کر کے دیکھا تو بڑے شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی۔ فرمایا یا بنی کم مضٰی من شہر ناھذا جانِ پدر کتنے دن اس ماہ سے گزر گئے۔ آپ نے عرض کیا تیرہ روز۔ پھر بائیں طرف دیکھا تو چھوٹے صاحبزادہ حسین نظر آئے تو فرمایا کم بقیٰ من شہر ناھذا۔ اے لخت جگر اس مہینہ میں کتنے دن باقی ہیں۔ آپ نے عرض کی سترہ روز۔ پھر آپ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا کہ اسی مہینہ میں یہ ڈاڑھی سر کے خون سے رنگی جائے گی اور رنگنے والا بدترین اس اُمت کا ہوگا۔

پھر آپ نے ایک رباعی پڑھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص جس کے ساتھ میں نے سلوک بھی کئے ہیں۔ مجھے قتل کرے گا۔ ابن ملجم نے یہ جملہ سن کر غور کیا اور سمجھ گیا کہ یہ خاص طور پر مجھے ہی فرمایا ہے۔ خوف سے لرز گیا اور روتا ہوا آگے بڑھا۔ اور عرض کرنے لگا۔ امیر المومنین میری طرف اگر یہ گمان ہے تو میں عرض کر چکا۔ اور پھر عرض کرتا ہوں۔ میرے ہاتھ کاٹ ڈالئے یا مجھے قتل کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا بغیر جرم کوئی سزا ممکن نہیں۔ مگر مجھ کو میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ علی تیرا قاتل قبیلہ مراد سے ہوگا۔ اور اپنے حصول مرام کی غرض سے تمہارے ایک ضرب تلوار ماریگا۔ مگر اس کی مراد حاصل نہ ہوگی۔

ابن ملجم منتجبانہ استغاثہ کرنے لگا اور حضرت شیر خدا سے عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے اس عیب سے داغدار نہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے ایک خفیہ اسرار الٰہی کا ستر بتا رہا ہوں یا عیب لگا رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ تو خود بھی واقف ہے۔ سچ کہہ ایام طفولیت میں تیری دایہ دودھ پلانے والی یہودن تھی یا نہیں۔ عرض کی بیشک تھی۔ آپ نے فرمایا ایک روز وہ تجھ پر غصہ ہو کر تجھے عاقر ناقۃ صالح۔ یعنی ناقۂ صالح علیہ السلام کے کونچ کاٹنے والا کہہ چکی ہے یا نہیں! ابن ملجم نے کہا ہاں بیشک کہہ چکی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا بدترین خلق دو شخص ہیں۔ ایک وہ جس نے ناقۂ صالح کی کونچیں کاٹیں۔ دوسرا وہ جو ایک عورت کے لالچ میں مجھے شہید کرے گا۔ پھر آپ زار زار رونے لگے۔ یہاں تک ریش اقدس آنسوؤں میں تر ہو گئی۔ پھر فرمایا تم میرے اس رونے کو خوفِ موت نہ سمجھنا۔ نہیں نہیں۔ بلکہ میں تو ہمیشہ آرزومند موت رہتا ہوں۔ اس لئے کہ **مثنوی**

مرگ مارا زندگی دیگر است
زہر مرگ از شہد شیریں خوشتر است
مرگ سازد مغز را صافی زپوست
تا رساند دوست را نزدیک دوست

حافظ شیرازی جذبۂ محبت اور شوق وصال یار میں فرماتے ہیں :۔

میرا رونا محض میرے جگر گوشوں کی مظلومی و بیچارگی پر ہے کہ ابھی یہ کربت مسافرت میں ہیں۔ اس پر عنقریب انہیں سوز یتیمی اور ستانے والا ہے۔

پھر فرمایا :۔

اے حاضرین جلسہ! جو اس وقت موجود نہ ہوں انہیں بھی مطلع کر دینا کہ علی شیر خدا کی یہ وصیت ہے کہ جب میرے فرزند دلبند شہید کئے جائیں اور

تمھیں اس کی خبر پہنچے تو ان کی مصیبت میں شرکت کرنا اور جس طرح ہو ان کی مدد کرنا۔ سب زار زار روتے رہے اور کلمات وداعیہ سُن کر سب نے عہد کیا۔ یہ عہد کرنے والے تمام کوفی شیعیان علی تھے اور یہی عہد شکن ثابت ہوئے۔ ابن زیاد کے آتے ہی سب علیحدہ ہو گئے اور دست ابن زیاد پر بیعت کر لی۔

پھر آپ منبر سے اُتر پڑے اب آپ کی عادت مبارک یہ ہے کہ روزہ اکثر رکھتے ہیں اور افطار کبھی امام حسن کے یہاں اور کبھی چھوٹے صاحبزادے حسین کے یہاں اور کبھی عبداللہ بن جعفر طیار کے یہاں فرماتے ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین ؛

خوراک اول ہی کم تھی اب اس قدر قلیل کر دی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ تناول نہیں فرماتے۔ صاحبزادگان نے عرض کی کہ ابا جان خوراک اتنی کیوں کم کر دی ہے۔ فرمایا اب ہمارا وقتِ وداع قریب ہے۔ میں چاہتا ہوں دربار الٰہی میں ملوث بہ ارزاقِ دنیا نہ جاؤں۔ بلکہ منور بہ انوارِ حق رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

ادھر قطامہ نے اس تلوار کو جو ابن ملجم دے آیا تھا زہر میں بجھوا دیا ہے۔ آج ابن ملجم اس کے پاس آیا۔ اس نے وہ تلوار اُسے دی۔ ابن ملجم نے اپنی مدد کے لئے شبیب بن بحیرہ شجعی خارجی اور وردان تیمی خارجی کو تیار کر لیا۔

المختصر ۱۹ رمضان المبارک کو آپ مسجد میں تشریف لائے دیکھا اہل کوفہ مسجد کے چاروں طرف محافظت کر رہے ہیں۔ فرمایا یہ قیدیوں کی سی کیا حفاظت ہے۔ تقدیر الٰہی مٹ نہیں سکتی جو ہونا ہے وہ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ تم جاؤ اور گھروں میں آرام کرو۔ وہ مجبور چلے گئے۔ اور آپ تن تنہا مسجد کوفہ میں تمام شب مشغول عبادت رہے۔ اور بار بار آسمان کی طرف دیکھتے اور فرماتے صدق رسول اللہ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ میرا قاتل اب تک رونما نہیں ہوا۔ پھر آپ نے تازہ وضو فرمایا اور کمر باندھ

کر یہ شعر پڑھا سہ

حیازیمک للموت فان الموت لاقیکا
ولا تجزع من الموت اذا حل بوادیکا

یعنی اے علی اپنی کمر چست کرلو مرنے کے لئے کہ موت عنقریب تم سے
ملنے والی ہے اور نہ گھبراؤ موت سے جبکہ تم اس میدان رضا میں قدم رکھ چکے ہو

آرے اساس خانۂ عمر استوار نیست
دار فنا محل ثبات و قرار نیست

پچھلی رات کو آپ نے عزم گھر کا فرمایا۔ واپسی پر راستہ میں مرغابیاں بولی
ہوئی تھیں۔ آپ کو دیکھ کر پکارنے لگیں۔ لوگوں نے انہیں ہٹانا چاہا۔ آپ نے
فرمایا انہیں نہ روکو یہ مجھ سے وداع ہو رہی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ
کی صاحبزادیوں نے انہیں ہٹانا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا من صوائح یتبعھا
نوائح اس وقت یہ فریاد کر رہی ہیں اور میرے غم جدائی میں نالہ کناں ہیں۔ اس
رات آپ نے روزہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے یہاں افطار فرمایا تھا اور بعد
الفراغ طعام آپ کو بہت کچھ وصیتیں فرما کر اس طرح فرمایا۔ جس کا مفہوم اس
مثنوی میں ظاہر ہے

رخت بر بستم و دل برداشتم
صحبت دیرینہ را بگذاشتم
وقت شد کز غصہ و غم وارہیم
بر غم و شادی عالم پا نہیم
تا بکے بار دل دونان کشیم
تا بکے خوں نابہ زین و آں چشیم

صدرجنت بہر ما آراستہ
ما دریں زنداں بلجنت کاستہ

پھر آپ مسجد کو تشریف لائے۔ تو یہ شعر زبان مبارک پر تھا ؎

خلوا سبیل المومنین المجاھد
فی اللہ لا یعبد غیر الواحد

یعنی راستہ دو مومن مجاہد کو راہِ خدا میں۔ وہ غیر معبود کو نہیں پوجتا۔

پھر آپ نے صبح کی اذان دی اور سنتِ فجر میں مشغول ہو گئے۔ اُدھر وہ تینوں شب بھر شراب نوشی میں قطامہ کے گھر رہ کر سو گئے تھے۔ قطامہ نے جگایا اور کہا کہ جلدی جاکہ اب موقعہ ہے۔ نہیں تو پھر نمازی مسجد میں بھر جائیں گے ابن ملجم معہ دونوں معاونوں کے زہر آلودہ تلوار لے کر لپکا۔ آپ ابھی ایک رکعت ادا کرنے پائے تھے کہ اس خبیث نے وار کیا۔

تاریخ طبری میں یوں ہے کہ آپ کی اذان پر قطامہ نے جگا کر اس خبیث کو بھیجا۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ دونوں خبیث خارجی بھی چلے اور مسجد میں آکر روپوش ہو گئے۔ دونوں دو دروں میں بیٹھ گئے اور باہمی مشورہ کر لیا۔ کہ دو وار یک لخت ہوں۔ یعنی وردان خبیث کا وار خالی جائے تو شبیب کا ہاتھ پڑے۔ اور ابن ملجم سے کہا تو اندر چھپ جا۔ اگر ہم کامیاب نہ ہوں تو اندر کام پورا کر دیجو۔

چنانچہ جب حضرت مولا علی شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ اذان سے فارغ ہوئے اور مسجد کے در میں قدم رکھا تو شبیب خبیث نے وار کیا۔ تلوار طاق پہ لگی اور ٹوٹ گئی۔ علی الفور وردان نے وار کیا۔ اس کی تلوار دیوار سے ٹکرا گئی اور یہ دونوں بھاگ گئے۔ آپ کرشمہ قدرت دیکھ کر خاموش ہو گئے اور

کسی سے تذکرہ نہ کیا۔

اندرونِ مسجد جیسے ہی محراب میں قدم مبارک رکھا۔ نماز کی نیت کی۔ نہایت اطمینان سے وہ خبیث چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ جب سجدہ سے سر مبارک اٹھایا تو اس نے تلوار کا مار کیا۔ یہ زخم اس مقام پر لگا۔ جہاں پہلے حربِ خندق میں عمر بن عبد ود کا زخم تھا وہی کھل گیا اور سر مبارک سے مغز باہر آگیا اور آپ کی زبان مبارک سے فزت بربِ الکعبۃ نکلا یعنی اپنی مراد کو خدا کی قسم میں پہنچ گیا۔

ابن ملجم اس آواز کو سنتا ہوا بھاگا اور پکارتا چلا۔ افسوس امیر المومنین شہید ہو گئے۔ تمام اہل کوفہ مسجد میں بھر گئے امام حسن و حسین نے جو یہ خطرناک آواز سنی۔ بے تابانہ دوڑے اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ حضرت شیر خدا اپنی خون آلودہ ریش مبارک پر ہاتھ پھیر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اسی طرح میں دربار رسالت میں جاؤں گا۔ سیدہ فاطمہ زہرا سے ملوں گا۔ چچا حمزہ سے ملاقات کروں گا۔ یہی حلیہ اپنے بھائی جعفر طیار کو دکھاؤں گا۔ دونوں شہزادے زار زار رونے لگے ایک شخص نے عرض کی حضور یہ کس خبیث کا کام ہے۔ فرمایا ٹھہرو ابھی وہ آیا چاہتا ہے۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ شبیب آتا نظر آیا۔ کسی نے کہا تو نے تلوار ماری ہے۔ چاہتا تھا کہ انکار کرے۔ مگر بے اختیار منہ سے نکلتا ہے۔ ہاں۔

سب لوگوں نے اسے زدوکوب کرنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ ہلاک ہوگیا۔

ابن ملجم خبیث بھاگ کر اپنے چچا زاد بھائی کے یہاں پہنچا اور ہتھیار تن سے علیحدہ کر کے بیٹھا تھا کہ ابن عم نے پوچھا تو مشوش کیوں ہے۔ کیا تو ہی قاتل علی ہے۔ چاہتا تھا کہ انکار کرے۔ مگر بجائے لا کے نعم نکلتا ہے۔ آپ نے علی الفور اس کو گرفتار کیا اور مسجد میں لا ڈالا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابن ملجم گرفتار ہو کر آیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔ دیکھ میں جو کہتا تھا وہی ہوا یا نہیں۔ عرض کی حضور میں خدا سے پناہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خبیث کس لالچ نے تجھے اس امر پر آمادہ کیا۔ کہ بلا کسی وجہ کے تو نے میرے بچے یتیم کر دیئے۔ یا آنکہ میں تیرے ساتھ بارہا مسلوک ہوا ہوں۔
ابن ملجم خبیث کہنے لگا۔ حضور جو کچھ ہونا تھا ہوا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اسے جیلخانہ لے جاؤ اور وہاں جو میں کھاؤں وہی اُسے کھلاؤ اور جو میں پیوں وہی اُسے پلاؤ۔ اگر میں بچ گیا تو جو میری رائے ہوگی وہ کروں گا اور اگر راحل خلد ہو گیا تو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس نے میرے ایک ضرب ماری ہے۔ لہذا ایک ہی وار اس پر ہو۔ چنانچہ آپ کو ایک گداز اونی کمبل میں لے کر لٹایا۔ سر مبارک کے نیچے ایک اور کمبل رکھ دیا۔ اور شہزادہ حسن و حسین اٹھا کر گھر لائے تو صبح ہو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا میرا سر جانب مشرق رکھو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

پھر آپ نے فرمایا اے صبح میں تجھے اُس خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں جس کے حکم سے تو آئی ہے۔ قیامت کے دن تجھے گواہی دینی ہوگی کہ میں سب سے اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ سب سے پہلے میں نے فریضہ الٰہی ادا کیا اور جب سے اب تک تو نے مجھے سوتا نہ دیکھا ہوگا۔ پھر فرمایا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور مجھے میرے رب کی گواہی کافی ہے۔ ان جملوں کو سُن کر لوگ چیخ مار کر رونے لگے ۔

دلہا تمام از آتش حسرت کباب شد
جانہا اسیر سلسلۂ اضطراب شد

لب تشنگانِ بادیۂ اشتیاق را
دریائے صبر و بحر سلامت سراب شد

علاج کے لئے عمرو بن نعمان جراح حاضر ہوئے۔ زخم کو دیکھ کر زار زار رونے لگے کہ ہائے افسوس یہ خدمت مجھ سے ناممکن ہے۔ یہ زخم زہر آلودہ تلوار کا ہے۔ غرض کہ علاج سے مایوسی تو ہو ہی چکی تھی۔ اُدھر زخم کی تکلیف شدید نے شیر خدا کو بہت ہی خستہ بنا دیا تھا۔ ۱۹ ر رمضان المبارک کی صبح کو یہ زخم لگا۔ اور شب یک شنبہ کو آپ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا یا بنتی ام کلثوم غلقی علی ابیك الباب اے بیٹی ام کلثوم! اپنے باپ پر دروازہ بند کر دو۔ آپ نے دروازہ بند کیا۔ پھر امام حسن و حسین کو بلا کر وصیت فرمائی۔ کہ بیٹا مصیبتوں کو نہایت صبر سے برداشت کرنا۔ نوحہ و ماتم سے پرہیز کرنا۔ کہ یہ ہمارا شیوہ نہیں۔ شریعت غرا پر عامل رہنا۔ مجھے ایسی جگہ دفن کرنا جو کسی کو معلوم نہ ہو۔ غرض کہ آخری کلمہ آپ کی زبان مبارک پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھا۔ ۱۹ ر رمضان کو زخمی ہو کر ۲۰ رمضان کی تاریخ ختم فرما کر شب بست ۲۱ و یکم کے آغاز میں اس شہباز ولایت نے اپنے مرجع اصلی کی طرف پرواز کی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ آپ کی عمر مبارک شہادت کے وقت ۶۳ سال موافق عمر نبوی تھی آپ نے پونے پانچ سال خلافت فرمائی۔

آپ کو امام حسن و حسین اور عبد اللہ بن جعفر نے غسل دیا۔ محمد بن حنفیہ پانی ڈالتے رہے۔ تین کپڑوں میں آپ کو کفنایا گیا جس میں قمیص نہ تھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی مرقد منور میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے دار الامارۃ کوفہ میں دفن ہیں۔ ابن اثیر اور ابو الفدا کے نزدیک نجف اشرف میں آپ کا مدفون ہونا ثابت ہے اور یہی زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے

آپ کا حُلیہ مُبارک

میانہ قد۔ رنگ کھلا ہوا گندم گوں سرخ و سپید مائل بہ سرخی۔ چشمہائے مبارک سیاہ اور بڑی۔ شکم اقدس ذرا بڑا۔ ریش مبارک گھنی اور سینہ ڈھکے ہوئے پیشانی صاف۔ اس عمر میں آپ پر آثارات شیب کا کچھ اثر نہ تھا۔ آپ کثیر التبسم خندہ پیشانی تھے۔

آپ کے نو، دس عقد ہوئے۔ آٹھ کا تو پتہ ملتا ہے۔ علاوہ اس کے ہمیں اس کی روایت کہیں نہیں ملی۔ کہ نواں اور دسواں عقد کہاں ہوا۔

پہلی بیوی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا ہیں۔ ان سے دو شہزادے ہوئے۔ دوسری ام البنین بنت خرام ہیں۔ ان سے عباس۔ جعفر۔ عبداللہ اور عثمان چار بیٹے ہوئے۔ تیسری بیوی لیلیٰ بنت مسعود ہیں ان سے عبداللہ اور ابوبکر ہوئے۔ چوتھی اسماء بنت عمیس ہیں۔ ان سے محمد اصغر اور یحییٰ پیدا ہوئے اور محمد بن ابی بکر اور ام کلثوم بنت ابی بکر آپ کے ربیب یعنی رضاعی بھائی ہیں۔ پانچویں بیوی امامہ بنت ابی العاص زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور حسب وصیت سیدہ ان سے آپ نے عقد فرمایا تھا۔ ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔ چھٹی بیوی خولہ بنت جعفر حنفیہ ہیں۔ جن سے محمد اکبر المعروف بہ محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔ ساتویں بیوی سعیدہ بنت عروہ ہیں۔ ان سے ام الحسن۔ رملہ الکبریٰ اور ام کلثوم تین لڑکیاں ہوئیں۔ آٹھویں بیوی صہبا بنت زمعہ تھیں۔ ان سے رقیہ پیدا ہوئیں۔ یہ تمام روایات ابن اثیر اور ابو الفدا میں ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو ایک نکاح حضور کے اور بھی ہوئے اور ان سے اولادیں بھی ہوئیں۔ مگر اولاد نرینہ شہزادہ حسن و حسین۔ محمد بن حنفیہ اور عباس و عمر سے آپ کی نسل جاری ہوئی۔

مختصر خصائل و شمائل و حال وفات صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

آپ کا شجرہ نسب یہ ہے :- ابوبکر بن ابو قحافہ بن عامر بن کعب بن محمد بن تیم بن مرہ -

آپ قدوۂ اصحاب فاتح ابواب صواب ہیں۔ آپ کا اسم شریف عبد الکعبہ تھا۔ جب آپ شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ تو آپ کا اسم شریف عبد اللہ رکھا گیا اور ابوبکر صدیق کنیت۔ علاوہ اس کے عتیق صدیق آپ نے لقب پائے۔ صدیق کا لقب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عطا فرمایا۔

آپ نے کبھی بت کو سجدہ نہ فرمایا۔ عوالی الفرش الی معالی العرش میں ہے۔ اور اس سے امام احمد قسطلانی شرح بخاری میں نقل فرماتے ہیں۔ کہ جب آپ کی عمر مبارک ۴ سال کی ہوئی۔ تو آپ کے باپ عثمان جن کی کنیت ابو قحافہ ہے۔ انہیں بت خانہ میں لائے اور کہا هٰؤُلَآءِ اٰلِهَتُكَ الشُّمُّ الْعُلٰى فَاسْجُدْ لَهُمْ یہ ہیں تمہارے بلند و بالا خدا انہیں سجدہ کرو۔ آپ بت کے سامنے تشریف لے گئے اور فرمایا اَنَا جَيْعَانٌ فَاَشْبِعْنِيْ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا دے اَنَا عُرْيَانٌ فَاكْسُنِيْ میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔

جب کچھ جواب نہ ملا اور حقیقت میں جواب ملتا بھی کیا۔ کیونکہ بت تو بت ہی ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں پتھر مارتا ہوں۔ اگر تو خدا ہے تو اپنے کو بچا۔ اس کا جواب بھی کچھ نہ ملا۔ تو آپ نے ایک پتھر اٹھا کر اس کے مارا۔ وہ بت گر گیا۔ اور قوت خداداد کی تاب نہ لا سکا۔ باپ نے یہ رویہ دیکھ کر صدیق پر غصہ کیا اور رخسار مبارک پر تھپڑ مارا۔ پھر وہاں سے آپ کی والدہ کے پاس لائے اور تمام واقعہ گزشتہ سنایا۔ انہوں نے کہا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو

غیب سے میرے کان میں یہ آوازیں آئی تھیں یا امۃ اللہ بالتحقیق البشری بالولد العتیق اسمہ فی السماء صدیق لمحمد صاحب و رفیق۔ اے اللہ کی سچی لونڈی۔ تجھے اس آزاد بچے کی بشارت ہو جو آسمانوں میں صدیق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ وہ محمد کون ہیں اور یہ کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ تو روح الامین دربار والا میں حاضر آئے اور عرض کی صدق ام ابوبکر وھو الصدیق۔ ابوبکر کی ماں نے سچ کہا اور وہ صدیق ہیں۔ آپ جب سے شرفِ خدمت سے مشرف ہوئے کبھی جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ بعد وفات بھی پہلوئے محبوب میں آرام فرما ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں دست اقدس میں حضرت صدیق کا ہاتھ لیا اور بائیں میں حضرت عمر کا ہاتھ۔ پھر فرمایا ھکذا انبعث یوم القیامۃ اسی طرح ہم قیامت کے روز اٹھیں گے۔

امام ابن عساکر امام زہری سے راوی ہیں من فضل ابوبکر انہ لم یشک فی اللہ ساعۃ صدیق کے فضائل سے ایک یہ ہے کہ انہیں کبھی وجود الٰہی میں شک نہیں ہوا۔ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لم یزل ابوبکر بعین الرضاء من اللہ تعالیٰ۔ ابوبکر ہمیشہ منظور نظر الٰہی رہے۔

بعد اظہار بعثت سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایام طفولیت میں اسبق الایمان علی مرتضی۔ اور خدیجۃ الکبریٰ۔ زید بن حارث ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ حضرت صدیق کی عمر مبارک وقت قبول اسلام ۲۷ یا ۲۸ سال کی تھی۔ حضرت شیر خدا اور صدیق میں اسبق بالایمان کے مسئلہ پر مؤرخ مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت

علی اور بعض کہتے ہیں صدیق اور یہ ایک ایسا اختلاف ہے کہ اس کا توافق ایک حد تک مشکل تھا۔

مگر امام ہمام ابو حنیفۃ النعمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا پر مغز اور منصفانہ فیصلہ کر دیا کہ دونوں اختلافوں میں توافق ہو گیا سچ ہے کلام الملوک ملوک الکلام بڑوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

ان ابا بکر اول من اسلم من الرجال وعلی اول من اسلم من الصبیان وخدیجۃ اول من اسلمت من النساء یعنی ابوبکر صدیق آزاد بالغ مردوں میں پہلے مسلمان ہیں اور علی نو عمروں میں اور خدیجہ اسبق بالایمان عورتوں میں ہیں۔ حضرت صدیق خدمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبل از اسلام بھی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت خدیجہ کے عقد میں بھی آپ ہی زیادہ کوشاں ہوئے۔

آپ کے اسلام کا قصہ یوں ہے کہ ایک بار آپ نے بہ نیت تجارت سفر شام کا عزم کیا۔ وہاں جب پہنچے تو ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے بام کعبہ پر ایک نور گرا۔ پھر وہ نور اہل مکہ کے گھروں میں جانے لگا۔ آپ کے گھر میں جب وہ آنے لگا۔ تو آپ نے دروازہ بند کر لیا اور آنکھ کھل گئی۔ صبح اس کی تعبیر لینے ایک یہودی عالم کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے اضغاث احلام بتا کر ٹال دیا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ مگر تسکین نہ ہوئی۔ دوبارہ پھر شام تشریف لے گئے۔ تو راہ میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی۔ آپ وہ خواب اس سے کہا۔ اس نے کہا یہ خواب مبارک ہے۔ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ آپ نے اپنا سب حال کہہ دیا۔ بحیرہ نے کہا تمہارے ملک میں ایک رسول الٰہی تشریف لائیگا۔ زندگی میں تم اس کے وزیر اور بعد وفات اس کے جانشین

بن گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کو تبلیغ اسلام فرمائی تو صدیق نے نبی ہونے کا ثبوت مانگا۔ آپ نے فرمایا بحیرہ راہب سے جو خواب تم نے دیکھ کر جواب لیا تھا۔ میں اسی کی تعبیر ہوں۔ صدیق یہ سنتے ہی جھک گئے اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیا۔

سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے جس کو اسلام کی طرف بلایا۔ اس نے کچھ نہ کچھ تردد کر کے قبول اسلام کیا۔ مگر صدیق نے علی الفور تصدیق کر لی۔

آپ کے پاس وقت قبول اسلام چالیس ہزار درم نقد تھے۔ آپ نے وہ سب مسلمانوں پر نچھاور فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانفعنی مال احدٍ ما نفعنی مال ابوبکر مجھے کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہ پہنچا۔ جو فائدہ آلِ ابوبکر سے پہنچا۔ اقبال نے ایک رباعی میں خوب کہا ہے

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما
ہمت او کشت امت را چو ابر
ثانی اثنین در غار و بدر و قبر

بخاری و مسلم شریف میں بھی یہی روایت ہے ان امن الناس علی فی مالہ وصحبتہ ابوبکر مسلمانوں میں صدیق کے مال اور رفاقت کا مجھ پر بہت احسان ہے۔ چنانچہ بلال حبشی کو پنجۂ امیہ بن خلف

سے آپ نے چھڑایا۔ علاوہ ازیں جس قدر نحیف و نزار مسلمان ظلم و ستم قریش سے تنگ تھے آپ نے آزاد کرائے۔

آپ تبلیغ اسلام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست فرماتے کہ کفار قریش کی ایذا دہی کی کچھ پرواہ نہیں۔ اعلانیہ عبادت کرنا چاہیئے اور بے دھڑک تبلیغ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ جب اس درخواست کی حد ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بحکم الٰہی صدیق کو خانہ کعبہ میں لائے۔ آپ نے دیکھا کہ رؤسائے قریش اور صنادید عرب جمع ہیں۔ آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ نہایت فصیح و بلیغ پڑھ کر توحید کی تعریف، شرک و بت پرستی کی مذمت بیان فرمائی۔ کفار قریش سنتے ہی جل گئے اور صدیق پر بگڑ کر جھک پڑے۔ آپ کو اس قدر مارا کہ چہرۂ زیبا زرد ہوگیا۔ اور آپ بیہوش ہو گئے۔ آپ کے اعزا و اقربا گھر لائے۔ بڑی کوشش سے جب ہوش ہوا تو شربت پیش کیا۔ فرمایا میں ہرگز شربت نہ پیوں گا۔ جب تک شربت دیدار محبوب سے سیراب نہ ہو جاؤں۔ جب بہت رات گزر گئی۔ راستہ کفار سے خالی ہوگیا۔ تو صدیق کو پوشیدہ طور سے خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں لے کر پہنچے۔ جب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح و سالم دیکھ لیا تو فرمایا۔ ہاں لاؤ۔ اب شربت پی لوں گا۔ کیونکہ اب میری جان میں جان آئی۔

بخاری شریف میں حضرت عروۃ بن زبیر سے روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے کہ عقبہ بن ابی معیط خبیث نے ایک موٹی چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر اس زور سے کھینچی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تنفس مبارک رکنے لگا۔ صدیق دوڑے اور للکار کر فرمانے لگے

اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینٰت من ربکم۔ کیا اس ہستی مقدس کو مارنا چاہتے ہو۔ جو ایک رب حقیقی کے

حضور میں سر نیاز عالم جھکوا رہا ہے اور باآنکہ وہ تمہیں روشن معجزات بھی دکھا رہا ہے۔

مکہ میں ایک مکان دار الندوہ تھا۔ اس میں کفار قریش کا مجمع ہوتا اور اس امر کے ریزولیوشن پاس ہوا کرتے کہ ان ان ذرائع سے تبلیغ رسالت روکی جائے۔ چنانچہ ایک بار مسلمانوں پر کفار قریش کے سخت تشدد ہوئے تو باجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر مسلمان مکہ سے حبشہ وغیرہ چلے گئے۔ پھر کفار نے مشورہ کیا کہ ممکن ہے کہ اہل مدینہ سے مل کر یہ لوگ ان تشددوں کا ہم سے بدلہ لیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ بذریعہ وحی ارشاد الٰہی ہوا کہ اسے ہمارے حبیب تمہارے قتل کے سامان ہو چکے ہیں۔ لهذا اب مدینہ ہجرت کر جاؤ۔ آپ اس حکم کو سن کر دوپہر کے وقت صدیق کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے ہجرت کا حکم ہے تمہاری کیا مرضی ہے؟

آپ نے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! صدیق کی جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو صدیق کہاں رہ سکتا ہے اور فرط محبت سے آنسو نکل آئے۔ پھر آپ نے دو اونٹنیاں اپنے روپیہ سے خرید فرمائیں اور عبد اللہ بن اریقط کو جو مشرک تھا وہ دونوں اونٹنیاں دیں اور پھر فرمایا غار ثور میں یہ اونٹنیاں خفیہ طور سے لے جا کر رکھو اور آج کے تیسرے روز ہمیں وہاں ملو۔ اور اس راز کی کسی کو خبر نہ دینا۔

غار ثور مکہ معظمہ سے جنوب کو پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ مشورہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کے یہاں سے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ شب کو نوجوانان قریش ندوہ سے مشورہ کر کے آئے اور باب عالی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی مرتضیٰ کو اپنے بستر پر لٹایا اور فرمایا کہ یہ امانتیں مکہ والوں کی دے کر تم مدینہ آنا اور خود پوشیدہ ابوبکر صدیق کے

یہاں تشریف لے گئے۔ چنانچہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے دونوں مقدس ہستیوں کیلئے سامان سفر مہیا کر لیا تھا۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق مقام غار ثور میں پہنچ گئے۔ علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر کی جلد رابع میں فرماتے ہیں۔ کہ جب دونوں غار ثور پر پہنچے تو صدیق نے پہلے غار میں داخل ہونے کی نیت کی اور اندر داخل ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدیق! مجھ سے پہلے تم غار میں کیوں آ گئے۔ عرض کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غاروں میں اکثر موذی جانور ہوتے ہیں۔ میں نے یہ سوچا کہ اگر کوئی ہو۔ تو مجھے ایذا پہنچائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محفوظ رکھے۔

صبح تک دولت سرائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار قریش کے نوجوان چاروں طرف رہے۔ علی الصباح معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صاف نکل گئے اور یہ علی ہیں تو مایوس ہو کر لوٹے اور اعلان کیا کہ جو حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر لائے گا اسے خاطر خواہ انعام ملے گا۔

یہ سنتے ہی سوار چاروں طرف دوڑ پڑے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے دو تین بار غار ثور پر بھی آئے۔ یہاں تک کہ خود صدیق نے بھی انہیں دیکھا۔ تو آبدیدہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا لو ان احدھم نظر تحت قدمیہ لیبصرنا یعنی اگر کوئی بھی ان میں سے اپنے قدموں پر نظر ڈال لے گا تو ہمیں ایذا دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم ہو کر جواب دیا ما ظنک یا ابابکر باثنین اللہ ثالثھما ابو بکر کس خیال میں ہو۔ ہم دو کے ساتھ تیسرا اللہ نگہبان ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین شبانہ روز اس غار ثور میں پوشیدہ رہے اور عبد اللہ بن ابی بکر شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کو آجاتے اور دن نکلنے سے پہلے مکہ پہنچ جاتے دن بھر جو مشورہ قریش کیا کرتے۔ سو کر شب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کرتے تھے

گویا آپ اسلامی سی۔ آئی۔ ڈی کی خدمت پر مامور تھے۔ اور اس سے سی۔ آئی۔ ڈی کی وجہ جواز بھی ملتی ہے۔ اگر وہ اسلام اور اسلامی حکومت کی بہی خواہی میں دے۔ تو سنت اصحاب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عامر بن فہیرہ ابو بکر کی بکریاں دن بھر غار ثور ہی کے پاس چرایا کرتے۔ رات کو دودھ والی بکریاں غار کی طرف ہانک دیتے۔ صدیق ان کا دودھ لے لیتے اور پچھلی رات کو عامر وہ بکریاں لے کر چرانے میں مشغول ہو جاتے۔ بالآخر قریش مایوس ہو کر کچھ خاموش ہوئے۔ ان کی تلاش کی سرگرمی ٹھنڈی ہوئی۔ تو تیسرے روز عبد اللہ بن اریقط نے اونٹنیاں غار پر لا کر لگائیں۔ ایک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے دوسری پر عبد اللہ اور عامر۔ اور مدینہ کا رُخ کیا۔ راستہ میں جو دیکھتا پوچھتا تمھاری اگلی اونٹنی پر کون سوار ہے؟ آپ فرمادیتے میرا راہنما ہے۔ لوگ سمجھ لیتے کہ سفر کا راستہ بتانے والا ہے چنانچہ سورۂ توبہ میں جناب الٰہی بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ یعنی اگر تم ہمارے محبوب کی مدد نہ کرو تو اللہ نے بے شک ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا۔ وہ صرف دو اپنی جان سے تھے اس غار ثور میں پھر جب وہ اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھی اور کافروں کی بات نیچے ڈالی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اس آیہ کریمہ کا مورد اگرچہ بدر ہے۔ لیکن مورد کے خاص ہونے

سے بلا مخصص حکم خاص نہیں ہوتا۔

صاحب تفسیر حسینی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمت غار ثور شب پنجشنبہ کو غرہ ربیع الاول میں روانہ ہوئے اور جب غار میں داخل ہوئے۔ تو بحکم الٰہی ببکر کا درخت اس غار کے منہ پر شب بھر میں پیدا ہو گیا اور صحرائی کبوتر نے گھونسلا بنا کر انڈے دے دیئے۔ اور مکڑی نے جالا پور لیا۔ کفار قریش شیطان کی مخبری سے یہاں تک آئے تو کبوتر کا گھونسلا اور مکڑی کا جالا دیکھ کر لوٹ گئے کہ یہاں کوئی آیا گیا نہیں۔

اس آیہ کریمہ سے خاص طور پر فضیلت صدیق کا ایسا اظہار ہے کہ قرآن کا ماننے والا انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ صدیق کو مصاحب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ یعنی جب وہ یار سے فرماتے تھے۔ لَا تَحْزَنْ۔ مت ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

کتب سیر میں باختلاف الفاظ ایک قصہ یہ بھی ہے کہ اس غار میں ایک سانپ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے منتظر اقبال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اس نے تصور محبوب وخیال رقیب سے ہزارہا سوراخ غار میں کر رکھے تھے جس کی دو وجہیں تھیں۔

اول یہ کہ فراق محبوب کے تیروں سے جو اس کا سینہ چھلنی تھا اس کا فوٹو اپنے محبوب کو غار کی زمین پر دکھا دے یا یہ کہ جب محبوب رونق افروز ہوں تو کہیں کوئی میرا راستہ بند کر کے مجھے محروم دیدار جمال باکمال نہ بنا دے۔ بنا بریں ہزارہا راہیں کشادہ کر رکھی تھیں کہ اس راستہ کو بند پاؤں تو اس سے نکل کر اس شمع حسن وجمال وقمر توحید پر پروانہ وار فدا ہو جاؤں۔ اور اگر یہ راہ بھی بند ہو۔ تو اس سے نکل کر جمال محبوب حاصل کروں۔

چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سوراخوں کو اپنی ردائے مبارک

سے ٹکڑے کرکے بند کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک سوراخ جب باقی رہ گیا تو چادر ختم ہو گئی۔ آپ نے اپنی جان کی اس جانِ جہان کے مقابلہ میں پرواہ نہ کی اور اپنے بائیں پاؤں مبارک کا انگوٹھا اس میں دے دیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زانوئے صدیق پر سر ناز رکھ کر خواب فرمایا۔ جب شمیم گیسو نے مشام دماغ عاشق معطر کیا۔ تو بے تابانہ ہر راہ کی طرف پھرا۔ سب مسدود پائیں۔

یہاں کچھ نرمی دیکھ کر اول انگوٹھا چوما۔ مگر آپ نے اس امر کو محسوس فرماکر بھی نہ ہلایا کہ کوئی میرے انگوٹھے کو سرکا رہا ہے۔ اور سمجھ لیا۔ کہ جان، جانِ عالم پر فدا کرنا سبب بہبودی ہر دو عالم ہے۔ حتیٰ کہ سانپ نے ڈس لیا۔ آپ نے انگوٹھا پھر بھی نہ ہٹایا۔ کہ اتنے میں زہر نے دماغ تک اثر پہنچایا۔ اور بعالم بے حسی پائے اقدس ہٹ گیا۔ آپ رونے لگے۔ آنسو چہرۂ زیبائے محبوب پر گرے۔ آنکھ کھول کے فرمایا۔ صدیق کیا بات ہے؟ عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سانپ نے ڈس لیا۔ جان کے خوف سے نہیں روتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا غم رلاتا ہے۔ آپ نے اپنے لعاب دہن سے اس زہر کا ازالہ فرمایا۔ جس کا اثر آپ کی پشتوں میں آج تک ہے۔ یعنی شیخ صدیقی نجیب الطرفین کے بائیں پیر کا غسالہ مارگزیدہ کے لئے اکسیر ہے۔ مختصر یہ کہ وہ سانپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد مثل طائف کعبہ کے چکر لگا رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس واقعہ کو ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں ؎

صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظ جاں تو جانِ فرائض غرر کی ہے

غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منازلِ سفر طے فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ صابہ فی معرفۃ الصحابہ میں شیخ ابن حجر اور عامۂ اہل سیر لکھتے ہیں کہ صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں عام الفیل سے ڈھائی برس بعد پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل ہیں۔ اس روایت کے بموجب باعتبار عمر صدیق سے ڈھائی سال بڑے تھے۔

صحیح بخاری کے باب الہجرت میں یوں مندرج ہے اقبل نبی اللہ الی المدینۃ وھو مردف ابا بکر وابوبکر شیخ یعرف ونبی اللہ شاب لا یعرف یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہو کر آگے چلے اور صدیق اکبر پیچھے تھے۔ تو اس وقت ابوبکر بڑے معلوم ہوتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوان۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کم تھی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زیادہ؛

آپ کے اخلاق یعنی اُسوہ حسنہ

آپ کے اخلاق وسیع اور خوفِ خدا بدرجۂ غایت تھا۔ آپ اپنی ضرورت سے زیادہ کبھی صرف نہ فرماتے اور مکلف اغذیہ سے ہمیشہ مجتنب رہتے۔ حتیٰ کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو زمین پر مردہ کو چلتا دیکھے تو وہ صدیق کو دیکھ لے۔ چنانچہ مولوی معنوی مثنوی شریف میں اس قصہ کو یوں فرماتے ہیں ؎

مصطفیٰ ازیں گفت اے اسرار جو
مردہ خواہی کہ بینی زندہ تو
میرود چوں زندگاں برخاکداں
مردۂ جانش شدہ بر آسماں
خانش را انیدم بہ بالا مسکنی است
گر بمیرد روح او را نقل نیست

زانکہ پیش از مرگ او کردہ است نقل
ایں بمردن فہم آید نے بہ عقل
ہر کہ خواہد کہ بہ بیند بر زمین
مردۂ کو مے رود ظاہر چنیں
مر ابوبکر تقی را گو ببیں
شد ز صدیقی امیر المتقین

آپ کے فضائل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لو وزن ایمان ابوبکر بایمان الثقلین لترابح یعنی اگر ابوبکر کے ایمان کو سارے عالم کے آدمیوں اور جنوں کے ایمان کے ساتھ تولیں۔ تو بے شک ابوبکر کا ایمان بھاری نکلے گا۔

آپ کے فضائل میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکر کل قیامت کو خدا سب پر عموماً تجلّی فرمائے گا۔ اور تمھارے ساتھ ایک خاص تجلّی ہوگی ما صب اللہ فی صدری شئی الا صبتہ فی صدر ابو بکر۔ حضرت خواجہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے مضمون کو یوں نظم فرماتے ہیں ؎

ہر چہ آں از بارگاہ کبریا
ریخت در صدرِ شریف مصطفےٰ
جملہ آں در سینۂ صدیق ریخت
لاجرم دائم از و تحقیق ریخت

مختصر یہ کہ آپ غار ثور سے چل کر پہلی یا دوسری یا بارھویں یا تیرھویں باختلاف روایات ربیع الاول شریف سنہ ہجری روز دوشنبہ مدینہ منورہ پہنچے۔ اہل مدینہ

استقبال کے لئے بیرون شہر حاضر آئے
آپ کی سخاوت اور مرتبہ صدیق کی شان میں یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ٥ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ٥ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ٥ یعنی اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا۔ جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال دیتا ہے۔ صاف و پاک ہونے کو اور کسی کا اس پر احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے۔
صاحب تفسیر حسینی اس آیۂ کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔ کہ بہت جلدی دور کیا جائے وہ عذاب جہنم سے جو بے حد پرہیزگار رہے۔ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو۔ انہوں نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کیا۔ تو اللہ نے ان کی شان میں یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی۔ آپ کی ہیبت و جلالت شاہی باوجود سادہ زندگی بسر فرمانے کے ایسی تھی۔ کہ حکمت کے علاوہ جس کسی غیر سے بھی ملاقات ہوتی۔ تو وہ صاف صاف بے کھٹکے بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ تورع اس درجہ تک تھا کہ سوائے معمولی غذا کے کبھی کوئی مٹھائی وغیرہ یا مشتبہ غذا نوش نہ فرماتے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے خصائص

یہ ہیں کہ آپ کی چار پشتیں شرف اسلام سے مشرف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔
ابو قحافہ۔ پھر ابو بکر صدیق پھر آپ کے صاحبزادے عبد الرحمٰن پھر ان کے صاحبزادے اور آپ کے پوتے ابو عتیق غار ثور میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے جان نثار رفیق رہے۔ جنگ بدر میں اخیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار رہے۔ مردوں میں اسبق بالایمان آپ ہی ہیں۔ قرآن کریم جمع فرمانے میں سب سے پہلے آپ نے ہاتھ بڑھایا۔ سب سے اول خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہیں۔ سب میں بڑی بات یہ کہ اول سے زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بعد انتقال بھی پہلوئے حبیب میں ہی مدفون ہوئے۔ آپ کی مہر پر نعم القادر اللہ کندہ تھا۔

آپ کی نظر میں اہل اسلام غریب امیر صغیر کبیر اور آزاد فقیر رئیس مرد عورت سب برابر تھے۔ جب کچھ تقسیم فرماتے۔ سب کو برابر دیتے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض فرمایا۔ تو آپ نے جواب دے دیا کہ سابقین اولین اگر سب سے پہلے ایمان لائے ہیں تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے۔ یہ دنیا ہے۔ یہاں سب مسلمان برابر ہیں۔

موسم سرما میں گرم کپڑے اور کمبل خرید کر بیوہ عورتوں یتیم بچوں کو تقسیم فرماتے۔

ہر روز بازار جا کر عورتوں مردوں کے سودے خرید لاتے۔ اکثر اپنی بکریاں جنگل سے چرا لاتے اور ان کا دودھ دوہ کر غربا کو پلاتے۔ جب آپ خلیفہ ہو گئے تو ایک عورت نے جو بیوہ تھی آہ سرد بھر کے عرض کی۔ ابو بکر اب تو تم خلیفہ ہو گئے۔ اب ہمیں دودھ کیوں لا کر دینے لگے۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا نیک بخت خلیفہ ہو جانے سے تیری خدمت مجھ پر فرض ہو گئی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب تک آپ زندہ رہے۔ سب خدمات بدستور کرتے رہے۔ آپ ۱۵ دن بخار میں رہے اور گھر سے باہر تشریف نہ لا سکے۔ ان ۱۵ دنوں میں آپ کی اجازت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کی امامت فرمائی

مورخین کا اتفاق ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہ نہایت اعلیٰ حاکم، منصف مزاج۔ متحمل۔ سادہ دل اور اپنے ذاتی نفع سے بے تعلق خلیفہ تھے۔ غرض کہ آپ کی تمام زندگی اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزری۔

حالاتِ وفات

آپ کے حالات وفات مختصر یوں ہیں کہ ایک سال قبل از وفات کسی نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا۔ آپ نے حارث بن کلدہ کے ساتھ وہ کھانا نوش فرمایا۔ حارث طبیب تھے انھوں نے زہر محسوس کر کے آپ سے عرض کی کہ اس کھانے میں یقیناً زہر تھا اور یہ زہر ایسا ہے کہ ایک سال بعد اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ ممکن ہے کہ آپ اور ہم ایک ہی دن دنیا سے رخصت ہوں۔ اکثر مورخوں کا بیان ہے کہ حسب پیشگوئی حارث دونوں نے ایک ہی تاریخ میں انتقال فرمایا۔

ابتداء آپ کے مرض کی یہ ہوئی۔ کہ ایک روز بوجہ شدت گرمی سرد ہوا میں غسل فرمایا۔ جس سے آپ کو بخار ہوا۔ ایام مرض میں لوگوں نے عرض کی اجازت ہو تو علاج کرایا جائے آپ نے فرمایا میرے طبیب نے مجھ سے کہہ دیا ہے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اس جواب سے جو سمجھنا تھا سب نے سمجھ لیا اور خاموش ہو گئے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انتقال کے دن آپ بیہوش ہو گئے۔ میں غم مفارقت میں رو رہی تھی کہ کچھ افاقہ ہوا۔ آپ نے فرمایا جَاءَتْ سَکْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْہُ تَحِیْدُ۔ یعنی موت کی غشی ضرور آئے گی اور یہی وہ حالت ہے۔ جس سے انسان بھاگتا ہے۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کیا کیا تھا۔ میں عرض کی۔ قمیص عمامہ کے سوا تین کپڑے تھے اور وہ سحول علاقہ یمن کے بنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد پوچھا کس دن انتقال فرمایا۔ میں نے عرض کی دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اور آج دوشنبہ ہے۔ آپ نے دعا کی الٰہی مجھے بھی اپنے محبوب کے روزِ

وفات میں مار۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ بیٹی۔ عائشہ! یہ کپڑا جو اس وقت میرے جسم میں ہے۔ اس میں مجھے ایک دھبہ زعفران کا نظر آتا ہے۔ اس داغ کو دھو ڈالو اور دو کپڑے اور ملا کر مجھے کفن دے دینا۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ نے فرمایا بیٹی روتی کیوں ہو۔ یہ دن سب کے لئے ہے۔ میں نے عرض کی ابا جان! یہ کپڑا نہایت پرانا ہے۔ آپ نے فرمایا الحی الی الجدید من المیّت انما ھو للمھنۃ والصدید زندہ بہ نسبت مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ محتاج ہے اور کفن قالب انسانی کے لئے ہے۔ جو خون وریم سے ہوتا ہے۔

آپ کا انتقال شب سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء کو ہوا اصحاب اصابہ آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال لکھتے ہیں۔ امام ابن قتیبہ اس سے زائد بتلاتے ہیں۔

آپ کی مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ ۲۶ یوم ہے اور ایک روایت سے ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ یوم ہے۔

وقت انتقال آپ نے وصیت فرمائی۔ کہ مجھے میری بیوی اسما بنت عمیس غسل دیں اور میرے بیٹے عبدالرحمٰن ان کی امداد میں رہیں۔ ان کے سوا کوئی میرے بدن کو برہنہ نہ دیکھے۔ دم واپسیں آپ کی زبان مبارک پر یہ لفظ تھے اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ یعنی اے الٰہی! مجھے دنیا سے مسلمان اٹھا۔ اور اپنے نیک بندوں میں ملا۔ آپ کا جنازہ مبارک اس تخت پر اٹھایا گیا۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرمایا کرتے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حجرہ صدیقہ میں حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پہلو آپ کو سلایا۔ آپ کا شب میں انتقال ہوا اور

شب میں ہی مدفون ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی مرض کے تشدد میں عبدالرحمٰن بن عوف کو بلا کر عمر فاروق کی خلافت کی بابت مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کے خیال سے وہ زیادہ مستحق ہیں آپ جتنا بزرگ انہیں سمجھتے ہیں اللہ نے انہیں اس سے زیادہ رتبہ عطا فرمایا ہے۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ فرمایا۔ آپ نے تہ دل سے تائید کی۔

اب یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ بموجب توہم حضرات شیعہ اگر صدیق (معاذ اللہ) خود غرض اور مطلب آشنا ہوتے۔ تو اس خلافت کو فاروق کے لئے تجویز نہ فرماتے۔ بلکہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو نامزد کرتے۔ آپ کے دو صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور محمد بن ابو بکر موجود تھے۔ ان میں عبدالرحمٰن تو بڑے جری اور شجاع عادل منصف مزاج تھے۔ جنگ یمامہ میں آپ نے بڑے بڑے کارنمایاں فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدیق بہی خواہی قوم اور شریعت حقہ کے پیرو تھے۔

آپ کی ازواج و اولاد

زمانہ جہالت میں آپ نے دو نکاح کئے۔ اول قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے جو آپ کی زندگی میں مری۔ اس سے ایک صاحبزادہ عبداللہ ہوئے اور ایک صاحبزادی اسماء ہوئیں۔ دوسرا عقد ام رومان دعد بنت عامر بن عمیر کنانی سے ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور حضرت صدیقہ پیدا ہوئیں۔ بعد اسلام مدینہ میں دو نکاح کئے۔ پہلا اسماء بنت عمیس سے۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت اسماء کا پہلا نکاح حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ ان کے شہید ہو جانے کے بعد صدیق اکبر کے نکاح میں آئیں۔ دوسرا حبیبہ بنت خارجہ

بن زید انصاری سے جو صدیق کی وفات کے وقت حاملہ تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ یہ تینوں آپ کی وفات کے بعد زندہ رہیں۔ ایک صاحبزادہ عبداللہ آپ کی زندگی میں انتقال کر گئے۔ اور دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں حضور کے بعد زندہ رہیں۔

آپ کا نسب ساتویں پشت مرہ بن کعب تک پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ بنابریں صدیق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یک جدی ہیں۔ آپ کے والد کا نام عثمان تھا اور کنیت ابو قحافہ۔ ابو قحافہ آپ کی وفات کے بعد ۶ برس کچھ دن زندہ رہے اور ۹۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

حضرت صدیق کی والدہ ماجدہ سلمٰی بنت صخر بن کعب بن سعد بن تیم تیمی اور کنیت ام الخیر۔ آپ کے ماں باپ دونوں آپ کے اسلام کے بعد مسلمان ہو گئے۔

آپ کا حُلیہ مبارک

کشیدہ قامت۔ چھریرا بدن۔ رنگ سفید زردی مائل۔ پیشانی ابھری ہوئی۔ رخساروں پر گوشت کم ہونے کی وجہ سے رگیں چہرہ پر نمایاں۔ ڈاڑھی میں مہندی اور کسوم کا رنگ۔

ذکرِ خلافت و وفات فاروق اعظم

اب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت و وفات کا تذکرہ بھی حسب موقعہ ضروری ہے۔ اگرچہ ان کے حالات خلافت اور کارنامے نمایاں ہیں۔ اور ان

کے زمانہ خلافت کو تو مخالف تک تسلیم کر رہے ہیں۔

آپ کی ابتدا خلافت یوں ہوئی۔ کہ بعد مشورہ اجلہ صحابہ عثمان بن عفان سے وصیت نامہ لکھوا کر اسے مزین بمہر کیا۔ پھر بموجب حکم صدیق اس کی نقول چاروں طرف امراء عرب کے نام جاری فرمادیں۔ پھر فاروق کو بلا کر کہا۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا۔ میں اتنی زبردست ذمہ داری کا بار اٹھانے کے قابل نہیں۔ غرض کہ ہر طرح جب آپ مجبور ہو گئے تو اقرار کر لیا۔

آپ جمادی الآخر ۱۳ھ میں مسند آرائے سریر خلافت ہوئے۔ دس سال چند ماہ آپ نے خلافت کی۔ اس دس سالہ خدمت اسلام نے سلاطین عالم میں تہلکہ ڈال دیا۔ روئے زمین میں تخم عدل وانصاف کی وہ بہار ہوئی۔ کہ تمام دنیا راستبازی دیانت داری کی بے بہا دولت سے مالا مال ہو گئی۔ فتوحات اس درجہ ہوئیں۔ کہ آج تک ملک وسلطنت کے والی حیرت میں ہیں۔ آپ کے لشکر کے آگے آگے فتح نصرت علم ظفر لئے چلتی تھی۔ شجاعت وبہادری آپ کے ہر لشکری کے قدم چومتی تھی بڑے بڑے جبروتی شان والے تاج قدموں میں آئے۔ رعب وہیبت کا یہ حال تھا کہ بہادران عالم لرزتے تھے بڑے بڑے قاہر سلطنت والے خوف سے آرام کی نیند نہ سو سکتے تھے۔ اور پھر لطف یہ کہ باوجود اس دبدبہ وعظمت کے آپ کی تمام زندگی درویشانہ گزری۔ شب و روز عبادت الہٰی میں رہنا۔ خوف خدا سے زاری کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ آپ ہی کے عہد میں سن ہجری مقرر ہوا۔ آپ ہی نے بلاد وامصار میں تراویح کی جماعتیں قائم فرمائیں۔

ابن عساکر ابن زیاد سے راوی ہیں کہ جب حضرت علی مسجد میں تشریف لائے۔ تو انہوں نے مساجد کو قندیلوں سے روشن پا کر فرمایا۔ خدا عمر کی قبر روشن

کرے۔ جنہوں نے ہماری مسجدوں کو منور کیا۔

سیرۃ حلبی جلد دوم میں ہے اَوّلُ من فعل ذالک عمر بن الخطاب فانہ اجمع الناس علی ابی ابن کعب فی صلوٰۃ التراویح علّق القنادیل فلما راھا علیؓ تزھر قال نورت مساجدنا نور اللّٰہ قبرک یا ابن الخطاب یعنی سب سے پہلے مسجد میں حضرت عمر نے روشنی کرائی۔ جبکہ لوگ تراویح کو جمع ہو رہے تھے۔ حضرت علی تشریف لائے۔ تو آپ نے مسجدیں جگمگاتی ہوئی دیکھیں۔ آپ نے فرمایا ہماری مسجدیں تم نے منور کیں اور اللہ تمہاری قبر منور کرے اے ابن خطاب۔

غنیۃ الطالبین جلد دوم میں حضور غوث الثقلین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اس طرح ناقل ہیں ان علیا رضی اللّٰہ عنہ اجتاز بالمساجد وھی تزھر بالقنادیل والناس یصلون التراویح فقال نوّر اللّٰہ عز وجل علی عمر قبرہ کما نور مساجدنا یعنی جب حضرت علی مساجد میں تشریف لائے تو مسجدیں روشنی سے جگمگا رہی تھیں اور لوگ نماز تراویح پڑھ رہے تھے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا اللہ عمر کی قبر منور کرے۔ جیسے انہوں نے ہماری مسجدیں روشن کیں۔

مسجد نبوی کی توسیع آپ نے ہی فرمائی۔ آپ نے ہی حجاز سے یہود کو نکالا۔ آپ کی کرامات بے حد ہیں۔ منجملہ اس کے چند نذرِ ناظرین کرتا ہوں۔

کراماتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

ایک بار دریائے نیل خشک ہو گیا۔ یہاں یہ قاعدہ تھا۔ کہ جب یہ خشک ہونے لگتا تو ایک لڑکی کو زیورات سے آراستہ کر کے اس میں ڈالتے تب

کہیں وہ متموج ہوتا۔ زمانہ فاروق میں بھی یہی قصہ پیش آیا۔ یہاں کے حاکم سے پبلک نے اس فعل شنیع کی اجازت طلب کی۔ آپ نے صاف منع کر دیا۔ خشک سالی ترقی پر ہوئی مختصر یہ کہ مصر سونا ہونے لگا۔ مجبوراً آپ نے خلیفۃ المؤمنین فاروق کی خدمت میں تمام قصہ معہ اس بھینٹ والے قصہ کے لکھ کر بھیجا۔ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ تم نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ قتل نفس اول حرام پھر وہ بھی غیر خدا کے نام۔ ہمارا یہ نامہ نیل میں ڈال دینا۔ انشاء اللہ وہ جاری ہو جائے گا۔ نامۂ نامی میں یہ مضمون تھا من خلیفۃ رسول الامین الی بحر النیل۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی طرف سے دریائے نیل کے نام یہ نامہ ہے۔ اے نیل اگر تو اپنی قوت سے خشک ہو رہا ہے تو تجھے اختیار ہے۔ اور اگر خدا کا خشک کیا ہوا ہے۔ تو میں جناب الٰہی میں عرض کرتا ہوں کہ تجھے وہ جاری کر دے۔

تمام اہل مصر موافق مخالف ساحل نیل پر جمع ہوئے اور متحیر تھے۔ کہ یہ عجیب سلطنت ہے کہ اس کا بادشاہ دریاؤں کے نام فرمان جاری کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ نامۂ مبارک نیل میں ڈال دیا گیا۔ ادھر ڈالنا تھا۔ کہ وہ ہمیشہ سے زیادہ متموج ہو گیا۔

بادشاہ مصر کو آپ کا سخت خوف رہتا تھا۔ آخر ش اس خوف سے نجات پانے کے لیے اس نے حکماء سے زہر تیار کرایا۔ قاصدوں کو زہر لے کر بھیجنا چاہا۔ مگر سب جان کے خوف اور ہیبت فاروقی سے قدم آگے نہیں بڑھاتے تھے۔
غرض کہ ایک عمر رسیدہ بہت کچھ مال و دولت کے لالچ میں جان پر کھیل کر تیار ہوا۔ شیشہ لے کر چلا۔ یہاں آیا تو عجیب قصہ دیکھا۔ جس کو مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں۔

م بر عمر آمد ز قیصر یک رسول
در مدینہ از بیابان نغول

گفت کو قصر خلیفہ اے حشم
تا من اسپ و رخت را آنجا کشم

ترجمہ
آیا قاصد قیصری نزد عمر
اور مدینہ میں ہوا اس کا گزر
بولا قصر شاہی کس جا ہے یہاں
تاکہ ٹھہروں اس جگہ میں مہماں

م
قوم گفتندش کہ او را قصر نیست
مر عمر را قصر جاں روشنی ست

ترجمہ
قوم بولی کہ محل تو اس کا نہیں
قصر فاروقی ہے دل جاں میں نگیں

م
اے برادر چوں بہ بینی قصر او
چونکہ در چشم دلت رست است مو
چشم دل از موئے علت پاک دار
وانگہاں دیدار قصرش چشم دار

ترجمہ
تجھ کو اس کا محل کیا آئے نظر
علت حرص و ہوا ہے سر بسر
چشم دل سے ان حجابوں کو نکال
پھر نظر اس قصر فاروقی پہ ڈال

م
ہر کرا ہست از ہوسہا جان پاک
زود بیند حضرت و ایوان پاک

ترجمہ

جو بھی عرض و آز سے ہو جائے پاک
جائے اور دیکھے وہی ایوان پاک

مختصر یہ کہ سب سے پوچھا۔ سب نے یہی جواب دیا کہ میاں اس کا قصر عالی عرش معلیٰ پر ہے وہ خلیفۃ اللہ ہیں۔ دنیاوی بادشاہ نہیں۔ قاصد یہ سُن کر دہیں عقیدت کیش ہوا اور آفتاب ہدایت اس کی پیشانی پر چمکا۔ لوگوں سے پوچھتا ہوا چلا حتیٰ کہ ایک اعرابی عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا۔ تو اس نے کہا

م

دید اعرابی زنے اورا دخیل
گفت عمر اینک بزیر آں نخیل
زیر خرما بن زخلقاں او جُدا
زیر سایہ سایۂ ذاتِ خُدا

ترجمہ

دیکھا اک عورت نے اس مہمان کو
بولی خرموں میں عمر ہیں دیکھ لو
نیچے خرموں کے ہیں وہ سب سے جدا
گویا سایہ میں ہے وہ ظلِّ خُدا

م

آمد او آنجا و ازو دور ایستاد
مر عمر را دید در لرزہ فتاد
ہیبتے زاں خفتہ آمد بر رسول
حالتے خوش کرد بر جانش نزول

ترجمہ

دُور کچھ آکر کھڑا وہ ہو گیا
پھر عمر کو دیکھ کر تھرانے لگا

ایسی ہیبت سوتے کی اس پر پڑی
شیر سے جیسے نگاہیں ہوں لڑی

لرزتا ہوا دل میں کہنے لگا۔ میں بڑے بڑے بادشاہوں میں گیا مگر یہ ہیبت کسی کی مجھ پر نہ پڑی۔ آخر سبب کیا ہے سوچ سمجھ کر صاف کہنے لگا۔

م
ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست
ہر کہ ترسد از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید
اندریں فکرت بحرمت دست بست
بعد یک ساعت عمرؓ از خواب جست

ترجمہ
حق کی ہیبت ہے نہیں یہ خلق کی
ایسی ہیبت کیا ہو صاحب دلق کی
جو ڈرا حق سے ہوا وہ سب پہ شیر
اس سے خائف جن و انساں اور دلیر
پھر ادب سے دست بستہ ہو کھڑا
منتظر اس شاہِ خوباں کا رہا
بعد ساعت خواب سے اُٹھے عمرؓ
مثلِ نورِ حق مثالِ شیرِ نر

غرض کہ آیا تھا قتل کرنے کو مگر قتیلِ خنجر عشق و مقتول تیغ ہیبت اسلام ہو کر شرفِ اسلام سے مشرف ہو گیا۔

چونکہ رسالہ بہت ضخامت پا چکا ہے اور مضامین ابھی بہت باقی ہیں۔ لہذا

مختصر کرتا ہوں۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان ہستیوں کے فضائل لکھنے میں تمام عمر کے شب و روز گزار دوں اور اسی ذکر میں خاتمۂ عمر کردوں مگر مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

غرض کہ ۲۲ ہجری میں آپ ابو لؤلؤ مجوسی کے ہاتھ سے مسجد میں شہید ہوئے جب آپ کے اس خبیث کا زخم لگا۔ تو آپ کی زبان مبارک پر یہ جملہ تھا وَكَانَ اَمْرُاللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ پھر فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ میری موت کسی مدعی اسلام کے ہاتھ سے نہیں ہوئی۔ آپ کو باجازت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا بپہلوئے سرور کائنات علیہ افضل التحیات صدیق اکبر کے برابر مدفون کیا گیا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ آپ نے امر خلافت کو ارباب شوریٰ کے سپرد فرمایا۔ آپ کی مہر مبارک پر كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا کندہ تھا۔

حضرت عثمان بن عفان اور آپ کی خلافت کے حالات

اب خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حالات خلافت و وفات پیش کرتے ہیں۔

آپ کا نسب نامہ: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔ بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب ہے۔

آپ کی ولادت عام الفیل سے چھٹے سال ہوئی۔ آپ کو اسلام کی دعوت حضرت صدیق نے دی۔ آپ نے دونوں ہجرتیں فرمائیں۔ پہلے حبشہ کی دوسری مدینہ منورہ کی۔

آپ کے عقد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ پہلی

حضرت رقیہ ان سے عقد قبل از اظہار نبوت ہوا۔ پھر انہوں نے زمانہ بدر میں وفات پائی۔ ازاں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ مدینہ میں رہ گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو آپ کے عقد میں دے دیا۔ ان کی وفات ۹ ہجری میں ہوئی۔

علمائے تاریخ کا فیصلہ ہے کہ دنیا میں سوائے عثمان غنی کے کوئی ایسا شخص نہیں جس کے عقد میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں آئی ہوں۔ اسی وجہ سے آپ کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ہستیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں۔ جس کو باعتبار صحابیت دوسرے پر فضیلت دی جائے۔ علی اگر آفتاب ہیں تو یہ ماہتاب۔ صدیق اگر زہرۂ آسمان نبوت ہیں تو فاروق مشتری سماء ملکوت۔ علی اگر مالک ولایت ہیں تو عثمان صاحب مسند باغ جنت۔ سب عاشق دلدادۂ مصطفٰےؐ۔ سب مجنون کوچۂ محبوب خدا۔ سب بادۂ وحدت کے متوالے اور زمین آسمان کے مالک کے مسند نشیں۔

رہا مرتبۂ فضیلت تو اس میں احادیث کے اندر سب کے علیحدہ علیحدہ مناقب ہیں۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں انا مدینۃ العلم وعلی بابہا آیا ہے تو جناب صدیق کی شان میں افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر الصدیق موجود ہے اور فاروق کے لئے لوکان بعدی نبی لکان عمر موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حقائق و واقعات زندگی تمام و کمال مملو بہ عشق و محبت ہیں۔ ان کے مسلک کا مخلص یہی ہو سکتا ہے۔ جس کو سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک قطعہ میں نظم فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

خوشتر از دوران عشق ایام نیست
بامداد عاشقاں را شام نیست

مطرباں رفتند صوفی در سماع
عشق را آغاز ہست انجام نیست
بادِ صبح خاک شیراز آتش تست
ہر کہ ایں دارد گرفت آرام نیست
سعدیا چوں بت شکستی خود مباش
خود پرستی کمتر از اصنام نیست

ان ائمہ اربعہ میں باہمی رشتہء محبت اس وجہ سے ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ سے آپ کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے کہ ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے نام سے مشہور کیا گیا ہے۔

آپ کی والدہ وردی بنت کریز ہیں۔ اور آپ کی نانی ام حکیم بیضا بنت عبد المطلب بن ہاشم یہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ساتھ جوڑلی پیدا ہونے والی ہمشیرہ ہیں۔ حضرت عثمان کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کا حسن وجمال عرب میں مشہور تھا۔ آپ کے اسلام لے آنے کے بعد آپ کے چچا حکیم بن ابی العاص نے آپ کو باندھ دیا اور کہا کہ جب تک تم اپنے پرانے مذہب کا اقرار نہ کروگے میں نہ چھوڑوں گا۔

حضرت عثمان نے فرمایا۔ خدا کی قسم میں اس دین کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ چاہے اس ہی مصیبت میں میری جان نکل جائے۔ حکیم نے جب آپ کا یہ استقلال دیکھا چھوڑ دیا۔ آپ سیدھے دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ وہ شخص ہے۔ جس سے ملائکہ شرماتے ہیں۔

عبد الرحمٰن بن خباب سے ترمذی شریف میں ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ عسرت کے لئے کچھ فرما رہے تھے۔ اثنائے تقریر

میں تین بار حضرت عثمان غنی نے سو سو اُونٹ معہ سامان پیش کئے۔ یعنی تین سو اُونٹ معہ سامان اللہ واسطے نذر کئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان پر اب کچھ نہیں۔ یعنی اگر عثمان نوافل اور خیرات اب بھی کرے۔ تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔

بیعت رضوان کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ سفارت کے لئے بھیجا تھا۔ تو آپ نے فرمایا عثمان اللہ و رسول کے کام میں ہیں۔ لہذا اپنے دائیں ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اس پہ رکھ کر ان کی غائبانہ بیعت لی۔

اخلاص اور للّٰہیّت

اس درجہ کی تھی۔ کہ خلافت کے بارہ میں عبدالرحمٰن بن عوف نے آپ سے کہا اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں۔ تو آپ کس کے لئے رائے دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا علی شیر خدا کے لئے اور جب حضرت علی سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا ذی النورین کے لئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے انتقال کے تین روز بعد حسب رائے متفقہ آپ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کے عہد مبارک میں روم و رے کے قلعہ۔ دار بجرد۔ ارجان۔ سابور۔ افریقہ۔ سابور۔ اندلس۔ خراسان۔ طوس۔ نیشاپور۔ مرو۔ سرخس۔ بیہق فتح ہو چکے تھے۔ سنہ ۲۶ھ میں آپ نے کعبہ مقدسہ کی توسیع فرمائی اور سنہ ۲۹ھ میں مسجد نبوی کو حجر ہائے منقوشہ سے مزین کر کے اور وسعت دی اور عمود حجری قائم فرمائے۔ مسجد کی چھت چوب سال کی بنوائی۔ جس کا طول ۱۶۰ گز اور عرض ۱۵۰ گز تھا۔ آپ کی

خلافت کا دور ۱۲ سال رہا۔ ۳۵ھ میں شہادت پائی۔ آپ کی شہادت بلاد

کے شہرت ہوئی۔ اس کا مختصر قصہ یوں ہے :۔

واقعات شہادت ذی النورین

آپ کی خلافت کے ساتویں سال آپ کے اعزا و اقربا نے جو اطراف ملک

میں عامل مقرر تھے۔ رعایا پر جبر و تشدد شروع کر دیا۔ فسق و فجور میں بھی قدم بہت

زیادہ بڑھائے تو ہر طرف سے شکایتیں آنے لگیں۔ عبداللہ بن سرج حضور کا رضا

بھائی ان ایام میں حاکم مصر تھا۔ اس نے تو اس شر انگیزی میں اتنی ترقی کی کہ سب

سے بڑھ کر ہر دم نشہ میں چور ہر وقت انہماک فسق و فجور۔ حتیٰ کہ فجر کی دو رکعت

پڑھانے شروع ہوا۔ نشہ میں تھا چار پڑھادیں۔ پھر سلام پھیر کر کہنے لگا۔ چاہو تو او

پڑھادوں۔ اہالیان مصر جمع ہو کر تنگ آ کر مدینہ آئے اور حضرت امیر المومنین عثمان

غنی رضی اللہ عنہ سے سب قصہ عرض کیا۔ آپ نے اسے معزول کر دیا۔ اور فرما

اب تم جسے پسند کرو اس کو تمہارا حاکم بنا دیا جائے۔ سب نے محمد بن ابی بکر کو منظ

کیا۔ آپ نے انہیں کے ہاتھ سند لکھوا کر مصر روانہ کرا دی۔ خلیفۃ المومنین عثما

غنی رضی اللہ عنہ کا میر منشی یا سر رشتہ دار یا دیوان مدار المہام مروان تھا۔ رشتہ میں

آپ کا سالہ بھی تھا۔ اس کو محمد بن ابی بکر سے خاص عداوت تھی۔ مصری مجمع وہ سن

لے کر ادھر روانہ ہوا۔ ادھر اس بے دین نے حضرت عثمان سے خفیہ ایک اور فرمان

لکھا جو عبداللہ بن سرج سابق حاکم مصر کے نام تھا۔ اس میں لکھ دیا۔ کہ محمد بن ابی

جب تمہارے پاس پہنچے اسے علی الفور قتل کر ڈالنا۔ اور بلا اجازت امیر مہر بھی لگا

دی۔ اور آپ کے غلام خاص کو دے کر آپ ہی کی خاص سانڈنی پر سوار کر کے روا

کر دیا۔ اور تاکید کی کہ اس قافلہ سے پہلے پہنچ۔ آپ کو اس جعلسازی کی اصلا خبر نہیں تھی۔

وہ غلام راستہ میں کسی منزل پر گرفتار ہوا۔ جنہوں نے اسے پکڑا وہ مصری ہی تھے اور اس غلام کو جاننے والے بھی تھے کچھ نہ کہہ سکا۔ آخر ش اقرار کرتے ہی بن آئی اور صاف کہہ دیا کہ مروان کا فرستادہ مصر جا رہا ہوں۔ پوچھا تیرے پاس کوئی فرمان ہے انکار کیا۔ تلاشی لی تو سربمہر لفافہ برآمد ہوا۔ پڑھا تو وہ مضمون تھا۔

رقعہ غلام سانڈنی سب لے کر اہل مصر واپس آئے اور امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے وہ فرمان دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور فرمایا مجھے اس کا قطعی علم نہیں۔ عرض کیا گیا غلام کس کا ہے۔ فرمایا میرا۔ سانڈنی۔ میری۔ پوچھا مہر کس کی۔ فرمایا خاص میری مگر جس نے بھی لکھا اور مہر کی۔ میری بے علمی میں کی۔ آخر ش سب نے کہا۔ اس لکھنے والے کو ہمارے سپرد کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم کون لینے والے تم سزا دینے کا مجاز نہیں۔ ابھی میں خلیفہ ہوں۔ میں اسے خود سزا دوں گا۔

مختصر یہ کہ ضد و کد میں نفسانیت نے اہل مصر کے دل میں آگ بھڑکا دی اور مصر والے کہہ اٹھے۔ کہ ہم آپ کو خلیفہ نہیں مانتے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے اہالیانِ مصر! عفان کے بیٹے کو دنیا کی ہوس نہیں۔ مگر اطاعت محبوب خدا میں اسے اپنی جان دینا منظور ہے۔ میرے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا۔ کہ عثمان میرے بعد تجھے ایک خلعت پہنایا جایا جائے گا۔ پھر مفسد اسے اتروائیں گے۔ تم اسے ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ کہ وہ خلعت یہی خلافت ہے اور تم اسے اتروا لیتے ہو۔ لہٰذا میں اس کو ہرگز نہ اتاروں گا۔

مصریوں نے کہا تو لڑائی کی فکر کیجئے۔

غرض چھ دن تک علی التواتر پانی بند رہا۔ گفتگو میں برابر مصری اپنی ضد پر اڑے رہے۔ حضرت عثمان وہی ایک جواب دیتے رہے۔ آخر نفس پرستوں نے یہ رائے تجویز کی کہ آج شب کو گھر میں گھس کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔

حضرت مولیٰ علی شیر خدا اسد اللہ کرم اللہ وجہہ کو جب یہ خبر پہنچی۔ آپ نے دو مشکیزے بھروا کر حضرات حسنین کے کندھوں پر رکھوا کر بھجوائے۔ مصریوں نے تیروں سے مشکیزے توڑ دیئے پانی نہ پہنچنے دیا۔ مجبوراً آپ نے شہزادگان کو دروازہ عثمان پر تلوار دے کر محافظت پر کھڑا کر دیا۔ اور فرما دیا۔ جب یہ لوگ اندر جانے کا قصد کریں۔ میں مسجد میں ہوں۔ مجھے اطلاع دینا۔

مصر والوں نے دوسری تدبیر کی۔ وہ یہ کہ عقب دار الخلافہ ایک ہمسایہ کے مکان میں سے دیوار توڑ کر دار الخلافہ میں گھس گئے۔ آپ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور تلاوت کرتے ہوئے حضرت ذی النورین کو شہید کیا۔ آپ کی زوجہ مبارکہ اوپر چڑھیں اور بے تابانہ پکاریں الا ان امیر المومنین قد قتل یہ آواز مرتضیٰ شیر خدا کے گوش میں پہنچی۔ گھبرائے ہوئے اٹھے۔ سیدھے دروازہ پر آئے۔ دیکھا کہ شہزادہ موجود ہیں۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمایا۔ تمہارے ہوتے ہوئے یہ مفسدین کس طرح گھسے۔ شہزادوں نے فرمایا۔ آپ اندر جا کر ملاحظہ کریں۔ ہم نے یہاں سے کسی کو اندر نہیں جانے دیا۔ اندر گئے تو صورت ہی دوسری تھی۔ مجبور روتے ہوئے باہر تشریف لائے بلوائیوں نے اب بھی اپنی آتش غضب منطفی نہ کی۔ بلکہ تین روز تک لاش مبارک کو نہ اٹھانے دیا۔ آخر چوتھے روز کچھ مسلمانوں نے حکمت عملی سے پوشیدہ طور پر آپ کی نعش مبارک اٹھائی۔ اور بموجب وصیت آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا۔

آپ کی شہادت ایام تشریق ذوالحجۃ الحرام میں ہوئی۔ یوم شہادت شنبہ ہے۔ وقت شہادت آپ کی عمر مبارک ۸۲ سال تھی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت زبیر نے پڑھائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ پر یورش کرنے والے اکثر مجنون ہوگئے۔ مختصر یہ کہ پھر بارہا انکار کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مسند آرائے خلافت ہونا پڑا۔

ہم حضرات شیعہ کی طرح کبھی اس امر کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ معاذاللہ اس قتل میں ایماء علی رضی اللہ عنہ تھا لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ۔ جبکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ الٰہی میں تیرے حضور خون عثمان سے بری ہوں۔ یہ بھی فرمایا کہ جب مجھے کسی نے امیرالمومنین کہا۔ عثمان یاد آگئے اور میرے دل کے ٹکڑے ہوگئے۔ وغیرہ وغیرہ

اس معاملہ میں الطاف حسین صاحب حالی سے ہم متفق ہیں۔ خدا کرے خلفاء راشدین کے معاملہ میں ہر مسلمان کا یہی عقیدہ رہے۔ آمین بحرمتہ النبی الامین۔ وہ فرماتے ہیں

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت
ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت
نبی نے کیا خلق سے قصد رخصت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے
سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے
یتیموں کے بیووں کے غمخوار بندے
رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے
جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے
کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکامِ دیں پر جھکا دینے والے
خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے
اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا
تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا
نہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی
نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت
نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت

امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت
فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا
خلیفہ تھے اُمت کے ایسے نگہبان
ہو گلہ کا جیسے نگہبان چوپان
مسلمان و ذمی کے سب حق تھے یکساں
نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسے
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسے
رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ اُن کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ
کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت
سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت
بچی اور تلی دشمنی اور محبت
نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وُہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وُہ بھی

پھر آگے چل کر ان کے کارناموں کی تعریف میں لکھتے ہیں

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی
پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دُور دُور اس کی پہنچی
جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی

(ٹیگس ندی ہے جو اندلس یعنی اسپین میں سب سے بڑی کہلاتی ہے۔ اس کا نام فرات ہے۔ اس کا طول ساڑھے پانچ سو میل ہے۔ ارگون کے حدود سے نکلی ہے۔ اور لسبن میں سمندر سے آکر ملی ہے)

کیے امتیوں نے جہاں میں اُجالا
ہُوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا
ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا
زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق
ہُوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں
پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتش افسردہ آتش کدوں میں
لگی خاک اڑنے سب جنکدوں میں

ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے ایک جا سارے ونگل بچھڑ کر

ذکر ولادت و وفات و فضائل سید الشہداء امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ **القاب** طیب۔ زکی۔ سبط۔ اکبر۔ ولی۔ کریم۔ حلیم۔ زاہد ہیں۔ آپ کی ولادت سہ شنبہ کے روز ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۳ھ میں ہوئی۔ اسماء بنت عمیس آپ کی قابلہ تھیں۔ جب خبر ولادت حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ تو آپ فرحاں و شاداں خانہ سیدہ میں تشریف لائے اور فرمایا میرے بچے کو مجھے دکھاؤ۔ حضرت اسماء نے ایک زرد کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو آغوش سرور میں دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زرد کپڑا دیکھ کر فرمایا اس میرے بچے کو زرد کپڑے میں نہ لپیٹا کرو۔ پھر اُسی وقت سفید کپڑا بدل دیا۔ آپ نے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت فرمائی۔ پھر حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا تم نے اس کا نام کیا رکھا۔ آپ نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے سامنے کیا نام رکھتا۔ ہاں خیال ایسا ہے کہ حرب نام رکھا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس میں وحی کا منتظر ہوں۔ اتنے میں آثارات وحی ظاہر ہوئے۔ اور روح الامین ایک پارچہ سبز حریر پر منقش آپ کا نام نامی لائے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنابِ الٰہی کی طرف سے بعد سلام ارشاد ہے کہ علی آپ کے لئے مثل ہارون کی ہیں وہ موسیٰ کے رفیق و برادر تھے یہ آپ کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا ان کے فرزندوں کے نام پسران ہارون کے ناموں پر رکھئے۔ ان کے بڑے لڑکے کا نام شبر تھا۔ جس کا عربی

میں ترجمہ حسن ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام بھی شبیر رکھا۔ اور آپ کی ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ فرمایا اور دو مینڈھے ذبح فرمائے۔ ران قابلہ کو عطا کی۔ سر کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ فرمائی۔
براء بن عازب راوی ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ سے تشریف لائے۔ آپ کے دوش مبارک پر شہزادہ شبیر رونق افروز تھے۔ آپ نے فرمایا۔ الٰہی میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی دوست رکھ۔
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوش اقدس پر شہزادہ شبیر کو لائے اور فرمایا۔ الٰہی میں اسے دوست رکھتا ہوں اور اس کے دوست کو دوست رکھتا ہوں تو بھی جو اسے چاہے اُسے چاہ۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم بارہا اپنی زبان مبارک آپ کو چسایا کرتے تھے۔ صاحب اعلام الوریٰ لکھتے ہیں کہ ایک بار دونوں شہزادے کہیں باہر کھیلنے تشریف لے گئے واپس آنے میں دیر ہوئی۔ جناب سیدہ گھبرائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رو کر عرض کی۔ آپ نے فرمایا فاطمہ گھبراؤ نہیں۔ ان کا تم سے زیادہ محافظ ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ پھر آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی۔ الٰہی! اگر وہ صحرا میں ہیں تو ان کی حفاظت کر۔ اگر دریا میں ہیں تو ان کو سلامتی سے کنارہ پر لا۔ کہ اتنے میں روح الامین حاضر دربار ہوئے اور عرض کی۔ دونوں شہزادے خطیرہ بنی نجار میں ہیں اور اللہ نے دو فرشتے ان کی حفاظت کے لئے متعین کر دیئے ہیں۔ آپ اُسی وقت تشریف لے گئے اور دونوں کو اپنی آغوش شفقت میں لے کر سیدہ کے پاس لائے۔ راستہ میں ابو ایوب انصاری نے ایک صاحبزادہ کو اپنی گود میں لینا چاہا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دیا۔ پھر آپ نے

اسی دن خطبہ فرمایا۔ اس میں بعد حمد و نعت ارشاد فرمایا کہ "لوگو! تم جانتے ہو کہ کس کو جدّ و جدّہ کی طرف سے اللہ نے شرف بخشا ہے؟ وہ حسنین رضی اللہ عنہما ہیں۔ جن کا جد میں ہوں اور جدہ خدیجۃ الکبریٰ۔ اور اگر کسی کو ماں باپ کی طرف سے افضل الناس کہا جائے۔ تو وہ یہی دونوں شہزادے ہو سکتے ہیں جن کے باپ علی مرتضیٰ اور ماں سیدۃ النساء فاطمہ زہرا ہیں۔ اور باعتبار خال وخالہ کے اگر کوئی مشرف پا سکتا ہے۔ تو وہ بھی یہی دونوں ہیں۔ جن کے خال قاسم و ابراہیم اور خالہ زینب بنت رسول ہیں۔ اور اگر کوئی چچا چچی کی طرف سے معزز ہو سکتا ہے۔ تو یہی دونوں لخت جگر ہیں کہ ان کے چچا جعفر طیار اور چچی ہانی بنت ابی طالب ہیں۔

سنن ترمذی میں مرفوعًا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز شہزادہ حسن کو اپنے دوشِ اقدس پر بٹھایا اور باہر تشریف لائے تو کسی نے عرض کی نِعمَ المرکبُ رکبت یَا غُلَامُ کیا اچھی سواری ہے۔ جس پر صاحبزادہ تم سوار ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَنِعْمَ الرَّاکِبُ ھُوَ سوار بھی تو ایسا ہی اچھا ہے۔ جس کے لئے یہ سواری ہے۔

ہست بر اہل معرفت روشن
صفتِ حضرتِ حسین و حسن
آں یکے اختریست تابندہ
واں دگر گوہریست رخشندہ
آں یکے نور دیدۂ نبوی
واں دگر شمع جان مرتضوی

روئے آں صاف تر ز لمعۂ بدر
گیسوئے ایں نمونۂ شب قدر
آں یکے ماہِ آسمان کمال
واں دگر سروِ بوستان جمال

ایک بار آپ اور ابن زبیر ایک طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے نخلستان آگیا۔ مگر وہ سب خشک تھا ابن زبیر نے ایک درخت کے نیچے آپ کے لئے فرش لگا دیا۔ آپ رونق افروز ہوئے۔ پھر ابن زبیر نے عرض کی۔ کاش یہ سرسبز و بار آور درخت ہوتے تو تازہ تازہ کھجوریں کھاتے۔ آپ نے فرمایا کیا تم کھجور کھانا چاہتے ہو۔ عرض کی حضور چاہتا ہوں مگر اس وقت کہاں میسر آسکتی ہیں۔ آپ نے آہستہ آہستہ زبان مبارک سے کچھ فرمایا۔ پھر دعا کی تو جس درخت کے نیچے آپ رونق افروز تھے۔ وہ سرسبز ہوا اور پھل دیئے۔ ابن زبیر کو فرمایا جاؤ توڑو اور کھاؤ۔ شیربان جو ہمراہ تھا محو حیرت ہو گیا اور کہنے لگا واللہ انک لساحر خدا کی قسم تم ساحر ہو۔ ابن زبیر نے کہا۔ بدنصیب ان کو ساحری سے کیا تعلق یہ مستجاب الدعوات ہیں۔ اس نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ جگر گوشۂ مصطفیٰ فرزند دلبند مرتضیٰ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فضائل اس قدر ہیں کہ اگر تمام کتاب کی ضخامت کے برابر چاہوں تو لکھ سکتا ہوں اور پھر بھی یہی کہوں گا کہ ابھی بہت فضائل ہیں۔

اگر عمرے بسیار ایم سخن را
نشاید نظم من نعت حسن را

سخن گیرم کہ جز دُرِّ عدن نیست
سزائے وصفِ اخلاقِ حسن نیست
سخن گر بگذرد از چرخ اخضر
ہنوز از وصف او باشد فروتر
کمالش گرچہ نزد ماست ظاہر
زبانِ ماز مدح اوست قاصر
دو گیتی را وجودش زیب و زین است
نظیر او اگر جوئی حسین است

غرض کہ جب آپ کے سر سے سایۂ جدی و پدری و مادری بظاہر اُٹھ چکا تو بعد انتقال حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ لوگو! آج شب میں اللہ نے تمہارے سر سے اس مرد خدا کو اٹھایا ہے کہ اب اس کی نظیر قیامت تک تم کو نہیں ملے گی۔ یہ وہی شب ہے کہ جس شب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا سے رحلت کی اور عیسیٰ علیہ السلام نے عروج سوئے آسمان فرمایا تھا۔ اب تم کو چاہیئے کہ راہِ دین اور ملّتِ بیضا سید المرسلین کا اتباع کرو۔

چنانچہ اسی وقت اہالیانِ کوفہ نے بیعت کے لئے آپ کی طرف ہاتھ بڑھانے شروع کئے سب سے اول جو بیعت کے لئے آگے بڑھے وہ قیس بن سعد عبادہ انصاری تھے۔ اس کے بعد جوق در جوق مسلمانوں نے بیعت کی۔ حتیٰ کہ چالیس ہزار مسلمانانِ کوفہ داخل بیعت ہو گئے۔ جب خبر شہادت مرتضیٰ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ حاکم شام کو پہنچی۔ اور آپ کے ہاتھ پر چالیس ہزار کی بیعت کا قصہ سنا تو ساٹھ ہزار کا لشکرِ جرار کے ساتھ

انہوں نے روانگی کی۔ امام حسن سید الشہداء کو جب یہ حال معلوم ہوا چالیس ہزار لشکر کے ساتھ کوفہ سے باہر تشریف لائے اور کچھ دیر عبدالرحمٰن کے پاس قیام فرمایا اور قیس بن سعد کو ۱۲ ہزار نامدار دے کر مقدمۃ الجیش بنایا جب آپ مدائن کے میدان میں پہنچے تو کچھ خیال پیدا ہوا۔ آپ نے تمام لشکر کو روک دیا اور خود فرمایا۔ مجھے کسی سے منازعت و مشاجرت نہیں۔ میں جنگ نہیں چاہ[تا] بیکار مسلمانوں کا خون مجھے گوارا نہیں۔

اس اعلان سے بہت آپ سے منحرف ہو گئے اور بہت آپ کے نیازمن[د] رہے۔ آپ مرکب مبارک پر سوار ہو کر مدائن کی طرف تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں گروہ خوارج کا ایک خبیث ملا۔ اس نے آپ کو دیکھتے ہی تلوار کھینچی اور زانوے مبارک پر اس زور سے ماری کہ زخم ہڈی تک پہنچا۔ آپ نے اس سے کچھ نہ فرمایا۔ مگر پیچھے سے عبد بن فضل طائی آپ کے نیازمندوں میں سے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے اس خبیث کے ٹکڑے کر دیے۔ آپ رنجیدہ مدائن تشریف لا کر قصر ابیض میں مقیم ہوئے۔ اور جراح معالجہ میں مشغول ہوئے۔ بالآخر آپ نے شفا پائی۔ شہزادہ امام حسن سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے اول تو کوفیوں کا سلوک حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے ساتھ دیکھ ہی لیا تھا۔ اب یہ دوسرا موقعہ دیکھ کر ان کی طرف سے کبیدہ خاطر ہو گئے اور حضرت معاویہ سے بشرائط چند کہ اس کا قصہ بہت طویل ہے صلح فرما لی اور باآنکہ اطراف و جوانب سے اس صلح میں مخالفتیں ہوئیں۔ مگر آپ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ بعد چند ایام کے آپ معہ خواص و خدم کنیز و حرم مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہاں علی بن بشیر ہمدانی نے جب سنا تو عرض کی۔ حضور یہ صلح ٹھیک نہ ہوئی۔ آپ کو یہ صلح کرنا نہ

چاہیئے تھی۔ آپ نے فرمایا۔ علی بن بشیر خاموش رہو۔ ہم خازن گنجینہائے الٰہی ہیں۔ ہم کو زر و سیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم کو وہ اسرار معلوم ہیں۔ جن کا علم ہمارے سوا دوسرا نہیں جانتا۔ تمہیں کیا معلوم۔ اس مصلحت سے ہم نے کیا سوچا ہے۔ مگر میں تم کو اتنا کہتا ہوں۔ کہ ہماری جماعت میں اگر اس سے زیادہ بھی لشکر آجاتا اور شجر و حجر ہماری امداد میں شریک ہوتے۔ تو ہم فتحیاب نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لئے کہ جد امجد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خواب میں ایسا ہی فرمایا تھا۔

پھر فرمایا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کو دیکھا کہ وہ منبر نبوی پر چڑھ رہے ہیں اور یکے بعد دیگرے چلے آرہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا تو اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ نازل فرما کر ارشاد ہوا کہ اے حبیب لبیب ہم نے تمہیں تمام نعمتیں عطا فرمادی ہیں۔ اور تم کو حوض عطا بخش دی ہے۔ پھر سورہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ نازل فرمائی اور فرمایا کہ اس کی ایک لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس ہزار سے مراد سلطنت بنی اُمیہ کے دن ہیں۔ یہ روائتیں سیر کی ہیں اور مفسرین کرام ان سے اکثر متفق ہیں۔ اس لئے کہ مفسرین کی تحقیق احادیث کی روشنی میں ہوتی ہے اور ارباب سیر فضائل کی چاشنی دینے کے لئے اقوال صوفیائے کرام نقل کرتے ہیں۔ جو ان کے مکاشفات اور حسب حال ہوتے ہیں۔

صاحب شواہد اس روایت کو لکھ کر آگے لکھتے ہیں۔ کہ بنی امیہ کی سلطنت کے ایام کا میں نے حساب کیا تو پورے ہزار ماہ ہوتے ہیں۔ بعد چندے اہالیان دمشق نے آپ سے تشریف آوری کی درخواست کی۔ جب اصرار

حد سے بڑھا۔ آپ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں جو شہر آتا۔ اہالیان شہر آپ کی خدمت میں آتے اور نذریں پیش کرتے۔ آخر ش آپ موصل پہنچے۔ یہاں ایک سعد موصلی تھا۔ اُس نے بغایت اسرار سے حضور کو اپنے یہاں مستقیم کیا۔ چند روز بعد آپ یہاں سے دمشق کو تشریف لے گئے۔

حاکم دمشق خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ یہاں کچھ مدت قیام فرما کر واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ موصل میں ایک خبیث بے دین اندھا رہتا تھا۔ اس نے ظاہری محبت سے آپ کو اپنے یہاں ٹھہرنے پر مجبور کیا اور خبیث نے دھوکہ سے کھانے میں زہر ملا کر حضور کو کھلادیا۔ غرض کہ تین بار اسی طرح آپ کو زہر کھلایا۔ آپ کو اس زہر سے تکلیف محسوس ہوئی اور رنجیدہ ہو کر عزم روانگی فرمایا۔ اور یہ آپ کی کرامت تھی۔ کہ اس زہر نے پورا اثر نہ کیا۔ پھر تو آپ نے دنیا اور اہل دنیا کی طرف سے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب کسی پر بھروسہ کرنا ناتجربہ کاری ہے ؎

از کس وفا مجو کہ بعالم وفا نماند
زین ہر دو دل ببند کہ در ایام ما نماند
چنداں کہ بنگری بجہاں گزاف کار
جز رنج و درد و محنت و جور و جفا نماند

آپ اکثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ شعر زبان مبارک پر جاری رکھتے ؎

تغیّر المودۃ والاخاء
وقل الصدق وانقطع الرجاء

اس اندھے کو زہر کا اثر مرتب نہ ہونے سے سخت حیرت ہوئی۔ چوتھی

بار زہر دینے کی تجویز سوچی۔

حضرات شیعہ ان تمام کاموں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہ ضرور مانتے ہیں کہ کسی ذریعہ سے اس کے پاس یہ زہر آتا تھا۔ کیونکہ آج آپ ایک جنگل میں ایک مقام پر قیام فرما ہیں۔ بطور سیر و تفریح تشریف لائے ہیں۔ ہوا اچھی تھی۔ آپ آرام میں ہیں۔ یہاں ایک شتر سوار ہے۔ جس نے اونٹ ایک درخت سے باندھ رکھا ہے۔ اور کھانا کھا رہا ہے۔ کہ اچانک اس کے پیٹ میں سخت درد ہوا کہ اتنے میں چیتا ایک طرف سے بھوکا آیا اور اس نے اس شتر سوار کو مار کر اونٹ کی طرف رخ کیا۔ اونٹ بھاگنا چاہتا تھا کہ امام حسن سید الشہداء کے خادم نے اسے بھگا کر اس اونٹ کو پکڑ لیا۔ اس کے سامان کو دیکھا تو ایک شیشہ زہر کا اور ایک لفافہ خاص طور پر ملا۔ اس نے وہ شیشہ اور لفافہ آپ کے پیش کیا۔ آپ نے وہ لفافہ دیکھا اور کسی پر اس کا راز نہ کھولا۔ اور شیشہ زہر کو پھینک دیا۔ اور اظہار نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ کا میزبان شرمندہ نہ ہو مگر آپ کو اس کا سخت ملال تھا اور اثرات ملال چہرۂ زیبا پر بھی نمایاں تھے۔ سب نے وجہ ملال دریافت کی۔ مگر کسی کو جواب نہ دیا۔

سعد موصلی سے نہ رہا گیا۔ نظر بچا کر مصلے کے نیچے سے وہ لفافہ نکال کر پڑھا۔ تو تمام جسم میں لرزہ آگیا۔ پھر عرض کرنے لگا۔ حضور اجازت دیجئے کہ میں اس خبیث سے کم از کم اس راز کو دریافت کروں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ پسند نہیں۔ کہ جس کے ہم مہمان ہیں۔ اُسے شرمندہ کریں۔

آخر سعد موصلی سے نہ رہا گیا۔ اور اس کو بلا کر پوچھا۔ سچ بتا تجھے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی رنج ہے؟ اس نے کہا کوئی نہیں۔ میں تو خاص غلاموں میں ہوں۔ پھر پوچھا۔ شیر خدا مرتضیٰ اسد اللہ سے کوئی ملال ہے۔ اس نے متعجبانہ

جواب دیا کہ ان کی غلامی میں مدتوں رہا۔ مجھے کوئی رنج کبھی ان سے نہ ہوا۔ پھر پوچھا ان کے لختِ جگر امام حسن سے تجھے کچھ کاوش ہے؟ اس نے کہا صاف کہیئے قصہ کیا ہے۔

سعد موصلی نے برہم ہو کر کہا کہ تیرا قاصد جس کے ذریعہ تو تین بار زہر دے چکا ہے اور کرامت امام نے اس کا اثر نہ ہونے دیا۔ چوتھی بار زہر اور رقعہ لا رہا تھا۔ کہ راستہ میں ہلاک ہو گیا۔ وہ زہر اور خط ہمارے ہاتھ آ گیا۔ اس نے کہا حاشا و کلاّ مجھے اس کا کچھ علم نہیں مگر چہرہ اُتر گیا۔

سعد موصلی نے اپنے ملازموں سے اُسے پکڑوا کر اتنا مارا کہ خبیث ہلاک ہو گیا۔ حضرت امام حسن کو جب یہ قصہ معلوم ہوا بہت رنجیدہ و ملول ہوئے۔ آخرش مدینہ روانہ ہو گئے۔

اس وقت والی مدینہ مروان بن الحکم تھا۔ یہ حضرت امام عالی مقام سے بظاہر خاص عقیدت رکھتا تھا اور حرمت و وقعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ مگر اندرونی صورت میں جناب امام کا جانی دشمن۔ اور آپ کی ہلاکت کی تجاویز میں ہر دم کوشاں رہتا۔ جب اس کو تشریف آوری امام کی اطلاع ملی۔ تو اس نے السونیہ دلالہ کو جو بڑی زبردست کٹنی تھی بلایا۔ اور اسے بلا کر پوچھا۔ امام حسن کے یہاں تیرا بھی آنا جانا ہوتا ہے۔ خبیثہ نے کہا ہاں۔ اور اگر نہ بھی ہوتا تو مشکل ہی کیا تھا۔

اب یہاں حضرات شیعہ و بعض احناف دھوکہ میں پڑے ہیں۔ اسی وجہ میں لکھ رہے ہیں۔ کہ اس دلالہ السونیہ کے ذریعہ حضرت جعدہ بن اشعث زوجۂ امام حسن سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو بہکایا گیا۔ اور انہوں نے زہر دیا۔ مگر اصول کے لحاظ سے ہم اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس واسطے کہ حدیث میں جہاں فضائل حسن مذکور ہیں۔ وہاں یہ بھی ارشاد ہے کہ جس کا جسم جسمِ حسن

سے مس ہو گیا۔ اس پر جہنم حرام ہے۔

قتل مومن پر وعید نار ہے۔ چہ جائیکہ شہزادہ کونین نور دیدۂ محبوب رب المشرقین امام حسن سید الشہدا کا قتل اس پر جہنمی ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ بنابریں ہم کبھی یہ تسلیم نہ کریں گے کہ ایسا فعل شنیع جعدہ نے کیا ہو۔ بلکہ یہ امر قرین قیاس ہے۔ کہ حضرت جعدہ کے پاس وہ خبیث الیسونیہ دلالہ آنے جانے لگی۔ اور عورتوں میں چونکہ آنے جانے والی عورتوں سے بہت جلدی اختلاط و ارتباط ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہو۔ پھر کسی موقعہ سے نظر بچا کر اس خبیثہ نے زہر دیا ہو۔ اس صورت کے قرار دینے سے اس حدیث کی تغلیط نہیں ہوتی۔

رہیں وہ حدیثیں جو فضائل امام میں ہیں۔ ان پر بعض خارجی منش استہزاء کرتے ہیں۔ اور حضرت امام حسن کے زیادہ نکاح پر معترض ہوتے ہیں۔ حالانکہ نکاح سنت مؤکدہ ہے اور زیادت نکاح اور طلاق مباح، تو اگر کوئی مباح فعل کرے تو مطعون کیوں ہو۔ جبکہ حرام کرنے والے معصوم کے معصوم رہیں۔ اس قسم کے معترضین درحقیقت خود زد امن ہوتے ہیں۔ اور انہیں اپنا شہتیر نظر نہیں آتا اور دوسرے کا تنکا کھٹک جاتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی احادیث کی سندیں ہماری تحقیق میں بھی مجروح ہیں۔ لیکن اگر بالفرض صحیح ہوں تو اعتراض کیسا۔

بنابریں اب ان تمام روایات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ الیسونیہ خبیثہ حضرت شہزادہ صاحب کے دولت کدہ میں آئی اور اس کارکردگی کے انعام میں مروان سے ہزار دینار اور پچاس دق مصری وصول کئے اور موقعہ تاکتی رہی اور چونکہ ان کی کیادی۔ عیاری۔ مکاری شیطان سے بھی زیادہ مسلم ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا شیطان کا مکر ضعیف ہے اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ۔ عورتوں کی جماعت کا مکر زبردست ہے۔

غرض کہ موقعہ پاکر کچھ حصہ شہد کا لے کر آئی۔ اس میں زہر ملایا اور حضرت جعدہ کو دیا۔ آپ نے بے خبری میں حضور کے پیش کر دیا۔ عورتوں میں عموماً یہ عادت ہوتی ہے کہ کسی چیز کو پہلے خود نہیں کھاتیں اپنے خاوند کے پیش کرتی ہیں۔ شہزادہ صاحب نے اسے کھایا۔ شب بھر قے اور درد شکم رہا۔ صبح وہ روضہ مقدس پر حاضر آئے۔ یہ آستانہ دارالشفاء دردمنداں ہے۔ خاک روضہ شکم مبارک پر ملی آرام ہو گیا۔ اس روز سے ایک مدت تک امام حسن علیہ السلام اور ازواج میں رہے۔ ایک روز پھر تشریف لائے۔ جعدہ کو اسی خبیث الیونیہ نے موقعہ دیکھ کر کھجوریں عمدہ زہر آلود علیحدہ اور سادہ علیحدہ دیں۔ آپ نے پھر عمدہ کھجوریں حضرت شہزادہ صاحب کے پیش کر دیں۔ آپ کو خرمائے رطب سے بہت زیادہ رغبت تھی۔ آپ نے نوش فرمانی شروع کیں۔ جعدہ سے کہا۔ تم بھی کھاؤ۔ انھوں نے عرض کر دیا میں نے اپنے لئے لے لی ہیں۔ سات کھجوریں کھائی تھیں دل مبارک ملول ہوا اور شب پھر تکلیف پائی۔ صبح روضہ مقدس پر حاضر ہوئے۔ آرام ہو گیا۔ آج حضرت جعدہ سے فرمایا۔ شام خرموں میں نہ معلوم کیا بلا تھی۔ کہ مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ آپ نے عرض کر دیا کھائی تو میں نے بھی تھیں۔ مگر آپ کی طبیعت دو سال سے کچھ ناساز ہے۔ اس کی کس کو خبر کہ وہ زہر آلود اور یہ سادہ تھیں۔ آپ سب جواب سن کر خاموش تشریف لے آئے۔ اور اپنے بھائی اور اعزہ و اقارب کو بلا کر فرمایا کہ دو سال سے میری طبیعت ایسی ناساز ہے۔ کہ کسی طرح اصلاح پر نہیں آتی۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ اب پھر موصل جاؤں اور چند روز کے لئے تبدیلی آب و ہوا کراؤں۔ چنانچہ آپ نے ابن عباس کو ہمراہ لیا اور موصل روانہ ہو گئے۔ جب راستہ میں دمشق آیا یہاں ایک دین و دنیا کا اندھا جو نہایت دشمن اہلبیت تھا رہتا تھا۔ جب اس نے سُنا کہ موصل کو شہزادہ حسن تشریف لے جا

رہے ہیں۔ دل میں سوچا کہ اس سے بہتر موقعہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے موصل جانا چاہیئے اور ان کی محبت و عقیدت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ پھر موقعہ پا کر اپنا کام پورا کیا چاہیئے۔

چنانچہ اپنی لکڑی میں زہر کا بجھا ہوا عنزہ جو بطور سنان ہوتا ہے لگوایا اور موصل روانہ ہوا۔ مسجد میں ٹھہرا اور انتظار میں رہا۔ کہ شہزادہ حسن نماز کے لئے جب تشریف لائیں۔ تب اپنا کام کروں۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے۔ تو عقیدت کیشان اخلاص جمع تھے۔ یہ بھی نماز آپ کے پیچھے پڑھتا۔ نماز کے بعد احادیث سنتا۔ خوب روتا اور فکر میں رہتا کہ کب اس سنان سے اپنا مطلب پورا کروں۔

ایک روز حضرت شہزادہ صاحب نے ظہر کی نماز ادا فرمائی اور بیرون مسجد ایک خادم کی دکان پر رونق افروز ہوئے۔ اور مخلصین و نیاز مندان با اخلاص سے گفتگو فرمانے لگے۔ کہ اتنے میں وہ اندھا حضور کو دعائیں دیتا آیا اور اٹکل سے اس لکڑی کے سنان کو آپ کے پائے مبارک پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ پائے مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ نے ایک آہ کی اور فرمایا افسوس دشمنوں سے یہاں بھی محفوظ نہ رہا۔ زخم سے خون کے فوارے بہنے لگے اور پائے مبارک متورم ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر جان نثاروں نے اس خبیث کو پکڑ لیا۔ حضور نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ یہ جیسا دنیا میں اندھا ہے۔ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ چنانچہ بہ تعمیل ارشاد اسے چھوڑ دیا وہ بھاگا اور تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہو گیا۔

آپ کو اس زخم نے سخت تکلیف دی۔ آپ بے تحاشا شدت درد سے

پکار اٹھے تھے۔ چنانچہ جراح بلایا گیا۔ اس کی نظر جیسے ہی اس زخم پر پڑی رونے لگا اور عرض کی۔ حضور! یہ زہر کے بجھے ہوئے آلہ کا زخم ہے اور فصد لگایا گیا ہے۔ حضرت سعد نے عرض کی۔ حضور اب ہم اس اندھے کو بغیر سزا دیئے چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا وہ خود مکافات عمل کو پہنچے گا۔ اور یہ آیت کریمہ پڑھی وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ۔ یعنی برا داؤ چلانے والے پر ہی پڑتا ہے ؎

بدکیش را بحردگار سپار تا ازو انتقام بستاند

غرض کہ جراح نے علاج شروع کیا۔ اور چونکہ وہ ہوشیار و دانا تھا۔ تمام عروق سے زہر کھینچا۔ پھر مرہم سے زخم کا اندمال کیا۔ چند روز میں شفائے کامل ہو گئی۔ ادھر سے بے فکر ہو کر جاں نثاروں نے اس اندھے کی تلاش کی۔ چودہ روز میں وہ اس طرح ہاتھ آیا۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس صبح کے وقت سعد موصلی کے یہاں تشریف لے جا رہے تھے دیکھا کہ وہ اندھا لکڑی ہاتھ میں لئے چلا جا رہا ہے۔ آپ کی نظر اس پر پڑتی ہے۔ آپ کا تمام جسم غصہ سے لرز گیا آپ اس کی طرف جھپٹے اور لکڑی چھین کر اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس خبیث کا سر پارہ پارہ ہو گیا۔ پھر آپ نے تمام متلاشیوں کو مژدہ سنایا کہ میں نے اس خبیث کو واصل بجہنم کر دیا ہے۔ سعد موصلی نے جب یہ سنا۔ تو اس کی لاش پر آئے اور لید گوبر خشک جمع کر کے اس کی لاش کو جلوا دیا۔

شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ اب یہاں سے پھر مدینہ کی طرف واپس ہوئے وہ خبیثہ ایسونیہ رات دن تاک میں تھی تشریف آوری کے سنتے ہی کچھ الماس پیس کر لائی۔ مگر موقعہ نہ ملا۔ غرضکہ ۲۸ صفر المظفر کی شب میں نظر بچا کر آپ کے پانی کی صراحی میں ڈال دیئے۔

ان ایام میں پانی کی صراحی سر بمہر رکھتے تھے۔ مگر ریزہ ہائے الماس

ایسی صفائی سے ڈالے کہ مہر کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور الماس سودہ پانی میں جا ملا۔ آپ اس وقت آرام میں تھے کہ اچانک اُٹھے اور اپنی ہمشیرہ حضرت زینب کو بلایا۔ پھر فرمایا بہن! ابھی جد امجد سرکار مدینہ کو خواب میں دیکھا ہے۔ ان کی خدمت میں ابا جان اور اماں جان بھی حاضر تھیں۔ لہذا پانی لاؤ تاکہ وضو کروں۔ آپ پانی لینے گئیں۔ اور آپ نے اس صراحی میں سے پانی نوش فرمایا۔ بس پیتے ہی ایک آہ سرد دل پُر درد سے کھینچی اور فرمایا کہ یہ پانی تھا یا کیا بلا کہ حلق سے ناف تک ٹکڑے کر گیا۔ بہن جلدی سے بھائی حسین کو بلاؤ۔ آپ نے بلوایا۔ آپ بھائی کو دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور بغل گیر ہو کر خوب ملے۔

پھر فرمایا۔ بھائی ابھی نانا جان اور ابا جان کو معہ اماں جان کے خواب میں دیکھا ہے کہ میرا ہاتھ پکڑ کر ریاض بہشت کی سیر کرا رہے ہیں۔ پھر نانا جان نے فرمایا۔ بیٹا حسن خوش ہو جاؤ کہ تم نے دشمنوں سے نجات پائی اور کل شب تک ہمارے پاس پہنچو گے۔

اس خواب سے میں چونک کر بیدار ہوا۔ پیاس کی شدت تھی۔ پانی پیا۔ اس پانی نے حلق سے ناف تک زخم ڈال دیئے۔ حضرت امام حسین نے رو کر اس کوزہ کو اُٹھایا اور فرمایا مہر تو سلامت ہے پھر کیا بات ہے۔ میں بھی چکھ کر دیکھوں۔ بڑے بھائی نے کوزہ ہاتھ میں سے لے کر زمین پر مارا۔ جہاں وہ پانی پڑا۔ اس جگہ کی زمین جوشِ زن ہوئی۔ پھر پھٹ گئی۔ امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو یقین واثق ہو گیا۔ کہ اب جانبری مشکل ہے۔

تھوڑی دیر میں درد ہو کر قے شروع ہوئی۔ طشت لایا گیا تو قے میں پارہائے جگر و احشا کٹ کٹ کر آنے لگے۔

ایک روایت میں ہے کہ ستر ٹکڑے جگر کے آئے اور بروایت

دیگر سو پارہ طشت میں تھے۔

جب آفتاب بلند ہوا تو چہرہ زیبا نے سبز رنگ اختیار کیا۔ امام حسن نے فرمایا۔ اب ہمارے چہرہ کا رنگ کیسا ہے؟ عرض کیا سبز ہے۔ یہ سن کر آپ نے امام حسین سے فرمایا۔ بھائی حدیث معراج کی تعبیر پوری ہوگئی۔ آپ روتے ہوئے فرمانے لگے۔ بیشک پوری وہی علامتیں ہیں۔ اور آگے بڑھ کر بھائی کے گلے سے چمٹ گئے اور رونے لگے۔ حضار جلسہ بھی رو کر عرض کرنے لگے۔ حضور حدیث معراج کیا تھی۔ اس سے ہمیں بھی اطلاع بخشی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے جد امجد سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ شب معراج میں مجھے روضہائے خلد دکھائے گئے تو دو محل ایک مقام پر علیحدہ نظر آئے۔ ایک زمرد سبز کا تھا کہ اس کی شعاعیں آفتاب جہانتاب کو شرما کر لامع وساطع تھیں۔ میں نے رضوان سے پوچھا کہ یہ دونوں محل کس کس کے ہیں۔ تو اس نے عرض کی کہ دونوں شہزادوں کے ہیں۔ میں نے کہا دونوں کے رنگ جداگانہ کیوں ہیں۔ تو رضوان نے گردن نیچے کرلی اور جواب نہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جواب کیوں نہیں دیتا۔ تو جبریل نے عرض کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے شرم آتی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں۔

قصر سبز زمردی بڑے شہزادہ حسن کے لئے ہے کہ ان کو زہر دیا جائے گا اور اس کے اثر سے اخیر وقت ان کے چہرہ زیبا کا سبز رنگ ہوگا اور کوشک سرخ چھوٹے شہزادہ حسین کے لئے ہے کہ ان کو جفا کاران بدنہاد شہید کریں گے اور وقت رحلت ان کا رخسارۂ نوری جو بوسہ گاہ سامی ہے۔ خون سے سرخ ہو جائیگا۔

بگذار تا بگریم چوں ابر در بہاراں
کز سنگ گریہ خیزد در روز وداع یاراں

امام حسین نے فرمایا۔ بھائی جان مجھے یہ بتا دیجئے کہ یہ زہر کس نے دیا ہے؟ آپ آپ نے فرمایا۔ بھائی میں کسی پر اس کا الزام لگا کر خون ناحق اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔ اس کا بدلہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اب وقت بہت کم ہے وصیت سن لو تاکہ اس کے موافق تم عمل کرو۔

دیکھو! جب میرا جنازہ تیار کرلو۔ تو نانا جان کے روضۂ مقدس پر لے جانا اور جناب صدیقہ سے اجازت لے لینا۔ اگر وہ اجازت دے دیں اور عامل مدینہ کی طرف سے کوئی فتنہ نہ اٹھے تو اسی جگہ دفن کر دینا۔ اور اگر ایسی صورت کا خوف ہو۔ تو ضد نہ کرنا۔ جنت البقیع میں میرے اماں جان کے پاس دفنا دینا۔

یہاں تو یہ قصہ ہوا۔ وہاں مروان نے بخوف الیسونیہ کو روپوش کر کے کہیں بھیج دیا۔

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر شہزادہ حسین کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ بھائی اس کو اپنے پاس رکھنا اور اپنی لخت جگر نور نظر کا اس سے عقد کر دینا۔ اس کے بعد آپ نے سب کو رخصت کر کے مشاہدۂ جمال حقیقی میں استغراق و انہماک فرمایا۔

اب پیر کا دن گزر کر شب بست و نہم ۲۹ صفر المظفر شروع ہو گئی تھی کہ طائر عرش آشیاں یعنی روح پرفتوح امام نے آشیانہ قدس کی جانب پرواز فرمائی۔ ع دوست بر دوست رفت و یار بیار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؁

واحسرتا کہ سرور داں از چمن برفت
یعنی کہ نور دیدۂ زہرا حسن برفت

از شوق گیسوئش جگر نافہ گشت خوں
وز ہجر رویش آب رُخ نسترن برفت
یعقوب وار دیدۂ نرگس سپید شُد
کز مصر ناز یوسف گل پیرہن برفت

غرض کہ تجہیز و تکفین کے بعد جنازۂ مبارک سر پر رکھا گیا اور حضرت صدیقہ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا یہ ان کے نانا کا حجرہ ہے۔ اس میں میری اجازت کی ضرورت نہیں۔ ان سے زیادہ یہاں دفن ہونے کا کون حق دار ہو سکتا ہے مگر مروان خبیث نے شورش کرنا چاہی۔ حضرت امام حسین آمادۂ مقابلہ و مقاتلہ ہوئے۔ مگر معاً بھائی کی وصیت یاد آگئی۔ خاموش ہو کر صبر کیا۔ اور آپ کو جنت البقیع میں ان کی والدہ کے پہلو بہ پہلو سلایا تو روح زہرا پکاری ؎

اے خاکِ تیرہ عزت مہماں نگاہدار
ایں نورِ چشم ماست کہ در بر گرفتۂ

جو واقعات زہر خورانی ہم لکھ آئے ہیں۔ انہیں کو اکثر ارباب سیر نے حضرت جعدہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہم نے اس کی صورت بطریق توجیہہ یوں بدلی ہے کہ اس طرح اظہار واقعہ کرنے میں حدیث غلط نہیں ٹھیرتی اور اصول عقیدہ بھی یہی ہے کہ سب سے مقدم قرآن کریم ماننا چاہیئے۔ اس کے خلاف جس قدر باتیں ہوں ان کی طرف التفات یا عمل جائز نہیں۔ پھر حدیث نبوی پر عمل ضروری ہے۔ اگر اس کے خلاف کوئی تاریخ و سیر ہو تو متروک العمل قرار پاتی ہے۔ اس کے بعد جو تاریخ اور قصائص ایسے ہیں۔ جن کو قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ماننے سے نقص اخبار قرآنی اور فرمان حبیب ربانی لازم نہ آئے تو مانا جاتا ہے۔ بنابریں ہم نے حضرت جعدہ کو اس فعل مذموم

سے مستثنیٰ کرتے ہوئے واقعات کو توجیہاً یوں لکھا ہے۔
یہی صورت ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اختیار کرتے ہوئے تمام واقعات اجمالی چھوڑے ہیں۔ اور حرب صفین و جمل و فیصلہ حکمین ولیلۃ الہریر سب سے بچتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ اس لئے کہ مؤرخین نے ان تمام واقعات کا بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رکھا ہے اور حقیقت حال کا علم یا ان ہستیوں کو ہے۔ جن کے ساتھ یہ سب معاملات ہوئے یا خدا اور رسول خدا کو۔ ہم تاریخ کے بھروسہ پر قرآن و حدیث کو چھوڑنے پر تیار نہیں۔ بلکہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں صفحات تاریخی پر نہ صرف پانی پھیرنے کو تیار ہیں۔ بلکہ جلا دینا بھی ہمیں گوارا ہے۔ یہاں ہم فضائل معاویہ کے احادیث بخیال ضخامت کتاب لکھنے سے معذور ہیں۔ مگر اجمالاً کچھ عرض کئے دیتے ہیں تاکہ ناظرین کلیتہً محروم نہ رہیں مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔
اول تو بلا استثناء کسی صحابی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح تاکیدی ارشاد ہے لا تسبوا اصحابی لا تسبوا اصحابی خبردار! خبردار میرے صحابہ کو بُرا نہ کہنا۔ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دینا۔ علاوہ ازیں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میر منشی بھی رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سلامتی ایمان و حسن خاتمہ کی دعائیں فرمائیں وغیرہ وغیرہ۔
علامہ ابو اسحاق اسفرائنی اپنی کتاب نور العین میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ جو تمام معاملات گزشتہ پر چشم پوشی کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے صحابہ کا تذکرہ کرو۔ تو زبان روک کر کرنا۔ ادنیٰ معاملات کی طرف سے جو ان میں باہمی نزاع و قتال ہوئے ہیں۔ چنانچہ حدیث کے اصل لفظ یہ ہیں اذا ذکر اصحابی امسکوا ایجب

الامساك عن ما وقع بينهم في الانزاع والقتال وغيرہ
پھر بھائی یہ کیونکر گوارا ہو کہ مثل حضرت حسن نظامی حضرات شیعہ کے خوش کرنے کو
قرآن و حدیث پر پانی پھیر کر محض تاریخی واقعات پر بنا رکھتے ہوئے امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو نہ صرف جہنمی قرار دیں بلکہ واجب القتل تک لکھ دیں۔
یزیدنامہ مؤلفہ حسن نظامی تمام و کمال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سب و شتم
سے مملو ہے۔

خیر! ہمیں اس وقت اس سے بھی بحث نہیں کہ انہوں نے کیا لکھا اور
کیوں لکھا۔ مگر کم از کم اتنا سمجھا دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ بموجب تعمیل حکم آقائے
مدینہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کی شان میں کوئی برا لفظ استعمال
نہ کرنا چاہیئے ورنہ "من سب اصحابی فقد جفانی" جس نے
میرے صحابہ کو برا کہا۔ اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ طائفہ مرتضیٰ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ اور جماعت
امیر معاویہ یہ دو طبقہ ہیں۔ طائفہ علی وہ ہے۔ جو قبل فتح مکہ شرف اسلام سے
مشرف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جان و مال سے شیدائی و فدائی بنا۔
اور جماعت معاویہ کا معہ معاویہ دوسرا طبقہ ہے۔ جو بعد فتح مکہ شرف اسلام
سے مشرف ہوا۔ ان دونوں کی بابت قرآن کریم کا صریح فیصلہ ہے۔ جس سے
ہر کس و ناکس کی زبان بند ہوتی ہے۔

قطع نظر اس کے وہ سرکار کے دامادیہ ان کے اصحاب اور ہم سب کے
غلام۔ ہمیں کیا مجاز کہ بڑوں کے معاملات میں دخیل ہو کر چہ میگوئیاں کریں۔
وہاں باہمی صلح بھی ہو رہی ہے جنگ بھی۔ مگر سب شریعت کے ماتحت

بقول مولوی الطاف حسین حالی کے کہ

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا
تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا
یہ تھی موج پہلی اُس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس امر میں حضرت امیر معاویہ کی خطا اجتہادی تسلیم کی ہے اور اس خطا میں گناہ نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ مجتہد اگر خطا کرے تو اس کو اکہرا ثواب اور صواب کو پہنچے تو دوہرا ثواب ملتا ہے المجتهد قد يخطی ويصيب۔ مجتہد شریعت خطا بھی کرتا ہے اور صواب کو بھی پہنچتا ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں ماجور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دونوں طبقوں کے متعلق قرآن کریم ذکر فرما کر ان کے مدارج کے فرق بتا کر ان سے وعدۂ حسن فرماتا ہے۔ سورہ حدید کے پہلے رکوع ستائیسویں پارہ میں ارشاد ہوتا ہے لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ط تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جانیں فدا کیں وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح مکہ کے خرچ کیا اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ وعدہ جنت کا فرما چکا ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے واقف ہے۔

لہذا منصف کے لئے یہ فیصلہ ناطق ہے۔ اس کے بعد اب کسی منصف کی یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ علی یا معاویہ یا کسی دیگر صحابی کی شان میں ایک لفظ بھی نکالنے کی جرأت کرے اور اگر کسی کے خیال کا زور اور عقیدت کا شور یہی کہتا ہے کہ ہمیں ان حضرات کی برائی اور اُن افراد کی بڑائی کرنے میں آخرت کی بھلائی نظر آتی ہے تو اسے اختیار ہے۔ کیونکہ دورِ آزادی ہے۔ حسن نظامی نے کیا کچھ نہ لکھا۔ اس کا کیا بگاڑ لیا۔ حضرات شیعہ کیا کیا نہ لکھ رہے ہیں۔ تازیانۂ شرعی نہیں۔ کسی زبان کے لئے لگام نہیں۔ سب مختار ہیں۔ گھر گھر میں نیا مذہب بنائیں۔ اور اس پر عمل کریں اور کرائیں۔ اللہ ہی ہدایت دے تو زہے نصیب ورنہ فَلَا هَادِیَ لَہٗ ؂

حُلیہ مبارک

شہزادہ کونین سیدنا حسن سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ ہے:۔
آپ سینہ سے سر تک خواجۂ کائنات علیہ افضل التحیات سے بالکل مشابہ تھے۔ بخاری شریف میں ہے۔ ایک مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا۔ آپ گہوارۂ طفولیت میں تھے دوڑ کر آپ کو اٹھا لیا اور شانۂ مبارک پر بٹھایا اور حضرت مرتضٰی علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ حسن تو بالکل صورت میں حسن ہیں۔ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں بہت ہی مشابہت ہے۔ آپ سے تو یہ مشابہت نہیں رکھتے۔ اس کو سُن کر حضرت علی مسکرائے۔ چہرۂ زیبا کا لون مبارک سرخ و سپید تھا۔ آنکھیں بڑی اور سیاہ۔ قد میانہ۔ ریش اقدس گھنی۔ شکم مبارک پر ایک باریک خط بالوں کا گلوئے اقدس تک۔ گردن صراحی سیمیں۔ گیسو مشکیں۔ بڑی بڑی ہتھیلیاں کشادہ شانہ اور بازو

بھرے ہوئے۔ سینہ بے کینہ چکلا اور چوڑا۔ جسم اقدس خوب صورت اور سڈول۔ بال گھونگھریالے۔

وقت شہادت عمر مبارک ۴۶ سال اور بروایتے ۴۷ سال کی تھی۔ صاحب مرٔیۃ الجنان نافعی آپ کی سخاوت میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ سے کسی نے کچھ سوال کیا۔ آپ نے اُسے پچاس ہزار درم عطا فرمائے اس کے لے جانے کے لئے حمالوں کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ حمالوں کی اُجرت بھی ہم پر ہی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اپنا جبہ مبارک اتار کر حمالوں کو بخش دیا۔

ایک مرتبہ آپ کے زمانۂ خلافت میں جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود آپ کو خلیفہ مکہ و مدینہ قرار دیکر آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام ہی کرنا منظور نہ رکھا تھا۔ آپ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا۔ اور آپ کو خوب بڑا بھلا کہہ کر حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خوب گستاخیاں کرنے لگا۔ پھر کچھ مانگنے لگا۔ آپ نے خادم کو بلوا کر اسے عطا فرمایا اور معذرت کی کہ اس وقت میں مجبور ہوں کہ یہی تھا ورنہ تجھے اور دیتا۔ وہ یہ حلم و سخاوت دیکھ کر رونے لگا اور قدموں میں گر کر کہنے لگا اَشْهَدُ اَنَّكَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ میں گواہی دیتا ہوں بیشک آپ ابن رسول اللہ ہیں۔ حضور! میں نے جو گستاخیاں کیں وہ اللہ واسطے معاف فرما دیجئے۔ میں نے امتحاناً یہ سب کچھ کیا تھا۔ ایک بار آپ کی خدمت میں ایک شخص مقروض آیا اور عرض کی۔ حضور ایک ہزار کا قرضہ ہے۔ آپ نے اس کو دس ہزار درم عطا فرمائے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ حضور باوجودیکہ آپ فاقہ سے ہوتے ہیں۔ مگر سائل کو رد نہیں فرماتے۔ آپ نے فرمایا میں خود درگاہ الٰہی کا سائل ہوں۔ پھر مجھ سے اگر کوئی سوال کرے تو سائل کو سائل کے رد کرنے

کا مجاز۔ میں جس کا سائل ہوں وہ مجھے دیتا ہے اور جو میرا سائل بن کر آتا ہے۔ میں اُسے دیتا ہوں۔ اگر میں اپنے سائل کو رد کردوں تو مجھے خوف ہے کہ میرا رب مجھے رد نہ کر دے۔

آپ نے پیادہ پا پچیس حج کئے۔ لوگوں نے عرض کی۔ حضور سواریاں موجود ہوتے پیادہ پا کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے مولیٰ کے گھر کی طرف سوار ہو کر جاؤں۔ باوجودیکہ اس سفر میں پیادہ پائی سے پائے مبارک متورم ہو جاتے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں خانہ کعبہ میں عبادت کر رہا تھا کہ ایک صاحب کو دیکھا کمبل سے منہ لپیٹے ہوئے باب کعبہ پر مناجات فرما رہے ہیں اور ان کی زبان پر ایسے کلمات ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص سخت گنہ گار ہے۔ اسی طرح گریہ وزاری میں تمام رات گزر گئی۔ صبح وہ کمبل پوش ایک آہ سرد بھر کر روتے ہوئے روانہ ہوئے۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلا اور پکار کر سائل ہوا کہ اے شخص اپنی صورت تو مجھے دکھا دے اور اپنا نام مجھے بتا کہ میں تیرے لئے مغفرت کی دعا کروں تو وہ ٹھہرے اور کمبل ہٹا کر اپنا روئے رنگین دکھاتے ہوئے فرمایا میرا نام حسن ہے۔

فرماتے ہیں۔ میں صورت دیکھتے ہی دوڑا اور قدموں میں لوٹ گیا اور عرض کی ابن رسول مجھے کم از کم یہ بتا دیجئے کہ اس اشکباری میں کیا راز ہے۔ آپ تو وہ ہیں کہ آپ کے دامن فیض سے بڑے بڑے سیہ رو پناہ لیں گے۔ آپ رونے لگے اور فرمایا اے حسن! وہ درگاہ شاہ بے نیاز کی ہے۔ وہاں نبی۔ ولی۔ امام بھی قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

سنا ہے وہ اماں جان کو فرمایا کرتے تھے یا فاطمۃ لا تتکئی انا بنت رسول اللہ۔ اعملی۔ اعملی۔ اعملی تو حسن سمجھ لو جب سیدۃ النساء نور چشم مصطفےٰ فاطمہ زہرا کو احتیاج عمل ہے تو مجھ بیچارہ کی کیا ہستی۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس جواب سے مجھ پر ایسا اثر پڑا کہ میں چیخ مار کر بیہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو دیکھا کہ شہزادہ تشریف لے جا چکے ہیں۔ روتا ہوا واپس حرم میں آگیا:۔

حالات ولادت و شہادت و عادات و فضائل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

اب واقعہ ولادت و شہادت اور عادات سیادت آیات و خصائل و فضائل شہزادہ کونین قرۃ عین رسول الثقلین امام عالی مقام حضرت ابو عبداللہ حسین رضی اللہ عنہما و عنہم ولہم ہدیہ ناظرین ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت ۵ شعبان المعظم سنہ ۴ھ بروز سہ شنبہ اور بروایت دیگر ۳ شعبان سنہ ۴ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ بڑے شہزادہ سے ۱۱ ماہ ۱۰ دن بعد آپ زینت بخش عالم ہوئے۔ آپ کی مدت حمل ۶ ماہ مذکور ہے۔ کوئی مولود ششماہہ یحییٰ بن زکریا اور آپ کے سوا زندہ نہیں رہا۔

آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب زکی۔ شہید اکبر۔ سید۔ سبط۔ طیب۔ رشید وفی مبارک۔ تابع لمرضاۃ اللہ۔ دلیل علی ذات اللہ ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو گود میں لے کر اذان و اقامت فرمائی۔ ساتویں دن ختنہ اور عقیقہ دو مینڈھے ذبح فرما کیا۔

آپ کی ولادت پر حضرت روح الامین بحکم رب العالمین تہنیت ولادت کے ساتھ تعزیت بھی لائے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گوشے

نازک کو چوم رہے تھے۔ روح الامین نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا۔ کہ اس بوسہ گاہ پر چھری چلے گی۔ اور یہ قرۃ العین خدا کی راہ میں شہید ہوگا۔ یہ خبر سیدہ زہرہ اور جناب مرتضٰی کو پہنچی بحد غایت ملول و حزین ہوئے مگر مشیت الٰہی میں چارہ کار کیا تھا۔ اور اس خبر پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو دعا فرما کر تیر جستہ بازگردا زراہ کا مظاہرہ کرتے مگر رضینا لقضاء اللہ کے ماتحت دعا بھی فرمائی تو یہ کہ

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّاَجْرًا ط

آپ کے فضائل میں بکثرت احادیث ہیں منجملہ ان کے چند ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ ایک گلی میں گزرے۔ ایک مقام پر دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں۔ آپ نے ان میں سے ایک بچہ کو گود میں اٹھا کر بہت پیار کیا۔ صحابہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بچہ پر خصوصیت سے اتنی شفقت کیوں ہے۔ فرمایا ایک دن میں نے اس بچے کو میرے لخت جگر کے خاک پا آنکھوں میں ڈالتے دیکھا تھا۔ اس دن سے مجھے اس کے ساتھ محبت ہے۔ میں قیامت کے دن اس کے والدین کی معہ اس کے شفاعت کروں گا۔ ایک روز دونوں صاحبزادے باہم کشتی کر رہے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہزادہ حسن سے فرماتے جاتے تھے۔ بار بیٹا حسین کو پکڑو تو سیدہ نے عرض کی۔ ابا جان آپ بڑے ہی کو فرما رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسین سے جبریل یہی کہہ رہے ہیں۔ ایک بار تختی لکھ کر دونوں صاحبزادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اس خیال سے کہ کسی کو رنج نہ ہو خود فیصلہ نہ فرمایا اور حضرت علی کے پاس بھیج دیا انھوں نے بھی یہی خیال کر کے حضرت سیدہ کے پاس بھیج دیا۔ سیدہ نے فرمایا۔ کہ بیٹا میں خط کی برائی بھلائی

کیا بتاؤں۔ مگر یہ سات موتی ہیں۔ ان کو میں زمین پر ڈالتی ہوں۔ جو زیادہ موتی چنُ لے اُسی کی تختی اچھی ہے۔ آپ نے موتی ڈالے۔ شہزادوں نے تین تین موتی چنُ لیے۔ قریب تھا کہ ایک بھائی چوتھا موتی اُٹھاتے۔ کہ روح الامین نے بحکم الٰہی ایک موتی اٹھا لیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ آدھا آدھا دونوں بھائیوں کے حصہ میں آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی۔ آبدیدہ ہوئے اور فرمایا اللہ اکبر۔ آج اللہ کو ان کی اتنی رنجیدگی منظور ہے۔ مگر قربان اس کی بے نیازی کے۔ ایک دن وہ ہوگا کہ بھوکے پیاسے غریب الوطن زخموں سے چور ہو کر میدان کربلا میں حلقوم پر چھری چلوائیں گے۔

کنز الغرائب میں ہے ایک بدوی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک بچۂ آہو نذر کیا۔ شہزادہ حسن تشریف لائے اور لے گئے۔ جب چھوٹے شہزادہ حسین نے دیکھا تو پوچھا کہاں سے لائے۔ کہہ دیا نانا جان نے دیا ہے۔ آپ بھی آئے اور بچہ طلب کیا۔ آپ نے بہت کچھ بہلایا۔ مگر نہ مانے۔ قریب تھا کہ شہزادہ حسین رو پڑیں۔ کہ اس ہرنی کو حکم الٰہی ہوا کہ اپنا دوسرا بچہ لے کر دواں دواں خدمت میں پہنچی اور پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ میرے یہ دو بچے تھے۔ ایک اس بدوی کے ذریعہ آگیا۔ دوسرا بحکم الٰہی لائی ہوں کہ شہزادہ حسین اس کو مانگ رہے تھے۔ اگر وہ رو پڑتے تو کرّوبیانِ عرش کے دل ہل جاتے۔

ایک روز چھوٹے شہزادہ کے رونے کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنی۔ بے تابانہ سیدہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا بیٹی انہیں رلایا نہ کرو۔ ان کے رونے سے میرے دل کو سخت صدمہ ہوتا ہے۔

آپ کا اسم شریف بھی بمشورہ روح الامین شبیر رکھا گیا۔ اور یہی نام حضرت ہارون کے چھوٹے صاحبزادہ کا تھا اس کا عربی ترجمہ حسین ہے۔

آپ نے بھی بڑے بھائی کے برابر پاپیادہ پچیس حج ادا فرمائے۔ آپ نہایت سخی و فیاض دل تھے۔ آپ کے حلم کا یہ حال تھا۔ کہ ایک روز آپ کی لونڈی کھانا لائی۔ اتفاق سے آپ کے سر پر گرا۔ تمام کپڑے بگڑ گئے۔ لونڈی نے گھبرا کر پڑھا وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ آپ نے فرمایا کظمت غیظی وعفرت عنك ہم نے اپنا غصہ سرد کیا اور تجھے معاف کیا۔ اس نے عرض کی وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا انت حرۃ لوجہ اللہ تو آزاد ہے اللہ کے واسطے۔

آپ کے محاسن اخلاق مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے ہیں۔ ورنہ حقیقتاً آپ صاحب خلق عظیم کے سراپا تصویر اور اس نور الٰہی کی مجسم تصویر ہیں:

ملخص از روضۃ الشہداء

مبادیات شہادت آنجناب

اب مبادیات شہادت نذر ناظرین ہیں:۔ بعد شہادت حضرت مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب تمام و کمال سلطنت کے والی قرار پاگئے تو انہوں نے شہزادگان رسالت کا اکرام کما حقہ کرنا شروع کیا۔

علامہ ابو اسحاق اسفرائنی اپنی کتاب نور العین اور مشہد الحسین میں فرماتے ہیں کہ اس تعظیم و تکریم کے علاوہ کچھ دن بعد اپنی طرف سے مملکت مدینہ کا آپ کو ہی حاکم بنا دیا۔ پھر خزائن شاہی کا بھی آپ کو ہی مالک کر دیا۔ بعد چندے خود حاضر ہوئے اور لشکر ہمراہ لائے۔ اور اپنے ساتھ دونوں شہزادوں کو اور اُن کے صاحبزادگان اور تمام اعزہ و اقارب کو اپنے ساتھ دمشق علاقہ شام میں لے گئے اور یہاں آپ کو مختار سلطنت بنا دیا۔ اور تمام رفقا اعزہ کو نہایت اعزاز

واحترام سے دمشق کے محل میں رکھا۔ اور رات دن اپنے اراکین دولت کو وصیت کرتے رہتے۔ کہ حسین سید الشہداء کے مقابلہ میں کسی کے حکم کی وقعت نہ کرنا۔ تمام اخراجات سے مقدم ان کے اخراجات ہیں۔ یہاں تک کہ لشکر میں پیچھے تنخواہ جائے۔ پہلے ان کی خدمت میں پیش ہو جاتے۔

جب آپ دربار معاویہ میں تشریف لاتے تو آپ کی کرسی اپنی داہنی جانب لگاتے۔ سواری میں پہلے شہزادہ سوار ہوتے۔ بعد میں جناب امیر معاویہ۔ غرض کہ امیر معاویہ اور شہزادہ صاحب کے درمیان ایک مدت تک یونہی تعلقات یگانگت رہے۔ پھر امیر بیمار ہوئے اور اتنے سخت بیمار ہوئے کہ صحت سے مایوس ہو گئی اور مرض موت یقینی تسلیم کر لیا گیا۔

پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو بلوایا۔ اس نے حالت مرض نازک دیکھ کر پوچھا ما بالک یا والدی ابا جان! آپ کے کیسے مزاج ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اجلس۔ فجلس عندہ فقال لہ یا یزید یا ولدی اعلم ان لکل اجل کتاب ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلہا وکل نفس ذائقۃ الموت واعلم یا بنی انی ایقنت بالموت وقد حان حین وفاتی وحضرتی الوفات والامر کلہ بید اللہ بیٹھ جا۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ پھر فرمایا بیٹے اچھی طرح سمجھ لو۔ ہر ایک کا وقت مقرر ہے۔ اور کسی جان کے وقت کو آجانے پر اللہ مؤخر نہیں فرماتا۔ اور ہر ذی جان کو ذائقہ موت چکھنا ہے۔ اور بیٹے اب مجھے یقین ہو چکا ہے کہ میری موت کا وقت آگیا ہے۔ بلکہ وقت زیادہ ہی قریب آگیا ہے۔ اور میری موت میرے سر پر ہے۔ اور بیٹا تمام معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

فقال لہ یزید۔ یا ابت ومن یکون الخلیفۃ من بعدک

پھر اس نے کہا۔ ابا جان آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ فقال لہ یا یزید

أَنْتَ الْخَلِيفَةُ وَلٰكِنْ إِسْمَعْ مِنِّيْ مَا أَقُوْلُ۔ حضرت معاویہ نے فرمایا یزید خلیفہ تجھ ہی کو کرتا ہوں۔ مگر کان رکھ کر سن لے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت

آپ کی وصیت دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک عامہ رعایا کے حق میں اور دوسری مخصوص شہزادہ حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق۔ دونوں بعینہٖ نذر ناظرین ہیں۔

پہلی جو رعیت کے حق میں تھی وہ یہ ہے أُوْصِيْكَ بِالْعَدْلِ فِيْ رَعِيَّتِكَ وَفِيْ جَمِيْعِ النَّاسِ لِأَنَّ الْمُلُوْكَ يَا بُنَيَّ مَوْقُوْفُوْنَ غَدًا فِي الْحِسَابِ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى جِسْرٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُدْخِلُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ مَنْ يَّشَاءُ بِحُكْمِهٖ وَعَدْلِهٖ وَإِمَّا يُوْقِعُهٗ فِي النَّارِ بِجَوْرِهٖ وَظُلْمِهٖ وَأَنْتَ يَا بُنَيَّ اجْعَلِ النَّاسَ بَيْنَ يَدَيْكَ عَلٰى ثَلٰثَةِ أَقْسَامٍ۔ اَلْكَبِيْرُ مِنْهُمْ مَقَامَ وَالِدِكَ وَالصَّغِيْرُ مِنْهُمْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِكَ وَالْمُتَوَسِّطُ مِنْهُمْ بِمَنْزِلَةِ أَخِيْكَ وَاعْدِلْ يَا بُنَيَّ فِيْ رَعِيَّتِكَ الْعَدْلَ الْكَامِلَ وَاتَّقِ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْ جَمِيْعِ الْأُمُوْرِ وَاخْشَ اللّٰهَ تَعَالٰى يَا بُنَيَّ يَوْمَ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ إِذَا بُعِثَ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ **ترجمہ** میں وصیت کرتا ہوں۔ تجھ کو رعیت کے ساتھ عدل کرنے کی اور علاوہ رعیت کے ہر کس و ناکس کے لیے اس لیے کہ بیٹے کل قیامت کے دن خدا کے آگے تمام بادشاہ ایک پل پر ہوں گے۔ جو جنت و دوزخ کے مابین ہوگا۔ پھر جنت میں

اللہ جسے داخل کرنا چاہے گا۔ وہ ان بادشاہوں کے عدل وانصاف کی وجہ سے ہوگا اور جو دوزخ میں ڈالے جائیں گے وہ اپنے جور و ظلم کی بدولت۔ اور تو بیٹے اپنی رعایا کو تین صورتوں میں سمجھیو۔ بڑے کو باپ کی جگہ۔ چھوٹے کو بیٹے کی جگہ۔ متوسط کو بھائی کی جگہ۔ اور خبردار بیٹے اپنی رعیت میں عدل کا سکہ جما دینا اور خدا سے ڈرتے رہنا اور ہر معاملہ میں اس سے خائف۔ اس لئے کہ وہ دن آنا ہے۔ جس روز یہ اپنی اپنی قبروں سے اُٹھیں گے اور حشر میں آئیں گے اور جو کچھ دلوں میں ہوگا وہ سب کھل جائے گا۔

دوسری وصیت جو مخصوص شہزادہ حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اطہار کے متعلق کی وہ بعینہ یہ ہے اُوصِیکَ یَا بُنَیَّ بِالْحُسَیْنِ وَاَوْلَادِهٖ وَاِخْوَتِهٖ وَاَوْلَادِ اِخْوَتِهٖ جَمِیْعِ عَشِیْرَتِهٖ وَجَمِیْعِ بَنِیْ هَاشِمٍ اَلْوَصِیَّةَ التَّامَّةَ وَلَا یَوْمَ یَا یَزِیْدُ تَفْعَلُ فِی الرَّعِیَّةِ شَیْئًا حَتّٰی تُشَاوِرَ الْحُسَیْنَ وَلَا اَمْرَ عِنْدَكَ فَوْقَ اَمْرِهٖ وَلَا یَدَ عِنْدَكَ فَوْقَ یَدِهٖ لَا تَاكُلْ حَتّٰی یَاكُلَ وَلَا تَشْرَبْ یَا بُنَیَّ حَتّٰی یَشْرَبَ هُوَ وَاَهْلُ بَیْتِهٖ وَلَا تُنْفِقْ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ جَمِیْعِ عَسْکَرِكَ وَاَهْلِ بَیْتِكَ حَتّٰی تُنْفِقَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اَهْلِ بَیْتِهٖ وَلَا تَکْسُوْ اَحَدًا حَتّٰی تَکْسِیَهٗ هُوَ وَاَهْلَ بَیْتِهٖ جَمِیْعًا وَاُوْصِیْكَ یَا بُنَیَّ بِهٖ وَبِاَهْلِهٖ وَعَشِیْرَتِهٖ وَبَنِیْ هَاشِمٍ جَمِیْعًا اَلْوَصِیَّةَ التَّامَّةَ لِاَنَّ یَا بُنَیَّ الْخِلَافَةُ لَیْسَتْ لَنَا وَاِنَّمَا هِیَ لَهٗ وَلِاَبِیْهِ وَجَدِّهٖ مِنْ قَبْلِهٖ وَلِاَهْلِ بَیْتِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ وَلَا تَسْتَخْلِفْ یَا یَزِیْدُ الْاَمْدَةَ یَسِیْرَةً حَتّٰی یَبْلُغَ الْحُسَیْنُ مَبَالِغَ الرِّجَالِ وَیَمْضِیَ اِلٰی مَکَّةَ فِیْ اَحْسَنِ حَالٍ وَیَکُوْنُ هُوَ الْخَلِیْفَةُ اَوْ مَنْ یَشَاءُ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ وَتَرْجِعُ الْخِلَافَةُ اِلٰی اَهْلِهَا لِاَنَّنَا یَا بُنَیَّ لَیْسَ لَنَا خِلَافَةٌ بَلْ نَحْنُ عَبِیْدٌ لَهٗ وَلِاَبِیْهِ وَجَدِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ

لَا تُنْفِقْ يَا وَلَدِيْ نَفَقَةً اِلَّا وَيَلْحُسَيْنِ نِصْفُهَا وَاحْذَرْ يَا وَلَدِيْ مِنْ غَضَبِهٖ عَلَيْكَ فَاِنَّهٗ اِذَا غَضِبَ عَلَيْكَ يَغْضَبُ عَلَيْكَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنَّ جَدَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الشَّفِيْعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَلَهُ الشَّفَاعَةُ الْعُظْمٰى فِي الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَجْمَعِيْنَ وَاَبِيْهِ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ هُوَ السَّاقِيْ عَلَى الْحَوْضِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِهٖ وَاُمُّهٗ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ هِيَ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ وَجَدَّتُهٗ خَدِيْجَةُ الْكُبْرٰى۔ وَاعْلَمْ يَا بُنَيَّ اِنَّكَ اِنْ فَرَّطْتَ فِيْهِ اَوْ اَغْضَبْتَهٗ هُوَ وَاَحَدٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ اَوْ قَرَابَتِهٖ اَوْ عَشِيْرَتِهٖ اَوْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ جَمِيْعًا فَاَكُوْنُ بَرِيْئًا مِنْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَتُحْشَرُ مَعَ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ فَقَالَ لَهٗ يَا اَبَتِ سَمْعًا وَطَاعَةً لَكَ وَلِقَوْلِكَ وَالْجَمِيْعِ مَا تَاْمُرُنِيْ بِهٖ۔

ترجمہ:۔ میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں اے میرے بیٹے! حسین اور اس کی اولاد اور بھائی بہنوں، اعزہ، اقرباء رفقاء اور تمام بنی ہاشم کے حق میں پوری وصیت۔ کسی دن اے یزید اپنی رعیت کے لیئے کوئی جدید امر جاری نہ کیجیو۔ جب تک شہزادہ حسین سے مشورہ نہ کرلے اور تیرا کوئی حکم حسین کے حکم سے بلند نہیں اور تیری کوئی ضرورت ان کی ضرورت سے مقدم نہ سمجھی جائے۔ ہرگز نہ کھانا جب تک انہیں نہ کھلالے۔ نہ پینا اے بیٹے جب تک وہ نہ پی لیں اور ان کے سب گھر والے اور کوئی خرچ حتیٰ کہ لشکر تک کے اور اپنے گھر کسی پر نہ کرنا جب تک ان پر نہ خرچ کرلے۔ ہرگز کچھ نہ پہننا جب تک انہیں اور ان کے گھر والوں کو نہ پہنالے اور وصیت کرتا ہوں بیٹے میں ان کے لئے اور ان کے اہل و عشیرہ و بنی ہاشم سب کے لئے پوری پوری وصیت۔ اس لیے کہ بیٹے یہ

خلافت ہمارا حق نہیں ہے اور یہ یقیناً ان کے لئے ہے ان کے آباؤ اجداد کا حق ہے اور تو اس خلافت پر چند روز سے زیادہ نہ رہنا۔ یہاں تک کہ امام حسین تجھ سے طلب فرمائیں یا مکہ تشریف لے جا کر اعلان خلافت کریں یا جسے چاہیں اس لئے کہ ہم خلافت کے حق دار نہیں ہیں۔ بلکہ بیٹے ہم اُن کے اور ان کے باپ دادا کے ادنیٰ غلام ہیں۔ اور تو کچھ تقرر نہ کرنا مگر ساری آمدنی کا نصف حصہ ان کی خدمت میں پیش کر دینا اور بیٹا ان کے غضب و غصہ سے ڈرتے رہنا۔ اگر وہ کسی امر میں تجھ سے ناراض ہو گئے تو اللہ و رسول ناراض ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اُن کے جدّ امجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو مالکِ شفاعت عظمیٰ ہیں۔ قیامت کے دن پہلے اور پچھلے انہیں کی امید کریں گے۔ اور ان کے باپ مرتضیٰ شیر خدا ہیں۔ وہ ساقی کوثر ہیں اور لواء حمد انہیں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور ان کی والدہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ جو سردار ہوں گی نساء جنّت کی اور دادی خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ اور سمجھ لے بیٹے اگر تو نے کوئی زیادتی ان کے ساتھ کی اور ان میں سے کوئی بھی تجھ سے ناراض ہو گیا تو میں دنیا و آخرت میں تیری طرف سے بری ہوں۔ اور تو میدان حشر میں مجرموں کے ساتھ جہنم میں جائیگا۔

ان تمام وصیتوں کو سُن کر یزید پلید نے کہا کہ جو کچھ آپ نے مجھ کو وصیت فرمائی ہے۔ سب کی اطاعت دل و جان سے کروں گا اور اس میں کچھ بھی فرق نہ آنے دوں گا۔"

اس وصیت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسّی [۸۰] سال کی عمر پا کر رجب ۶۰ھ مطابق ۶۸۰ء میں اس دارِ فنا سے سمت دار البقا رخت ارتحال باندھا اور رجب ۶۰ھ مطابق ۱۷ اپریل ۶۸۰ء کو چونتیس برس کی عمر میں یزید تخت نشین ہو گیا۔ چند روز ماتمی لباس پہنے رہا۔ اور پھر شاہانہ لباس

پہن کر تخت پر آیا تو ہمراہ ہی میں شراب کی صراحیاں بھی آئیں اور پیمانے دور میں آنے لگے۔ اہالیان دربار خوشامد پسند اسلام فروش بدنام کنندۂ نکونامے چند بھی اس دور میں شریک ہوئے۔ شراب دوآتشہ تقسیم ہو رہی تھی۔ نشہ پر نشہ آرہا تھا۔ مدہوشی میں یزید بے خود۔ فسق و فجور میں منہمک خدا اور رسول کو نسیاً منسیاً کئے ہوئے اپنی چند روزہ سلطنت پر پھولا ہوا خدا کو بھول رہا تھا۔

دبدبہ و شوکت سلطنت نے سوائے مکہ و مدینہ یا بلستان کے بعض ممالک اسلام کے سب نے اُسے بے چون و چرا خلیفہ مان لیا تھا۔ سب سے پہلے اس کے دماغ میں یہ خبط سمایا کہ سلطنت کو ہر قسم کی خلش سے محفوظ کرنا میرا فرض اولین ہے۔

میری سلطنت میں سب سے بڑا خار وجود امام حسین ہے۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن زبیر۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ عبداللہ بن عمر وغیرہ ہیں۔ جو خصوصیت سے قومی قائد ہیں۔ اس جنون کو دماغ میں رکھا اور تمام حاضرین دربار و اراکین دولت کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ اعیان دولت اور علاقہ کے صوبوں کو خلعت فاخرہ بھیجی۔ مگر باوجودیکہ شہزادہ حسین معہ قبائل کے وہاں ہی رونق افروز تھے۔ کچھ نہ دیا اور باپ کی ہی وصیت چاک کر کے پھینک دی اور حکم دے دیا کہ امام حسین سیدالشہداء رضی اللہ عنہ اور ان کے قبائل اور اعزہ کا ہمارے دربار میں آنا تو درکنار ان کا نام بھی ہمارے کان میں مسموع نہ ہو۔

شہزادۂ کونین سیدنا حسین سیدالشہداء رضی اللہ عنہ نے یزید کا یہ تمرد دیکھا اور قساوت و بے دینی ملاحظہ فرمائی۔ آپ اپنی ہمشیرہ مکرمہ حضرت زینبؓ کی خدمت میں تشریف لائے۔ آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھ کر

حضرت زینبؓ نے فرمایا۔ بھائی آج کیا رنج ہے۔ جو آبدیدہ نظر آتے ہو۔ آپ نے فرمایا۔ بہن۔ یزید نے امیر معاویہ کی تمام وصیتیں نسیاً منسیا کر دیں اور اپنی خباثت پر تلا ہوا ہے۔ قساوت قلبی کا اظہار علی الفور کر گورا۔ لہٰذا ہمیں اب یہاں سے چل دینا چاہیئے۔ حضرت زینبؓ نے فرمایا یا اخی نعم لا مقام لنا عندہ ولکن الاولی ان نستاذنہ' بھائی بیشک اب ہماری گزر یہاں مشکل ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ بہتر ہوگا کہ اس سے اجازت بھی لے لیں۔ آپ نے فرمایا۔ آپ کی رائے صائب ہے۔ پھر نیچی گردن فرما کر کچھ غور و تامل کے بعد دوات قلم منگوایا۔ اور یہ نامہ یزید خبیث کو تحریر فرمایا۔

اِعْلَمْ یَا یَزِیْدُ اِنِّیْ قَدْ عَزَمْتُ عَلَى الرَّحِیْلِ اِلٰى مَکَّةَ وَالْاِقَامَةُ فِیْهَا اَوْفِی الْمَدِیْنَةِ لِاَنَّ فِیْهَا دِیَارُ اَبِیْ وَجَدِّیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنْ اَذِنْتَ لِیْ بِالرَّحِیْلِ فَارْحَلْ وَاِنْ اَذِنْتَ لِیْ بِالْمَقَامِ فَاُقِیْمُ ۔

ترجمہ:۔ اے یزید ہم نے روانگی مکہ کا عزم جزمی کر لیا ہے اور اپنا قیام یا مکہ میں رکھیں گے یا مدینہ میں اس لئے کہ ان دونوں شہروں میں ہمارے آبا و اجداد کے محلات ہیں اگر تو روانگی کی اجازت دے تو چلے جاویں اور نہیں تو خیر۔ یہاں ہی ٹھہرے رہیں۔"

پھر آپ نے اس کو تہہ فرما کر یزید کے پاس بھیج دیا۔ خبیث نے نامۂ عالیہ پڑھ کر اس کی پشت پر یہ جواب لکھ کر بھیج دیا۔ خبیث نے نہ تو القاب کا لحاظ رکھا نہ آداب رسالت کا۔ اِنَّكَ تَسْتَاذِنُ وَتَقُوْلُ اَمْضِیْ اِلٰى مَکَّةَ اَوِالْمَدِیْنَةِ وَتَطْلُبُ اِذْنِیْ فَاِنِّیْ لَا اٰذَنُ لَكَ بِمَسِیْرٍ وَلَا بِاِقَامَةٍ فَاِنْ اَقَمْتَ فَبِمُرَادِكَ وَاِنْ رَحَلْتَ فَبِمُرَادِكَ وَاَمَّا اَنَا فَلَوْ کَانَ عِنْدِیْ مِلْأُ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَمْ اُعْطِیْكَ اَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ مِنْهُ دِرْهَمًا وَاحِدًا وَلَا یَبْقٰى لَكَ عِنْدِیْ اِلَّا

اَلْهَمَّ وَالْغَمَّ فَاِنِّیْ صِرْتُ لَا اَجِدُ لَکَ وَلَا لِاَحَدٍ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِکَ مَحَبَّةً وَّلَا شَفَقَةً مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَارْحَلْ بِاَهْلِکَ وَانْزِلْ بِهِمْ فِیْ جَانِبِ الْمَدِیْنَةِ اَوِ الْمَکَّةِ وَلَا عِدَّةً تَسْکُنُ فِیْ بَیْتِیْ وَلَدَا اِرَاکَ یَعْنِیْ بَلِ ارْحَلْ اِلٰی مَحَلٍّ اَعْجَبَکَ

یعنی تم مجھ سے اجازت مانگتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم مکہ یا مدینہ چلے جائیں لہٰذا میری طرف سے نہ تمھیں اجازت ہے نہ ممانعت ہے۔ اگر ٹھہرو تو تم جانو اور اگر جاؤ تو تم جاؤ۔ لیکن میری طرف سے یہ جواب ضرور ہے کہ میرے پاس تمام روئے زمین سونا بن کر آئے۔ تو میں ہرگز تم کو اس میں سے ایک درہم بھی نہ دوں گا اور میرے دل میں تمھاری طرف سے سوائے غم و رنج کے کچھ باقی نہیں ہے۔ میں تمھاری طرف سے ایسا ہو گیا ہوں کہ اپنے دل میں ذرہ بھر تمھاری محبت نہیں پاتا۔ بہتر یہ ہے کہ تم جاؤ اور اپنے قبائل کو بھی لے جاؤ۔ یہ تمھیں اختیار ہے۔ خواہ مدینہ ٹھہرو خواہ مکہ اور میرے اس مکان میں اب تم نہ رہو گے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میری آنکھ تمھیں نہ دیکھے۔ بس یہی بہتر ہے۔ کہ تم چلے جاؤ جہاں چاہو۔

جب آپ کے پاس یزید پلید کا جواب پہنچا۔ آپ اسے اپنی ہمشیرہ حضرت زینب کے پاس لائے اور جو کچھ اس نے لکھا تھا وہ سنایا جواب سُن کر حضرت زینب نے فرمایا۔ بھائی بس اب چلو۔ چنانچہ اُسی وقت آپ نے تمام سامان باندھا اور سب کنبہ کو لے کر دمشق سے سمت مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور اپنے والد ماجد کے محل سرائے میں اُترے۔ سب سے پہلے آپ کے بھائی محمد بن الحنفیہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے نہایت اعزاز و اکرام سے آپ کو اتارا۔ سامان قرینہ سے لگا کر آپ سب سے اول سیدھے اپنے جد امجد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس پر حاضر ہوئے۔ یہاں آکر اپنا تمام درد و دکھ سنایا۔ اہل مدینہ کو جب اطلاع ملی تو تمام خدمت عالی میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے جب شب ہو گئی اور سب کو رخصت کر دیا تو شہزادہ صاحب نے اپنے بھائی محمد علیہ السلام تمام قصہ

تمرّد و فساد یزید کا سنایا۔ آپ نے سب کچھ سُن کر عرض کیا کہ بھائی آپ کو اس خبیث کی کیا پرواہ ہے وہ کیا چیز ہے اس کو خدا سمجھے گا آپ بے فکری سے یہاں قیام فرمائیں۔ یہاں سے جی گھبرائے تو مکہ ہو آئیں وہاں سے جی بھرے یہاں آجائیں۔ یہاں آپ کے باپ کا گھر ہے وہاں آپ کے بھائی اور جاں نثار غلاموں کے گھر ہیں۔ یہ دونوں آپ کے وطن ہونے کے علاوہ غلاموں کے مقام ہیں اور بھائی جان! خلافت تو اپنے ہی لئے ہے۔ یزید اور یزید کے باپ کا اس میں کیا اجارہ ہے اگر ہم چاہیں گے لے لیں گے اور چاہیں گے تو اس خبیث پر چھوڑ دیں گے۔ ہم مختار ہیں۔

یہ سب کچھ سنکر شہزادہ حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بھائی تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ مگر میں مدینہ میں زیادہ نہ ٹھہروں گا۔ بعد چندے مکہ معظمہ جاؤں گا۔

بکامِ عاشقِ بیدل ز کوئے یار نرفت
کسے ز روضۂ جنت باختیار نرفت

چنانچہ آپ کے تشریف لانے کے بعد ہی وہ جنون اس خبیث کا ابھرا اور حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کے نام حکم بھیجا کہ امام حسین سے میری بیعت لے۔ ولید نے اپنے میر منشی مروان بن حکم سے مشورہ لیا کہ اس حکم کی تعمیل کس طرح کروں یہ مروان وہی شیطان ہے۔ جس کی شرارت سے حضرت عثمان ذی النورین کی شہادت ہوئی۔ اس نے بلا کسی ایمانی خیال کے ولید کو صلاح دی۔ کہ انہیں بلا کر صاف لفظوں میں ان سے بیعت یزید لو اور بصورت انکار علی الفور قتل مناسب ہے۔ چنانچہ ولید نے یہ ناصواب رائے مسموع کر کے مروان کو بہت کچھ ملامت کی اور کہہ دیا کہ کم بخت ابن رسول اللہ کے قتل کا مجھے مشورہ دیتا ہے۔ مجھ

سے نہ ایسا ہو گا۔ نہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔

غرضکہ ولید نے حضور کی خدمت میں معروضہ بھیجا اور اس میں صرف یہ لکھا
کہ اگر مجھ سے تخلیہ میں ملاقات فرما جائیں تو کرم ہو گا۔ آپ تشریف لے آئے تو
اُنہوں نے نامۂ یزید پلید دکھایا۔ آپ نے اُسے پڑھ کر فرمایا۔ ولید! مجھ سے
یزید کو اس امر کی امید نہ رکھنی چاہیئے کہ میں اس سے بیعت ہو جاؤں مگر اس کے
ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتا ہوں۔ کہ مجھے خلافت سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔ حضرت
ولید بن عقبہ نے عرض کی۔ حضور غور فرما لیں اور کل تشریف لا کر اظہار رائے
فرمائیں تو مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ آپ اُٹھ کر باہر تشریف لے
جانے کو ہی تھے کہ مروان خبیث کہنے لگا۔ ولید! یہ موقعہ پھر ہاتھ نہ آئے گا
فیصلہ ابھی مناسب ہے یا اقرار بیعت لے یا قتل۔ آپ کو مروان کے یہ جملے
مسموع ہوئے۔ آپ نے غضبناک نگاہ مروان پر ڈالی اور فرمایا۔ اے
عبد الدراہم سگِ دُنیا! اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو اُٹھ اور مقابلہ میں آ
ابھی دیکھ حق و باطل کھل جائے گا۔ پھر ولید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تو نہیں
جانتا ہم کون ہیں؟ اس اندھے کو تو ہم کیا بتائیں کیا تجھے خبر نہیں۔ کہ ہم
اہل بیعت نبوت و چراغ دودمان رسالت ہیں۔ ہمارا گھر دار رحمت ہے
ہمارے گھر پر فرشتے حاضری دیتے تھے۔ جبریل جیسا جلیل القدر فرشتہ
ہمارے گھوارے جھلاتا ہے۔ ولید نے قدم پکڑ لئے اور عرض کی حضور
کا سب فرمانا بجا اور بالکل بجا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اب تو ہی کہہ کہ
ہم ایک فاسق فاجر، زانی، شرابی بے دین کی بیعت کر کے کس طرح
نانا جان کی امت کو غرق کر دیں؟

ولید نیچی نگاہیں کھڑا رہا اور آپ تشریف لے آئے پھر ولید نے مروان

سے کہا وَیحَکَ یَا مَرْ وَانُ واسئے تجھ پر اے مروان۔ تو نے مجھے قتل حسین کا مشورہ دیا تھا۔ خدا کی قسم اگر شرق سے غرب تک کی سلطنت مجھے خونِ حسین کے معاوضہ میں ملے تو اس فعل شنیع کے لئے آمادہ نہ ہونگا۔ پھر آپ نے یزید کو صاف لکھ دیا کہ امام حسین نہ تجھ سے بیعت فرمانا چاہتے ہیں نہ تیری خلافت پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ یزید نے یہ جواب سُن کر غضب ناک ہو کر حضرت ولید کو دوسرا نامہ بھیجا۔ جس میں یہ مضمون تھا۔ کہ یا تو تُو ان سے بیعت لے اور اگر انکار کریں تو قتل کر کے ان کا سر یہاں بھیج تاکہ ہماری عنایت تجھ پر بدستور رہے۔ ورنہ تو بھی اپنے کو سلطنت سے معزول سمجھ۔ ولید نے یہ نامہ دیکھ کر لاحول پڑھی اور کہا کہ یہ تو معمولی سلطنت ہے۔ اگر ربع مسکون بھی مجھے دے۔ تو میں قتل شہزادہ حسین کے لئے تیار نہیں۔ اور یہ تو محض معزولی ہے اگر کوئی اور تکلیف بھی پہنچے تو گوارا کروں گا۔ مگر اس کام کے لئے میں ہرگز تیار نہ ہونگا۔ چنانچہ نامۂ یزید بعینہٖ ولید نے خدمت امام میں بھیج دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ حضور یزید کے پے در پے ایسے خبیث مضمون آرہے ہیں اور میں سخت حیران ہوں کہ کیا کروں۔ اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں تو دنیا میں سیہ رو اور آخرت میں جہنمی بنتا ہوں۔ اور اگر نہیں مانتا ہوں تو شکار بلاو مصائب ہوتا ہوں۔

غرض کہ آپ نے نامہ لے لیا اور شب کو دربار دُر بار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور رو کر مزار مقدس سے چمٹ گئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ نانا جان! میں وہی حسین ہوں۔ جس کے لئے ہرنی اپنا بچہ لے کر آئی تھی۔ میں وہی دلبند فاطمہ ہوں۔ جس کا گہوارہ فرشتے جھلاتے تھے غرضکہ اسی طرح شب بھر روتے رہے اور بار بار روضہ مقدس سے

چمٹ کر حسرت ناک جملے فرماتے رہے ۔ صبح ہوتے ہی باب علی کی طرف مراجعت فرما ہوتے ۔ دوسری رات پھر حاضر ہوئے اور اسی طرح عرض کرتے رہے ۔ پھر تہجد ادا فرما کر زرا روضہ مقدسہ کے سامنے بیٹھے تھے کہ آنکھ لگ گئی خواب میں دیکھتے ہیں کہ نانا جان فوج ملائکہ کے ساتھ رونق افروز ہیں اور سر امام اٹھا کر سینہ سے لگا کر آنکھیں چوم رہے ہیں اور فرما رہے ہیں ۔ کہ اے لخت جگر اے نور بصر عنقریب تم کربلا پہنچنے والے ہو اور وہاں بے بھو کے پیاسے شربت شہادت پی کر مجھ سے ملو گے ۔

بیٹا وہ لوگ جو تمھیں معہ اعزہ کے شہید کریں گے ۔ بروز قیامت میری شفاعت کی بھی امید رکھتے ہیں ۔ جانِ پدر ! تمھارے ماں باپ نہایت ملول و حزیں مجھ سے ملے ہیں اور تمھاری جدائی میں بے قرار ہیں ۔ آپ خواب ہی میں رونے لگے اور فرمانے لگے نانا جان ! اب مجھے یہیں رکھ لیجئے ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اے نور دیدۂ من ! تمھارا دنیا میں جانا ضروری ہے ۔ اور جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ ہونا ہے ۔ بس آپ کی آنکھ کھل گئی ۔ اس وقت روضۂ مقدسہ سے رخصت ہو کر مکان تشریف لائے ۔ جملہ اعزہ اقربا کو جمع فرما کر عزم روانگی مکہ ظاہر فرمایا ۔ تیسری شب کو تربت زہرا پر حاضر ہوئے ۔ اور نالہ کناں اس طرح گویا ہوئے "السلام علیک یا اماہ" اماں جان آپ کا پیارا حسین حلقوم کٹوانے جا رہا ہے اور آپ سے رخصت ہونے آیا ہے ۔ اماں جان آپ کے نور بصر حسین سے اب مدینہ چھٹ رہا ہے کہ تربت زہرا سے مضطربانہ آواز آئی ۔ اے مظلوم مادر مشیت میں مجال دم زدن نہیں ۔ چند روزہ مصیبت اٹھا کر جلدی ہم سے ملنے والے ہو ۔ تمھاری جدائی میں یہاں بھی بے قراری ہے ۔

پھر پچھلی رات کو دوبارہ روضہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے اور ادعیہ جمد فرما کر نماز ادا فرمائی۔ کہ پھر آنکھ لگ گئی۔ دیکھا کہ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور سر مبارک کو گود میں لے کر فرما رہے ہیں کہ اے لخت جگر بہت قریب ہے کہ تو ہم سے ملے گا۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ میرے پاس بھوکا پیاسا زخمی جگر لے کر تو آرہا ہے۔ یہ جسم نوری خاکِ کربلا سے آلودہ ہوگا۔ یہ عارض رنگین خون حلقوم سے گلنار ہوں گی۔ جسم علیحدہ ہوگا سر علیحدہ۔ بیٹا حسین صبر کرنا۔ مردِ میدانِ رضا رہنا۔ آنکھ کھل گئی۔

ہجرت امام از مدینہ بمکہ معظمہ

غرض کہ ۳ شعبان المعظم سنہ ٦٠ھ کو مدینہ سے ہجرت فرما کر معہ اعزہ مکہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں عبداللہ مطیع سے ملاقات ہوئی۔ اس نے عرض کی ؎

کردۂ عزمِ سفر لطف خدا یارِ تو باد
فضلِ حق از ہمہ آفات نگہدارِ تو باد

حضور کہاں کا عزم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ عبداللہ اب مدینہ سے دِل برداشتہ ہو چکا ہے مکہ کی طرف روانگی کا عزم ہے ہر روز کے نئے نئے غم اور صدمے سہنے کی طاقت نہیں۔ رباعی

گردوں ہمہ اسباب غمم می سازد
وز من بکس دیگر نمے پردازد
از خاکِ در جد خودم دور انداخت
چوں باد مرا بگرد عالم مے تازد

عرض کی۔ حضور وہاں سے کہاں کا عزم ہے فرمایا جو مشیت الٰہی ہوگی
وہ ہوگا۔ ابھی آگے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ عبداللہ مطیع نے اس طرح دعا کی

اقبال مطیع و بخت یارت ـــــ بادا
توفیق رفیق روزگارت ـــــ بادا

اور عرض کی حضور! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ آپ نے فرمایا
ہاں ہاں کہو۔ محبوں کے اقوال و آرا ہم سماعتِ قبول کے ساتھ مسمو
کرتے ہیں۔ عبداللہ مطیع نے عرض کی۔ حضور! آج آپ سرورِ عالم و مہت
و بہتر بنی آدم ہیں۔ تشریف لے جائیں اور حرم میں قیام فرمائیں۔ مگر مکہ
آگے کا زینہار قصد نہ ہو۔ ممکن ہے۔ کوفیوں کی چاپلوسی میں حضور آجائ
میری عرض یہ ہے۔ کہ وہ کتنا ہی اصرار کریں۔ مگر وہاں حضور تشریف
لے جائیں۔ میرا گمان غالب ہے کہ کوفی لایوفی حضور کی مکہ میں رونق افروز
سن کر ضرور بلانے کی فکریں کریں گے مگر حضور

ع درجبلت ایں کوفیاں مروت نیست

آپ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ اللہ تجھے اس محبت کی جزا جزیل عطا فرمائے
پھر اس سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ مکہ معظمہ پہنچے تو اہل
مکہ نے تشریف آوری خورشید نبوت سُن کر زیارت کے لئے روانگی کی ا
قدم بوسی کو حاضر ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
خلیفہ مکہ معظمہ حاضر دربار ہوئے۔ آپ شہزادہ صاحب کے رضاعی بھائی
ہیں۔ جب اہل مکہ کی ملاقاتوں سے فرصت ملی۔ تو آپ سے تخلیہ میں حضرت
عبداللہ بن زبیر نے عرض کی۔ حضور یہ تشریف آوری کیسی ہے۔ حضور
تمام واقعات بیان فرمادیئے آپ نے حماقت یزید پر بہت زیادہ افسوس فر

اور بحد غایت ہمدردی کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے امام ابن الامام آپ اس وقت یہاں کے خلیفہ ہیں اور ہم سب حضور کے غلام اور حقیقت یہ ہے کہ منصب خلافت آپ کو آپ کے آباؤ اجداد کو شایان بھی ہے اور آپ کے مقابلہ میں یزید پلید کا کیا منہ ہو تختِ خلافت پر بیٹھے۔ اگر حضور کی مرضی ہو تو ہم تمام غلام اس خبیث سے مقابلہ کرنے کو حاضر ہیں۔ آپ یہ جواب سُن کر تبسم ہوئے اور فرمایا وَتُرْبَةُ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اَکُوْنُ خَلِیْفَةً یَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنُ الزُّبَیْرِ وَلَا خِلَافَةَ وَلَا اُرِیْدُ الَّا اَنْ اَسْکُنَ بِمَکَّةَ فِیْ وَادِیْ بِعَشِیْرَتِیْ اِلٰی اَنْ اَمُوْتَ کَمَا کَانَ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَاکِنًا بِهَا وَاَرْحَا اَهْلِیْ عَشِیَّةَ اَشْبَعُ یَوْمًا وَاَجُوْعُ ثَلٰثًا حَتّٰی تَنْقَضِیَ مُدَّتِیْ۔ اے ابن زبیر قسم ہے مجھ کو میرے جدّ امجد کے قبر منور کی۔ کہ میں نہ خلیفہ ہوں گا نہ میرا ارادہ خلافت کا ہے۔ نہ اس ارادہ سے میں مکہ میں آیا۔ بلکہ محض چند روز یہاں گزارنے آیا ہوں۔ یہاں تک کہ مجھے موت آجائے اور اس طرح گزر کرنا چاہتا ہوں۔ جیسے میرے جدّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں۔ اہل وعیال میں رہے ایک دن کھا لیا۔ تین دن فاقہ مستی میں گزارے۔ یہاں تک کہ مدت عمر اسی طرح گزر جائے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا اس جواب سے جی بھر آیا اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگے اے ابا عبداللہ۔ اے ابن بنت رسول اللہ حَاشَاکَ وَحَاشَا اَهْلُ بَیْتِكَ مِنَ الْجُوْعِ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو بھوک سے کیا تعلق حضور کے تو مراتب اعلیٰ و بالا ہیں۔ حضور کے غلاموں اور تمام بنی ہاشم کے لئے یہاں ہر قسم کی آسائشیں موجود ہوں گی۔ ہم کو کھانا حرام ہے۔ جب تک آپ اور آپ کے اہلبیت نہ کھالیں۔ پینا زہر ہے۔ جب تک آپ اور

آپ کے گھر والے نہ پی لیں۔ ہم کسی خرچ کو حضور کے مقابلہ میں مقدم ہی نہیں رکھ سکتے۔ پہلا خرچ حضور کے لئے۔ بعد میں سب ضروریات کے واسطے۔ آپ کے اشارہ ابرو پر ہماری جانیں فدا ہیں۔ اس جواب پر حضرت امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر کو دعائیں دیں۔ اور آپ کے معروض پر انہیں کے یہاں قیام فرمایا۔ ابن زبیر ہمیشہ دست بستہ خدمت میں حاضر رہتے۔ ہر حکم کو آنکھوں سے پورا کرتے اور تمام اہل مکہ روزانہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے۔ اقسام اقسام کے تحفہ تحائف خدمت میں لاتے۔

مبادیات خط و کتابت یزیدیان با امام ہمام

علامہ اسفرائنی نور العین میں فرماتے ہیں۔ کہ ادھر تو شہزادہ صاحب مکہ معظمہ میں رونق افروز ہوئے۔ اُدھر یزید کی یزیدیت نے پورے پورے ظلم و ستم شروع کر دیئے۔ رعایا برایا سخت تنگ ہوئی۔ خاص کر عبید اللہ ابن زیاد والئے کوفہ و بصرہ کے مظالم حد سے زیادہ ہو گئے تو جب اہل کوفہ نے تشریف آوری امام حسین کی خبر مکہ میں سنی تو باہمی مشورہ کیا کہ ان سے بہتر ہمیں خلیفہ کون مل سکتا ہے بہتر یہ ہے کہ عریضہ بھیجا جائے اور اقرار کیا جائے کہ ہم لوگ آپ کی پیروی میں یزید سے محاربہ کو تیار ہیں۔ یہاں تو یہ رائے قرار پاتی ہے۔ وہاں والی مدینہ ولید بن عقبہ کو اس قصور میں معزول کیا جاتا ہے۔ کہ اس نے تعمیل حکم یزید میں تساہل کیا اور اس کی جگہ ابن الاشدق والی مدینہ مقرر کیا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ مکہ معظمہ تشریف لائے تو اس وقت والی مکہ سعید بن عامر تھا۔ اس نے جب شہزادہ کی طرف اہالیانِ مکہ کا یہ رجحان دیکھا کہ اذان کے وقت جم غفیر ہوتا ہے اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھتا ہے تو اس

کے دل میں یہ وہم پڑا کہ زمانہ حج قریب ہے۔ اس وقت بیرونجات سے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان جمع ہوں گے۔ ممکن ہے امام ہمام اس جمعیت کو لے کر مقابلہ شروع فرمادیں اور مجھے قتل کرادیں بیچارہ بھاگ گیا۔ ان کی جگہ عبداللہ بن زبیر حاکم مکہ مقرر ہوگئے اور اس نے مدینہ پہنچ کر یزید کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں اہالیان مکہ کا میلان امام کی طرف ظاہر کیا۔ اُدھر کوفہ سے ستر آدمیوں نے مشورہ کرکے جن میں مسیّب بن فرازی۔ رفاعہ بن شداد۔ حبیب مظاہر۔ محمد کثیر، محمد اشعث۔ عبدالرحمٰن بن منحف۔ عبداللہ بن عفیف۔ طارق اعمش۔ اعمش طارق۔ مختار بن عبیدہ۔ عمر سعد وغیرہ شرفاء کوفہ بھی تھے۔ امام ہمام کے نام عریضہ بھیجا جس کا یہ مضمون تھا۔

اِعْلَمْ یَا اَبَا عَبْدَاللّٰہِ اِنَّ الْیَزِیْدَ جَآءَ عَلَیْنَا وَتَجَبَّرَ عَلٰی سَائِرِ الْبِلَادِ وَعَمَّ ظُلْمُہٗ وَجَوْرُہٗ سَائِرَ الْعِبَادِ وَاَرْسَلَ لَنَا رَجُلًا مِنْ عَسْکَرِہٖ یَحْکُمُ فِیْنَا یُقَالُ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنِ زِیَادٍ اَظْلَمُ وَاَجْبَرُ وَاَطْغٰی مِنْہُ عَلٰی سَائِرِ الْعِبَادِ وَاِنَّ الْخِلَافَۃَ لَیْسَتْ لِلْیَزِیْدِ وَلَا لِاَبِیْہِ بَلْ ھِیَ لَکَ وَلِاَبِیْکَ وَجَدِّکَ فَنَرُوْمُ حِیْنَ وُصُوْلِ الْکِتَابِ اِلَیْکَ تَحْضُرُ تَاخُذُ الْخِلَافَۃَ عَلَیْنَا وَنَحْنُ نَرْکَبُ مَعَکَ وَنُسَاعِدُکَ عَلٰی حَرْبِ الْیَزِیْدِ وَجُنُوْدِہٖ تَاْخُذُ الْخِلَافَۃَ اَنْتَ اَوْلٰی بِھَا مِنْہُ وَاَعْدَلُ لَنَا مِنْہُ فَاَنْتَ صَاحِبُ الْعَدْلِ وَلَا تَتَاَخَّرْ اِلَّا مَسَافَۃَ الطَّرِیْقِ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اے ابا عبداللہ یزید ہمارے اُوپر حاکم ہوگیا ہے اور تمام ممالک پر سخت ظلم کررہا ہے اور اس کا ظلم و ستم تمام رعایا پر عام ہوچکا ہے اور ایک شخص مسمی عبیداللہ بن زیاد حاکم لشکر بنا کر بھیجا ہے۔ جو انتہا درجہ کا ظالم اور سرکش ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خلافت میں یزید کا حق نہیں نہ اس کے باپ کا حق تھا۔ بلکہ وہ آپ کا اور آپ کے باپ دادا کا حق ہے۔ لہٰذا اس عریضہ کے پہنچتے ہی آپ تشریف لائیں اور خلافت کو قبضہ میں لائیں۔

اور ہم آپ کے ساتھ حرب یزید کو تیار ہیں اور آپ اس خلافت کے لئے سب سے اولیٰ اور اعلیٰ ہیں اور آپ سے ہمیں عدل کی امید ہے اس لئے کہ آپ صاحب عدل و انصاف ہیں اور اب تشریف آوری میں قطعی تاخیر نہ فرمائی جائے۔"

یہ نامہ قاصد لے کر مکہ معظمہ آیا اور امام ہمام کی دست بوسی کر کے آپ کے پیش کیا۔ آپ نے اسے پڑھ کر رکھ دیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ مجبوراً قاصد واپس لوٹا اور تمام قصہ اہل کوفہ سے کہہ دیا۔ اس کے بعد ایک سال تک مکہ معظمہ مقیم رہے۔ مگر اس مدت میں اہل کوفہ نے ایک ہزار خطوط اسی مضمون کے آپ کی خدمت میں بھیجے اور آپ نے کچھ التفات نہ فرمایا۔ مگر زبانی جواب یوں فرمایا انی لما اخرج من مکۃ ولا ابرج عنہا حتی تنقضی مدتی واموت فیہا ولا لی حاجۃ ولا بظلم العباد۔ یعنی میں مکہ سے کہیں نہ جاؤں گا۔ یہاں تک کہ مدت زندگی ختم ہو اور میں دنیا سے انتقال کروں اور مجھے خلافت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور میں نہیں چاہتا کہ فضول خدا کے بندوں پر ظلم ہو۔

پھر عبداللہ بن سلع کی معرفت ستر عریضہ اسی مضمون کے اور بھیجے۔ آپ نے ان کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ آخر ش مجبور ہو کر بدسائے کوفہ نے بشیر بن مصہر اور عبدالرحمٰن بن عبید ارجی کو آپ کے لینے کے لئے بھیجا اور ان کے ساتھ ۵۰ عریضہ شرفاء کوفہ کے روانہ کئے۔

نورالائمہ خوارزمی میں ہے کہ اہل کوفہ نے ہانی ابن سبعی اور سعید بن عبداللہ خثعمی کو بہت سے خطوط دیکر مکہ روانہ کیا اور جب یہ جماعت بے نیل مرام واپس لوٹی تو شیث بن ربعی۔ عروۃ بن قیس۔ عمر بن الحجاج اور چند شرفاء کوفہ کو بہت سے عریضہ لکھ کر مکہ بھیجا اور نہایت عجز و انکسار سے اظہار محبت کیا۔ گویا بموجب اس رباعی کے مضمون کے جملہ عریضوں کا مضمون تھا رباعی

ہیچ راۓ نیست مارا جز وصال روئے تو
ہیچ دامے نیست مارا جز خم گیسوئے تو
بر عدو بکشا کمیں وز دوستاں نقرہ طلب
اے نہادہ حق تعالیٰ فتح در بازوئے تو

عرض کہ جب اصرار اہالیانِ کوفہ حد سے بڑھ گیا اور خطوط کی کوئی گنتی نہ رہی تو شہزادہ کونین سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس مضمون کا جواب روانہ فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ عِنْدِيْ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ اِلٰى اَهْلِ الْكُوْفَةِ وَالْعِرَاقِ اَعْلَمُكُمْ اَنَّكُمْ اَرْسَلْتُمْ لَنَا اَلْفَ كِتَابٍ وَنَحْنُ نَلْتَفِتُ اِلَيْهَا وَاِنَّمَا مَامُرَادِيْ اِلَّا الْجِوَارُ بِكَعْبَةِ اللّٰهِ نُقِيْمُ فِيْهَا اِلَى الْقَضَاءِ الْاَجَلِ وَالْاٰنَ ظَهَرَ مِنْكُمُ الشَّكْوٰى مِنْ ظُلْمِ الْيَزِيْدِ وَغَيْرِهٖ وَاِنِّيْ حَاضِرٌ اِلَيْكُمْ عَنْقَرِيْبٍ اِنْشَاءَ اللّٰهُ وَالْوَاصِلُ لَكُمْ مُسْلِمٌ بْنُ عَقِيْلٍ بِكِتَابِيْ وَهُوَ يُصَلِّيْ لَكُمْ فِي الْمَسْجِدِ الْكُوْفَةِ وَيَقْضِيْ بَيْنَكُمْ وَالنُّعْمَانُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ اِلٰى اَنْ اَحْضُرَ لَكُمْ۔

ترجمہ: یہ نامہ حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف سے اہل کوفہ اور عراق کے لئے ہے۔ اے اہل کوفہ تم نے ایک ہزار خطوط مجھے بھیجے۔ مگر میں نے ان کی طرف التفات نہ کیا۔ اس لئے کہ میرا کوئی مقصد نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ جوار کعبہ ہوں اور یہیں اپنی زندگی پوری کروں یہاں تک کہ وقت موت آجائے۔ مگر چونکہ تم ظلم یزید کے شکوے برابر کر رہے ہو۔ اس لئے میں عنقریب تم سے آکر ملوں گا۔ سردست تمھارے پاس

ہمارا فرمان لے کر مسلم بن عقیل آرہے ہیں۔ یہی نماز پنجگانہ اور جمعہ پڑھائیں گے اور احکامات جاری کریں گے اور نعمان بن بشیر بدستور نفاذ حکم کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ میں کوفہ پہنچوں۔

یہ نامہ آپ تحریر فرما کر روانہ کرنے کو تھے کہ اتنے میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہو گئے۔ انہوں نے سب کچھ سن کر عرض کی۔ حضور مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں۔ میں کوفیوں کی ان چاپلوسیوں سے واقف ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ابن عباس! تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ مگر حکم الٰہی کے سامنے کسی کی رائے معقول نہیں۔ انہوں نے عرض کی حضور واپس مدینہ چلیں۔ پھر جو کچھ آپ کے جدامجد کی طرف سے حکم ہو۔ اس کی تعمیل فرمائیں۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ بھائی جس شہر نے ہمیں چھوڑ دیا اور جس شہر کو ہم چھوڑ چکے ہیں۔ اب وہاں کیا جائیں گے ؎

بیدلا زانیست رہ در عشرت آبادِ وصال
بعد ازیں ماؤ فراق دگوشۂ ویرانہ
خانماں گر گشت ویراں شکر کز اقبالِ دوست
بر سرِ کوئے بلا داریم محنت خانہ

ابن عباس نے عرض کی۔ خیر حضور اگر میری درخواست مسترد ہوتی ہے تو کم از کم یہ ضرور قبول فرمائیں۔ کہ کوفیوں کی اس رسل و رسائل کے دم میں نہ آجائیں اور معہ حرم محترم کے زنہار زنہار قدم باہر نہ رکھیں۔ آپ نے فرمایا۔ میاں! تم ادھر دامن کھینچتے ہو اور قضاو قدر اُدھر۔ میں مجبور ہوں ؎

باقضا بر نمے تواں آمیخت
باقدر بر نمے تواں آمد
ہر درے کز قدر کشادہ شود
جز ازاں در نمے تواں آمد

ابن عباس ارادۂ اللہ غالب ہے۔ اس میں مجال ومزدن نہیں۔ چنانچہ حضرت مسلم بلائے گئے اور تمام قصہ ان سے کہا گیا۔ انہوں نے سب کچھ سُن کر عرض کی اب کیا مرضی ہے۔ آپ نے اپنا نامۂ مبارک دیا اور فرمایا اسے لیجئے اور تشریف لے جائیے۔ جب آپ کا خط مجھے ملے گا۔ میں بھی روانہ ہو کر آپ سے آملوں گا۔ آپ نے نامۂ نامی لیا اور سامانِ سفر مہیا فرما کر اُسی قاصد کے ساتھ روانگی فرمائی۔

اسباب عداوت یزید باامام ہمام

اب سبب عداوت یزید میں علماء کی جو رائیں ہیں۔ ان کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ معاملہ صاف سمجھ میں آجائے۔

صاحب کنز الغرائب لکھتے ہیں۔ یزید کو شہزادۂ کونین سے دو قسم کی عداوت تھی۔ ایک عداوت صوری۔ دوسری معنوی۔ معنوی تو یوں کہ روزِ میثاق میں ہی روحِ یزید، روحِ پرفتوح شہنشاہ سے اپنی ذلت کے باعث رنج پاچکی تھی۔ اور صوری دو طرح سے ہے۔ ایک اصلی ایک فرعی۔ اور چونکہ فروع تابع اصول ہوتے ہیں اور صُور تابع معانی۔ اور معنوی صورت کا رنج مذکور ہو ہی چکا۔ تو بواسطۂ تناقض روحی اس ہستئ مقدس اور اس ہستئ مخدش میں اختلاف لازمی ملخص اس کا یوں

ہے کہ ارواح انبیاء اولیا و مومنین و مطیعین و صالحین مظاہر لطف و رحمت الٰہی ہیں اور ارواح کفار و فجار و مشرکین و منافقین و فاسقین مظاہر قہر و زحمت رہی ہیں۔ تو دونوں کی صفات میں فرق لازمی ہے اور جو مظہر جس شان کا ہے وہ اپنے اصل کی طرف ضرور رجوع ہوگا۔ بنابریں چونکہ یزید مظہر قہر و غضب الٰہی تھا الجنس یمیل الی الجنس۔ کل شئی یرجع الی اصلہا کے مطابق اس نے اپنے مبداء اصلی کی طرف رجوع کیا اور جو مظہر لطف و رحمت تھے انہیں اپنے مبداء کی طرف رجوع ہونا لازمی تھا تو فما تعارف منہا ائتلف و ما تناکر منہا اختلف کے موافق جو ایک جنس تھے وہ باہم شیر و شکر ہو گئے۔ جو غیر جنس تھا وہ مختلف ہو گیا۔ مولانا معنوی نے خوب لکھا ہے ؎

دوستی و دشمنی در ہر نہاد
ز اختلاف روز یثاق اوفتاد
چوں جہان کون در ہم بستہ شد
جنس با جنس اندرو پیوستہ شد
رومیاں مر رومیاں را طالب اند
زنگیاں در زنگیاں ہم راغبند
وانکہ ہم جنسش نبود اندر نخست
ایں زماں در دشمنی ہستند چست

اسی وجہ میں انبیاء سے کفار کے معاندہ، اخیار کے اشرار سے مشاجرہ اور صلحا کی فساق سے مخالفت ناشی ہوئی اور یہ عداوت دعائی و لازمی ہے

صاحب روضۃ الشہداء نے عداوت صوری کی چند وجہ اور لکھی ہیں۔ اول تو یہ کہ آپ نے اس کی بیعت سے قطعی انکار فرما دیا تھا۔ دوسری یہ کہ عبداللہ ابن زبیر کی بیوی نہایت حسین وجمیل تھیں اور ان کے حسن وجمال کی شہرت عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ یزید بھی غائبانہ فریفتہ ہوا۔ اور زبانِ حال سے اس کے تصور میں اس شعر کے مطابق اُس کا حال تھا۔

بے خبر عاشقِ جمالِ تو ایم
لاجرم طالبِ وصالِ تو ایم

مختصر یہ کہ اس نے ایسی چالیں چلیں اور کچھ اس طرح ابن زبیر کو ان کی طرف سے بدظن کر دیا کہ انہوں نے طلاق دے دی۔ پھر ملک شام سے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بلا کر اپنا وکیل کیا کہ مطلقہ ابن زبیر کو اگر وہ رضامند ہو جائے میرے لئے منکوحہ بنا لائیں۔ آپ یہاں سے چلے۔ راستہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے سببِ سفر پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ اس لئے جا رہا ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر وہ یزید کو منظور نہ کرے تو میرے لیے پیام دینا آپ نے منظور کر لیا اور فرمایا۔ میں پیام وکالتی اور اصالتی پہلے سے دوں گا۔ ان دونوں کو جب وہ منظور نہ کرے گی تو پھر تمہارے لیے کہوں گا۔ ابن عمر نے فرمایا۔ وکالتی اصالتی سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا پہلے اپنے لیے کہوں گا پھر یزید کیلئے پھر تمہارے لیے۔ راستے میں شہزادہ کونین سیدنا حسین سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے سب کچھ سن کر فرمایا کہ اگر تینوں پیام وہ قبول نہ کرے تو ہمارے لیے پیام دینا۔

غرض کہ آپ اُس کے پاس تشریف لائے۔ اول رمز وکنایہ میں گفتگو فرمائی۔ انہوں نے کہا کنایات کو چھوڑیئے اور صاف صاف کہیئے۔ القصہ ابوموسیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ چار آدمی تم سے عقد کے خواستگار

ہیں اب جسے تم منظور کرو اس سے تمہارا عقد ہو جائے۔ انہوں نے کہا وہ چار کون کون ہیں۔ آپ نے فرمایا اول میں۔ پھر یزید۔ پھر ابن عمر۔ پھر ابن علی۔ اس خاتون نے کہا ابو موسیٰ! میں جوان ہوں اور بفضلہ مال و متاع میرے پاس کافی ہے۔ علاوہ اس کے پاک دامن ہوں اور بلا سبب ابن زبیر نے مجھے طلاق دی ہے۔ شادی ضرور کروں گی مگر غور کر کے۔ آپ سے تو اسلئے نہیں کہ آپ معمر ہیں۔ میرے آپ کے مابین نباہ مشکل ہے۔ لہذا اپنے لئے تو آپ خیال اٹھا لیجئے اور پھر رائے دیجئے کہ ان تینوں میں کون بہتر ہے۔

ابو موسیٰ نے کہا میرے متعلق جو کچھ تم نے کہا سچ ہے لہذا اس خیال کو میں اپنے دماغ سے نکال کر تمہیں رائے دیتا ہوں۔ اگر ملک و سلطنت چاہتی ہو جاہ و جلال کی خواہش رکھتی ہو تو یزید بہتر ہے۔ اور جوان صالح حسین و جمیل چاہتی ہو تو ابن عمر بہتر ہے اور اگر حسن ظاہری و باطنی اور نجات آخرت اور درجات علیا اور ہم نشینی سیدہ طاہرا اور جملہ اہل بیت اطہار چاہتی ہو تو شہزادہ کونین سیدنا حسین سے بہتر دنیا میں معدوم ہے اس لئے کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ جس عورت کا شہزادہ حسین سے مس ہو جائے گا۔ اس پر جہنم حرام ہے۔ لہذا اگر عروس سیدہ زہرا و خدیجۃ الکبریٰ بننا چاہتی ہوں۔ خادم حرم حسین بن جاؤ۔

خاتون نے کچھ دیر غور کیا۔ پھر کہنے لگیں۔ مال و جاہ دنیا فانی ہے اور جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے۔ اگر اس کا فضل رہے تو تمام عمر کو کافی ہے اور جوانی و جمال یہ سب ادنیٰ بیماری میں نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور خدمت اہل بیت موجب دولت ابدی و سعادت سرمدی ہے۔ لہذا ابو موسیٰ آپ تو میرا عقد شہزادہ صاحب سے کر دیجئے۔ چنانچہ وہ خاتون انداج امام میں داخل ہو گئی ؎

آں بندۂ کہ خدمت او اختیار کرد
اورا خدائے در دو جہاں مختیار کرد

جب یہ خبر یزید کو پہنچی۔ آتش رقابت میں جل بھُن کر شعلۂ جہنم بن گیا اور یہی سبب عداوت بن گیا۔ جس نے اخیر تک اپنا اثر دکھایا۔

روانگی حضرت مسلم بن عقیل بہ کوفہ

غرض کہ منازل سفر طے فرما کر وہ سلطان سریر اصطفےٰ شہسوار میدان کربلا دلیل راہ جلیل شعاع نور حسین خلیل حضرت مسلم بن عقیل دارالامارت کوفہ میں داخل ہوگئے۔ اہالیان کوفہ اپنے قاصد کے انتظار میں آبادی سے باہر آئے ہوئے تھے۔ حضرت امام حسین سید الشہداء کے برادر عم کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہوتے ہی باغ باغ ہوگئے۔ اور دریافت کیا کہ حضور امام ہمام کب تک جلوہ گر ہوں گے۔ قاصد نے آگے بڑھ کر جواب دیا کہ عنقریب رونق بخش کوفہ ہونے والے ہیں۔ فی الحال میرے ساتھ آپ کو بھیجا ہے اور نامہ فیض شمامہ ہمراہ دیا ہے۔ اہل کوفہ نہایت ممنون و مشکور ہوئے۔ اور اپنے معزز مہمان کی میزبانی میں مشغول۔ نہایت اعلیٰ مکان میں آپ کو اُتارا۔ انعمۂ و اطمہ لذیذہ تیار کر کے خدمت میں پیش کئے۔ دوسرے روز علی الصباح نعمان ابن بشیر حاکم کوفہ سے ملاقات ہوئی۔ امام ہمام کا نامۂ مبارک اُنہیں دیا گیا نعمان نے سر و قد تعظیم نامہ کی۔ سر آنکھوں پر رکھ کر پڑھا اور کہا کہ امام کے حکم کی تعمیل ہمارے لیئے فخر ہے وہ لخت جگر فاطمہ زہرا ہیں دلبند مرتضےٰ و نور دیدۂ مصطفےٰ ہیں۔ زہے قسمت کہ ہم ان کی رعیت بنیں اور وہ ہمارے امام۔ قسم بخدا ان سے بہتر خلافت کا مستحق کوئی نہیں ہوسکتا۔ پھر اہل کوفہ نے شہزادہ صاحب کی بیعت

دست مسلم پر کی۔ جب بارہ ہزار یا بروایت دیگر اٹھارہ ہزار یا تیس ہزار یا چالیس ہزار بیعت ہو چکے تو حضرت مسلم نے مطمئن ہو کر شہزادہ کونین سیدنا امام حسین کی خدمت میں عریضہ روانہ کیا۔ اس میں تحریر تھا۔ کہ اہل کوفہ اپنے پیمان پر ثابت قدم ہیں۔ اور اب تک چالیس ہزار حضور کی غلامی میں داخل ہو چکے ہیں۔ لہذا اب تشریف لانے میں کچھ پس و پیش نہ فرمائیں۔ یہاں نعمان بن بشیر والئے کوفہ بھی چاہتے رہے۔ کہ امام کی سلطنت ہو جائے اور در پردہ لوگوں کو آپ کی بیعت کی تحریک بھی کرتے مگر بظاہر خوف یزید سے لوگوں کو منع کرتے اور آپ کی خدمت میں جانے سے روکتے رہے۔ جب اتنی زبردست جمعیت امام بڑھ گئی تو مسلم بن یزید حضرمی اور عمارۃ بن ولید نے خفیہ طور پر دمشق اطلاع دے دی اور یزید کو لکھ دیا کہ اب تو اپنے کو سلطنت سے علیحدہ سمجھ اس لئے کہ امام کی قوت زبردست ہو چکی ہے۔ اور حاکم کوفہ نعمان بن بشیر بھی ان میں مل گیا ہے۔

انصرام شہادت حضرت مسلم رضی اللہ عنہ

یہ نامہ یزید نے جب پڑھا مبہوت ہو گیا۔ سراسیمگی میں تمام اراکین دولت کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ اب کیا کروں۔ آخر ش یہ رائے قرار پائی۔ کہ نعمان معزول کیا جائے اور بطور خفیہ عبید اللہ بن زیاد بد نہاد کو بصرہ سے کوفہ بھیجا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور عبید اللہ کو تاکید کی گئی۔ کہ بصرہ سے اس نامہ کو دیکھتے ہی کوفہ کی طرف روانہ ہو اور وہاں پہنچ کر نعمان کو اس کی معزولی کا حکم سنا۔ اور اہالیان کوفہ کو حکمت عملی سے راہ راست پر لا۔ عبید اللہ یہ حکم دیکھتے ہی لباس حجازی پہن کر نقاب چہرہ پر ڈالے سمت کوفہ روانہ ہوا۔ لعد ما ینعم

وعشا داخل کوفہ ہوا۔ اہالیانِ کوفہ تشریف آوری امام کی بیتابی سے منتظر تھے حجازی لباس نقاب سیادت دیکھ کر سمجھے یہ امام ہمام ہیں۔ استقبال کو دوڑے اور اندھیری رات میں سب پکارے مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ اور سلام کر کے خوش خوش جلو میں آگے آگے دوڑتے چلے۔ اور یہ شعر زبانوں پر جاری تھا ؎

رواقِ منظرِ ما چشم آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

عبیداللہ ابن زیاد نہایت خاموشی سے شہر میں داخل ہوا۔ عبیداللہ جس وقت بصرہ سے چلا تھا وہاں اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر آیا تھا اور کافی فوج ہمراہ لایا تھا۔ دارالامارۃ کے قریب عمر باہلی کو فکر ہوئی کہ شہزادہ کونین سیدنا حسین اگر ہوتے تو اس طرح سکوت سے کیوں آتے۔ معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی راز ہے آگے بڑھے اور نقاب ہٹا کر دیکھا تو معًا پکارے وَيْلَكُمْ هٰذَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ زِيَادٍ یعنی تم ہلاک ہو جاؤ یہ تو عبیداللہ بن زیاد بدنہاد ہے۔ یہ آواز سنتے ہی اہل کوفہ پر مردنی چھا گئی۔ یہ خبیث صبح ہوتے ہی اپنی خچر سے اترا اور نعمان بن بشیر حاکم کوفہ سے ملا۔ بعد مزاج پرسی کے کہنے لگا افسوس آپ نے نمک حرامی کی اور امام حسین کے طرف دار ہو گئے۔ مسلم بن عقیل نے کوفہ پر تسلط کیا اور تم نہایت اطمینان سے دیکھتے رہے۔ خیر جیسا کیا ویسا پایا۔ لیجئے یہ حکم یزید کا ہے۔ اسے پڑھ کر تعمیل حکم کیجئے۔

نعمان بن بشیر نے اپنی معزولی کا حکم سنتے ہی کہہ دیا کہ اگر ابن رسول اللہ کی طرف داری نمک حرام کا کام ہے۔ تو تجھ جیسا حلال خور میں بننا نہیں چاہتا۔ میں نے وفاداری سے کام کیا۔ اس پر بھی یہ صلہ ہے تو مجھے حکومت کی پرواہ

نہیں۔ ایمان ہے تو جہان ہے۔ آپ اُٹھ کر جانے لگے۔ عبید اللہ نے علی الفور آپ کو روک لیا اور ریحیال فتنہ اپنے پاس ہی رکھا۔

علی الصباح ابن زیاد نے کوفیوں کو جامع مسجد میں جمع کیا۔ تھوڑی دیر میں اتنا ہجوم ہو گیا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی۔ اس وقت یہ منبر پر چڑھا اور لوگوں کو سخت سست کہنے لگا اور لشکر یزید کا ڈر دکھانے لگا۔ کوفی لا یوفی کانپ گئے اور اپنے سابقہ عہد و پیمان سب نسیاً منسیاً کر کے باہمی کہنے لگے۔ کہ دو بادشاہوں کی لڑائی ہے۔ ہمیں اس سے کیا بحث۔ ہم تو کسی معاملہ میں دخیل ہی نہ رہیں گے۔ ہمیں نہ حضرت مسلم کا ساتھ دینا ہے نہ یزید کا مخالف بننا۔

مختصر یہ کہ عصر کے وقت جب حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو آپ کے ساتھ کسی نے بھی نماز نہ پڑھی۔ آپ مسجد سے باہر تشریف لائے۔ ایک لڑکا دروازہ مسجد پر نظر آیا۔ اس سے فرمایا بیٹا آج کوفہ والوں کا کیا حال ہے لڑکے نے عرض کی حضور عبید اللہ بن زیاد بحکم یزید کوفہ آیا ہے اور اس نے ابن بشیر کو معزول کر کے تمام اہل کوفہ کو امام حسین سے منحرف کر دیا ہے۔ آپ یہ سُن کر حیران و ششدر ہو گئے اور زبان مبارک سے لاحول نکلی پھر خیال آیا کہ میں شہزادہ صاحب کو بلا چکا ہوں وہ میرے عریضہ کو دیکھتے ہی روانہ ہو گئے۔ اب کیا کروں۔ اپنی جان کی پرواہ نہیں میری جان جائے تو جائے مگر اس جان جہاں پر کوئی صدمہ نہ آئے۔ اب نکلنا مشکل ہے خط بھیجوں تو کس ذریعہ سے۔ اس شش و پنج میں تھے کہ خیال آیا کہ اکابر کوفہ میں ہانی بن عروہ ہیں۔ ان سے چل کر مشورہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آپ کوفہ کی گلیوں میں سے نکل کر ان کے مکان پر تشریف لائے۔

صاحب نور العین علامہ ابی اسحٰق اسفرائنی ایک روایت نقل فرماتے ہیں

کہ اس وقت ہانی بیمار تھے۔ آپ کی آواز سنتے ہی اُٹھے اور نہایت تعظیم و تکریم سے اندر لائے۔ سب قصہ سُنا۔ پھر عرض کی حضور ابن زیاد سے میرا دوستانہ تعلق ہے وہ میری بیماری سُن کر ضرور عیادت کو آئے گا۔ آپ مسلح فلاں گوشہ میں رونق افروز رہیں۔ اوّل میں اسے زبانی باتوں میں سمجھاؤں گا۔ جب وہ نہ سمجھے گا تو اپنا صافہ اتار کر زمین پر رکھ دوں گا۔ پھر اُسے اُٹھا کر سر پر رکھوں گا۔ بس آپ فوراً اُسے قتل کر دینا۔ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ چنانچہ عبید اللہ نے دو تین روز میں تمام شرفاء و رؤساء کوفہ مقید کر لیے اور حضرت مسلم کی گرفتاری پر انعام کا اعلان کر دیا۔ پھر خیال آیا کہ ہانی کا کیا حال ہے وہ ملنے بھی نہ آئے۔ کہا گیا بیمار ہیں۔ خبیث عیادت کے لئے چلا۔ جب آپ کے پاس آکر بیٹھا۔ آپ نے کہا کس غرض سے کوفہ میں آیا ہے۔ ابن زیاد نے کہا۔ مسلم بن عقیل نے امام حسین کی طرف سے سخت فتنہ پھیلایا۔ اس کے فرو کرنے کو میں یہاں کا حاکم مقرر کیا گیا ہوں۔ ہانی نے کہا کیا تمہارے نزدیک مسلم بن عقیل اور امام حسین فتنہ پرداز ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اگرچہ وہ ابن رسول اللہ ہیں۔ مگر حاکم سے مخالفت کرنے والا واجب القتل ہے۔ آپ خاموش ہو گئے اور سمجھ گئے کہ اس کا ایمان نکل چکا ہے۔ پھر آپ نے صافہ اُتار کر سر پر رکھا۔ حضرت مسلم کا انتظار کیا۔ یہ سمجھے ان کی نظر میرے صافہ پر شاید نہیں پڑی۔ پھر اتارا پھر رکھا اب بھی آپ کو تشریف لاتے نہ دیکھا تو آپ بے تابانہ یہ رباعی باآواز پڑھنے لگے رباعی

حَیُّوْا سُلَیْمٰی وَحَیُّوْا مَنْ یُّحِبُّہَا
مَا لِانْتِظَارِ سُلَیْمٰی اَنْ تُحَیِّیْہَا

فاخرج الیہا ولا تأخر قضیتہا
ان کان فی لکاس ماء العذب فاسقہا

جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے :- آجاؤ کہ تمہاری معشوقہ سلمیٰ آگئی ہے۔ اور اگر تم اُسے محبوب رکھتے ہو۔ تو آنے میں کیوں دیر کر رہے ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہیں اس کی خواہش نہیں اور اگر خواہش ہے تو جلدی آؤ اور اس سے فیصلہ کر لو اور اگر تمہارے جام میں میٹھا پانی ہے تو اُسے آ کے پلاؤ۔

یہ رباعی محض حضرت مسلم کو برانگیختہ کرنے کے لئے ہانی نے پڑھی تھی۔ عبیداللہ بن زیاد متحیر ہو کر پوچھنے لگا۔ نصیب دشمناں! اس وقت آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ہانی نے تو اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر آپ کے تیمارداروں نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ ہر روز سہ پہر کو ان کی یہی حالت ہو جاتی ہے اور ایسے ہی اشعار پڑھنے لگتے ہیں۔

عبیداللہ ابن زیاد افسوس کرتا ہوا اٹھا اور سوار ہو کر فرودگاہ پر پہنچ گیا۔ اُدھر وہ چلا۔ ادھر حضرت مسلم تشریف لائے اور ہانی کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ ہانی نے متعجبانہ عرض کیا۔ حضور! یہ آپ نے کیا کیا؟ واللہ ابھی تمام بلائیں رفع ہو چکی تھیں۔ مجھے اس وقت کے نکل جانے کا بے حد صدمہ ہوا۔ اگر شہزادہ حسین تشریف لے آئے تو غضب ہو جائے گا۔ آپ نیچی گردن کیئے سنتے رہے۔ پھر آپ نے ہانی سے کہا۔ کہ میاں جو کچھ تمہارا خیال تھا وہ خیال تھا۔ مگر مشیت کچھ اور چاہتی ہے۔ "تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ" میں کس طرح آسکتا تھا تمہاری پہلی آواز پر میں نہایت جوش کے ساتھ اُٹھا تھا۔ مگر میری کمر نہایت زور سے کسی نے پکڑلی اور آواز آئی کہ مسلم ہرگز نہیں۔ تقدیر اللہ میں کچھ اور ہونے والا ہے۔ مجبوراً بیٹھ گیا۔ دوبارہ پھر اٹھا تو یہی آواز آئی۔ تیسری بار

بھی یہی آواز آئی۔ اس کے ساتھ یہ اور صاف کہا گیا کہ مسلم! ابھی اس کا پیمانۂ عمر لبریز نہیں ہوا ہے۔ اور کاسۂ عمل اعمال سیاہ سے ملتبب نہیں ہے۔ ہرگز نہ جاؤ۔ خاموش بیٹھے رہو۔ بس پھر میرے جسم میں طاقت ہی نہ تھی۔ کہ اُٹھتا۔ ہانی نے یہ سن کر کہا کہ بندہ کی کچھ مجال نہیں۔ "مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ" خیر۔ اس گھر کو حضور اپنا گھر سمجھیں اور بے خوف رہیں جو کچھ ہوگا ہو رہے گا۔

اب کوفہ کے ہر گلی کوچے میں حضرت مسلم کی تلاش ہے۔ سواروں کے دستے شہر کے گرداگرد پھر رہے ہیں۔ شہر کے گرد پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ مگر مسلم کا سراغ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ مجبوراً عبیداللہ بن زیاد نے معقل نامی تجربہ کار جاسوس کو بلایا اور تین ہزار دینار پیشگی دے کر امید دلائی۔ کہ خاطرخواہ انعام سراغرسانی پر ملے گا۔ یہ وعدہ کر کے یہاں سے چلا۔ اور اس نے اپنے آپ کو فرستادہ امام حسین مشہور کیا۔ کہ جو پوچھتا ہے۔ اس سے کہہ دیتا ہے کہ امام کو یہاں کے حالات معلوم ہو گئے ہیں۔ مجھے حضرت مسلم کے لینے کو بھیجا ہے۔ میں ان کا غلامانِ غلام ہوں۔ غرض کہ مساجد کوفہ میں پھرتے پھرتے تھک گیا۔ مگر آپ کا سراغ نہ پایا۔

قصہ شہادت ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ

آخرش اس مسجد میں پہنچا۔ جو ہانی بن عروہ کے مکان کے قریب تھی دیکھا حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ٹھہر رہا۔ جب وہ فارغ ہو گئے تو سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اور کان میں کہنے لگا۔ میں ملک شام سے آیا ہوں محب اہلبیت ہوں۔ مجھے جب شہزادہ صاحب کی زیارت کا شوق ہوتا ہے۔ مکہ حاضر ہو کر شربت دیدار سے سیراب ہو آتا ہوں۔ اب کہ جو آیا تو امام

کو بہت پشیمان پایا۔ میں نے اپنے لائق خدمت کی درخواست کی تو مجھے فرمایا۔
تو کوفہ جا اور بھائی مسلم کو کسی طرح لا۔ میں اپنے ساتھ تین ہزار دینار لایا ہوں تاکہ
اگر روپیہ کی ضرورت پڑے تو مجبور نہ ہو جاؤں۔ لہٰذا آپ محب اہلبیت معلوم ہوتے
ہیں۔ اگر کہیں پتہ ہو تو بتائیں۔ میں انہیں کسی نہ کسی طرح دشمنوں کے چنگل سے
نکال کر مکہ لے جانا چاہتا ہوں۔ حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی نے اول تو کچھ شبہ
کیا۔ مگر اس کی چرب زبانی نے دھوکے میں ڈال دیا۔ اور اس خبیث معقل جاسوس
کو اپنے ساتھ لے کر ہانی کے یہاں آگئے۔ اور حضرت مسلم بن عقیل سے ملاقات
کرائی۔ اس نے پورا اطمینان کر کے تین ہزار دینار پیش کئے اور عرض کیا کہ اس سے
کچھ ہتھیار خرید لئے جائیں۔ میں اپنے چند اور ہمراہیوں کو لے آؤں۔ یہاں
سے نکلنا بغیر مقاتلہ مشکل ہے۔ حالت بہت نازک ہے۔ یہ کہہ کر سیدھا ابن
زیاد خبیث کے پاس آیا اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ ابن زیاد بہت متعجب ہوا۔ فوراً
محمد بن اشعث کندی۔ اسماء بن خارجہ فزاری۔ عمرو بن حجاج دیناری کو بلا کر
حکم دیا کہ ہانی کو میرے پاس لاؤ۔ یہ تینوں جس وقت پہنچے۔ ہانی دروازہ پر تھے۔
پیام سنتے ہی کھٹکے اور سمجھ گئے کہ دال میں کالا ہے۔ محمد بن اشعث سے کہا۔
اچھا چلو میں ابھی آتا ہوں اور اندر آکر سب قصہ حضرت مسلم سے عرض کیا۔ پھر
نہائے۔ کپڑے بدلے۔ تلوار زیب کمر کی۔ اور حضرت مسلم سے عرض کی۔ حضور
گواہ رہیں۔ میں شاید اب زندہ نہ آؤں گا۔ آپ اللہ کے سپرد ہیں اور یہ گھر
آپ کے سپرد ہے۔ سلام کر کے قدم چوم کر روانہ ہوئے۔ ابن زیاد کے سامنے
جا کر پہنچے۔ خبیث نے التفات نہ کیا۔ پھر آگے بڑھے سلام کیا تو بجائے جواب
کے ترش رو ہو کر کہنے لگا۔ ہانی تعجب ہے۔ کہ تم نے دشمن یزید مسلم بن عقیل کو اپنے
گھر روپوش کر رکھا ہے۔ اس پر میری دوستی کے مدعی ہو۔ اور لطف یہ کہ سامان

حرب مزید مزید کر ان کی تقویت بڑھا رہے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ مجھے اس کی خبر نہیں ہے

اس تغافل کو ہم سمجھتے ہیں
ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے

حضرت ہانی نے فرمایا سب لغو اور بہتان ہے۔ آپ کو مجھ سے ایسی باتیں کرنا زیبا نہیں۔ ابن زیاد نے معقل کو بلایا اور کہا کہ کیا کیا صورتیں دیکھ کر آیا ہے۔ ابھی وہ کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ ہانی اسے دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گئے اور فرمایا او مردک۔ حرامخور۔ بے ایمان دغاباز۔ یہ سارے لبس تیرے بوئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ابن زیاد نے کرخت لہجہ میں معقل کی طرف سے جواب دیا۔ کہ ہانی اسے کیا کہتے ہو۔ بس خیر اسی میں ہے۔ کہ مسلم بن عقیل کو لاکر میرے سامنے حاضر کر دو۔ ورنہ یاد رکھو ابھی تمہیں معہ گھر بار کے نیست و نابود کر دوں گا۔ یہ اس دوستی کا سبب ہے۔ جو میرے تمہارے مابین ہے ورنہ ابھی قتل کر دیتا۔

ہانی ابن زیاد کی اس دریدہ دہنی سے شیر کی طرح بھرائے اور فرمانے لگے خبیث! میری دوستی کا تو کیا پاس کرے گا۔ جب نبی کے نواسوں کا، خدا اور رسول کی محبت کا تجھے پاس نہیں۔ تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر تو مجھے قتل کرے گا۔ تو یاد رکھ۔ مدینہ و مکہ سے کوفہ و دمشق تک خون کے دریا بہہ جائیں گے۔ یہ سُن کر ابن زیاد نے جامہ سے باہر ہو کر بحالت غضبناک چھڑی اٹھا کر اس زور سے ہانی کے سر پر ماری کہ آپ کا سر شق ہو گیا۔ خون بہنے لگا۔ تمام چہرہ معہ ریش مبارک خون میں رنگ گیا۔ حضرت ہانی نے بھی ایک ہاتھ تلوار کا اس زور سے ابن زیاد کے مارا کہ وہ بھی سخت

مجروح ہوا۔ اس کا ریشمی جبّہ جو پہن رکھا تھا۔ صاف کٹ گیا۔ معقل خبیث نے جھپٹ کر ابن زیاد کی حمایت کی۔ آپ نے وہاں سے پلٹ کر ایسا وار کیا کہ اس کا سر قلم ہو گیا۔

ابن زیاد نے ہانی کی یہ شجاعت دیکھ کر حاضرین دربار پر بہت نفرین کی اور کہا کہ تم ایسے نامرد ہو گئے کہ ایک شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بت کی طرح کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہو۔ خدا تمہیں غارت کرے پھر کون سا وقت امداد کا ہو گا۔ اس آواز پر چند آگے بڑھے۔ ہانی بھی زخمی شیر کی طرح پلٹ پڑے۔ اور اس زور سے تلوار چلائی۔ کہ بائیس آدمی واصل جہنم فرمائے۔ اب تو کوفہ میں کھلبلی پڑ گئی۔ ابن زیاد نے مبہوت ہو کر دروازہ کوفہ پر چڑھ کر چلا چلا کے تمام شہر سر پر اٹھا لیا۔

آخر وہ فوج جو کنارۂ شہر پر ناکہ بندی کر رہی تھی دوڑ پڑی اور حضرت ہانی بن عروہ کو چاروں طرف سے نرغہ میں لے لیا۔ آپ مثل شیر اجام جس طرف بھراتے ہوئے نکل جاتے دو چار سر تن سے کٹ جاتے۔ غرض کہ بمشکل تمام حضرت ہانی گرفتار کئے گئے اور ابن زیاد بد نہاد کے سامنے لائے گئے۔ ابن زیاد نے کہا لو۔ ہانی اب بھی مسلم بن عقیل کو دے دو۔ آپ نے جواب دیا۔ او مردودِ ازل۔ دشمن خدا و رسول! مجھ سے یہ امید نہ رکھ۔ جگر گوشۂ رسول کو تجھ جیسے کتے۔ مردک۔ ناپاک۔ ایمان فروش کے سپرد کر دوں۔ یہ سن کر ابن زیاد نے حکم دیا۔ تو ایک خبیث نے پیچھے سے تلوار مار کر آپ کو شہید کر دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸۹ سال کی تھی۔

عمرو بن الحجاج دنیاوی نے جو ابن زیاد کی طرف سے ہانی کو بلانے

گئے تھے۔ جب حضرت ہانی کی شہادت کی خبر سنی۔ فوراً چار ہزار سوار و پیادہ ساتھ لے کر ابن زیاد کی فرودگاہ کو آگھیرا۔ ابن زیاد گھبرایا۔ مجبوراً قاضی شہر کو کچھ روپیہ دے کر کہا کہ تم کہہ دو کہ ہانی زندہ ہیں۔ ان کی شہادت کی خبر غلط مشہور کی گئی ہے۔ قاضی نے روپیہ کے لالچ میں یہی کہہ دیا۔ عمرو بن الحجاج دیناری نے یہ خبر سُن کر کہا۔ الحمد للہ۔ بس ہمارا مقصود ہانی کی سلامتی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ قاضی کو معتبر نائی سمجھ کر واپس لوٹے کہ اپنے اپنے گھر جائیں۔

اب خانۂ ہانی کی سنئے کہ جب شہادت کی خبر یہاں پہنچی۔ حضرت مسلم اُٹھے اور چلے۔ آپ کے گھر والوں نے روکا۔ مگر آپ نے فرمایا اب غیرت گوارا نہیں کرتی۔ کوفے کے گلی کوچوں میں سے چلتے چلتے ایک مکان پر تشریف لائے۔ صبح ہونے والی تھی۔ اس مکان پر ایک عورت تھی۔ ان سے فرمایا۔ مسلم بن عقیل ہوں۔ اہل کوفہ کا مہمان ہوں۔ مگر آج میرے میزبان میرے خون کے پیاسے ہیں۔ اس عورت نے آپ کو ٹھہرا لیا۔ پانی کھانا پیش کیا۔ آپ نے پانی تو نوش فرمایا۔ مگر باوجود سخت اصرار کے کھانا نہ کھایا۔ دن بھر رہے۔ جب شب کی تاریکی نے مثل بخت تیرہ زبان کوفہ پر تسلط کر لیا۔ تو حضرت مسلم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا پڑھتے اس کے گھر سے نکلے کہ اس عورت کا بیٹا ابن زیاد کا مصاحب سامنے سے گھر میں آتا ہوا متعجبانہ دیکھ کر کہنے لگا کون ہے؟ اندھیرا تھا صورت تو نظر نہ آئی۔ آہٹ پر پکارا تھا۔ جواب نہ پاکر گھر میں چلا گیا۔ اور حضرت مسلم دبے پاؤں اسی جگہ ٹھہر گئے جہاں پہلے مقیم تھے۔ اس کی ماں نے جو دیکھا کہ ادھر بیٹا شک میں پڑ چکا ہے۔ ادھر امام ہمام دبے پاؤں خفیہ

واپس آکر رونق بخش کلبۂ احزاں ہیں۔ بہت گھبرائی حجرہ میں گئی۔ اور حضرت مسلم سے عرض کی کہ اس وقت بیٹا آگیا ہے اور یہ خبیث ابن زیاد بدنہاد کا مصاحب ہے حضور خاموشی سے تشریف رکھیں۔ پھر باہر آئی اور بیٹے کی تواضع میں مشغول ہوئی۔ بیٹے نے ماں کی بدحواسی سراسیمگی کا احساس کر کے پوچھا اماں آج کیا بات ہے جو تم اس قدر مضطرب ہو۔ ماں نے کہا کچھ نہیں تو اپنا کام کر۔ بیٹا نہ مانا اور بزور زار معلوم کرنے پر مصر ہوا۔ آخر ماں نے مجبور ہو کر کہہ دیا کہ بیٹا ہمارے گھر میں خوش قسمتی سے امام مسلم رونق افروز ہیں۔ یہ بہت چالاک تھا کہنے لگا اماں ان کی تو بہت زیادہ تلاش ہے۔ مگر خیر! آل رسول کی خدمت میں ہی نجات ہے۔ انہیں جانے نہ دینا۔ میں آتا ہوں اور شب بھر ان کے حجرہ کا میں ہی پہرہ دوں گا۔ چنانچہ باہر گیا اور واپس آکر شب بھر جاگتا رہا۔ اور پچھلی رات کو چپکے سے جا کر ابن زیاد کو مخبری کی۔ اس نے طلائی چندن ہار اس صلہ میں اسے بخشا۔ اور اسی وقت محمد بن اشعث کندی کو پانچ سو سواروں کے ساتھ بھیج کر اس مکان کا محاصرہ کرا لیا۔ آپ فجر کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ مصلے پر رونق افروز تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپیں سن کر اس عورت سے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اس نے عرض کی مجھے معلوم نہیں مگر محاصرہ میرے ہی مکان کا معلوم ہوتا ہے۔ آپ اٹھے اور تمام آلات حرب زیب تن فرما کر مسلح ہو بیٹھے۔ عورت نے کہا کیا حضور نے مقابلہ کا ارادہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے سوا چارۂ کار بھی کیا ہے۔ زبانی سمجھانے سے یہ مانتے نہیں۔ وہ زار زار رونے لگی۔ اور آپ کی بے کسی بے بسی پر خون بہانے لگی۔ آپ نے اس کو بہت کچھ دعائیں دیں اور اس سے رخصت ہو کر اس طرح باہر تشریف لائے۔ جیسے شیر ژیاں کچھار سے بپھر کر آتا ہے اور باہر آتے ہی للکارے کہ اب ہوش میں آجاؤ۔ ہم محمدی کچھار کے شیر ہیں۔ جس

جس کی ماں نے دودھ پلایا ہے۔ وہ قسمت آزمائی کرلے۔

پھر وہ تلوار چلائی۔ کہ ایک سانس میں ڈیڑھ سو آدمی واصل جہنم کردیئے رہے سہے بھاگ گئے۔ محمد بن اشعث نے تیغ ہاشمی کے جوہر دیکھ کر ایک پتھر کی آڑ لی اور بیٹھ کر ابن زیاد کو لکھا کہ مسلم آدمی نہیں ہے۔ بلکہ لیث ہمام شیر جری اسد ضرغام پھاڑ کھانے والا نر ہے اور سیف ملک العلام خدائی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ جب اس نے باہر نکل کر فرشتہ قہر کی صورت میں ہمیں للکارا ہے۔ ہماری جانیں قالب میں نہ تھیں اور ضیغم نر کی طرح جب حملہ آور ہوا ہے تو ڈیڑھ سو لشکری بات کی بات میں صاف کردیئے۔ باقی جان بچا کر بھاگ گئے۔ اگر میری مدد کو اور آدمی بھیجے جائیں۔ تو کچھ کروں۔ ورنہ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔

غرض کہ اس اطلاع پر اور پانچ سو جرار سامنے آئے تو اس محمدی شیر نے تازہ دم ہو کر دوبارہ حملہ شروع کیا۔ آخر سب سمجھ گئے۔ کہ اس خدائی تلوار کی تاب لانا تماشہ نہیں ہے۔ کیوں اس طرح جان ہلاک کریں اور دور بھاگ گئے اور چاروں طرف سے تیروں کی بارش شروع کی۔ مگر آپ اس گیدڑ بھبکی میں نہ آئے اور برابر ان پر جا جا کر حملہ آور ہوئے۔ مختصر یہ کہ ساڑھے چار سو کے قریب اور واصل جہنم کردیئے۔ تو محمد بن اشعث کندی نے پھر حمائتی بلائے۔ اب آٹھ سو سوار آئے۔ ان میں سے بھی دست ہاشمی نے پانچ سو معدوم کردیئے تو مخالفین نے سوچا کہ یہ شیر کی طرح بھیڑوں کو صاف کئے جا رہے ہیں۔ آخر اس طرح تا بکے۔ چال چلنے کی ٹھانی۔ ایک مقام پر گہرا گڑھا کھودا۔ اس پر تنکے لگا کر مٹی ڈالی۔ اور ہموار کر کے بھاگے۔ حضرت مسلم نے ان کا پیچھا کیا۔ اور اس غار میں گر پڑے اور سب نے لپک کر کتوں کی طرح یکبارگی حملہ کردیا۔ اور محمد بن اشعث نے آپ کو گرفتار کرلیا۔ لیکن اس کی گرفتاری

میر پھر بھی نہ آئے۔ تو خبیث نے چہرۂ اقدس پر اس زور سے وار کیا کہ آپ کی دعاڑیں ہل گئیں اور کچھ غشی طاری ہوئی۔ علی الفور مشکیں کس کر ابن زیاد کے یہاں لے کر چلے۔ دروازہ پر سراجیاں سرد پانی کی رکھی تھیں۔ آپ نے محمد بن اشعث سے فرمایا۔ اگر تیرا حرج نہ ہو۔ تو تھوڑا پانی پلا دے۔ اس کے صلہ میں تجھے حوض کوثر سے ہم سیراب کر دیں گے۔ اس نے رحم کھا کر پانی دیا۔ آپ پی رہے تھے کہ ایک خبیث نے اور تلوار ماری۔ جس سے اُوپر کا ہونٹ کٹ گیا۔ اور تمام پانی خون میں رنگ گیا۔ القصہ آپ جب ابن زیاد کے سامنے آئے۔ تو آپ نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اس پر سلام جو احکام شرعیہ کا پیرو ہے۔ ابن زیاد نے کہا تم نے مجھے امیر المؤمنین کیوں نہ کہا۔ آپ نے فرمایا امیر المؤمنین میرا چچا زاد بھائی حسین بن علی ہے۔ تجھے امیر المؤمنین ہونے سے کیا نسبت۔ ابن زیاد نے کہا۔ مسلم میرے غصہ سے ڈرو۔ آپ نے فرمایا۔ خبیث سگِ دنیا۔ میں تجھ سے کیا ڈروں گا۔ تیرے رزاق یزید سے تو ہم ڈرتے نہیں۔ ابن زیاد! کان کھول کر سن لے ہم وہ ہیں جو سوائے خدا کے کسی سے کبھی ڈرے نہ ڈریں۔ اور یہ بلائیں اور مصیبتیں ہمارے لئے عین نعمت ہیں۔ ہم ان سے کبھی نہیں گھبراتے۔ **مثنوی**

ہر بلا تے را عطائے در پئے است
ہر کدورت را صفائے در پئے است
زہر ہر رنجیست گنجے معتبر
خار دیدی چشم بکشا گل نگر

ہم بلاؤں کو مصیبتوں کو اس عیش و راحت سے بہتر سمجھتے ہیں جو تو رین فرشی میں حاصل کر رہا ہے۔ مردود یہ زندگی چند روزہ ہے۔ دنیا دار المحن ہے اور یہاں جو بلا آتی ہے وہ یار کی طرف سے آتی ہے جو مصیبت ہوتی ہے وہ عین

راحت ملتی ہے۔ ان بلاؤں کی صورت تو بڑی آرزوؤں سے نظر آتی ہے ؎

ہر بلا کز دوست آید راحت است
واں بلا را بر دلم صد منت است
آں بلاہائے تو آرام دلم
حاصل از دردِ تو شد کام دلم
دردِ عشقت را خریدارم بجاں
منت از دردِ تو مے دارم بجاں
جانت از درد و غمت شاداں شود
وز بلایت سینہ آباداں شود
درد باشد چارۂ درمانِ ما!
درد مے بخشد سروسامانِ ما
درد کاں در عشق آں جاناں بود
درد نبود مایۂ درماں بود

شہادت حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ

مردک یہ میں جانتا ہوں۔ کہ نشۂ دنیا تجھے ہوش میں نہ آنے دے گا اور تو مجھے عنقریب قتل کروائے گا۔ مگر موت سے بزدل ڈرا کرتے ہیں۔ ہمیں موت سے دوامی حیات ملتی ہے۔

ابن زیاد اس جواب سے جل بھن کر لاجواب ہو گیا اور کہنے لگا۔ خیر اب جو کچھ تمھیں وصیت کرنی ہے۔ وہ کر لو۔ کیونکہ اب تمھاری موت کا وقت قریب ہے۔ آپ نے فرمایا اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

نیست۔ وصیت طریقہ مسنون ہونے کی وجہ سے کرتا ہوں۔ اس کے پورا کرنے کی تجھ جیسے غدار کذاب سے کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ سُن! جب مجھے شہید کرادے تو میری لاش مٹی میں چھپا دیجو کہ بے حرمتی نہ ہو۔ فلاں شخص کا میں مقروض ہوں۔ میری زرہ فروخت کرکے اس کا قرضہ ادا کردیجو۔ میرے چچا زاد بھائی اور جان و ایمان کے مالک شہزادہ کونین امام حسین کو میری تمام سرگزشت لکھ کر بھیج دیجو۔ اور میری طرف سے یہ پیام کہ ہرگز ادھر تشریف نہ لائیں۔

ابن زیاد نے کہا زرہ ہمارا حق ہے ہم کیوں فروخت کریں گے اور حسین بن علی کو ہم خود یہاں بلانا چاہتے ہیں۔ انہیں کیسے منع کرسکتے ہیں۔ پھر عبیداللہ بن سعد سے کہا کہ انہوں نے ہمارے پندرہ سو آدمی مارے ہیں لہذا انہیں جلاد کے سپرد کردو وہ کوٹھے پر لے جا کر انہیں نیچے پھینک دے۔ جلاد سہ منزلہ پر لے گیا اور آپ کو پھینکنے لگا۔ آپ نے فرمایا ذرا ٹھہر! دو رکعت نفل پڑھ لینے دے۔ اس نے کہا حکم حاکم کے خلاف مجھ سے اُمید نہ رکھئے اس وقت آپ امام کی یاد میں زار زار رو رہے تھے کہ جب اُس نے آپ کو چھت سے دھکیلا تو آپ نے ایک چیخ ماری جس میں واحسینا کی صدا اٹھی۔ سر کے بل آپ نیچے آئے۔ سر مبارک پاش پاش ہوگیا۔ اور روح پرفتوح فردوس اعلیٰ کو سدھاری۔ آج ۲ ذوالحجۃ الحرام تھی۔ اسی دن اتفاق سے شہزادۂ کونین سیدنا حسین مکہ سے روانہ ہوئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ آپ کی روح پرفتوح زبانِ حال سے یہ اشعار کہہ رہی تھی

اے بادِ صبا ز روئے یارے
سوئے حرم خدا را گزرے کن

شہزادۂ حسین را چو بینی
بنشین و حدیث مختصر کن
ہر ید کہ ز کوفیاں بدیدی
فرزند رسول را خبر کن
برگو کہ مسلم ستم کش
شد کشتہ تو چارہ دگر کن
مغرور مشو بقول کوفی
وز فتنۂ شامیاں حذر کن

علامہ خوارزمی اپنی کتاب مقتل نورالائمہ میں لکھتے ہیں۔ کہ جب آپ کو بالاخانہ سے گرادیا گیا۔ تو سر مبارک تن اقدس سے جدا کرنے کو بکیر بن عمر بھیجا گیا۔ جس وقت اس نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے۔ ابن زیاد کو اطلاع دی گئی۔ اُس نے اُسے بلایا اور پوچھا تو کہنے لگا کہ میں نے بجائے لاش مسلم کے ایک شخص مہیب الصورت کو دیکھا کہ وہ غضب ناک ہو کر دانتوں میں اپنی انگلیاں چبا رہا ہے۔ بس اُسے دیکھتے ہی میرے ہاتھ پیروں میں دم ہی نہ رہا۔ ابن زیاد متبسم ہوا اور کہا اچھا دوسرے کسی شخص کو بھیجو۔ یہ جس وقت گیا تو بھاگ کر واپس آیا۔ اس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا۔ اس نے کہا لاش مسلم کے پاس سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں۔ یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور مر گیا۔ پھر ایک شامی خبیث کو بھیجا۔ اس نے جا کر سر مبارک کاٹا۔

فغاں از عالم بالا بر آمد
خروش از عرصۂ غبرا بر آمد

یہاں تفنن شاعری کے لحاظ سے شاعر نے لفظ ماتم استعمال کیا وہ محض بمعنی غم ہے نہ کہ بمعنی ماتم۔

پھر ابن زیاد بدنہاد کے حکم سے جسم مسلم و حضرت ہانی بازار قصاباں میں لٹکا دیا گیا اور سر مبارک دمشق روانہ کئے گئے اور جو کچھ گزری۔ اس کی سرگزشت مفصل لکھ کر یزید کو اطلاع دی۔

اس کے جواب میں یزید پلید نے اظہار خوشنودی کیا اور ابن زیاد کا شکریہ ادا کر کے لکھا کہ ہم نے سنا ہے۔ حسین بن علی بھی عراق آنے کا عزم جزم کر چکے ہیں۔ لہذا ان کی طرف سے ہوشیار رہنا اور بہت جلدی ان کا قتل عمل میں لانا۔

روایت ہے کہ جب حضرت مسلم بحکم امام حسین سیدالشہداء کوفہ تشریف لائے تھے تو اپنے دونوں صاحبزادوں کو بھی ہمراہ لائے تھے۔ اس لیے کہ یہ بچے بغیر باپ کے ایک ساعت بھی رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جب مکان طوعہ پر محاصرہ ہو گیا اور آپ کی رگ ہاشمی جوش میں آگئی تو اپنے نونہالوں کو خوب گلے سے لگا کر پیار کر کے خفیہ طور سے قاضی شریح کے یہاں بھیج دیا تھا اور کہلوا دیا تھا کہ ان کو کسی معتبر شخص کے ذریعہ مدینۃ الرسول پہنچا دینا۔

غرض کہ جب ابن زیاد کے پاس یزید پلید کا نامہ خوشنودی مزاج کا آگیا تو اور بھی پھولے نہ سمایا۔ ایک سگ دنیا خوشامد میں کہنے لگا۔ حضور مسلم کے ساتھ ان کے دو بچے بھی آئے تھے۔ ابن زیاد نے یہ سنتے ہی کوفہ کے گلی کوچوں میں منادی کرادی۔ کہ مسلم دونوں بچے جو لائے گا۔ انعام پائے گا اور جو انہیں چھپائے گا اور ان کی مدد کرے گا وہ ہر طرح برباد کیا جائے گا خود قتل ہوگا۔ اس کے گھر کو لوٹا جائے گا۔ اعزہ اقربا مارے جائیں گے۔ اس

خبر نے تمام کوفہ میں ہل چل مچا دی اب گلی کوچوں میں اُن نونہالوں کی جستجو ہے۔ قدم قدم پر اُن کے لئے قضا کے سامان مہیا ہیں۔

تذکرہ شہادت فرزندان مسلم رضی اللہ عنہ

آج وہ باغ ہاشم کے دونوں پھول قاضی شریح کے سامنے بیٹھے ہیں۔ قاضی زار و قطار رو رہے ہیں۔ ایک صاحبزادہ ساتویں سال میں ہیں۔ جن کا نام محمد ہے۔ دوسرے صاحبزادے آٹھویں میں ہیں ان کا نام ابراہیم ہے۔ دونوں گل نبوت قاضی کو گریہ کناں دیکھ کر رونے لگے اور قاضی سے پوچھنے لگے۔ آج آپ کے رونے کا کیا سبب ہے۔ قاضی نے دونوں کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ محمد و ابراہیم بھی روتے روتے قاضی سے پوچھنے لگے خدا کے لئے یہ تو بتا دو کہ ابا جان کا کیا حشر ہوا؟ کیا کیا ہم یتیم ہو گئے۔ کیا ہمارے سر سے سایۂ پدری اٹھ چکا۔ کیا اب ہم بے وارث رہ گئے۔ یہ الفاظ کچھ ایسے درد سے ان کے بھولے بھولے منہ نے کہے کہ قاضی میں تابِ ضبط نہ رہی اور خون کے آنسو بہا کر عرض کرنے لگا۔

اے گلہائے گلستانِ خوبی! اے غنچہائے چمنستان محبوبی! تمہارے لئے کوفہ دار الحزن ہو گیا ہے۔ تمہارے باپ تمہارے سر سے اٹھ چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی دونوں آپس میں بغل گیر ہو کر اپنی بے کسی اور باپ کی بے بسی پر اس قدر روئے کہ ملائکہ میں کھلبلی پڑ گئی۔ حوران بہشتی کے دل لرز گئے۔ دونوں صاحبزادے اس قدر ملول و حزیں ہوئے کہ ان کے رخسار ہائے نوری کملا گئے۔ قاضی سے کہنے لگے

چہ حالت است ہماناں بخواب مے بینم
کہ قصرِ دولت و دیں راخراب می بینم
بدردِ دل زلب شرع نالہ مے شنوم
نے سوز جان جگر دیں کباب می بینم

اور وا اباہ وا غربتاہ!! کہہ کہہ کر جان کھونے لگے۔ قاضی نے دونوں بچوں کو سینہ سے لگایا اور کہا صاحبزادو! یہ وقت گریہ و فغاں نہیں ہے۔ اس لئے کہ عبید اللہ بن زیاد خبیث نے تمہاری تلاش میں آدمی چھوڑ رکھے ہیں۔ مبادا انہیں تمہاری آواز مسموع ہو جائے اور وہ تمہیں گرفتار کرلیں۔ اور چونکہ میں محبان اہلبیت میں پہلے ہی مشہور ہوں۔ اس وجہ سے میرے متعلق زیادہ گمان ہے۔ لہذا میں تمہاری اور اپنی جان سے خائف ہو کر یہ سوچتا ہوں۔ کہ تمہیں کسی دوست دار اہلبیت کے سپرد کردوں تاکہ وہ تمہیں مدینہ طیبہ پہنچادے۔ نونہالان مسلم یہ خوف زدہ خبر سُن کر ابن زیاد کے خوف سے فراق پدری کو فراموش کر کے خاموش تصویر حیرت ہوگئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔

غرض کہ قاضی نے دونوں صاحبزادوں کی کمر سے پچاس پچاس دینار باندھ کر اپنے بیٹے اسد کو بلا کر کہا۔ کہ آج میں نے سنا ہے کہ بیرون دروازہ عراقین سے ایک کاروان مدینہ منورہ جائے گا ان دونوں پھولوں کو لے جاؤ۔ اور کسی نیک طینت پاک باطن محب اہل بیت کے سپرد کرآؤ اور تاکید کرآؤ۔ کہ انہیں نہایت محبت سے ہمراہ لے کر مدینہ پہنچادے۔

اسد دونوں صاحبزادوں کو ہمراہ لے کر دروازہ عراقین پر آیا۔ مگر شومئی قسمت کہ وہ قافلہ اُن کے پہنچنے سے قبل کوچ کرچکا تھا۔ گرد قافلہ نظر آرہی تھی۔ اسد نے کہا جلدی کرو وہ قافلہ جارہا ہے۔ تھوڑی دور چلا۔ پھر ان کو گرد دکھا

کر کہنے لگا۔ دوڑ دوڑ اور اس قافلہ سے مل جاؤ۔ یہ دونوں نازپروردہ مسلم ادھر دوڑے اور اسد ادھر واپس لوٹا۔ تھوڑی دور ہی بھاگے تھے کہ گرد قافلہ نظر سے غائب ہو گئی۔ دونوں سراسیمہ راستہ بھول گئے۔ ادوار مصائب نے سمندناز پر اور تازیانہ یہ لگایا۔ کہ اُدھر وہ لاڈلے بھاگے جا رہے ہیں۔ ادھر گرد قافلہ نظروں سے غائب ہو رہی ہے اس پر طرفہ ماجرا یہ کہ چند سپاہی ان کے متلاشی گرد شہر پھرتے ہوئے انہیں دیکھ کر بلاتے ہیں اور دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں۔ کہ یہ گوہر صدف مسلم ہیں۔ پکڑ کر کوتوال کے پاس جاتے ہیں۔ کوتوال دشمن خاندان نبوت ہے۔ انہیں دیکھتے ہی بے رحمی سے اسی وقت ابن زیاد بدنہاد کے پاس لے جاتا ہے۔ اسے نہ اس کی پرواہ ہے۔ کہ شب بھر کے تھکے ماندہ ہیں نہ اس کا خیال ہے کہ نازپروردہ خاندان شاہی ہیں دونوں صید بلاؤ مصائب سہمے ہوئے سراسیمہ و پریشان اس شب ابن زیاد کے پاس آتے ہیں۔ ابن زیاد بدنہاد حکم دیتا ہے کہ انہیں اسی وقت جیلخانہ لے جاؤ اور ایک حکم داروغہ جیل کو لکھتا ہے کہ یہ مسلم کے دونوں نونہال ہیں۔ ان کے باپ کے قتل کے بعد بمشکل انہیں گرفتار کیا ہے۔ اسدا انہیں خاص نگرانی کے ساتھ جیل میں رکھو۔ میں یزید کو نامہ بھیجتا ہوں۔ اس کا حکم آنے پر موجب حکم ان کے ساتھ عمل ہوگا۔ اگر وہ لکھے گا کہ قتل کئے جائیں تو قتل کردوں گا۔ اگر دمشق بلائیگا وہاں بھیج دوں گا۔

روایت ہے کہ داروغہ جیل نہایت نیک اور پاک طینت محب اہلبیت مشکور نامی ایک شخص تھا۔ اس نے دونوں چمن محمدی کے پھولوں کو لے کر رسید دی اور گود میں بٹھا کر بہت کچھ پیار کیا اور اپنے گھر لے جا کر عمدہ کھانے ان کے سامنے رکھے۔ دن بھر ان کی خدمت میں سرگرم رہا۔ شب کو جب چہل پہل بند ہو گئی ان دونوں کو گود میں لیا۔ اور قادسیہ کی راہ پر آکر اپنی انگوٹھی

انہیں دی اور کہا اے نونہالانِ گلشنِ مسلم اللہ کی حفاظت میں تمھیں یہاں چھوڑتا
ہوں۔ دیکھو یہ سیدھا راستہ قادسیہ کا ہے۔ جاؤ وہاں میرا بھائی کوتوال ہے۔
اس سے ملنا اور میری انگوٹھی دکھا کر اپنا سب قصہ کہنا۔ وہ تمھیں نہایت حفاظت
سے مدینہ پہنچا دے گا۔ دونوں صاحبزادے مشکور کو دعائیں دیتے ہوئے رخصت
ہوئے مگر ؎

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال
کارے کہ خدا کند فلک را چہ مجال

لَا رَآدَّ لِقَضَـائِـہٖ وَلَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ۔ گرہِ تقدیر کو ناخنِ تدبیر
نہیں کھول سکتا اور اقتضائے قضا و قدر کو کوئی چارہ گر ٹال نہیں سکتا۔ اس ذاتِ
بے نیاز کی مشیت کے آگے کسی کی کیا مجال جو دم مار سکے۔ مشکور تو یہ سمجھ رہا ہے
کہ دونوں نوردیدۂ مسلم اب قادسیہ پہنچ چکے ہوں گے۔ مگر تقدیرِ الٰہی یہ چاہ رہی
ہے کہ یہ دونوں یتیم سیدِ غریب مظلوم جلدی سے درجۂ پدرِ مظلوم حاصل کرکے
اپنے باپ سے ملیں۔

شب بھر چلے صبح جو ہوئی۔ تو گردشِ لیل و نہار سے اُسی راہ قادسیہ پر
تھے۔ پیروں کو دیکھا تو چھالے پڑ چکے تھے۔ دونوں بغل گیر ہو کر خوب روئے اور
کہنے لگے کہ الٰہی کبھی پاؤں چلنا نہ جانتے تھے۔ ہمیشہ لاڈ کی گودوں میں کھیلے تھے
آج یہ مصیبت اٹھائی بھی تو بے سود رہے۔ روتے روتے معًا ابن زیاد کا خوف
سامنے آیا خاموش ہو گئے اور کہنے لگے۔ اب دن نکل آیا ہے۔ چلو کہیں چھپ رہیں
ورنہ کل کی طرح پھر نہ کوئی پکڑ لے۔ چاروں طرف نظر کی تو ایک چشمہ دیکھا۔ کہ
اس کی بائیں طرف ایک خرمے کا درخت کھوکھلا ہے۔ اس کی طرف لپکے۔ اور
اس میں جاکر سہمے ہوئے بیٹھ گئے۔ جب دوپہر ہوئی اور نماز ظہر کا وقت آیا

تو ایک کنیز حبشیہ پانی بھرنے چشمہ پر آئی۔ دیکھا کہ چشمہ میں دو صورتیں نہایت حسین و جمیل منعکس ہیں۔ حیران ہوئی کہ یہ شہزادوں کی سی صورتیں کہاں سے آئیں۔ ادھر اُدھر دیکھا تو کھوکھلے درخت میں سے یہ نور رخشاں ہے۔ آگے بڑھی۔ تو دونوں مرجھاتے ہوئے پھولوں کو دیکھ کر کہنے لگی ؎

دل صورت زیبائے تو در آب رواں دید
بے خود شد و فریاد بر آورد کہ ما ہے

تبدی فی الغدیر فقلت بدراً
تجلّٰو فی الضحایا علی العباد

دو گل از گلشن دولت دمیدہ
دو سرو از باغ قدس قد کشیدہ

دو برج از ماہ آبی رُخ نمودہ
ز دیدۂ چشمۂ باراں کشودہ

یکے تابندہ مہر از دل ربائی
یکے چوں آب خضر از جاں فزائی

گل رخسار شاں زیر کلالہ
شدہ از گریۂ خونیں چو لالہ

لب آں کشتہ خشک از آتش غم
رُخ ایں ماندہ تر از اشک ماتم

دو پھول باغ مسلم و زہرا نظر پڑے
دو سرو باغ خوبی کے اس جا نظر پڑے

دو چاند برج آب سے ظاہر نظر پڑے
آنکھوں سے ان کی چشمۂ باراں گھر پڑے
رخشندہ ایک چاند بصد دلربائی تھا
ایک مثل آب خضر بصد جاں فزائی تھا

گل رخسار مرجھائے ہوئے تھے
مثال لالہ کملائے ہوئے تھے
تھے لب خشک آتش غم سے جوان کے
رخ تر پائے اشک غم نے اُن کے

غرض کہ کنیز کی جیسے ہی نظر اُن کے جمال باکمال پر پڑی اس نے جونہی ان دو اختران فرخندہ فال کو دیکھا سمجھ گئی کہ یہ ہر دو ماہ اوج عزت و اقبال ہیں۔ آفتابہ چشمہ پر رکھ کر ان کی طرف آئی اور پوچھنے لگی کہ تم کس برج خوبی کے ماہ ہو۔ کس لئے اس کھوکھلے درخت میں پنہاں ہو آواز محبت بھری سُن کر دونوں شہزادوں نے ایک چیخ ماری اور رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تجھے کیا بتائیں کہ کون ہیں۔ ہم یتیم درد کشیدہ مذوقات مصیبت و محنت چشیدہ بلا سیدہ مظلوم ہیں۔ ماں باپ سے دور راستہ بھولے ہوئے ہیں۔ اس جگہ پناہ لی ہے۔ کنیز نے کہا بچو تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ دونوں نے نے باپ کا نام سنتے ہی ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی اور کہنے لگے

خدارا اے رفیق از منزل جاناں مدہ یادم
کہ من در وادئ ہجراں زحال خود بغر یادم

کنیز نے کہا۔ میرا گمان ہے کہ تم فرزندان مسلم بن عقیل ہو۔ بچوں نے

باپ کا نام سنتے ہی ایک آہ دل پر درد سے کھینچی اور کہنے لگے کہ تو ہماری دوست و آشنا باوفا ہے یا دشمن پر جفا۔ کس لئے پوچھتی ہے۔ کنیز نے کہا۔ شہزادو غم نہ کرو۔ کہ میں اس بی بی کی لونڈی ہوں۔ جو اہل بیت اطہار کی سچی جاں نثار ہے۔ آؤ تا کہ میں تمھیں اس کے پاس لے چلوں۔ اور اب اپنے دل میں کوئی فکر نہ کرو۔ اللہ نے تمھاری مصیبتیں ختم کیں۔ چنانچہ دونوں کو گود میں لے کر چلی اور گھر آ کر بی بی سے کہا کہ لو مبارک ہو۔ پسران مسلم بن عقیل کو لائی ہوں ؎

باغ را باد صبا خوش خبری رنگین کرد مژدۂ آمدن یاسمن و نسرین کرد

اس بشارت کو سنتے ہی کنیز سے کہا کہ اس احسان کے صلہ میں میں نے تجھے مع سامان کے آزاد کیا۔ پھر آگے بڑھ کر دونوں شہزادوں کے قدم چومے اور زار زار رونے لگی۔ بچے بھی رونے لگے۔ پھر دونوں کو خوب پیار کر کے اپنے ساتھ ایک مقام پر لا کر فروکش کیا۔ اور کنیز کو تاکید کی کہ اس راز کو میرے شوہر سے خفیہ رکھنا۔ یہ دونوں شہزادے تو بجائے قادسیہ پہنچنے کے اس محب اہلبیت کے گھر میں آ گئے ادھر بذریعہ خفیہ پولیس ابن زیاد کو اطلاع پہنچی۔ کہ مشکور نے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے۔ ابن زیاد نے مشکور کو بلایا اور پوچھا کہ دونوں پسران مسلم کہاں ہیں۔ مشکور نے کہا مدینہ پہنچنے والے ہیں۔ میں نے انہیں خدا اور رسول کی خوشنودی کیلئے یہاں سے ادھر روانہ کر دیا ہے ابن زیاد نے کہا کہ تجھے میرا خوف نہ آیا۔ مشکور نے کہا جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔ انھیں کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ ابن زیاد نے کہا کہ اس سے تجھے کیا ملا۔ مشکور نے کہا۔ او بد لگام خبیث سگ دنیا۔ ان بچوں کے پدر بزرگوار کو شہید کرنے میں تجھے کچھ نہ ملے گا۔ مگر ہاں۔ مجھے ان یتیموں کے رہا کر دینے میں بحرمت روح سید الثقلین۔ صدر کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدارج رفیعہ ملیں گے اور ان کی شفاعت

کا بیقینی طور پر امیدوار ہوں۔

اس پر ابن زیاد کی آتش غضب بھڑکی اور جوش میں آکر کہنے لگا۔ اس کی سزا تجھے ابھی دیتا ہوں۔ مشکور نے کہا او کمینہ کیا سزا دے گا۔ غایت یہ ہے کہ جان سے مروا دیگا۔ خبیث ان کے اوپر سے مشکور جیسی ہزار جان فدا ہیں ؎

من در رہ او بحب بجاں دانم
جان چیست کہ بہر خدا نتوانم
یکجان چہ بود ہزار جان بایستے
تا جملہ بیک بار بروا فشانم

ابن زیاد نے جلاد کو حکم دیا کہ اول ۵۰۰ تازیانہ اس کے لگاؤ۔ پھر سر تن سے جدا کر دو۔ جلاد نے جب پہلا درہ مارا۔ مشکور نے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جب دوسرا درہ لگایا تو کہا الٰہی مجھے صبر دے۔ جب تیسرا مارا تو کہا الٰہی مجھے بخش دے۔ جب چوتھا درہ لگایا۔ تو کہا الٰہی مجھے محبت فرزندان رسول میں یہ سزا مل رہی ہے۔ جب پانچواں درہ لگا۔ تو عرض کی الٰہی مجھے رسول خدا و اہلبیت کی خدمت میں پہنچا دے۔ پھر پانچ سو درے پورے ہو گئے۔ مگر مشکور کی زبان سے آہ بھی نہ نکلی۔ جب تازیانوں کی سزا ختم ہو گئی۔ تو مشکور نے کہا او بے رحم مردک تھوڑا شربت پلا دے۔ ابن زیاد نے کہا۔ شربت تو شربت۔ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیا جائے اور گردن اڑا دی جائے۔ عمر بن حارث نے اٹھ کر ابن زیاد سے سفارش کی۔ اور گھر لے جا کر علاج کی اجازت مانگی۔ کہ مشکور کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ عمر بن حارث علاج کو لے جانا چاہتا ہے۔ فرمانے لگے۔ الحمد للہ ساقی کوثر نے حوض کوثر

سے ابھی سیراب فرمادیا۔ اور جان بحق تسلیم کی۔

جانش مقیم روضۂ دار السرور باد
گلشن سرائے مرقدِ او پُر ز نور باد

اب اُن دونوں نونہالانِ گلشنِ مسلم کی سنئیے کہ وہ مومنہ صادقہ دونوں بچوں کو نہلا کر ان کی زلفیں سنوار کر اچھا خاصا دولہا بنا کر ایک مکان میں پوشیدہ رکھ کر ان کی پرستاری میں مشغول ہے۔ اقسام اقسام کے اطعمہ والنعمہ ان کے آگے لاتی ہے۔ صبح سے شام یونہی ہوتی ہے۔ جب وہ سو جاتے ہیں یہ باہر آجاتی ہے۔ دو رات نہایت امن سے گزر گئیں۔ آج حسب معمول انھیں سلا کر آئی تھی۔ کہ اس کا شوہر آگیا۔ دیکھا کہ بدحواس ہے؟ چہرہ پر خاک چڑھی ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کس مصیبت میں تھا کہ تیرا یہ حال ہے۔ اور تین روز سے کہاں تھا؟ اس نے کہا۔ کہ جس دن میں یہاں سے ابن زیاد کے پاس گیا تھا۔ میرے پہنچتے ہی اطلاع ملی۔ کہ مشکور داروغہ جیل نے پسرانِ مسلم کو قید خانہ سے رہا کر دیا ہے۔ تو ابن زیاد نے حکم دیا۔ کہ مشکور کو جان سے مارا جائے۔ اور جو ان بچوں کو گرفتار کر کے لائے گا۔ وہ مال دمتاع دنیا سے مالامال ہو جائے گا۔ ہزاروں آدمی اس لالچ میں ان کے متلاشی ہیں۔ میں بھی انہی کی جستجو میں سرگرداں پھر رہا ہوں۔ آج زیادہ تکان ہوئی۔ کہ دوپہر کے وقت میرا گھوڑا مر گیا اور مجھے پا پیادہ ان کی جستجو میں پھرنا پڑا۔

عورت نے کہا۔ کس قدر بدبخت وہ مسلمان ہیں۔ جو ان کی گرفتاری میں پھر رہے ہیں اور دنیا کو دین پر ترجیح دے رہے ہیں۔ حارث نے کہا تجھے ان باتوں سے کیا تعلق ہے۔ اگر کچھ کھانے کو ہے لے آ ورنہ

خبر ا۔ عورت نے کھانا لاکر دیا۔ حارث نے کچھ زہر مار کیا اور سو گیا۔ جب کچھ رات گزری تو محمد (بڑے صاحبزادے) اُٹھے۔ اور چھوٹے بھائی ابراہیم کو جگا کر کہنے لگے۔ کہ بھائی تیار ہو جاؤ۔ کہ اب ہماری تمہاری بھی باری آ چکی ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ابا جان، خواجۂ کائنات حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مرتضیٰ شیر خدا اور سیدہ زہرا اور حسن مجتبیٰ کے ساتھ بہشت بریں میں ٹہل رہے ہیں۔ کہ اچانک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک مجھ پر پڑی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور تمہیں دیکھ کر ابا جان سے فرمایا۔ کہ مسلم کیا تمہارے دل نے یہ گوارا کر لیا۔ کہ خود باغ نعیم میں آ گئے اور ان دونوں بچوں کو ظالموں میں چھوڑ آئے۔ ابا جان نے پھر ہماری طرف دیکھا اور عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ بھی آنے والے ہیں۔ کل تک قدم بوسی کریں گے۔

پھر ایک نے دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈال کر وادیلا! وا مسلما!! وا مصیبتیا!!! کہہ کر اس قدر زور زور سے رونا شروع کیا۔ کہ اس عورت کے خاوند حارث خبیث کی آنکھ کھل گئی۔ اپنی بیوی کو آواز دے کر کہا کہ نالہ و بکا کہاں ہو رہا ہے۔ ہمارے گھر میں یہ کون ہے؟ عورت غریب اس آواز پہ سہم گئی اور کچھ جواب نہ دیا۔ حارث بن عروہ بے دین خود اُٹھا۔ اور چراغ روشن کر کے ڈھونڈتا ہوا چلا۔ اور اس مکان میں آیا جہاں یہ دونوں بچے ابا ابا کہہ کر رو رہے تھے۔ حارث نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے اس جگہ کو محبوں کی جگہ سمجھ رکھی تھی۔ صاف کہہ دیا۔ کہ ہم فرزندان مسلم ہیں۔ حارث بے ایمان کہنے لگا۔ تعجب کی بات ہے ع

یار در خانہ و من گرد جہاں می گردم

آج دن بھر میں تمھاری تلاش میں رہا ہوں۔ یہاں تک کہ میرے گھوڑے نے بھی جان دے دی اور تم مزے سے میرے گھر میں ساکن و مطمئن بیٹھے ہو۔ اُنھوں نے جو غضب ناک آواز سُنی۔ سر جھکا کر اُس کے قدموں کی طرف جھکے سنگین دل بے رحم نے ان کے رخسار ہائے نوری پر طپانچہ مارا اور گیسوئے مشکیں پکڑ کر گھسیٹتا ہوا مکان سے باہر لایا اور گھر مقفل کیا۔ اس عورت نے جب یہ بے رحمی دیکھی۔ اپنا سر خاوند کے قدموں میں ڈالنے لگی اور کہنے لگی اور سنگ دل!

بے داد مکن بریں یتیماں
لطفے بنمائے چوں کریماں
ابناں بفراق مبتلا اند
در شہر غریب و بے نوا اند
بگزر ز سر جفا تے ایشاں
پرہیز کن از دعائے ایشاں
نفرین یتیم محنت آلود
آتش بجہاں در افگند زود

ترجمہ

نہ کر للہ ظلم و جور ان پر
للہ رحم کر فی الفور ان پر
پدر کے غم میں یہ تو مبتلا ہیں
مسافر ہیں غریب و بے نوا ہیں

گزر ظلم و جفا سے ان کے نشہ
ذرا ڈر بد دعا سے ان کی نشہ
یتیم و بے کس و مظلوم ہیں یہ
نبی کے لاڈلے معصوم ہیں یہ

حارث نے بیوی کی یہ ہمدردی دیکھ کر ایک زور سے للکار ماری اور کہا خبردار! اپنی جان کی خیر چاہتی ہے تو خاموش رہ ع

ہر جفا کر بہ بینی ہمہ از خود بینی

عورت غریب سہم گئی کہاتنے میں سپیدہ سحر نمودار ہوا۔ وہ سیہ رو تیرہ دل اٹھا اور تلوار لے کر ان دونوں بچوں کو آگے آگے ہانکتا ہوا فرات کی طرف روانہ ہوا اس کی بیوی کو محبت نے ایسا از خود رفتہ کیا کہ اس سے نہ رہا گیا۔ ننگے سر ننگے پیر پیچھے پیچھے پکارتی روتی چلی۔ حارث نے جو بیوی کو آتے دیکھا تلوار لے کر مارنے کو دوڑا۔ غریب رک گئی۔ جب وہ تھوڑی دور آگے ہو گئے پھر دوڑی۔ یہاں تک کہ لب فرات پہنچ گئے۔

حارث کا ایک غلام خانہ زاد تھا اور اس کے بیٹے کا رضاعی بھائی۔ اس نے جو سنا۔ دوڑا دوڑا پیچھے آیا۔ حارث نے اسے دیکھ کر تلوار دی اور کہا جا۔ ان دونوں بچوں کے سر کاٹ دے۔ غلام نے تلوار لے کر کہا کہ خبیث! کس دل سے تو مجھے ان کے قتل کا حکم دے رہا ہے۔ اول تو یہ بے گناہ معصوم۔ دوسرے غریب الوطن مسلم کے مظلوم حارث نے اسے گالی دے کر کہا کہ میں جو حکم دیتا ہوں اس کی تعمیل کر۔

بندہ را با این و با آں کار نیست
پیش خواجہ قوتِ گفتار نیست

غلام نے کہا مجھ میں ان کے قتل کی قوت نہیں۔ مجھے حضور سرور یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے شرم آتی ہے۔ میں بروز حشر کس منہ سے ان کے سامنے حاضر ہوں گا۔ حارث نے کہا اگر تو ان کا سر نہ کاٹے گا۔ تو میں تجھے قتل کروں گا۔ غلام نے کہا مردود مجھے تو تو جب قتل کرے گا۔ اس سے پہلے میں تیرا ہی سر نہ قلم کر دوں۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچ کر آگے بڑھا۔ حارث مرد نبرد آزمودہ تھا۔ جھپٹ کر دار سے پہلے غلام کے سر کے بال پکڑ کر کھینچ لیے غلام نے بھی ہاتھ بڑھا کر حارث کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حارث غلام پر گرا۔ غلام چاہتا تھا کہ حارث کو قتل کرے۔ کہ حارث خبیث نے پھرتی سے تلوار غلام سے چھین لی ۔ غلام نے اپنی تلوار علی الفور میان سے نکالی اور حارث پر حملہ کیا۔ حارث نے تلوار ڈھال پر روک لی۔ اور جلدی سے غلام کے داہنے ہاتھ پر وار کیا۔ غلام نے جھپٹ کر بائیں ہاتھ سے حارث کو پکڑ لیا۔ چاہتا تھا۔ کہ گرا دے کہ خبیث نے ایک اور وار کیا۔ جس کا کاری زخم غلام کے آیا۔ دونوں باہم کشتی کر رہے تھے کہ اتنے میں حارث کی بیوی اور اس کا لڑکا پہنچ گئے۔ لڑکا بڑھا اور حارث سے کہنے لگا او مردود باپ تجھے شرم نہیں آتی۔ یہ غلام میرا بھائی ہے۔ حارث نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور ایک وار زور سے کیا کہ غلام شہید ہو گیا۔ بیٹے نے کہا مردود! تجھ سے زیادہ سنگ دل میں نے کوئی نہ دیکھا ؎

جفا کاراں بسے ہستند اما
بدیں تندی جفاکاری کہ دید است
نداری ہیچ جز آزاد دلہا
چنیں شوخی دل آزاری کہ دید است

حارث نے کہا او بیٹے زبان روک اور یہ تلوار لے اور ان دونوں نونہالان

گلشن نبوت کے سر کاٹ۔ لڑکے نے کہا۔ لا واللہ۔ خدا کی قسم مجھ سے یہ امید نہ رکھ۔ اور یاد رکھ اگر تو نے ایسا کیا تو تجھے میں زندہ نہ چھوڑونگا۔ ادھر بیوی رونے لگی اور کہنے لگی۔ بے رحم خدا کے لئے ان بے گناہوں کے خون سے درگزر کر اور اگر تو انہیں نہیں چھوڑتا تو خیر۔ زندہ ابن زیاد کے پاس لے جا مگر قتل نہ کر۔

حارث نے کہا مجھے خوف ہے کہ اہل شہر انہیں دیکھ کر کہیں مجھ سے چھڑوا نہ لیں۔ آخر اس خبیث نے تلوار کھینچی۔ اور دونوں گلشن محمدی کے پھولوں کی طرف بڑھا۔ یہ دونوں کہنے لگے حارث دیکھ ہماری یتیمی و غریبی پر رحم کر۔ ہماری بے کسی و درماندگی پر ترس کھا۔ ارے کمبخت دیکھ ہماری عاجزی انکساری پر نظر کر۔

ہنگ را دل خوں شود از نالہائے زار ما این دل فولاد تو یک ذرہ سوہا گیر نیست

حارث نے ان چمن محمدی کے پھولوں کی زاری کی طرف اصلا التفات نہ کیا اور چھوٹے صاحبزادے کا سر کاٹنے کو بڑھا کہ اس کی بیوی دوڑی اور کہنے لگی۔ مردود خدا کا خوف کر۔ حارث نے جھونجل میں بیوی پر حملہ کر دیا۔ وہ زخمی ہو تڑپنے لگی

کہ اتنے میں بیٹے نے جو ماں کو زخمی دیکھا آگے بڑھا اور حارث کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ او باپ! شرم کر بس بہت کچھ ہولی۔ اب ہوش میں آ۔ حارث نے جھپٹ کر ایک وار اس زور سے کیا کہ بیٹے کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ماں نے بیٹے کی لاش دیکھ کر آہ کی۔ کہ خبیث ان نونہالان نبوت کی طرف بڑھا۔ دونوں بلبلا کر کہنے لگے۔ حارث تجھے اگر مال کی ضرورت ہے تو ہماری کمر سے سو دینار کھول لے۔ ہمارے گیسو کاٹ کر اگرچہ خاندان نبوت کے شہزادہ ہیں۔ مگر غلاموں میں کر کے نخاس میں بیچ دے۔ کوئی نہ کوئی ہمیں خرید ہی لے گا۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو ہمیں ابن زیاد کے پاس

زندہ لے چل وہ جو چاہے گا سو کرے گا۔

حارث نے کہا اگر میں تمہیں بیچوں تو جتنے مال کی مجھے ابن زیاد سے امید ہے وہ ملنا محال ہے۔ ابن زیاد کے پاس لے جاؤں تو ممکن ہے کوئی کوئی تمہیں چھڑا لے گا لہذا میں ضرور تمہیں یہیں قتل کروں گا۔ دونوں شہزادے رو کر کہنے لگے۔ دیکھ ہمارے بچپن اور انکسار و عاجزی پر رحم کر۔ وہ کہنے لگا۔ میرے دل میں رحم ہی نہیں۔ مایوس ہو کر کہنے لگے۔ خیر مرضی مولا۔ اچھا اب ایک درخواست تو منظور کر لے۔ وہ یہ کہ ہمیں وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لینے دے۔ خبیث کہنے لگا یہ بھی نہ ہوگا۔ . . . . آخرش دونوں رو کر کہنے لگے اچھا خدا کے لئے اتنی اجازت دے دے کہ اس خدا کے بے نیاز کو سجدہ کرلیں۔ کہنے لگا نہیں یہ بھی نہ ہوگا۔ کہنے لگے۔ آخر یہ کونسی دشمنی ہے جو تو نکال رہا ہے۔ ہائے افسوس کہ آج ہماری فریاد کون سُنے والد بھی نہیں نہ کوئی یار ہے نہ مددگار ؎

یک ہم نفسے نیست بعالم مارا
فریاد رسے نیست دریں غم مارا

پھر اس بدبخت نے قتل کا ارادہ کیا تو چھوٹا آگے بڑھا اور کہنے لگا پہلے مجھے مار کر بڑا آگے بڑھا کہنے لگا نہیں پہلے مجھے شہید کر۔ آخر ش بڑے بھائی کا سر خبیث نے اتارا۔ حضرت محمد بن مسلم کے شہید ہوتے ہی ابراہیم چھوٹے آگے بڑھے اور بھائی کی گردن گود میں لے کر پکارے۔ ابا جان آپ کہاں ہیں کہ خبیث نے ان کے تن نازنین سے گردن جدا کردی۔ اور دونوں نعشیں پانی میں ڈال دیں۔ دونوں باہم معانقے کئے ہوئے فرات میں بہتے گزر گئے۔ ہائے افسوس! ؎

کھل کے گُل کچھ تو بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

پسرانِ مسلم کی شہادت پر زمین و زمان میں شور مچ گیا اور ہر سمت سے آوازیں آرہی تھیں کہ افسوس دونوں نہال گلشن اقبال و کامرانی ابتدائے بہار جوانی میں خزانِ اجل سے پژمردہ ہو گئے۔ حیف صد حیف جن کے رخسار گل بوستان نازہ تھے وہ خارستان حادثہ جانگداز سے پھاڑے گئے

دریغا کہ خورشید روزِ جوانی
چو صبح دوم بود کم زندگانی
دریغا کہ ناگہ گل ناشگفتہ
فرو ریخت از تند باد خزانی

اس واقعہ کو اب ذرا نظم میں اور سن لو اور جی کھر کر رو لو۔ یہ دوسری روایتیں ہیں جن کو بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے

گھر میں حارث کے جو وہ یوسف زنداں آئے
موت بولی کہ سفر سے مرے مہماں آئے
نامراد آئے یتیم آئے پرارماں آئے
پسر ایلچی شاہِ شہیداں آئے
نہر پر صبح بڑی دھوم سے مہمانی ہے
حلق ہے تیغ ہے جلاد ہے قربانی ہے
زنِ حارث نے یتیموں کے قدم چوم لیے
کرتے دیکھے جو بچھے سوزنِ مژگاں سے لئے

پانی بھی گرم کیا پاؤں دھلانے کے لئے
خار چن چن کے جدا دونوں کے تلوؤں سے کیئے
مسندیں جھاڑ کے کہنے لگی آرام کرو
لونڈی سے پھر کہا کھانے کا سرانجام کرو
مسندیں دیکھ کے آراستہ بولے وہ حزیں
ابھی بیٹھیں گے نہ مسند پہ کہ ہیں سوگ نشیں
قید خانہ میں تو رہتے ہی تھے بالائے زمیں
ہائے بابا کی خبر کچھ ہمیں معلوم نہیں
ابھی بے گور ہیں یا غسل و کفن پایا ہے
دھوپ لاشہ پہ رہا کرتی ہے یا سایہ ہے
اب شہ دیں کی حضوری میں جو ہم جائیں گے
ذکر خدمت کی تیرے پیش امام آئیں گے
مرحبا قبلہ و کعبہ تجھے فرمائیں گے
کچھ نہ کچھ واں سے تبرک تجھے بھجوائیں گے
پھوپھی زینت نہ کبھی دل سے بھلائیں گی تجھے
بسیاہ میں قاسم و اکبر کی بلائیں گی تجھے
لاڈلے ایلچی سید ابرار کے ہو
اور خلف ابن شہ حیدر کرار کے ہو
بھانجے حضرت عباس علمدار کے ہو
دونوں تم فاتحہ خواں مسلم لاچار کے ہو

دادا صاحب تو عقیل ابن ابی طالب ہیں
نانا صاحب وہ ہیں کونین پہ جو غالب ہیں
جدۂ ماجدہ ہیں تاج سر شکوہِ مریم
جن کے دامن میں سرِ حشر چھپیگا عالم
آج گھر میں مرے چھپنے کیلئے آئے ہو تم
کہہ چکی نام ونسب رونے لگی وہ پیہم
رو کے کہنے لگی سید بھی ہیں معصوم بھی ہیں
بے پدر بھی ہیں مسافر بھی ہیں مظلوم بھی ہیں
آیا حارث تو کہا تم ہی ہو مسلم کے پسر
کل تمھیں نے مجھے حیران کیا چار پہر
خیر سب کل کا عوض آج میں لوں گا جی بھر
پھینک دی ہاتھ سے پھر شمع ادھر تیغ اُدھر
دست بیداد سے ایک بھائی کا بازو کھینچا
دوسرے بھائی کا ایک ہاتھ سے گیسو کھینچا
قتل کے خوف سے اُٹھے نہ علی کے پیارے
اس توقف پہ ستمگر نے طمانچے مارے
کھینچا اس طرح کہ پرزے ہوئے کرتے سارے
منہ کے بل گر پڑے وہ برج شرف کے تارے
یا حسین ابن علی اک نے بصد یاس کہا
دوسرے بھائی نے یا حضرت عباس کہا

مومنہ دوڑی یہ کہتی ہوئی باآہ و بکا
نہ رہے نور ترا شل ہوا بھی دست جفا
ارے سیدیں یہ سیدیں طمانچہ نہ لگا
ارے قرآن کے ورقوں کو زمین پہ نہ گرا
بس ارے بس زمین اب تو ہلی جاتی ہے
لے مجھے فاطمہ غمگین نظر آتی ہے
مومنہ کا نہ سخن کافر بے دین نے سُنا
ہائے ان عرشوں کے تاروں کو ستوں سے باندھا
رات بھر دونوں کو ایستادہ رکھا واویلا
صبح دم لے کے چلا ان کو کنارِ دریا
مومنہ نے کہا بے سے ہے میرے مہماں پہ چلے
بولی تقدیر کہ دُنیا سے پُرامن سے چلے
دی ستمگر نے غلام حبشی کو تلوار
بھوں چڑھا کر کہا ہاں دونوں کے سرتن سے اتار
سر جھکا کر یہ چلے ساتھ نہ کی کچھ تکرار
پھر کہا راہ میں چپکے سے کہ کیوں اے دیندار
ہے یہ بشرے سے عیاں عارف اللہ ہے تو
صاحب دلدل و خیبر سے بھی آگاہ ہے تو
عرض کہ اُس نے میں ہوں مالک قنبر کا غلام
قبلہ و کعبہ محمد ہیں نبی اور وہ امام

سُن کے وہ بولے غلام حبشی کا یہ کلام
قتل پر ان کے نواسوں کے اٹھاتا ہے حسام
حیف فرعون کے آگے تجھے موسیٰ بھولا
اپنے آقا کی اطاعت میں وہ آقا بھولا

توبہ کرتا ہوا قدموں پہ گرا وہ ششدر!
عرض کی بخشو مجھے بہر خدائے داور!
میں نہ اس رشتہ سے واقف تھا بروح حیدر
گر کہو پانی تو موجود کروں میں لا کر

بولے وہ کام نہ پانی سے ہے نے دریا سے
سنتے ہیں نہر پہ عباس مریں گے پیاسے

نہر میں کود پڑا پھینک دی اس نے شمشیر
کہا حارث نے کہ آقا کی نہ سمجھا توقیر
وہ پکارا کہ غلام اس کا ہوں میں او بے پیر
کُل کا مولیٰ کیا خالق نے جسے روزِ غدیر

ان یتیموں کو اماں دے تو نکل آتا ہوں
پھر ابھی تیری غلامی بھی بجا لاتا ہوں

پھر مخاطب ہوا فرزند سے وہ خانہ خراب
تیغ اُٹھا کر وہ جواں ساتھ چلا ان کے شتاب
دیکھ کر دبدبہ اس کا کیا دونوں نے خطاب
حیف یہ حسن شباب اور جہنم کا عذاب

حلق سادات سے تلوار جو مل جائے گی
قبر حیدر کی نجف میں ابھی ہل جائے گی
اس نے پوچھا تمہیں حیدر سے قرابت کیا ہے
ہاتھ اٹھائے سوئے کعبہ کہ وہ جد اپنا ہے
عرض کی اس نے کہ بندہ تو غلام ان کا ہے
حیدری پنجتنی سب میں نسب میرا ہے
کہہ کے یہ داخل دریا وہ خوش اعمال ہوا
زنگ سے آئینہ پتھر سے جدا لعل ہوا
پھر وہ ظالم ہوا خود قتل کو ان کے طیار
سنگ پر سامنے مظلوموں کے رگڑی تلوار
دیکھ کر ان کی طرف انگلیوں پہ دیکھی دھار
تیغ تو لے ہوئے معصوموں پہ چھایا خونخوار
پیچھے سرکا دیا چھوٹے کو بڑے بھائی نے
موت نے اس کو بٹھایا اسے تنہائی نے
کی بڑے بھائی نے قاتل کی یہ منت اس آن
سر مرا پہلے قلم کر لو تو بڑا ہو احسان
چھوٹے بھائی پہ ہیں قربان میرا سر قربان
کوئی حسرت نہیں باقی کہ یہ ہے اک ارمان
شوق سے ادھر اک صدمہ و ایذا دکھلا
پر نہ بھائی کا مجھے ننھا سا لاشہ دکھلا

سر بڑے بھائی کا پہلے کیا قاتل نے جُدا
دوڑ کر بھائی کے لاشہ سے برادر لپٹا
پھر تڑپ کر طرف قبلہ بڑھا وہ لاشہ
رو کے چلا کے پکارا کہ بھائی یہ کیا
ہائے کچھ بھی نہیں تم بولتے ہم روتے ہیں
ہم گلے ملتے ہیں اور آپ جدا ہوتے ہیں
آئی اس لاش کے حلقوم بریدہ سے صدا
اے میرے بھائی میں قربان ہیں صدقے میں فدا
تیری آغوش سے کیونکر نہ ہوں اس وقت جدا
گود پھیلائے کھڑی ہیں یہ جناب زہرا
مجھ کو لپٹا کے گلے پیار سے خوش ہوتی ہیں
خون چہرہ پہ مرا ملتی ہیں اور روتی ہیں
چھوٹا یہ سنتا تھا کہ سر اس کا ہوا دم میں قلم
لاش ننھی سے تڑپنے لگی اے وائے ستم
دونوں لاشوں کو ستمگر نے بہایا باہم
زہرۂ مردم آبی ہوا پانی اس دم
ڈوب کر نہر میں کوثر کے کنارے پہنچے
آئی حیدر کی صدا پیارے ہمارے پہنچے

المختصر جب حارث خبیث خون مظلومین میں اپنے ہاتھ رنگ چکا در لاشہ ہائے مبارک فرات میں ڈال دیئے۔ تو سرہائے نوری کو توبرہ میں رکھ کر قربوس سے زین کس کر ابن زیاد کی طرف فرحاں وشاداں روانہ ہوا دوپہر

کا وقت تھا۔ دیوان مظالم سرگرم جور و ستم تھا یہ قصر امارت میں داخل ہوا اور توبرہ کو ابن زیاد کے سامنے رکھا۔ ابن زیاد نے پوچھا۔ حارث اس میں کیا ہے حارث نے کہا تیرے دشمنوں کے سر ہیں کہ تیغ آبدار سے جُدا کر کے لایا ہوں اور بامید انعام آیا ہوں۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ سروں کو دھو کر طشت میں لگا کر ہمارے سامنے لاؤ۔ جب سر ہائے گل چمن محمدی طشت میں ابن زیاد کے سامنے لائے گئے اور اس کی نظر ان پر پڑی تو دیکھا کہ دو قرص ماہ نور ریز ہیں۔ اور گیسوئے مشکیں ہالہ کی طرح ان کے گرد ہیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ او بے رحم۔ بدنصیب یہ کس کے جگر گوشوں کے سر ہیں ؟ حارث نے کہا حضور یہ مسلم بن عقیل کے دو فرزند ہیں۔

ابن زیاد زار زار رونے لگا۔ حضار جلسہ بھی رونے لگے پھر پوچھا کہ تو نے انہیں کہاں پایا ! کہنے لگا۔ میں دن بھر ان کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ یہاں تک کہ میرا گھوڑا بھی تھک کر مر گیا۔ جب تھکا ماندہ شب کو گھر آیا۔ تو ایک پہر رات گزری ان کے رونے کی آواز آئی۔ میں ان کی جستجو میں چلا۔ یہ دونوں گھر میں ملے۔ میں نے اُسی وقت ان کے گیسو پکڑے اور باہر لایا۔ پھر ستون سے شب بھر باندھے رکھا۔ صبح انہیں لب فرات لا کر قتل کیا۔ ان کے دونوں لاشے فرات میں ڈال کر سر لے کر آیا ہوں اور انعام چاہتا ہوں۔

ابن زیاد نے کہا۔ خبیث مردود۔ بے رحم تجھے کچھ خوف خدا بھی نہ آیا اور اگر تیرے دل میں خوف نہ تھا تو کم از کم ان کے رخسار ہائے دل آویز۔ گیسوئے عنبر بیز پر ہی رحم کیا ہوتا۔ کم بخت

میں نے تو یزید کو لکھا ہے۔ کہ انہیں گرفتار کر چکا ہوں۔ اگر حکم ہو تو زندہ بھیج دوں
اب بتا اگر اس کا حکم آیا کہ انہیں زندہ بھیج دے تو میں کسے بھیجوں گا۔ مردود
تیرا کیا بگڑ جاتا۔ جو تو انہیں میرے پاس زندہ لے آتا۔ کہنے لگا مجھے زندہ لانے
میں اس کا ڈر تھا۔ کہ اہل شہر غوغا کر کے اِنہیں مجھ سے نہ چھین لیں۔
ابن زیاد نے کہا۔ اگر یہ خیال تھا۔ کسی جگہ انہیں رکھ کر مجھے اطلاع دے دیتا
میں خود منگوا لیتا۔ مگر تو نے تو اس قدر جلدی کی کہ مجھے اطلاع بھی نہ دی۔
اس پر حارث لاجواب ہوا۔ اور ابن زیاد نے اہل دربار کی طرف رُخ کر کے
دیکھا۔ تو ایک شخص مقاتل نامی پر نظر پڑی۔ جو دل و جان سے دوستدار
خاندانِ رسالت تھے اور ابن زیاد ان کی اس عقیدت کیشی سے واقف تھا
مگر تجاہل عارفانہ کرتا تھا اس واسطے کہ مقاتل سے بہتر اُسے ندیم ملنا
مشکل تھا۔ غرض کہ ان کو حکم دیا۔ کہ اس شخص کو پکڑ لو اور وہیں مقام فرات
پر لیجا کر جس طرح چاہو اسے ہلاک کرو اور یہ سر بھی لے جاؤ اور جہاں
ان بچوں کے تن اس خبیث نے ڈال دیے ہیں ان سروں کو بھی ملا دو۔

سزائے قاتل فرزندانِ مسلم رضی اللہ عنہ

مقاتل بہت ہی خوش ہوئے اور حارث بدبخت بے دین کو پکڑ کر
باہر لائے اور اپنے احباب سے کہا خدا کی قسم اگر عبید اللہ ابن زیاد سب مجھے
تمام سلطنت دے دیتا تو میں اتنا خوش نہ ہوتا۔ جتنا آج ہوا ہوں۔
حضرت مقاتل نے اپنے غلاموں کو اس کے ہاتھ باندھنے کا حکم دیا۔ پھر
سر برہنہ بازار کوفہ سے اس کو گھسیٹتے ہوئے فرات پر لائے۔ اور ان نور دیدۂ
مسلم کے سروں کو اپنے ہاتھ میں لیے چھاتی سے لگائے روتے ہوئے

اہالیانِ کوفہ کو دکھاتے ہوئے چلے جو شخص ان سروں کو دیکھتا۔ حارث پر لعنت کرتا خس و خاشاک اس پر ڈالتا۔ جب مقتل شہزادگان پر آئے تو ایک عورت کو دیکھا کہ تڑپ رہی ہے۔ زخمی ہے۔ ایک جوان مثل سرو آزاد لت پت پڑا ہے ایک طرف ایک غلام سسک رہا ہے اور اس کے جسم پر زخم کاری ہیں۔ وہ عورت رو رہی ہے اور زار زار قطار اشک بہا رہی ہے۔ مقاتل نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا۔ میں اس بدبخت بے دین کی بیوی ہوں اس فعل شنیع سے اسے روکنے آئی تھی کہ مجھے مارا۔ یہ میرا بیٹا ہے؟ اس نے روکا تو اسے قتل کیا۔ یہ غلام ہے اسے بھی ہلاک کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ مردود نے میرے سامنے اپنے کئے کی سزا پائی۔ پھر حارث سے کہنے لگی او لعین طمع دنیا کی خاطر تو نے نونہالان مسلم کو مارا اور دین کو اس قتل ناحق سے مٹایا۔ نہ دین رہا نہ دنیا۔

حارث نے چاروں طرف سے لعنتیں سنیں اور صبر کیا۔ جان کی فکر سب سے زیادہ ہوئی۔ مقاتل سے کہا کہ دس ہزار دینار آپ کی نذر کرتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔ پوشیدہ رہ کر بقیہ زندگی پوری کر لوں گا۔ مقاتل نے کہا کہ اگر تمام روئے زمین کا مال تیرے پاس ہو اور وہ تو مجھے دے تو خدا کی قسم بغیر قتل کئے تجھے نہ چھوڑوں گا۔ جیسے تو نے ان نونہالانِ نبوت پر رحم نہ کیا۔ میں تجھ پر رحم نہ کروں گا اور ضرور تجھے داخل جہنم کروں گا کہ قیامت میں ثواب عظیم کی امید رکھتا ہوں۔ پھر حضرت مقاتل گھوڑے سے اترے تو زمین پر خون فرزندان مسلم بکھرا ہوا نظر آیا رونے لگے اور سرہائے مبارک کو فرات میں ڈالا۔ روایت ہے کہ اہلبیت رسالت کی یہ کرامت صادر و ظاہر ہوئی کہ سر گرتے ہی دونوں جسم پانی سے باہر آئے اور ہر سر اپنے جسم

سے لگ کر دونوں بھائی باہم بغل گیر ہوتے ہوئے آب فرات میں چھپ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ دونوں کے تنہائے نازنین معہ سروں کے وہیں ساحل فرات پر آپ نے دفن کرا دیئے۔ اور وہ اب تک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

اب حضرت مقاتل حارث کی طرف رجوع ہوئے۔ غلاموں کو حکم دیا کہ پہلے اس سیہ رو کے دونوں ہاتھ کاٹو جن سے اس خبیث نے ان کے رخسارہ نوری پر طمانچہ مارے۔ جن ہاتھوں سے ان کے سر قلم کئے ہیں۔ پھر پاؤں کٹوائے۔ پھر دونوں کان قطع کرائے۔ پھر دونوں آنکھیں نکلوائیں۔ پھر اس کے پیٹ کو چاک کر کے جملہ عضو ہائے بریدہ اس میں بھرے اور ایک لکڑی سے باندھ کر دریا میں ڈال دیا۔ ایک موج دریا سے اٹھی اور اس ناپاک کی لاش کو باہر پھینک گئی۔ تین بار اسی طرح ڈالا تینوں بار دریا نے لاش باہر پھینک دی۔ پھر ایک خندق کھود کر اس میں ڈالا اور اوپر سے خس و خاشاک بھرے۔ تھوڑی دیر میں ایک زلزلہ سا آیا اور لاش کو خندق سے باہر پھینک گیا یہاں بھی تین بار ایسا ہی کیا گیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ زمین بھی اس ناپاک کو منظور نہیں کرتی تو پھر لکڑیاں جمع کر کے اس میں اس خبیث کو ڈال کر آگ دے دی اور وہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ پھر غلام اور لڑکے کے جنازہ بنا کر ان کے انہی خون آلودہ کپڑوں میں باب بنی خزیمہ پر آ کر دفن کر دیئے۔

قطعہ

دریغ و درد کہ آں ہر دو نوجواں رفتند
بصد ملامت و حسرت ازیں جہاں رفتند

چو عندلیب سے زدو گر کنیم نالہ وزار
کنوں کہ یاسمن وگل زبوستاں رفتند
غم یتیمی و غربت نبود شاں درخورد
بجانب پدرِ خویشتن رواں رفتند

حالِ پُرملال حضرت امام ہمام سید الشہدا رضی اللہ عنہ

اب جناب امام ہمام سید الشہداء راکب دوش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پر ملال سنئے۔ جس دن کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اسی دن وہ جگر گوشۂ بتول نور دیدۂ صدیقہ ملول جناب امام حسین سید الشہدار رضی اللہ عنہ نے نامۂ مسلم معہ اہلبیت اطہار مکہ معظمہ سے عزم روانگی سمت کوفہ فرمایا۔

اجلۂ صحابہ نے مثل عبداللہ بن عباس۔ جابر۔ ابوسعید خدری۔ ابوواقدی۔ عبداللہ بن عمرو وغیرہ نے مجتمع ہو کر آپ سے عرض کی۔ کہ حضور "کوفی لا یوفی" ہیں ان کا کیا اعتبار ہے۔ ان کی دغابازی و بدعہدی عالم آشکار ہے آپ نے فرمایا جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یہ میں بھی جانتا ہوں۔ مگر اس سفر میں ایک زبردست راز ہے۔ جس کی وجہ میں مجبور ہوں۔ وہ راز یہ ہے۔ کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سُنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بکری مکہ میں ذبح کی جائے گی اور اس کی ذبح سے خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہو گی۔ میں اسی دن سے ڈر رہا ہوں کہ خدانخواستہ وہ بکری ہیں نہ بنوں۔

اسی وجہ سے میں مکہ معظمہ سے سب سے پہلے نکلا جاتا ہوں۔ تاکہ جو کچھ ہو وہ باہر ہو۔ میرے باعث کعبہ کی بے حرمتی نہ ہو۔ چنانچہ اس حدیث کو ترجمہ طبری اور صواعق محرقہ میں مفصل نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ موجب اس پیشگوئی کے اس حدیث کے مصداق عبداللہ بن زبیر ہوئے جو مختار ثقفی کے مقابلہ میں حرم شریف کے اندر شہید ہوئے اور اس معرکہ سے حرم محترم کی بے حرمتی ہوئی۔

مگر شہزادہ کونین کو حرم کا اس قدر لحاظ رہا کہ بے وطنی و بے کسی کی موت کو حرمت حرم پر اچھا سمجھا اور مکہ میں نہ رہے۔ غرض کہ جب صحابہ اس راز مخفی سے آگاہ ہو گئے تو ہمراہ ہی میں چلنے کو تیار ہوتے۔ شہزادہ کونین سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سب کو قسمیں دے کر روکا اور تنہا معہ اہلبیت کے ۳ ذی الحجۃ الحرام کو معہ بیاسی اعزا کے روانگی فرمائی۔ اثنائے راہ میں کوفیوں کی بدعہدی کی خبر ملی۔ اور افواہ معلوم ہوا کہ امام مسلم اور ان کے دونوں صاحبزادے شہید کر دیئے گئے۔ اہل کوفہ نے مسلم کا ساتھ قطعی نہ دیا۔

امام ہمام نے سب کو جمع کر کے فرمایا کہ اب جو جانا چاہے چلا جائے۔ برادران مسلم نے عرض کی کہ حضور لاخیر فی الحیوۃ بعد کم آپ کے بعد پھر زندگی کا کیا لطف ہے جو ہوگا ہو جائے گا۔ ہم حضور کے ساتھ چلیں گے۔ چنانچہ سب ہمراہ روانہ ہو گئے۔

قصہ شہادت حضرت قیس قاصد امام ہمام

اس واقعہ کی مفصل تفصیل یوں ہے کہ جب امام مکہ سے روانہ ہو

کر مقام صفاح میں پہنچے تو فرزدق شاعر کوفہ سے آتا ہوا ملا۔ حضور نے اس سے کوفہ والوں کا حال پوچھا۔ فرزدق نے کہا۔ حضور کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنی اُمیہ کے قبضہ میں ہیں۔ پھر آپ وہاں سے روانہ ہو کر بطن میں پہنچے۔ تو قیس بن مسہر کو ایک خط دے کر مصلحتہً اول کوفہ روانہ فرمایا اور اس میں یہ لکھا مسلم بن عقیل کا خط ہمیں ملا۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ تم لوگ ہمارے متمنی ہو۔ لہذا میں تمہارے پاس عنقریب پہنچتا ہوں۔ قیس بن مسہر جب نامہ لے کر چلے۔ تو مقام قادسیہ پر حصین بن نمیر کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ پڑے دیکھا اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ خفیہ نویسوں کے ذریعے ابن زیاد کو معلوم ہو چکا ہے کہ امام ہمام بعزم کوفہ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ تو ابن زیاد کے حکم سے سب راستوں پر تجربہ کار سپاہیوں کی چوکیاں بٹھائی گئی ہیں۔ قیس بن مسہر اس واقعہ کو سنتے ہی اپنے کو پوشیدہ طور سے یہاں سے نکالنا چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ اور کوفہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔

ابن زیاد نے کہا کہ تمہیں ایک شرط سے چھوڑ سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ کوفہ کی جامع مسجد میں جمعہ کے روز منبر پر چڑھ کر امام حسین کی مذمت اور یزید کی مدحت بیان کرو۔ آپ نے اقرار فرما لیا۔ مگر جمعہ کے روز جب آپ منبر پر چڑھے تو یزید کی خباثت بیان فرما کر امام حسین سید الشہدا رضی اللہ عنہ کی خوب مدحت کی۔ ابن زیاد کی آتش غضب اور بھی مشتعل ہو گئی۔ آپ کو چھت پر چڑھوا کے سہ منزلہ سے گرا کر شہید کر دیا۔

امام فرات عراق پر

امام ہمام کا سفر بدستور جاری تھا۔ اب آپ فرات عراق پر تشریف لا چکے ہیں۔ یہاں بشیر بن غالب سے ملاقات ہوئی۔ اہل کوفہ کی بابت ان سے استفسار ہوا۔ بشیر نے عرض کی حضور! کوفی لایوفی مشہور ہیں۔ میں اور کیا عرض کروں۔ یہاں سے روانہ ہو کر تھوڑی دور چلے تھے کہ بلندی پر ایک خیمہ نصب نظر آیا۔ آپ نے صاحبِ خیمہ کا نام دریافت فرمایا۔

زہیر بن قیس بجلی سے ملاقات

معلوم ہوا کہ زہیر بن القیس بجلی حج کر کے آئے ہیں اور کوفہ جا رہے ہیں۔ یہ ان کا خیمہ ہے آپ نے زہیر کو بلایا۔ وہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے زہیر کچھ خدا کی محبت بھی رکھتے ہو؟ زہیر نے عرض کی ؎

سر کہ پیش تو بر آستاں خدمت نیست
سر پست آنکہ سزاوار تاج عزت نیست

میں تو مدت سے اس آرزو میں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج اس آرزو کو پہنچتا معلوم ہوتا ہوں۔ پھر باہر آکر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ میرا خیمہ امام کے خیمہ کے پاس نصب کردو اور تم میں سے جسے شہادت کی تمنا ہو وہ میرے ساتھ رہے اور جو گھر جانا چاہے وہ چلا جائے یہ سُن کر بہت سے کوفہ چل دیئے اور بہت سے ہم رکاب رہے۔

پھر زہیر نے اپنی بیوی کو بلا کر فرمایا کہ میں امام کے ساتھ جا رہا ہوں۔ زندگی کا اب اعتبار نہیں لہذا تو میرے مال میں سے جتنا چاہے لے لے اور

اپنے والدین کے گھر جا۔ اُس نے رد کر عرض کی کہ آپ امام کی خدمت کے لیے امام کے ساتھ جا رہے ہو۔ تو میں سیّدہ زہرا کی صاحبزادیوں کی لونڈی بن کر چلوں گی۔

امام مقام شقوق پر

چنانچہ لشکر امام کے ہمراہ یہ سب یہاں سے روانہ ہو کر مقام شقوق میں پہنچے۔ یہاں ایک شخص کوفہ سے آتے ہوئے ملے۔ آپ نے اُنہیں تخلیہ میں بلا کر اہل کوفہ کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے حضرت مسلم اور ہانی بن عروہ کی شہادت کا حال سُنا کر عرض کیا۔ کہ آپ کے سر دمشق بھیج دیئے گئے ہیں۔ آپ نے یہ سنتے ہی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ فرمایا۔

اس سفر میں حضرت مسلم کی ایک صاحبزادی اٹھارہ سالہ عمر کی ہمرکاب تھی۔ اور آپ کو ان سے بحد غایت محبت تھی وہ حسب معمول آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ تو آپ آج اِن سے نہایت محبت کے ساتھ پیش آئے۔ اور دیر تک ان کا منہ تکتے رہے اور اپنا دست اقدس بار بار ان کے سر پر رکھتے۔ صاحبزادی کو شک ہوا۔ رد کر عرض کرنے لگیں۔ حضور آج آپ مجھے اس طرح پیار فرما رہے ہیں۔ جیسے یتیموں کو۔ کیا ابا جان شہید ہو گئے۔ صاحبزادی اس اس جملہ سے حضور میں تاب ضبط نہ رہی زار زار رونے لگے اور فرمایا بیٹی اب صبر کرو اور مجھے باپ کی جگہ سمجھو اور زینب کو اپنی ماں جانو۔ اتنے میں ان کے بھائی آ گئے اور یہ واقعہ سُن کر بہت زیادہ روئے۔

امام مقام ذبالہ پر

یہاں سے کوچ فرما کر جب آپ مقام ذبالہ میں تشریف لائے۔ تو ابن سعد کا نامہ حضور کو ملا۔ اس میں درج تھا کہ اہل کوفہ اپنی جبلّی بے دفائی میں امام مسلم سے منحرف ہو گئے اور انہیں شہید کیا۔ ان کے ساتھ ہانی بن عروہ کی جان بھی گئی۔

امام قصر بنی المقاتل پر

اس خط کو دیکھنے کے بعد آپ کو یقین واثق ہو گیا کہ یہ سفر وہی سفر ہے۔ جس کی مدتوں سے بشارت سُن رکھی تھی۔ مختصر یہ کہ امام عالی مقام قصر بنی المقاتل میں رونق افروز ہوئے ایک طرف جو نظر پڑی تو معلوم ہوا ایک زبردست خیمہ ایستادہ ہے اور اس کے دروازہ پر تلوار لٹک رہی ہے۔ سامنے ایک نیزہ گڑا ہوا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کس کا خیمہ ہے۔

عبیداللہ بن حر جعفی سے ملاقات

معلوم ہوا کہ یہ عبیداللہ بن الحر جعفی رئیس کوفہ کا خیمہ ہے۔ چونکہ یہ زبردست شجاع اور دلیر نامی وگرامی امیر ہے۔ اس وجہ میں اس کے خیمے کا یہ تزک و احتشام ہے۔ آپ نے اپنے لشکر سے حسین حجاج بن مسروق جعفی کو ابن حر کے پاس بلانے کو بھیجا۔ وہ امام ہمام کا نام سنتے ہی اُٹھا۔ امام کے قدم چوم کر عرض کرنے لگا۔ حضور میں کوفہ سے نکل کر یہاں مقیم ہو گیا۔ اس لیے کہ ان میں رہ کر مجھے خوف ہوا۔ کہ مبادہ مجھ پر عذاب الٰہی

نہ آجائے تنہا ان کے مقابلہ کی قوت نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر اب کیا ارادہ ہے عرض کی۔ حضور یہ اب آپ کے ساتھ ہو جاتا مگر شکست یقینی ہے اس لیے کہ ان کے لشکر کی تعداد بے شمار ہے۔ اہل کوفہ تمام حضور کے دشمن ہیں۔ میں غلام ساتھی ہوں لہذا مجھے اللہ واسطے آزاد کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا اب تو میرے ساتھ نہیں چلنا چاہتا۔ اس نے عرض کی میری ایک گھوڑی ہے ملحقہ جو بڑی تیز ہے اسے قبول کیجئے اور یہ تلوار نذر کرتا ہوں اسے لے لیجئے مگر مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ خیر تیری مرضی۔ ہمیں تیری گھوڑی اور تلوار کی پرواہ نہیں۔ یہ کہہ کر رخصت کیا۔ چنانچہ پھر ابن حر اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔ اور ایک طویل نظم لکھی۔ جس کو ابوالمؤید موفق بن احمد مکی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ جس کے ۶ اشعار کا ترجمہ فارسی میں یہ ہے

زہے حسرت کہ چوں شاہِ شہیداں
مرا گفتا قدم ورنہ بیاری

چرا ہمراہِ آنحضرت نرفتم
نور زیدم طریق حق گزاری

اگر در کربلا مے کشتم آں روز
شہید راہ او در دوستداری

بے بودے بفردائے قیامت
مرا از لطف او اُمید داری

کنوں او رفت من از روئے تقصیر
بماندہ در مقام شرمساری

بصد زاری دمادم می کشم آہ
دلے سودے ندارد آہ و زاری

امام مقام ثعلبیہ میں

المختصر جب آپ کا لشکر ظفر پیکر یہاں سے روانہ ہو کر مقام ثعلبیہ پہنچا۔ تو یہاں قیام فرمایا اور دوپہر کو اپنا سر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھ کر آپ نے آرام فرمایا کہ نیند آگئی۔ تھوڑی دیر میں روتے ہوئے چونکے۔ حضرت کلثوم و زینب حیران ہو کر سبب گریہ پوچھنے لگیں۔ آپ نے فرمایا ابھی نانا جان کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ "اے میرے لخت جگر اب تم بہت جلدی ہمارے پاس آنے والے ہو۔"

یہ سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ یہ سن کر سب زار و قطار رونے لگے۔ تو حضرت علی اکبر نے کھڑے ہو کر عرض کی ابا جان! میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ حق پر ہیں یا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بیشک حق پہ ہیں اور حق ہمارے ساتھ ہے۔ آپ نے عرض کی پھر کیا پرواہ ہے۔ ہرچہ بادا باد۔

امام منزل قطقطانہ پر

غرض کہ یہاں سے روانہ ہو کر منزل قطقطانہ میں تشریف لائے اور تمام ہمراہیوں سے فرمایا۔ کہ میں بطیب خاطر تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ کوفیوں نے بیوفائی کی۔ میرے بھائی مسلم کو شہید کر دیا۔ اب میں نہیں جا سکتا۔ مگر تم جا سکتے ہو۔ میری وجہ میں تم اپنی جانیں کیوں ہلاک کرتے ہو۔ سب نے عرض کی اے ابن رسول اللہ ہماری جان کی تو حقیقت

کیا ہے۔ اگر تمام عالم ہمارے قبضہ میں ہو تو سب کی جانیں ان نوری قدموں پر فدا کرنے کو حاضر ہیں۔ آپ آسمان ولایت کے ماہ اور بادشاہِ امامت کے شاہ ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جو حضور سے آج منہ پھیرے گا وہ کل قیامت کے دن رسوا ہوگا۔

خوشا ملکے کہ سلطانش تو باشی
خوشا جانے کہ جانانش تو باشی
خوشا روئے کہ در روئے تو باشد
خوشا چشمے کہ انسانش تو باشی
بدردِ دل بسر بردیم عمرے
نہ بوئے آنکہ در مانش تو باشی

امام قبیلہ بنی سکون میں

اے یاسمن گلشن رسالت دے ریحانِ روضۂ امامت ۔ ہمیں اپنے بوستان وصال سے وادی فراق میں نہ ڈالئے۔ اپنے گلستانِ مقاربت سے خارستانِ جدائی میں نہ پھینکئے۔ بُرے ہیں یا بھلے۔ مگر آپ کے ہیں۔ اگر تمام عالم پر از گل و گلزار ہو جاتے۔ تو آپ کی جدائی میں ہمیں وہ از سرتاپا خار ہے۔ حضور کے تمام جان نثار یہ کہتے جاتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ امام بھی ان کے ساتھ گریہ کناں تھے۔ آج حضور کو مکہ سے چلے ہوئے سولھواں روز ہے۔ ابن زیاد کے جاسوس نے مخبری کی کہ امام آج قبیلہ بنی سکون میں مقیم ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد بدنہاد نے حر بن یزید ریاحی کو ہزار سوار دیکر روانہ کیا اور تاکید کردی۔ کہ امام جہاں ملیں انہیں حراست میں لے کر یہاں آئے۔

خبردار کسی اور طرف نہ جانے دینا۔ حر ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر روانہ ہوا اور
جناب امام قبیلہ بنی سکون سے کوفہ کو روانہ ہوئے۔ بنی عکرمہ کا ایک شخص راستے
میں ملا۔ اُس نے عرض کی حضور ابن زیاد نے آپ کے مقابلے کے لیے جنگل لشکر سے
پُر کر رکھا ہے۔ قادسیہ سے عذیب تک لشکر ہی لشکر پھیلا ہوا ہے اگر آپ وہاں
پہنچے تو پہنچتے ہی لڑائی چھڑ جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ حضور یہیں سے لوٹ پڑیں
آپ نے فرمایا جزاک اللہ تو نے شرط خیر خواہی ادا کر دی۔ اللہ تجھے اس کا اچھا بدلہ
دے گا۔ مگر اب ہم واپس نہیں جائیں گے۔

امام کی حُر بن ریاحی سے ملاقات اور مقام منزل سراۃ پر

یہاں سے گزر کر منزل سراۃ پر تشریف لائے۔ شب یہیں بسر ہوئی علی الصباح
یہاں سے بھی کوچ فرمایا اور ٹھیک دوپہر کو لشکر حُر راستہ میں ملا جو تمام راستہ میں
اُترا ہوا تھا۔ جب اس لشکر کی نظر امام ہمام پر پڑی۔ علی الفور سب گھوڑوں
پر سوار ہو گئے اور چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ آپ نے آدمی بھیج کر دریافت
کرایا کہ یہ کس کا لشکر ہے۔ تو خود حر سامنے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا یا
حُرُّ اَلَنَا اَمْ عَلَيْنَا اے حر یہ لشکر ہماری مدد کو لاتے ہو یا ہم پر
لاتے ہو۔ حُر نے عرض کی۔ حضور یہ لشکر ابن زیاد کا ہے اور حضور کے
محاصرہ کو آیا ہے آپ نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ
فرمایا۔ پھر حر سے مکالمہ کیا کہ اے حُر تم مسلمان ہو کر کس خیال میں ہو۔ عرض
کی۔ حضور میں لڑنے نہیں آیا ہوں۔ صرف اس لیے آیا ہوں کہ حضور کو
کوفہ کے دروازہ تک پہنچا دوں۔ اتنے میں ظہر کا وقت آگیا۔ آپ نے فرمایا
حُر جاؤ تم اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھو۔ میں اپنے لوگوں کے ساتھ نماز

پڑھوں گا۔ حُر نے عرض کی حضور یہ کیوں۔ کیا میں مسلمان نہیں۔ دونوں لشکر حضور کی اقتدا کریں گے۔ آپ ابن رسول اللہ ہیں۔ ہم آپ کو اپنا پیشوا اور امام جانتے ہیں۔ مگر ملازمت سے مجبور ہو کر یہ تعمیل کرنے آئے ہیں۔ غرض کہ آپ نے دونوں لشکروں کو نماز پڑھائی۔ کھڑے ہو کر تلوار ہاتھ میں لے کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ بیان فرمایا۔ جس میں تمام واقعات کوفیوں کے بتاتے اور اپنی تشریف آوری کا سبب بھی فرمایا۔ حُر نے سب کچھ سُن کر عرض کی ابن رسول اللہ بخدا مجھے اس نامہ و پیام کی اصلا خبر نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ خطوط کس نے بھیجے ہیں تو نواح کوفہ میں تھا۔ ابھی حکم ملا کہ میں سیدھا ادھر آ گیا۔

آپ نے فرمایا۔ حُر۔ اگرچہ تمہیں خبر نہیں مگر تمہارے ساتھ وہ لوگ بھی ہیں جن کے خطوط میں دکھا سکتا ہوں۔ یہ فرما کر امام نے اس لشکر کے موجودہ اشخاص کے بھیجے ہوئے خطوط دکھائے وہ سر نیچے کئے خجل و منفعل سُنا کئے پھر امام عالی مقام اُٹھے اور نماز عصر جماعت سے ادا فرمائی۔ کہ اچانک ایک شتر سوار ابن زیاد کا خط لے کر آیا اور حُر کو دیا۔ اس میں یہ مضمون تھا۔

"جہاں تجھے یہ میرا حکم ملے وہاں ہی امام حسین کو روک لیجو اور ایسے مقام پر ٹھہرائیو۔ جہاں پانی گھاس کا نام نہ ہو۔ اور اگر ان کی گرفتاری میں تو نے کسی طرح کی کمی نہ کی تو تجھے ایسی سزا دوں گا۔ جس کا تو متحمل نہ ہو گا۔"

حُر نے اس خط کو پڑھ کر امام عالی مقام کے پیش کیا حضور ملاحظہ فرمائیں ابن زیاد کو حضور سے کتنی دشمنی ہے۔ میں حیران ہوں۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ عالیجاہ

پھر اپنے لشکر سے خفیہ امام سے حُر ملا۔ اور عرض کی حضور حُر کے ہاتھ کٹ
جائیں جو وہ حضور پر ہاتھ اُٹھائے اس کی آنکھیں پھوٹیں جو آپ کو دشمنی کی نظر
سے دیکھے۔ مگر حضور! اس وقت مخالف سپاہ ہمراہ ہے۔ تھوڑی تعمیل ابن زیاد
کے حکم کی بھی کر لینے دیجئے۔ حرم مبارک بھی ہمراہ ہیں مصلحت یہی ہے۔ کہ حضور
لشکر سے دور اُتریں۔ اس میں ابن زیاد کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی۔ اور
شب کو جب سب سو جائیں حضور جدھر چاہیں تشریف لے جائیں۔ صبح جب
معلوم ہو گا کہ حضور نہیں تو جنگل میں اِدھر اُدھر لشکریوں کو خاک پھنکا کر واپس
لوٹ جاؤں گا اور کہہ دوں گا۔ کہ نہ معلوم کب اور کس طرف لشکر امام شب
میں غائب ہو گیا۔ آپ نے اسے دعائے خیر دی اور شب جب آدھی سے زیادہ
گزر گئی تو کوچ فرما دیا۔ شب بھر چلے اندھیرے میں یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ کہاں
اور کدھر جا رہے ہیں بقول شاعر ؎

نکل آئے ہم دشت مجنوں سے آگے
خدا جانے وحشت کہاں لے چلی ہے

اِمام کا گھوڑا ارضِ ماریہ پر آکر ٹھہر گیا

شب بھر چلے جب سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو حضور کا گھوڑا ایک زمین
ہولناک پر پہنچ کر ٹھہر گیا۔ آپ تازیانہ پر تازیانہ لگاتے۔ مگر اس نے ایک قدم
بھی آگے نہ بڑھایا۔

آپ نے وہاں کے آیندہ و روندگان سے پوچھا یہ کیا مقام ہے۔ ایک
شخص نے عرض کی۔ اس زمین کو ماریہ کہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا نہیں اس کا کچھ
اور نام بھی ہے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ کربلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی ایک

نعرہ مارا اور فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرْ ارض کرب و بلا و سفک دماء اس آواز و نعرہ کو سن کر تمام حضور کے پاس جمع ہو گئے اور عرض کی حضور استنے دردناک نعرہ کا کیا سبب ہے ۔

یہی مقام ہے جہاں ہم ستائے جائیں گے
یہی جگہ ہے ذبیح ہم کو یاں بنائیں گے
پڑا رہے گا یہیں میرا لاشہ بے سر
چلے گا حلق پہ میرے اسی جگہ خنجر
یہاں ہمارے اعزہ بھی قتل سب ہوئیں گے
یہاں ہمارے احبا بھی قتل ہوئیں گے
یہ وہ جگہ ہے جہاں تڑپے لاشۂ قاسم
یہ وہ مقام ہے جاں قتل ہوں بنی ہاشم
یہاں ہی قاسم کوثر پہ بند ہو گا آب
یہاں پہ جملہ حرم کا بھی پردہ ہوگا خراب
یہاں ہی اہل حرم جور و ظلم اٹھائیں گے
یہاں سے ہو کے مقید دمشق جائیں گے
اسی مقام پہ اب سب کا خاتمہ ہو گا
حرم کے سر پہ فقط ایک عابدا ہو گا

حضرت علی اکبر نے عرض کی ابا جان آپ ایسے جملے نہ فرمائیں ۔ آپ نے فرمایا جان پدر جنگ صفین کے موقعہ پر ہم یہاں جناب امیر کے ہمراہ ہو گئے ہیں ۔ شیر خدا علی مرتضیٰ نے سواری سے اتر کر یہاں آرام فرمایا تھا ۔ بھائی حسن کے زانو پر سر مبارک تھا ۔ میں ان کے قدموں کی طرف بیٹھا ہوا تھا کہ تھوڑی

دیر میں حضرت امیر روتے ہوئے اُٹھے اور فرمایا افسوس! افسوس!! اس جنگل میں خون کا دریا موجزن ہے اور میرا لخت جگر نور عین پیارا حسین اس دریا میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ فریاد کر رہا ہے۔ مگر ہائے اس کی فریاد کوئی نہیں سنتا۔ کہ یکایک اس کی نظر مجھ پر پڑی ہے تو مجھے پکارتا ہے کہ ابا جان! آپ ہی اس بحر ناپیدا کنار سے مجھے نکال لیں ورنہ میری جان چلی۔ تو میں نے بھی یہی جواب دیا کہ بیٹا صبر کرو إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ط لہذا اونٹوں کو بٹھا دو۔ سامان اتار لو۔ خیمے نصب کر دو ۔

بار بکشا ئید کایں جا خون ما خواہند ریخت
آب روئے ما بخاک کربلا خواہند ریخت
کودکان جعفر طیار را خواہند کشت
گرد بر رخسار آل مصطفےٰ خواہند بیخت
آں سگان از حیلہ مورد بازی و مبدم
خون نور دیدہ شبیر اخدا خواہند ریخت

حکم امام ہمراہیوں کو کہ جزع فزع ماتم ہرگز نہ کریں

یہ فرما کر آپ اس زمین پر اترے تو اس بلا کی آندھی آئی۔ کہ گیسوئے مشکیں زرد ہو گئے۔ حضرت ام کلثوم نے جو گیسوئے مشکیں کو اس طرح دیکھا۔ رونے لگیں اور کہنے لگیں۔ بھائی جان اس ویرانہ جنگل سے چلو مجھے یہاں وحشت ہوتی ہے۔ امام نے بہن کو تسلی دی۔ پھر حضرت شہر بانو کو بلا کر فرمایا۔ کہ دیکھو جب تم مجھے اس جگہ گھوڑے سے گرتا دیکھو اور میرا جسم تیر و تلوار اور نیزوں سے چور پاؤ تو خبردار ہرگز ہرگز سر برہنہ نہ کرنا۔ چھاتی ماتھا نہ کوٹنا کہ جد امجد

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ یعنی جس نے رخسارے پیٹے اور گریبان چاک کیا اور جہالت کے جملے زبان سے نکالے۔ وہ ہم میں نہ رہا۔ لہذا اس مصیبت کو نہایت استقلال سے برداشت کرنا کہ یہ مصیبت تمھارے اور ہمارے لیے نعمت ہے۔ **مثنوی**

مرگ برگ آمد کہ را اتحاد روست
مرگ سازو مغز را پیدا ز پوست
مرگ بردارد حجاب باز پیش
تا شویم از فرع سوئے اصل خویش
مرگ جانہا را سوئے جاناں کشد
بلبلاں را جانب بستاں کشد

اہلبیت اس تقریر جاں گداز سے بے تاب ہو گئے اور زار زار رونے لگے اور کہنے لگے ؎

ایں سخن چیست کہ دلہا ہمگی خوں گردد
دیدہ ہا از غم دل دجلہ و جیحوں گردد

امام نے فرمایا۔ مشیت میں مجال دم زدن نہیں۔ تقدیر اللہ میں کوئی چارہ نہیں۔ سوائے صبر کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ پھر حکم دیا کہ خیمے یہیں نصب کردو۔ چنانچہ برلب فرات خیمے نصب ہو گئے۔

حُر نے براہ خیر اندیشی پھر حضور کی خدمت میں عرض کرائی کہ حضور! ابن زیاد پوری دشمنی پر تُلا ہوا ہے۔ اور ایک فوج کا دل بادل حضور کے لیے آ رہا ہے۔ مناسب ہے کہ حضور کربلا سے کوچ فرمائیں۔ جو کچھ گزرے گی میں سہہ

لونگا۔ مگر خدا حضور کو سلامت رکھے۔ حضور نے حرؓ کو دعا کہلا بھیجی۔ اور اس کی خاطر سے تمام شب اونٹ ہانکے۔ صبح جو دیکھا تو وہیں تھے۔ جہاں سے چلے تھے۔ غرض کہ پنجشنبہ کے دن ۲ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ کو بموجب اس پیام کے آپ نے شب میں کوچ فرمانا شروع کیا۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، محرم سنہ ۶۱ھ تک حضور برابر شب کو سفر کرتے رہے۔ مگر صبح جہاں سے تھے وہاں ہی اپنے کو پاتے۔ آخر ساتویں محرم الحرام کو آپ نے خواب میں ملاحظہ فرمایا کہ آقاء مدینہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کو اپنے پہلو میں لے کر پیشانی چوم کر فرما رہے ہیں۔ بیٹا۔ حسین! خیر مرضیٔ مولیٰ یہی ہے کہ تم تیغ جفا سے شہید ہو اور عنقریب مجھ سے آکر ملو۔ بیٹا تمہارے قاتل میری شفاعت سے محروم ہیں۔ بیٹا تمہارے لیے بہشت آراستہ ہے۔ تمہارے والدین تمہارے منتظر ہیں۔ پھر آپ کو سینہ سے لگا کر دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنِ صَبْرًا وَّ اَجْرًا۔ الٰہی میرے لخت جگر کو صبر جمیل و جزاء جزیل عطا فرما۔ پھر آپ نے اس خواب کی تمام اہلبیت کو خبر دی۔ یہ سنکر اہلبیت اطہار نے زار و قطار رونا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہتے رہو۔

کتاب نور الائمہ میں روایت ہے کہ کربلا سے امام ہمام نے سلیمان ابن صرؓ اور خزاعی کوفی کو ایک نامہ لکھا۔ جس میں مندرج تھا کہ میں تیری درخواست پر یہاں آیا ہوں۔ اگر تجھے اپنا وعدہ وفا کرنا ہے۔ تو میرا ساتھ دے ورنہ خیر میرا خدا حافظ ہے۔

یہ نامہ قیس اعرابی کو دے کر روانہ فرمایا۔ اثناء راہ میں قیس گرفتار ہوئے اور وہی قصہ قتل پیش آیا۔ جو پہلے منقول ہو چکا ہے۔

پھر ابن زیاد نے حضور امام حسین کو ایک نامہ بھیجا جس میں لکھا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ یزید سے بیعت کرلیں۔ آپ نے نامہ پڑھ کر پھینک دیا اور فرمایا۔ اس مردود سے کہہ دو کہ اس کا جواب میرے پاس سوائے انکار کچھ نہیں ہے اس قوم کو خدا سمجھے جو رضائے مخلوق کو غضب الٰہی پر مقدم رکھتی ہے ؎

رو بدنیا آورند و پشت بر عقبیٰ کنند
خلق را خوشنود سازند و خدا را خشم ناک

مختصر یہ کہ ابن زیاد یہ جواب سن کر بہت خشم ناک ہوا۔ پھر ابن سعد کو حکومت رے کا وثیقہ لکھ کر دیا اور کہا کہ علاوہ اس کے تو سپہ سالار لشکر یزیدی ہے جا اور سیدھا کربلا پہنچ اور حسین بن علی کا سر یا بیعت لے کر یزید کے پاس بھیجدے ابن سعد اسکو سنکر کچھ متامل ہوا۔ پھر سوچ سمجھ کر یہ رباعی پڑھ کے روانہ ہوا۔

رباعی

فواللّٰہ ما ادری وانی لواقف
افکر فی امری علی خطرین
اتترک ملک الری والری منیتی
ام ارجع ماثوما بقتل حسین

پھر شب بھر اسی فکر میں رہا اور بار بار یہی رباعی پڑھتا رہا آخر فیصلہ کر لیا کہ رے سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے۔ اگرچہ آخرت کا عذاب اٹل ہے مگر ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

گھر آکر سب قصہ اعزا و اقربا سے کہا۔ ابن سعد کی چھوٹی بہن نے سر

پیٹ لیا اور کہا افسوس! صد افسوس تم نے یہ کیا غضب کیا؟ حسین بن علی جگر بند مصطفیٰ نور دیدۂ زہرا سرور سینہ مرتضیٰ شیر خدا کا قتل اور تمہارے ہاتھ سے؟ ہمارے جد امجد سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ تو ان پر جان فدا کرتے تھے اور تم ان کی جان کے دشمن بنتے ہو۔

ابن سعد نے چھوٹے بیٹے کو مخالف ضمیر دیکھا تو منہ پھیر کر بڑے بیٹے سے کہا تم کہو تمہاری کیا رائے ہے اس نے کہا اگرچہ چھوٹا بھائی جو کچھ کہہ رہا ہے۔ بالکل صحیح کہہ رہا ہے مگر جس سے وعدہ کر کے آئے ہو اس کا ایفاء بھی لازمی ہے۔ ابن سعد بہت خوش ہوا اور صبح ابن زیاد کے دربار میں آ کر اقرار کر لیا۔ ابن زیاد نے پانچ ہزار سوار دیئے اور وہ کربلا کو روانہ ہوا۔ راستہ میں لوگوں نے ملامت کی تو کہہ دیا کہ تم سب سچ کہہ رہے ہو۔ مگر رے کی حکومت نہیں چھوڑی جاتی۔ ایک شخص نے کہا کم بخت خوف خدا کر۔ دنیا چند روزہ ہے ؎

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

یہاں یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ ابن سعد کون ہے؟ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص جلیل القدر صحابی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کا ناخلف بیٹا ہے۔ جب یہ کربلا پہنچا امام نے اسے تخلیہ میں بلا کر دنیا کی بے ثباتی دکھائی اور آخرت کے مدارج سنائے۔ ہر چند سمجھایا۔ نیچی گردن کئے سنتا رہا۔ آخر یہ جواب دیا تو یہ دیا کہ حضور قطع نظر رے کے میری بہت سی جاگیر کوفہ میں ہے اگرچہ آپ سے مقابلہ نہ کروں گا۔ سب ضبط ہو جائے گی۔ لہذا مجبور ہوں۔ شہزادہ صاحب جوش میں آتے اور فرمانے لگے۔ خیر مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ ہمارا کام سمجھانے کا تھا

اب تو نہیں مانتا ہے تو کان کھول کر سُن لے۔ تیری جتنی آرزوئیں ہیں سب دل کی دل میں رہیں گی۔ ایک بھی پوری نہ ہو گی۔ اور انشاء اللہ تو دنیا میں بھی ایسا ہی نامراد رہے گا۔ جیسا آخرت میں۔ اب جو تیرے دل میں آئے سو کر۔

چنانچہ حسب پیشنگوئی ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مختار ابو عبید نے ابن سعد اور اس کے بیٹے حفص کو بڑی بے دردی سے مارا۔ یہ وہی بیٹا تھا۔ جس نے ایفاء وعدہ کی تحریک کر کے حکومت رَے کے مقابلہ میں قتل امام سے اتفاق کیا تھا۔

حضرت بریر بن حصیر ہمدانی کی شہادت

امام ہمام اسی جوش میں اُس کے پاس سے اُٹھ کر اپنے لشکر میں واپس تشریف لے آئے تو حضرت بریر بن حصیر ہمدانی جو اس زمانہ کے بڑے عابد ہیں اور گزشتہ قصّہ کی بابت پوچھا۔ آپ نے جو ہوا تھا فرما دیا۔ عرض کی اجازت ہو تو کل میں بھی اِسے جا کر سمجھاؤں۔ آپ نے فرمایا تمھیں اختیار ہے۔ مجھے اس کی اصلاح کی اُمید نہیں۔ مگر خیر تم بھی قسمت آزمائی کر آؤ۔ چنانچہ بریر علی الصباح ابن سعد کے پاس تشریف لائے اور بلا اجازت اس کے خیمہ میں داخل ہو کر بے سلام کئے بیٹھ گئے۔

ابن سعد کے آگ لگ گئی۔ کہنے لگا۔ اے ہمدانی! کیا میں مسلمان نہیں جو سلام تک سے محروم ہوں۔ حضرت بریر نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ مسلمان وہ ہے۔ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں اور تو کیسا مسلمان کہ فرزند رسول کا دشمن بن رہا ہے۔ تُف تیرے دعوئی پر۔ زوف ہے۔ تیرے اسلام پر۔ غضب خدا کا۔ فرات کے پانی سے جانور سیراب ہوں اور اہلبیت اطہار اور فرزندانِ

امام جو پیاس سے جاں بلب ہیں ایک ایک قطرۂ آب کو ترسیں اور تجھے رحم نہ آئے۔ کم بخت! سعد بن ابی وقاص کا بیٹا ہو کر عبداللہ راہم بنا ہے۔ ابن سعد تھوڑی دیر سنتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ مگر حکومت رَے کا لالچ ہے۔ اس کے مقابلہ میں مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔

اس واقعہ کی خبر شمر ذی الجوشن نے ابن زیاد کو دے دی۔ ابن زیاد نے ابن سعد کو لکھا کہ نمک حرام کے لیے حکومت رَے نہیں ہے۔ وثیقہ واپس کر اور شمر کو دے ورنہ فی الفور تعمیل حکم کر۔

غرض کہ ابن سعد نے بے سوچے سمجھے ۷ محرم کو ساحل فرات پر اپنا لشکر جما دیا اور دریا کو اپنے پس پشت رکھا اور قطعی اہلبیت نبوت پر پانی بند کر دیا۔ شہزادہ کونین کے ہمراہی ایک ایک قطرہ آب کو ترس گئے۔ چھوٹے چھوٹے بچے گلاب کی پتی کی طرح کملا کے ایڑیاں رگڑنے لگے بہت ردوقدح کے بعد نتیجہ یہی نکلا کہ مقابلہ ہو اور اشقیا جہنم دیکھیں اور اصفیا جنت کی راہ لیں۔

اسماء لشکر امام مع اسماء اہلبیت

شہزادہ کونین کے لشکر میں صرف چالیس[۴۰] پیادے اور بتیس[۳۲] سوار تھے۔ جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:۔

زہیر بن حسان محمدی۔ عبداللہ بن عمر وکلبی۔ بریر بن حضیر ہمدانی۔ وہب بن عبد کلبی۔ خالد بن عمرو مکی۔ محمد بن حنظلہ تمیمی۔ عمرو بن خالد صیداوی۔ عمرو بن عبداللہ صائدی۔ حماد بن انس محمدی۔ وقاص بن مالک احمدی۔ شریح بن عبید مکی۔ مسلم بن عوسجہ اسدی۔ ہلال بن نافع بجلی۔ مرہ بن ابی مرہ غفاری۔ قیس بن ملیہ مدنی۔ ہاشم بن عتبہ مکی۔ بشیر بن عمر حضرمی۔ نعیم بن عجلان انصاری۔ زہیر بن

قیس بجلی۔ انس بن کاہد اسدی۔ حبیب بن مظاہر اسدی۔ قیس بن ربیعی انصاری۔
عبداللہ بن عروہ ابن خراق غفاری۔ عبدالرحمٰن بن عروہ بن خراق غفاری۔ حرہ باجریر
غلام آزاد ابوذر غفاری۔ شبیث بن عبداللہ بہشتی۔ قاسط بن زہیر ثعلبی۔ کردوس
بن زہیر ثعلبی۔ کنانہ بن عتیق انصاری۔ ضرغامۃ بن مالک انصاری۔ جویر بن مالک
انصاری۔ عمرو بن ضیغہ صنعی۔ یزید بن ثبیت قیسی۔ عامر بن مسلم انصاری۔
عبیداللہ بن ثبیت قیسی۔ کعب بن صرعہ نمری۔ سالم غلام آزاد۔ عامر بن مسلم۔
صف بن مالک انصاری۔ زہیر بن بشیر جعفی۔ بدر بن معقل جعفی۔ حجاج بن مسروق
مؤذن لشکر اسلام۔ سعود بن حجاج انصاری۔ مجمع بن عبداللہ عائدی۔ عمار بن حسان
مدنی۔ حسان بن حارث سلیمان امت۔ جندب بن حجر خولانی۔ یزید بن زیاد بن
مظاہر کندی۔ طاہر غلام آزاد دین الحق خزاعی۔ جبلۃ بن علی شیبانی۔ اسلم بن کثیر
اعرج ازدی۔ زہیر بن سلیم ازدی۔ قاسم بن حبیب ازدی۔ عمرو بن جندب
حضرمی۔ ابوتمامہ انصاری۔ عمرو بن عبد صائدی۔ حنظلہ بن اسعد شیبانی۔
عبداللہ بن عبداللہ کدن اوجی۔ عمار بن ابی سلام انصاری۔ عابس بن ابی حبیب
شاکری۔ شوذب غلام آزاد۔ شاکری انصاری۔ شبیب بن حارث بن سریع
انصاری۔ مالک بن سریع انصاری۔ محمد بن انس انصاری۔ مقداد انصاری۔
سلمان غلام آزاد جناب امام علیہ السلام۔ قارب غلام آزاد جناب امام علیہ السلام۔
عروہ بن غلام آزاد حر بن یزید بن ریاحی۔ مصعب برادر حر بن یزید بن ریاحی۔
علی بن حر بن ریاحی۔ سعد بن عبداللہ۔ اطبقی از اقربائے مادر محمد حنیفہ
غازی یہ کل تہتر رفقاء تھے۔

اور اہلبیت مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء اکیس (۲۱) کی تعداد میں علیحدہ تھے۔
جن کی فہرست یہ ہے:۔

سعد غلام جناب شبیر خدا۔ فیروز غلام جناب امام حسین۔ حضرت عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب برادر مسلم شہید حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالب برادر حضرت مسلم۔ حضرت جعفر بن عقیل بن ابی طالب حضرت محمد بن ابی سعد بن عقیل بن ابی طالب۔ حضرت عبداللہ بن حضرت مسلم بن عقیل بن ابی طالب۔ حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار پسر زینب خواہر امام رضی اللہ عنہم۔ حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر طیار پسر زینب رضی اللہ عنہا۔ حضرت ابوبکر بن جناب امام حسن بن علی بن ابی طالب۔ حضرت عمر بن جناب امام حسن بن مرتضٰی علی۔ حضرت عبداللہ بن جناب امام حسن بن مرتضٰی علی حضرت قاسم بن جناب امام حسن بن علی۔ حضرت محمد بن جناب مرتضٰی علی۔ حضرت عثمان بن مرتضٰی علی۔ حضرت عبداللہ بن جناب مرتضٰی علی۔ حضرت جعفر بن جناب مرتضٰی علی۔ حضرت عباس بن جناب مرتضٰی علی۔ حضرت علی اکبر بن امام حسین علیہ السلام۔ حضرت علی اصغر بن جناب امام حسین۔ حضرت زین العابدین بن جناب امام حسین علیہ السلام؛

اصل حقیقت یہ ہے کہ:۔

تمنائے شہادت کھینچ لائی ہے جو مقتل میں
کوئی دم میں لگی دل کی بجھے گی آب خنجر سے

شاہ ہست حسین و بادشاہ ہست حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین!
سر داد و نداد دست بر دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

منظر خونی صبح حمرا یعنی محرم الحرام کا عشرا

اس ارسال ترسیل اصلاح معاد بیدین اشقیائے شامی میں عشر محرم آگیا۔ آخرش امام ہمام نے مایوس ہو کر تمام شب عاشورا تسبیح وتہلیل میں گزاری۔ پچھلی شب جناب امام نے حرم میں رونق افروز ہو کر ایک خطبہ فصیح وبلیغ مشتمل برحمد ونعت پڑھا۔ پھر فرمایا۔ میں اصحاب ورفقاء کی باوفائی اور اپنے اہلبیت کی جان نثاری کی نظیر عالم میں معدوم دیکھتا ہوں۔ اللہ انہیں جزائے جزیل عطا فرمائے اور بطیب خاطر سب کو اپنے رقبۂ بیعت سے آزاد کرتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ سب یہاں سے جہاں چاہیں چلے جائیں۔ دشمنوں کا گنہگار میں ہوں ان کو میری ذات سے پرخاش ہے۔ مجھے یہاں موجود دیکھ کر تمھارے جانے میں وہ قطعاً تعرض نہ کریں گے۔ میں رائے دیتا ہوں کہ میرے جانثار رفقا میرے تمام اہلبیت کو ہمراہ لیں اور جس طرف چاہیں چلے جائیں۔ میں اپنی جان راہ مولا میں قربان کرنے کا عزم جزمی کر چکا ہوں اور مشیت الٰہی بھی یونہی ہے لہٰذا میری وجہ میں ناحق اس قدر خون مجھے گوارا نہیں۔

یہ سُن کر تمام اعزا واقربا غلام رفقا زار زار رونے لگے اور عرض پیرا ہوئے کہ اے راکبِ دوش رسول اے نور دیدۂ زہراؑ بتول۔ ہم لوگوں نے حلقہ غلامی اُس دن کے لیے آویزۂ گوش نہیں کیا تھا کہ دم آخر جبکہ جنت لٹائی جائے۔ جواہرات خلد کا تقاسمہ ہو اس وقت ہم حلقہ غلامی کی عزت سے محروم کردیئے جائیں۔ ہماری آرزو تو یہ ہے اور تھی۔ کہ جس طرح یہاں حضور زیر دامن لیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن اسی سایہ میں حضور رب العزت و بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں اور سر افتخار کنگرۂ عرش بریں تک بلند کریں۔

وہ بدنصیب ہوگا جو ایسے زریں موقعہ کو ہاتھ سے کھو کر غلامی سے آزاد ہونا چاہے حضور یہ غلامی یہ مصیبت یہ بلا یہ بے کسی یہ بے بسی ہزار سلطنت سے افضل ہے اور حق تو یہ ہے کہ حضور کے بعد یہاں جینے کی ہی کس کو آرزو ہے ؎

جامی ارباب وفا جز رہ عشقش نروند
شرم بادا کہ ازیں راہ قدم باز کشی

پھر آپ نے برادران و فرزندان مسلم سے فرمایا کہ تم پر پہلے ہی کوہِ بلا ٹوٹ پڑا ہے۔ تمہارا دل فراق مسلم سے پہلے ہی زخمی ہو چکا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ موجودہ تازہ مصائب کی ان زخموں پر نمک پاشی کی جائے۔ لہٰذا اب تم مکہ جاؤ اور مجھ کو اپنا داغ مفارقت نہ دو۔

یہ سُن کر سب عاشقانِ جمال بولے کہ حضور ہم کو یہ اُمید نہ تھی کہ یہاں آکر رفقاء اعزا جام شہادت پی کر جنت سدھارینگے اور سردار و امام شہدا بنیں گے اور حضور ایسے نادر موقعہ پر ہماری جان حزیں کا ہدیہ محض مسترد فرمادیں گے۔ بلکہ یہی سمجھ رکھا تھا کہ جس طرح مسلم کو جاں نثاری کا اعزاز عطا فرمایا۔ ہمیں بھی اس دولتِ عظمیٰ سے مالا مال فرمایا جائے گا۔

بس حضور نے بہت کچھ فرمالیا۔ ہمارے زخمی دلوں میں ایسے کلمات سننے کی تاب نہیں ہے۔ ہمارے ٹوٹے دل نہ توڑیئے۔ ہمارے دُکھے ہوئے دلوں کو نہ دکھایئے۔ ہمارے زخموں پر نمک پاشی نہ فرمایئے ؎

تا سرِ گریبان اجل در نزنیم ۔۔۔ ما دست ز دامانِ تو کوتہ نکنیم

وہ آئیں شوق سے مقتل میں امتحان کیلئے
نہ جی چرائیں گے ہم جانِ ناتواں کیلئے

پچنے ہیں پھول عنادل نے آشیاں کیلئے
صلائے عام ہے آہِ شرر فشاں کیلئے

کسی کے آتے ہی ارمان دل پچلتے ہیں
قیامت اُٹھتی ہے تعظیم مہماں کیلئے

تپ الم نے کیا خشک سب بدن کا لہو
نہ چھوڑی بوند میری چشم خونفشاں کیلئے

کسی سے ضبط ہوں اسرار عشق کیا معنی
کہ رازداں کی ضرورت ہے رازداں کیلئے

ملک نے اُٹھ کے تیرے نقش پا کو دی تعظیم
فلک نے جھک کے قدم تیرے آستاں کیلئے

سبب کی عشق میں حاجت نہ قید ساماں کی
بہانہ چاہیئے بس مرگ ناگہاں کیلئے

شعاعیں خود ہیں نقاب ان کے مہر عارض کو
نو یدیاس ہے چشم ندیدگاں کیلئے

میرے بھی پاس میری جاں ہے اک دل ناکام
ادھر بھی ایک نظر حسن دلستاں کیلئے

تمھارے چاہنے والے ہیں تم سے اتنے خوش
دعائیں مانگتے ہیں مرگ نوجواں کیلئے

ہماری خاک ہمارا سر نیاز بنا
تری گلی کے لیے تیرے آستاں کیلئے

حکایت قفس و دام ہم سے سن صیاد

بہار آئی ہے گلچیں و باغباں کیلئے
شہیدِ ناز کا افسانہ سُن کے کہتے ہیں
یہ داستاں ہے فقط نالہ و فغاں کیلئے
اشارے دل سے کئے جو سمجھا تو میرا دل سمجھا
کہ بے زباں کی ضرورت ہے بے زباں کیلئے

بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ہمام شہزادہ کونین سیدنا حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے ساتویں محرم کو ہی فرمادیا تھا کہ فلاں رفیق کی لاش یہاں گرے گی اور فلاں جگر گوشہ یہاں تڑپے گا۔ غرضکہ اعزا اور رفقاء کے یہ جوابات سُن کر سکوت فرمایا۔ اور مشغول عبادت تھے کہ خواب میں ملاحظہ فرمایا کہ بہت سے کتوں نے آپ پر حملہ کیا اور ایک سگِ ابلق آپ کے سینہ بے کینہ پر آ بیٹھا کہ اچانک سرکار ابد قرار رحمت مجسم تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے اور فرمایا اے نورِ نظر اے لختِ جگر اے سید معصومؑ اے شہید مظلوم۔ دیکھ یہ تمام ارواح قدس تیرے خیر مقدم کو حاضر ہیں بیٹا اب شب کا کھانا ہمارے ساتھ آکر کھاؤ۔ تمہاری مفارقت اب زیادہ گوارا نہیں۔ آپ یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک غیبی صدا گونجی۔ جس کے یہ الفاظ تھے یاخلیل اللہ ارکبوا۔ اے خدائی لشکر سوار ہو جاؤ۔ ہنگام کارزار اور وقت قیام دار القرار آگیا یہ آواز کچھ ایسی زور سے آئی کہ تمام اہل حرم نے سنی اور امام چونک پڑے۔ غرضکہ کلمات وداعیہ فرما کر سب کو وصیت صبر و شکیبائی کرتے ہوئے نشۂ شہادت میں چور تھے۔ کہ گریبان صبح قیامت چاک ہوا۔ آپ نماز صبح پڑھ رہے تھے کہ لشکر عمر سعد کی میدان کربلا میں آمد آمد شروع ہوگئی۔

جنگ کی تیاری

اب صبح محشر روشن ہے۔ امام عرش مقام خیمہ اطہر سے برآمد ہو کر اپنے بہتّر جاں نثار اور اکیس اعزا کا لشکر ترتیب دے رہے ہیں۔ دائیں بازو پر زہیر بن قیس بائیں پر حبیب بن مظہر سردار بنائے گئے ہیں اور علم بردار حضرت عباس مقرر ہوئے ہیں۔ خیمہ اطہر کے چاروں طرف خندق کھود کر لکڑیاں بھر کر آگ لگا دی گئی ہیں۔ کہ دشمن حرم کی طرف راہ نہ پائیں۔

اس انتظام کے بعد امام جنت مقام تہیہ شہادت میں مشغول ہوئے۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے یزید بن حصین ہمدانی سے جو خیمہ کے دروازہ پر کھڑے تھے کچھ مزاح فرمایا۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ عبدالرحمٰن یہ وقت کون سی خوشی کا ہے جو آپ مذاق فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خدا گواہ ہے مجھے میری قوم خوب جانتی ہے۔ میں نے کبھی عمر بھر کسی سے مزاح نہ کیا۔ مگر اس وقت اُس چیز کی خوشی و مسرت نے مجھے محظوظ کر رکھا ہے۔ جو عنقریب بہ تصدق امام ملنے والی ہے۔ آپ اس لشکر کو دیکھتے ہیں۔ جو ہمارے مقابلہ کے لیے تُلا کھڑا ہے۔ خدا کی قسم ہم میں اور حوروں میں بس اتنا ہی تفاصل ہے کہ یہ تلواریں لے کر ہماری طرف آئے۔

اتمام حجّت بہ لشکر اشقیاء

اب امام عالی مقام تشریف لاکر ناقہ اقدس پر سوار ہو کر اتمام حجت کے لیے لشکر اشقیا کی طرف تشریف لے گئے۔ فرمایا لوگو! میری بات سنو۔ اگر تم انصاف کرو تو تمھارے حق میں اچھا ہے۔ ورنہ پھر جو تمھارے

جی میں آئے کرنا۔ ذرا میرا نسب تو یاد کرو اور سوچو میں کون ہوں۔ پھر اپنے ضمیر سے پوچھو کہ میرا قتل تمہیں روا ہے یا نہیں۔ میری بے حرمتی تمہیں حلال ہو سکتی ہے یا نہیں۔ کیا میں تمہارے نبی قاسم کوثر کا نواسا نہیں کیا میں راکب دوش رسول نہیں۔ کیا میں جوانان جنت کا سردار نہیں۔ کیا اتنی باتیں تمہیں میری خونریزی سے روکنے کو کافی نہیں۔

تمام لشکر میں سکوت تھا۔ کسی میں جواب کی تاب نہ تھی۔ آخر شمر ذی الجوشن خبیث آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کوشش کر حبیب بن مطاہر سے نہ رہا گیا۔ جھنجھلا کر شمر سے فرمانے لگے او خبیث بیشک تو بہرا اندھا گونگا ہو چکا ہے۔ خدا نے تیرے دل پر مہر کفر لگا دی ہے تو کچھ نہیں جانتا۔

پھر امام نے فرمایا خدا کی قسم میرے سوا روئے زمین پر کوئی نبیرہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ سچ کہو کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی مارا ہے۔ جو انتقام لینا چاہتے ہو۔ یا تمہارا مال لوٹا ہے جو میرے اہلبیت کو لوٹنے کے لیے تیار ہو۔ آخر مجھ سے کس وجہ میں تم اتنی دشمنی کر رہے ہو۔ جب کسی طرف سے جواب نہ ملا۔ تو آپ نے نام لے کر فرمایا۔ اے شیث بن ربعی۔ اے حجاز بن البجیر۔ اے قیس بن اشعث۔ اے زید بن حارث۔ کیا تم لوگوں نے مجھے خطوط نہ لکھے تھے؟ یہ خطنا صاف انکاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا خیر تم نے لکھے ضرور تھے۔ مگر اس انکار کا بدلہ تم سے خدا لے گا۔ خبر اے لوگو! اگر تم مجھ سے ناراض ہو تو مجھے واپس جانے دو۔ اگر مکہ جانے سے مانع ہو تو کسی جنگل میں چلا جاؤں گا۔ مگر انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ تو آپ مایوس ہو کر واپس آتے اور ناقۂ اقدس سے اُتر

پڑے۔ مگر زہیر بن قیس سے نہ رہا گیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور فرمایا۔ اے کوفیو! اس سرکش ابن زیاد بد نہاد کی پیروی سے باز آؤ۔ دیکھو نبی کے نواسے کا مقابلہ ہے۔ اس میں ذرا غور کر لو۔ کوفیوں نے فوراً جواب دیا کہ جب تک تمہیں اور تمہارے سردار کو ہم قتل نہ کر لیں گے یا مطیع بنا کر ابن زیاد کے پاس نہ بھیج دیں گے۔ یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ زہیر نے فرمایا۔ خدا کی قسم! فاطمہ زہرا کے لاڈلے سمیہ کے ناخلف بیٹے سے زیادہ مستحق محبت ہیں۔ اسپر شمر مردود نے ایک تیر آپ پر چلایا اور کہا بس خاموش۔ کب تک ہمارا سر چاٹے گا۔ زہیر نے فرمایا او ایڑیوں پر موتنے والے گنوار کے بیچے میں تجھ سے بات نہیں کرتا۔ تو نرا جانور ہے۔ تجھے عنقریب جہنم کی دہکتی آگ میں جانا ہے۔ شمر نے کہا کوئی گھڑی گزرتی ہے۔ کہ تم اور تمہارے سردار اب موت کے گھاٹ اترتے ہو۔ آپ نے فرمایا او مردک بے ایمان! کیا ہمیں موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم ان کے قدموں میں مرنا عمر جاودان حاصل کرنا ہے۔ خدا کی قسم تم لوگوں کو سرکار مدینہ کی شفاعت سے محرومی ہے۔ بات بڑھتی دیکھ کر امام عالی مقام نے زہیر کو واپس بلا لیا۔ اور ابن سعد شقی ازلی نے لشکر کو حکم دیا۔ کہ امام عالی مقام کی طرف بڑھے۔

حضرت حر کا میدان میں آنا اور امام ہمام کی پیروی کرنا

حر بن ریاحی ابن سعد سے فرمانے لگے۔ تجھے اللہ کی مار تو ان سے لڑنے کا حکم دے رہا ہے۔ جو ساقی کوثر کے جگر گوشہ ہیں۔ ابن سعد نے کہا ہاں لڑوں گا اور ایسا کروں گا جس کا ادنیٰ درجہ سروں کا کٹنا اور ہاتھوں کا کٹنا

ہے۔ حر نے کہا وہ تین باتیں جو انھوں نے پیش کی تھیں تجھے منظور ہیں تو کہنے لگا ان کا منظور کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔

حر مجبور جواب سُن کر لشکر امام کی طرف بڑھے۔ مگر اس طرح کہ بدن کانپ رہا تھا۔ پہلو میں دل پھڑک رہا تھا۔ ان کے ایک ہم قوم نے حر کے جسم پر رعشہ دیکھ کر کہا کہ حر میں کوفہ کے لوگوں میں ایک تم کو بہادر مانتا ہوں۔ مگر آج یہ حالت مجھے شبہ میں ڈالتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ ایک طرف جنت کے خوش رنگ پھول کھل رہے ہیں اور ایک جانب جہنم شعلہ زن ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر میرے جسم کے پرزے پرزے کر دیئے جائیں تو میں جنت چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑی دی اور امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور قدم چوم کر کہنے لگے۔ اللہ مجھے حضور پر قربان کرے۔ حضور میں وہی سیہ رو حر ہوں جو واپس جانے سے حضور کو مانع ہوا تھا۔ جس نے حضور کو حراست میں لیا تھا۔ خدا کی قسم مجھے یہ گمان نہ تھا کہ یہ بدبخت حضور کے ایسے دشمن ہو جائیں گے اور یہاں تک نوبت پہنچے گی۔ اب جو کچھ ہوا وہ ہوا۔ لیکن تائب ہو کر اب حاضر ہوا ہوں۔ اگرچہ منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔ مگر ع

یا رسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام

اور حضور کے قدموں پر اپنی جان قربان کرنا چاہتا ہوں کیا میری توبہ حضور کے نزدیک مقبول ہو سکتی ہے؟

آپ نے حر کو سینہ سے لگا لیا اور فرمایا کہ ہاں۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور جب ہم تم سے خوش ہیں۔ تو ہمارے جد امجد بھی خوش ہیں۔ اور جد امجد کی خوشنودی سے خدا کی رضامندی لازمی ہے۔ یہ مژدہ سن کر اجازت حرب چاہی۔ مگر امام نے روک لیا۔ آخر گھوڑے پر سوار ہو کر اشقیا کی طرف بڑھے اور

کھڑے ہو کر فرمانے لگے ۔ اے کوفیو! تمہاری مائیں تمہیں روئیں ۔ کیا تم نے امام کو دشمنوں کے پنجہ میں دینے کو بلایا تھا ۔ کیا تم نے ان سے وعدہ نہ کیا تھا ۔ کہ اپنی جانیں ان پر نثار کریں گے ۔ اب تمہیں ان کے خون کے پیاسے ہو رہے بے دینو! اگر ان کی تعظیم و تکریم بالائے طاق کرتے ہو تو کم از کم انہیں اجازت دے دو کہ وہ کسی گاؤں میں جا رہیں ۔ تم نے انہیں قیدی بنا کر بے دست و پا کر رکھا ہے ۔ فرات کا بہتا پانی ان پر بند کر دیا ہے ۔ پیاس کی شدت نے انہیں نیم جاں کر رکھا ہے ۔ اگر تم باز نہیں آتے تو اللہ تمہیں قیامت کے دن پیاسا رکھے گا ۔

اس جواب میں صفوف اشقیا نے بگڑ کر حضرت حرؓ پر تیر برسانے شروع کئے ۔ آپ واپس لوٹ کر امام کے آگے کھڑے ہو گئے ۔ لشکر اشقیا سے ابن زیاد کا غلام یسار اور دوسرا غلام سالم میدان میں آیا اور مبارز طلب کرنے لگا ۔ تو باجازت امام سب سے پہلے عبداللہ بن عمر کلبی مقابلہ میں تشریف لے گئے ۔ دونوں کہنے لگے ۔ ہم تمہیں نہیں جانتے ۔ زہیر بن قیس یا حبیب بن مطہر یا بریر بن خضیر کو ہمارے سامنے بھیجو ۔

حضرت ابن عمر میدان میں

حضرت عبداللہ بن عمر نے یسار سے فرمایا ۔ ہاں ۔ ہاں !؟ او بدکار زانیہ کے بچے تو مجھ سے نہ لڑے گا ۔ تیرے مقابلہ کے لیے بڑے بڑے چاہئیں ۔ یہ فرما کر ایک ہاتھ مارا کہ خبیث واصل جہنم ہو گیا ۔ معاً سالم نے آپ پر وار کیا ۔ آپ نے بائیں سے روکا ۔ انگلیاں اڑ گئیں ۔ جھپٹ کر جو وار کیا تو ایک ہی ہاتھ میں دو پرکالے ہو کر واصل جہنم ہو گیا ۔ یہ عبداللہ کوفی ہیں ۔ امام کے ساتھ معہ اپنی بیوی کے جاں نثاری کو آئے تھے ۔ بیوی نے دیکھا کہ خاوند کی انگلیاں

خون کے فوارے دے رہی ہیں۔ خیمہ کی چوب ہاتھ میں لے کر میدان میں آگئیں اور اپنے شوہر سے فرمانے لگیں۔ ہاں میں قربان جلدی جلدی ان شقیوں کو جہنم پہنچا۔ اور ان ستھرے پاکیزہ نبی زادوں پر صدقے ہوجا۔ آپ نے جو بیوی کو دیکھا۔ تو فرمایا جاؤ تم عورتوں میں بیٹھو۔ نہ مانیں اور فرمایا۔ میں تمھارے ساتھ مروں گی۔ امام نے جو دیکھا۔ تو آواز دی اور فرمایا۔ اے بی بی اللہ تم پر رحمت کرے۔ آجاؤ عورتوں پر جہاد نہیں ہے۔ حکم شاہی سن کر واپس آگئیں۔

پھر ابن سعد کے میمنہ سے عمرو بن الحجاج اپنے سوار لے کر آگے بڑھا۔ اس کے ساتھیوں میں سے ایک خبیث ابن حوذہ کہنے لگا۔ کیا تم میں حسین ہیں؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ تین بار کے سوال کے بعد کہا گیا۔ تجھے کیا کام ہے؟ کہنے لگا۔ ان سے کہو تمھیں آگ مبارک ہو۔ آپ کو سنتے ہی جوش آگیا اور فرمایا۔ یہ کون خبیث ہے۔ جو آل رسول کی شان میں یہ گستاخی کرتا ہے۔ نام بتایا گیا۔ آپ نے اسی جوش میں فرمایا اللھم خذہ الی النار الٰہی اسے آگ کی طرف پکڑ لے۔ اس جملہ کو سنتے ہی وہ غضب ناک ہوکر امام کی طرف گھوڑا بڑھا کر چلا کہ یکایک گھوڑا بھڑکا۔ اور یہ پھسلا ایک پیر رکاب میں الجھارہ گیا۔ گھوڑا اڑا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس مردود کی ران پنڈلی ٹوٹ گئی۔ سر پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوا۔ آخر ش اسی حال میں واصل جہنم ہوا۔

مشروق بن وائل خضرمی

مشروق بن وائل خضرمی امام مظلوم کا سر مبارک لینے کی تمنا میں آیا تھا۔ مگر ابن حوذہ کا یہ حال دیکھ کر لرز گیا۔ اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم میں تو اہلبیت سے کبھی نہ لڑوں گا۔

بریر ہمدانی

یزید بن معقل خبیث حضرت بریر سے کہنے لگا۔ کہ تمہارے خدا نے تمہارے ساتھ یہ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کیا کیا؟ کہنے لگا؟ اپنا دوست بنا کر تمہیں چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ خدا کی قسم خدا نے ہمیں نہ چھوڑا۔ کہنے لگا۔ تو لو آؤ۔ تم ہم مباہلہ کریں۔ آپ نے فرمایا اچھا خدا جھوٹے پر لعنت کرے اور سچے کے ہاتھ سے جھوٹے کو قتل کرائے۔ وہ راضی ہو گیا۔ بعد مباہلہ کے ابن معقل نے بریر پر تلوار چھوڑی۔ خالی گئی۔ حضرت بریر نے جو وار کیا تو خود کو کاٹ کر بھیجا چاٹ گئی۔ یہ دیکھ کر رضی بن منقذ دوڑا اور حضرت بریر سے لپٹ گیا۔ کشتی ہونے لگی۔ آپ نے اسے دے مارا اور سینہ پر چڑھ کر گردن کاٹنا چاہتے تھے کہ کعب بن جابر ازدی نے پیچھے سے نیزہ مارا جو پشت اقدس میں ڈوب گیا۔ آپ نے نیزہ کھا کر دانتوں سے اس کی ناک کاٹ ڈالی۔ کعب نے جھپٹ کر تلوار ماری۔ آپ شہید ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کعب کے اس رویہ کو اس کی بیوی نے جب سنا تو اس سے کہا۔ کہ میں تجھ سے کچھ واسطہ رکھنا نہیں چاہتی۔ تو نے فاطمہ کے جگر گوشہ کے دشمنوں کو مدد دی اور عالموں کے سردار بریر کو شہید کیا۔

حضرت وہب بن عبداللہ میدان میں

پھر حضرت وہب بن عبداللہ کلبی باجازت امام میدان میں آئے۔ وہب جوان زیبا۔ نیک خو۔ چہرہ مثل ماہ تابندہ۔ زلفیں مثل سنبل تر سیاہ تھیں۔ نقاش ازل نے وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ کے قلم سے آپ کا نقشہ کھینچا

تھا اور فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ کی لوح پر تصویر بنائی تھی۔ سب سے زیادہ جگر خراش اور رنج آمیز قصہ یہ ہے کہ آپ کی شادی کو آج سترہ دن گزرے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ قمر رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں۔ اے چراغ جسم وجان مادر اے گل روح روان اختر۔ اگرچہ میں ایک ساعت بغیر تیرے رہنا پسند نہ کرتی تھی۔ مگر آج جبکہ جگر گوشۂ مصطفٰے پر اس دشت بلا میں گروہ اشقیا کے یہ جور و جفا ہیں۔ مجھے تیری جدائی گوارا ہے۔ بیٹا میں چاہتی ہوں کہ تیرے خون کا شربت پیوں۔ میری آرزو ہے کہ تیرا یہ مکھڑا خاک و خون میں رنگ کر میری آنکھوں میں روشنی دے۔ تیری دلہن کا سہاگ خاک میں مل کر دوامی سہاگ کی عزت پائے۔ خاک

بیٹا جاؤ اور امام سے اجازت جنگ لے کر حسین پر صدقہ ہو جاؤ۔ اپنے سر کو ان کے قدموں میں فدا کر دو۔ وہب نے عرض کی۔ اماں جان مجھے سب منظور ہے۔ مگر اس دکھیا دلہن کا خیال ہے کہ اس کے دل پر کیا گزرے گی۔ اس نے اس غربت میں میرا دامن تھاما ہے میرے بعد وہ کس کی ہو کر رہے گی۔ ماں نے کہا بیٹا اسے خدا کے سپرد کرو۔ اس کا اللہ نگہبان ہے۔ عرض کی اجازت ہو تو مہر معاف کرالوں تو فرمایا ہاں جاؤ اور مہر معاف کرالاؤ۔ وہب بن عبد اللہ کلبی بیوی کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے۔ اے بانوئے دمساز۔ اے مونس دلنواز۔ ابن رسول اللہ پر آج مصیبت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی حمایت میں اشقیا کا مقابلہ کر کے ان پر اپنی جان نثار وں اور فردائے قیامت شفاعت مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کا اُمیدوار بنوں۔ یہ سن کر اس نوعروس نے ایک آہ سرد دلِ پُر درد سے کھینچی اور کہا اے یار غمگسار۔ اے انیس روزگار۔

تم نے ایسا کام کہا ہے۔ جس کے لیے میں خود بھی تیار تھی۔ مگر کیا کروں شریعت عورتوں کو اجازت نہیں دیتی۔ شوق سے جایئے۔ اور اس سہاگ کو خاک میں ملا کر کشت زار خلد میں بہار دیکھنے کی امید رکھیے۔ مگر ایک شرط یہ ہے میں شہزادہ صاحب کی خدمت میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ تم اجازتِ حرب لے کر ان کے روبرو مجھ سے اقرار کرلو کہ میرے بغیر بہشت میں قدم نہ رکھو گے اور میں اسی سرکار میں تمہارا مہر معاف کر دوں گی۔

حضرت وہب بیوی کا ہاتھ تھامے امام عرش مقام کے حضور میں آئے۔ اس عروس نے تمام قصہ کہا اور زار زار رونے لگی اور عرض کرنے لگی۔ حضور میں نے سنا ہے کہ جو شہید ہو کر پشتِ زین سے فرشِ زمین پر گرتا ہے اُسے حوریں اپنی بغل میں اُٹھا کر بہشت لے جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا بیشک میرے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عرض کرنے لگیں۔ یہ میرا شوہر بھی اپنا سر حضور کے قدموں پر فدا کرنے کو آیا ہے۔ میں اس شرط کے ساتھ مہر بھی معاف کرتی ہوں اور اجازت بھی دیتی ہوں کہ قیامت کے دن یہ میرے بغیر بہشت نہ جائیں۔ حضور اس امر کے ذمہ دار ہوں اور یہ کہ اس کے بعد حضور مجھے حرم محترم کی لونڈیوں میں داخل فرمائیں۔

اس بیان پر امام اور تمام اہل خیمہ زار زار رونے لگے پھر وہب دست بستہ کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے۔ اے ابن رسول اللہ۔ میں نے اپنی بیوی کی شرط منظور کی ہے۔ بشرطیکہ حضور کے جد امجد میری جان حزیں کو شرف قبولیت عطا فرما کر میری شفاعت فرمائیں اور اس کو حضور کی حفظ و حمایت میں چھوڑتا ہوں۔ امام نے فرمایا۔ وہب اس کے کیا معنی

کہ بشرطیکہ قبول فرمائیں۔ نہیں بلکہ تم سے ہم خوش ہمارے جدامجد راضی اور خدا کی رحمتیں بے حد تم پر نازل ہوں۔

یہ مژدہ سُن کر وہب سوار ہو کر اور چودھویں رات کے چاند کی طرح لشکر شامی پر طلوع ہوئے۔ زرہ پہن رکھی تھی اور سپر پشت پر لٹک رہا تھا نیزہ دائیں ہاتھ میں لیے موت کی طرح دشمنوں کے سر پر پہنچے اور للکار کر یہ رجز پڑھا ؎

امیری حسین و نعم الامیر
له لمعة کالسراج المنیر

پھر مبارز طلب فرما کر جوہر سپہگری دکھانے شروع کئے۔ بہت جہنمی واصل جہنم کر کے اپنی ماں کے پاس آتے اور کہنے لگے۔ اماں جان آپ مجھ سے راضی ہوئیں یا نہیں۔ ماں نے بہت سی دعائیں دے کر رخصت کیا۔ پھر اس دلہن کی طرف آئے جو اپنے ہاتھوں اپنا سہاگ خاک میں ملانے کو تیار ہو گئی تھی۔ دیکھا کہ سوز فراق سے سرگرم نالہ ہے اور اپنے سہاگ پر آنسو بہا کر زار زار گریاں ہے۔ آپ گھوڑے سے اُترے اور فرمانے لگے۔ اے میری پیاری بیوی روتی کیوں ہو۔ عرض کرنے لگیں ؎

جانِ غم فرسودہ دارم چوں ننالم آہ آہ
آہ دردآلود دارم چوں نگریم زار زار

حضرت وہب نے اپنی دلہن کا سر بغل میں لے کر سمجھانا اور ہمت بڑھانا شروع کیا۔ اتنے میں میدان جنگ سے ھل من مبارز کی صدا کان میں آنے لگی۔ اس آواز کے سنتے ہی وہب گھوڑے پر چڑھے اور وداع کہتے ہوئے میدان میں آئے دلہن زار زار روتی تھی اور کہتی تھی ؎

از پیش من آں لعل چوں تعجیل کناں رفت
دل نعرہ برآورد کہ جاں رفت ودواں رفت

اس وقت محکم بن طفیل ایک شامی شہسوار اور تجربہ کار شخص مقابلہ میں کھڑا ملا۔ آپ نے ضرغام اجام کی طرح اس پر حملہ فرمایا اور ایک ہی حملہ میں واصل جہنم کیا۔ لشکر اشقیا میں دھوم تھی کہ اب کون مقابلہ میں جائے آپ نیزہ ہلا ہلا کر مبارز طلب فرماتے رہے مگر نامردوں میں سے کسی کی تاب نہ تھی جو سامنے آتا۔ آخر نشۂ شہادت نے ازخود رفتہ کیا اور للکارتے ہوئے خود ہی قلب لشکر میں بھوکے شیر کی طرح جا پڑے۔ یزیدی بھیڑوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ آخرش ابن سعد نے آواز دی کہ اے لشکریو! کیا ہوگا۔ کہ ایک شخص کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اس آواز پر تمام ٹڈی دل آپ پر ٹوٹ پڑا۔ ناگاہ کسی خبیث کا تیر آپ کے مرکب کی پیشانی پر لگا وہ گر کر رخصت ہوا۔ وہب پیادہ پارہ گئے۔ دشمنوں نے موقعہ دیکھ کر اس زخمی شیر کو گھیر لیا اور گرا کر سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔ آپ کی والدہ یہ سب قصہ دیکھ رہی تھیں دوڑیں اور سر اٹھا کر کلیجہ سے لگا کر خیمہ میں لائیں اور دلہن کی گود میں ڈال دیا۔ دلہن نے اپنی پشت پناہ کا سر جو گود میں دیکھا۔ ایک چیخ ماری اور جاں بحق تسلیم فرمائی۔ ”دوست از دوست واصل شد“ امام ہمام کو ان دونوں کی جان کا بحد غایت ملال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

عمرو بن خالد ازدی میدان میں

اس کے بعد حضرت عمرو بن خالد ازدی مرکب تازی پر سوار ہو کر باجازت امام میدان جنگ میں آئے۔ اور سنان جانستان سے اوراق

عمر و شمناں پراگندہ فرماتے ہوئے متوجہ بریاض خلد ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

خالد بن عمر ازدی

ان کے بعد حضرت خالد بن عمر و ازدی، حضرت عمرو بن خالد کے صاحبزادے تشریف لائے اور جوہر شجاعت دکھا کر بہشت بریں کو سدھارے

چوں ذرہ بخورشید درخشاں پیوست
چوں قطرہ سرگشتہ بعماں پیوست
تن بود میان وے و جانان حائل
فی الحال کہ جاں داد بجاناں پیوست

سعد بن حنظلہ میدان میں

پھر حضرت سعد بن حنظلہ تمیمی جو مشہور نبرد آزما تھے۔ عرصہ گاہ نبرد میں تشریف لائے اور شمشیر دو زبان سے زمین کربلا کو لالہ زار بنا کر بہشت بریں پہنچے۔

عمرو بن عبداللہ ندحجی

پھر حضرت عمرو بن عبد اللہ ندحجی نے دریائے کشت و خون میں غوطہ لگایا۔ جدھر تیغ خون آشام چمکتی تھی۔ صفیں کی صفیں صاف نظر آتی تھیں۔ آخر ش روح پاک نے نشیمن خاک سے نفرت کر کے آشیانہ افلاک کی طرف رُخ کیا۔

حماد بن انس

پھر حضرت حماد بن انس اپنے اسپ صبا رفتار پر سوار ہو کر میدان

میں تشریف لائے اور ہزاروں سرگیند کی طرح لڑھکا کر شہیدوں میں جا ملے۔

وقاص بن مالک میدان میں

پھر حضرت وقاص بن مالک سرگرم کارزار ہوئے اور نامی دشمنوں کو چُن چُن کے واصل جہنم فرما کر زرغہ میں پھنسے اشقیا کی ضربوں نے آپ کے پُرزے اڑا دیئے آخرش ؎

جرعہ از جام شہادت چشید
رخت بایوان سعادت کشید

شریح بن عبداللہ میدان میں

بعد ازاں حضرت شریح بن عبید اللہ میدان میں تشریف لائے۔ اتفاق سے آپ کے گھوڑے کا پاؤں رپٹا اور آپ زمین پر گر پڑے اور فوج اشقیا نے ہر طرف سے آپ کو گھیر گھیر کر اس قدر حملے کئے کہ جسم مبارک چُور کر دیا۔

مسلم بن عوسجہ میدان میں

پھر حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی امام سے اجازت لے کر تشریف لائے۔ یہ ایک مرد مردانہ اور شجاع یگانہ نبرد آزما ہیں۔ جنگ آذر بائیجان میں آپ نے کارہائے عظیم نمایاں فرمائے ہیں۔ اور مشرکوں کا دم ناک میں کر دیا تھا۔ آپ نے قرآن مجید چند بار حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا سے پڑھا ہے اور آپ کو بوجہ آپ کی سچی باوفائی کے اپنا بھائی فرمایا کرتے تھے۔ جب

آپ میدان میں آکر مبارز طلب ہوئے تو ایک شخص جہنمی شور بشت آیا۔ آپ نے اس کے وار کو رد کر کے نیزہ مارا تو سیدھے پہلو میں غرق ہو گیا اور واصل جہنم ہوا۔ دوسرا للکارتا ہوا آیا۔ اس نے بھی جہنم کی راہ لی۔ ابن سعد کے حکم سے تیسرا آگے بڑھا وہ بھی واصل بجہنم ہوا۔ غرض کہ اسی طرح آپ کے دست حق پرست سے پچاس نامی گرامی شجاع واصل بجہنم ہو گئے۔ تو بحکم ابن سعد خبیث چھ آدمی مل کر مقابلہ میں آتے۔ آپ نے بھی اس بہادری سے مقابلہ فرمایا کہ چھ کے چھ جہنم پہنچے فوج نے جب یہ حالت دیکھی تو لرزنے لگی۔ ناچار ابن سعد نے جمہوری حملہ کا حکم دیا۔ آخرش وہ محمدی کچھار کا شیر زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا۔ جناب امام اور حضرت حبیب بن مظاہر فوراً دوڑے اور سرہانے آکر کھڑے ہوئے۔ کچھ جان باقی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ اے مسلم بہت سے تمہارے ساتھی جنت پہنچ گئے ہیں اور کچھ تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ چلو ہم بھی کوئی دم میں تم سے آکر ملنے والے ہیں۔ آپ نے یہ آواز سن کر آنکھیں کھولیں۔ اور دیکھا کہ شہزادہ صاحب سرہانے ہیں۔ تو آپ کو دیکھ کر مسکرائے اور عرض کی ع

اے خوش آں راہے کہ دردے چوں تو ہمراہے بود

اور بہشت بریں کو سدھارے

ابن مسلم عوسجہ میدان میں

پھر آپ کے صاحبزادے حضرت ابن مسلم عوسجہ اسدی تلوار لے کر روتے ہوئے میدان میں بڑھے۔ امام نے دیکھا تو فرمایا اے ابن مسلم واپس

آؤ۔ میں تمہیں اجازت نہیں دیتا۔ حکم امام سنتے ہی واپس لوٹ آئے۔ مگر ماں نے علیحدہ بلا کر کہا۔ کہ بیٹا باپ کے قدم بقدم چل ورنہ مجھے صورت نہ دکھا۔

یہ سن کر آپ نے امام سے گڑگڑا کر اجازت لی۔ امام نے فرمایا۔ ابن مسلم تم اکلوتے بچے ہو۔ تمھاری بڑھیا ماں جان دے دے گی۔ عرض کی حضور وہ تو میرے اس لوٹ آنے پر ہی ناراض ہیں۔ آخر اجازت پاکر میدان کو دوڑا۔ ماں بھی پیچھے پیچھے دوڑیں اور کہتی چلی۔ ہاں جان مادر دُنیا کی پیاس کی پرواہ نہ کر اور اپنی جان ساقی کوثر کے جگر گوشہ پر نثار کر دے۔

وہ بچہ شیر مثل ضرغام اجام میدان میں ایسا پھرا کہ ایک ہی وار میں اشقیا میں سے ۲۰ کو واصل جہنم کیا آخر کار جام شہادت نوش فرمایا۔ ماں نے سر اُٹھا کر سینہ سے لگایا اور کہا کہ بیٹا اب میں تجھ سے خوش ہوں۔

ہلال بن نافع بجلی میدان میں

اس کے بعد جناب ہلال بن نافع بجلی نے امام سے اجازت حرب چاہی یہ وہ ہلال ہیں کہ نام سے ہلال اور کام میں بدر کمال ہیں۔ ان کی شادی بھی ابھی ہوئی ہے یہ بھی چند دن کے دولہا ہیں۔ جس وقت آپ نے عزم میدان فرمایا۔ دلہن نے دامن تھام لیا اور عرض کیا کہ آپ تو مرنے کو جا رہے ہیں۔ میرا سہارا چھوٹا جاتا ہے۔ حضرت امام حسین سید الشہدا رضی اللہ عنہ کو بھی اطلاع ملی۔ آپ نے بھی بیوی کی طرف داری فرمائی۔ ہلال نے عرض کی کہ حضور مجھ سے یہ کبھی نہ ہوگا۔ کہ آپ کو اس مصیبت جانکاہ میں چھوڑ کے محض بیوی کے خیال سے رہ جاؤں اگر

خدانخواستہ یہ خیال بھی میرے دل میں آجائے تو میں قیامت کے دن آپ کے جدامجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا صورت دکھا سکتا ہوں۔حضور اللہ واسطے مجھے اجازت عطا فرما دیجئے۔ بیوی نے رو کر عرض کی حضور اس شرط سے اجازت دیجئے کہ قیامت میں مجھے اپنے ہمراہ لے کر جنت جائیں۔ ہلال نے عرض کی یہ شرط مجھے منظور ہے۔ چنانچہ میدان کارزار میں آتے اور رجز پڑھنے شروع کئے۔ پھر مبارز طلب ہوئے لشکر شامی سے قیس مقابلہ میں آیا ابھی وہ قریب نہ آیا تھا۔ کہ ہلال نے کمان تانی اور ترکش سے تیر چھوڑا سپر چیر کر سینہ سے پار ہو گیا اور سوفار زمین میں گھس گئی۔ ابن سعد نے ہلال کی یہ قوت دیکھ کر سخت تعجب کیا۔ ادھر فوج میں سے کسی دوسرے شخص کی ہمت ہی نہ تھی۔ جو مقابلہ میں آتا۔ حضرت ہلال نے بے دینوں کی یہ بزدلی دیکھ کر خود ہی لشکر پر حملہ کر دیا۔ آپ کے ہر تیر نے اشقیا کے چیدہ چیدہ بہادر چھیدنے شروع کئے۔ روایت ہے کہ آپ کے پاس اسی تیر تھے۔ ان میں سے ایک تیر بھی خالی نہ گیا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو شمشیر زنی کی نوبت آئی۔ آپ کی تلوار نے بھی کالی ناگن کی طرح صفوف اشقیا کے سرغنوں کو ڈسنا شروع کیا۔ کہ آخر ش یکبارگی حملہ نے آندھی کی طرح آپ کو گھیر لیا۔ غرضکہ آپ بھی سخت زخمی ہو کر بہشت بریں کو سدھارے۔

عبداللہ یزنی میدان میں

پھر حضرت عبداللہ یزنی میدان میں آئے اور اٹھائیس بے دینوں کو تہ تیغ فرما کر اعلیٰ علیین پہنچے۔

یحییٰ بن سلیم میدان میں

پھر حضرت یحییٰ بن سلیم مازنی نے میدان میں آکر پہلے میمنہ اشقیا کو زیر و زبر

کر دیا۔ پھر آتش جنگ ایسی بھڑکائی۔ کہ میسرہ پر جا کر ختم کی۔ آخرش شہید ناز ہوئے۔

عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری میدان میں

بعدازاں حضرت عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لائے اور دم زدن میں ۳۰ آدمی واصل جہنم فرما کر زخمی ہوئے۔ اچانک ایک تیر پیشانی اقدس پر لگا۔ آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا اور ۱۲ آدمی اور مار کر واصل خلد ہوئے۔

مالک بن انس میدان میں

پھر مالک بن انس باجازت امام میدان میں تشریف لائے اور ابن سعد کے آگے کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ اے عمرو اگر تیرے باپ سعد بن وقاص کو یہ معلوم ہوتا کہ تو ان کی روح کو یوں صدمہ پہنچائے گا اور ایسا بے دین نکلے گا۔ تو تجھے پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے۔ یہ سُن کر بجائے اس کے کہ خجل و منفعل ہوتا اور اشقیاء کو ان کے قتل کا حکم دیا۔ چاروں طرف سے شامی کتے ٹوٹ پڑے اور آپ حوران بہشتی کی گود میں پہنچ گئے۔

پھر عمرو بن مطاع جعفی میدان میں تشریف لائے اور داد شجاعت دے کر بہشت پہنچے۔

پھر قیس بن منبہ بھی اپنی شجاعت و دلیری کی داد دے کر بہشت پہنچے۔

جب اٹھارہ جان نثار اس طرح دریائے خون میں نہا کر بہارستان خلد میں جاگزین ہو گئے۔ تو امام اس فکر میں بیٹھے تھے اور دل میں فرما رہے تھے کہ ؎

شکل اُمید تو کبھی ہم کو نظر آتی ہے
صورتِ یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے

ہاشم بن عتبہ میدان میں

کہ اتنے میں خیمہ کی دائیں طرف سے گرد اڑتی نظر آئی۔ جب قریب ہوئے تو دیکھا کہ ایک سوار اسپ برق رفتار پر آتا ہے۔ جس کے سر پر خود ہے۔ نیزہ ایک ہاتھ میں ہے۔ کندھے پر تیر کمان لٹک رہی ہے۔ دوسرے ہاتھ میں شمشیر دو دم ہے۔ اور سید معاشقیا میں پہنچ کر للکارا کہ اے بے دینو! اگر تم نہ جانتے ہو اب جان لو۔ میں تمہارے روسیہ سپہ سالار ابن سعد نابکار کا چچازاد بھائی ہاشم بن عتبہ ہوں۔ ٹھہر جاؤ۔ اس بے دینی کا ایک ایک کو مزہ چکھاؤں گا۔

یہ کہہ کر امام کی طرف پھرا اور سلام عرض کی۔ قدم چوم کر عرض کرنے لگا حضور میرے حقیقی چچا کا بیٹا عمرو بن سعد ہے۔ جو حضور کے خون کا پیاسا ہے۔ اور میں حضور کے خاک قدم پر نثار ہونے کو آیا ہوں۔ میں وہی ہاشم ہوں جس نے جنگ صفین میں بڑے بڑے کارنمایاں کئے تھے اور اپنے چچا کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔ اب صبر کی قوت نہیں ہے للہ اجازت حرب ملے کہ دل کے حوصلے نکالوں اور حضور پر قربان ہو کر حضور کے جدامجد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچوں۔

آپ نے فرمایا ہاشم! ابھی تم ٹھہرو ورنہ آئے ہو تازہ دم ہو لو پھر خواہ میں روکوں یا نہ روکوں ہمارے دوست ہونے کی حیثیت سے اسی راستہ گزرنا گزیر ہے۔ مگر اصرار کر کے اجازت لے لی اور میدان میں تشریف لائے اور للکارے کہ تم میں سے کوئی میرے سامنے نہ آئے۔ مجھے ابن سعد سے کام ہے اسے بھیجو ہم دونوں آپس میں فیصلہ کر لیں گے۔ ابن سعد ہاشم اپنے چچازاد بھائی کو

جانتا تھا۔ تھرّانے لگا اور کہنے لگا۔ یہ میرا بھائی ہے۔ میں اس کے سامنے جانا پسند نہیں کرتا۔ تم سے کوئی تجربہ کار جائے۔

سمعان بن مقاتل سے مقابلہ

آخر سمعان بن مقاتل حاکم حلب سامنے آیا۔ اسے یزید نے ہزار سواروں کے ساتھ کربلا میں ابن زیاد کی مدد کو بھیجا تھا۔ یہ مرد جہاں دیدہ اور تلخ و شیریں چشیدہ تھا۔ ہاشم سے کہنے لگا۔ اے عربی پیشوا دیکھ تیرے بھائی ابن سعد کو ملک رَے اور طبرستان اسی کام کی بدولت ملا ہے۔ تو جن کی مدد پر آیا ہے۔ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہاشم نے فرمایا۔ او کمینہ سگِ دُنیا زبان سنبھال۔ بک بک نہ کر۔ تجھے ان کے اعزاز کی خبر نہیں۔ مردود وہ جن کی مدد پر یا جن پر فدا ہونے کو میں آیا ہوں وہ ہے

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اے سمعان! اگر تو مسلمان ہے تو ضرور ان کے مرتبہ سے واقف ہو گا اور اگر سگِ دنیا نہ بنے گا۔ سمعان خبیث کہنے لگا ہاشم تو اپنے بھائی سے شرما اور ابن زیاد سے ڈر اور اپنے خاندان کو شکست و ہزیمت کے داغ سے بچا۔ آپ کو غصہ آیا اور فرمایا۔ لعنت ہے ابن زیاد بدنہاد پر جس نے خود جہنمی ہو کر میرے بھائی کو بھی جہنمی کیا۔ خبیث ہمیں کیا ڈراتا ہے۔ وہ دیکھ باغ بہشت لہرا رہا ہے ہم ابھی وہاں پہنچتے ہیں اور تو عنقریب جہنم کی دہکتی آگ میں جاتا ہے۔ یہ کہہ کر للکارے کہ ہوش کر اور محمدی کچھار کے شیروں کا حملہ دیکھ۔ نیزہ زنی ہوئی۔ سمعان بھی اتنا ہی ماہر فن تھا جتنا کہ ہاشم۔ باہمی خوب جواب ہوئے۔

آخر سمعان نے ایک بار نیزہ آپ کے سینہ پر مارا۔ آپ نے پشتِ شمشیر سے ایسا رد کیا۔ کہ سمعان کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ کر دور جا گرا چاہتا تھا کہ ہاشم پر تلوار کا وار کرے۔ مگر آپ نے اسے مہلت نہ دی اور موت کی طرح آپ کی صمصام خون آشام نے سر سے زین تک منصفانہ دو پر کالے کر دیتے۔ جو گھوڑے کے دونوں طرف گرنے۔ سپاہ امام ہمام نے غلغلۂ تکبیر بلند کیا۔ اور جناب ہاشم کو ان کی مہارت فن کی داد دی۔ آپ جوش میں گھوڑا چمکا کے ابن سعد کے سامنے جا للکارے اور فرمانے لگے۔ ابن سعد آج مجھے عجب منظر نظر آرہا ہے۔ خدا کی شان ہے۔ جنگ اُحد میں عم مکرم جناب سعد بن وقاص رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جان فدا کر رہے تھے اور نیزہ بڑھ کر دشمنوں پر چلاتے تھے۔ آج تو ان کا ناخلف بیٹا ان کے جگر گوشہ کا دشمن ہے۔ میرے باپ عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر دندان مبارک پر مارا جس سے ٹنایا علیا شہید ہو گئے تھے۔ آج ان کا بیٹا فرزند رسول پر جان فدا کر رہا ہے۔ اللہ اکبر؟ کافر کا بیٹا جنت کا مالک بن رہا ہے۔ اور مبشرۂ جنت کا بیٹا جہنم مول لے رہا ہے۔ اس دن تیرے باپ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت تھی۔ آج تجھ پر لعنت ہے۔ اس دن میرے باپ کے لیے جہنم کا دروازہ کھلا تھا۔ آج میرے لیے بہشت بریں وا ہے۔

فضل بن علی میدان میں

ابن سعد نے یہ کلام سُن کر ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی۔ اور گردن نیچی کر لی اور رونے لگا۔ ہاشم کو کچھ اُمید ہوئی کہ شاید اسے ہدایت ہو جائے کہ سمعان کا بھائی نعمان بن مقاتل سمعان کے ہزار سوار لے کر تن تنہا ہاشم پر حملہ آور ہوا۔ ہاشم کی نظروں میں یہ ایک ہزار کچھ بھی نہ جچے اور بیباکی سے

بگولے ہوئے شیر کی طرح حملہ شروع کر دیا۔ امام ہمام کی نظر اچانک پڑی تو دیکھا کہ ہاشم تن تنہا ایک ہزار کتوں کے مقابلہ میں ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے بھائی حضرت فضل بن علی کو نو آدمی ہمراہ دے کر ان کی مدد کو بھیجے۔ ابن سعد نے بھیجا تھے نعمان کی مدد پر دو ہزار شقی اور بھیج دیئے۔ حضرت فضل میدان تک نہ پہنچے تھے کہ راستہ میں ہی مار دگیر شروع ہو گئی۔ اور نو کے نو بہشت بریں پہنچ گئے۔ مگر حضرت فضل بن علی مردانہ وار نیزہ چمکاتے ہوئے ہزاروں کو واصل جہنم فرماتے ہوئے ہاشم کے پاس جا پہنچے۔ اب کیا تھا۔ ایک شیر نے ہی ناک میں دم کر دیا تھا۔ اب تو دو ہو گئے مگر مشیت الٰہی کہ حضرت فضل کا گھوڑا گر گیا۔ آپ پیدل پا ہو گئے۔ شقیوں نے موقع غنیمت جان کر آپ کو بھی شہید کر دیا۔ مگر حضرت ہاشم کے وہی دم خم تھے۔ ہزاروں روسیہ آپ کے ارد گرد تھے۔ اور آپ زخمی شیر کی طرح چاروں طرف حملہ فرما رہے تھے۔ کہ نعمان پکارا کہ میری مدد کو اور فوج بھیجو۔ میں ہاشم سے بھائی کا بدلہ لوں گا۔ ایک آواز پر پوری فوج آگئی۔

آپ کا جسم زخموں سے چور چور ہو چکا تھا۔ ایک خبیث نے گھوڑے سے گرا لیا۔ آخر ش تمام جسم کی ہڈیاں چور ہو گئیں۔ مگر پھر بھی گرتے گرتے اس فوج کے علمبردار کو تو اپنی برابر گرا کر واصل جہنم کر ہی دیا۔ آخر ش آپ زخموں سے چور اور شدت تشنگی سے مجبور ہو کر ساقی کوثر کے پاس پہنچے۔

حبیب ابن مظاہر

ان کے بعد جناب حبیبؓ ابن مظاہر جو نہایت ضعیف العمر حافظ قرآن تھے باجازت امام میدان میں آئے اور سخت مقاتلہ کے بعد بدیل بن صریم

کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

حضرت حرہ

اب تو جوش ولولہ شہادت اور عنفوان نشہ شہادت نے حضرت حرہ[۲۱]
کو بے تاب کر دیا۔ آخر ش اجازت حرب لے کر میدان میں آئے۔ یہ حرہ حریہ
غلام آزاد جناب ابوذر غفاری ہیں۔ آخر جام شہادت پی کر بہشت پہنچے۔

یزید بن مہاجر

پھر حضرت[۲۲] یزید بن مہاجر جعفی نثار ہوئے۔

انیس بن معقل

اسی طرح انیس[۲۳] بن معقل اصبحی رضی اللہ عنہ نے بھی جام شہادت
نوش فرمایا۔

اِن کے بعد حضرت عابث بن شبیث نے اپنے غلام شوذب سے
فرمایا کہو تمہاری کیا مرضی ہے۔ میرا ارادہ تو امام پر قربان ہونے کا ہے۔
شوذب عرض کرنے لگے۔ حضور غلام ہمیشہ خدمت میں ہم رکاب رہا ہے۔
میری خواہش یہ ہے کہ میں یہاں بھی حضور کے ہمراہ چلوں۔ حضرت عابث
بہت خوش ہوئے اور شوذب کو ہمراہ لے کر خدمت امام میں آئے اور
اجازت حرب چاہی۔ امام نے اجازت دی۔

مقتل ابو حنیفہ دینوری میں ہے کہ ربیع بن تمیم اگرچہ سخت جنگ
آزما بہادر تھا۔ مگر عابث کو آتے دیکھ کر لرز گیا اور کہنے لگا۔ لوگو! اس

شخص کو میں جانتا ہوں۔ اس نے بڑے بڑے شجاع نابود کئے ہیں کہ اتنے میں آپ آئے اور للکارے کہ اے نامراد ذرا سوچ کر میرا مقابلہ کرنا سہا جُل بِرَ مجِلِ میں مرد ہوں۔ میرے مقابلہ میں کسی مرد کو آنا چاہیئے۔

اشقیا میں مردنی چھا گئی۔ کسی کی ہمت نہ پڑی۔ ابن سعد نے جب دیکھا کہ کوئی مقابلہ نہیں کرتا تو للکارا کہ کیوں مر رہے ہو۔ آخر یہ تو دو ہی آدمی۔ چلو سب مل کر حملہ کرو۔ چنانچہ سب نے یکبارگی حملہ کیا۔ عابث اور اُن کے غلام نے وہ مردانہ جواب دیا کہ صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔ اخر کار چاروں طرف سے تیر برسنے لگے۔ تو زخمی ہو کر بہشت بریں پہنچے۔

اِن کے بعد حضرت حجاج بن مسروق جعفی اور سیف بن حارث بن سریع اور جناب مالک بن عبد سریع اور ایک غلام ترک اور حضرت حنظلہ بن سعد عجلی اور یزید بن زیاد شعبا اور سعد بن جعفی اور جنادة بن حارث اور مرہ بن ابی مرہ غفاری اور محمد بن مقداد اور ابن جندہ اور عبداللہ بن ابو جانہ اور سعد غلام حضرت امیر مرتضٰی اور قیس بن ربیع اور شعب بن سعد اور عمرو بن قرظہ اور عنظم اور حماد اور ایک اور صاحب ترپن کا عدد پورا کر کے بہشت بریں کو پہنچ گئے۔

حضرت حر بن ریاحی میدان میں

غرض کہ اسی طرح باقی سترہ عناصر رفقا جان نثاران امام بھی جب شہید غریق لجۂ رحمت ہو گئے۔ تو جناب حُر بن ریاحی حاضر دربارِ دُربار ہوئے اور عرض کی۔ حضور بہت صبر کیا۔ تعمیل حکم میں تعجیل حکم بھی کر لی۔ مگر اب صبر نہیں ہے۔ آخر ش اجازت لے کر

میدان میں تشریف لائے۔ ان کا آنا اشقیا کے لیے ہنگامہ برپا ہونا تھا ان کا اٹھنا قیامت سے کم نہ تھا۔ یہ وہی حُر ہیں۔ جو ابن زیاد کے لشکر کے سپہ سالار اور بڑے دلاور جنگ آزمودہ رزم گرم دیدہ شخص ہیں ان کو میدان میں ہزار جنگجو دلیروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ میدان میں آتے ہی یہ رجز پڑھا

انا الحروانا مقری الضیف
اضرب فی اعنافکم بالسیف
عن خیر من حلی بلا الخیف
اضربکم ولم اری من ضیف

اس کا ترجمہ ابوالمفاخر نے فارسی میں کیا ہے۔

منم شیر دل حر مردم ربائے
کمر بستہ پیش ولی خدائے
منم شیر وشمشیر براں بدست
کہ دارد بر شیر وشمشیر پائے

ابن سعد حر جیسے شیر کی گونج دیکھ کر گھبرا گیا اور سوچ سمجھ کر عرب کے ایک نامی پہلوان صفوان بن حنظلہ کو بھیجا۔ کہ حُر کو سمجھا کر لے آ۔ اور اگر وہ مانتے ہی نہیں تو پھر اس کا سر اتارنے میں کوتاہی نہ کر۔

صفوان وہاں سے مستعد ہو کر حضرت کے سامنے آیا اور کہنے لگا بھائی حر۔ تمہاری ذکاوت۔ فرزانگی۔ شجاعت و دلیری سب خاک میں مل گئی۔ تم نے یہ کیا غضب کیا کہ یزید جیسے بادشاہ اور ابن زیاد جیسے قدردان حاکم کو چھوڑ کر ایک بے مایہ مدعی خلافت کے پیرو ہو گئے بسپاہی کو

نام اور نام آوری سے غرض ہونی چاہیئے۔

حضرت حرؒ اس کی یاوہ گوئی سے بہت جھنجلائے اور فرمانے لگے۔ صفوان۔ میری فرزانگی کے تو چار چاند لگ گئے۔ میرا نام تو عرش سے فرش تک مشہور ہو گیا۔ مگر مردود تیری عقل پر پتھر پڑ گئے۔ کہ تو یزید جیسے بے ایمان، جابر، ظالم۔ بے انصاف۔ دُنیا طلب اور سگِ دُنیا۔ بانی فساد ابن زیاد بد نہاد کا پیرو ہو گیا۔ تجھے معلوم ہے۔ کہ حسینؓ کون ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ زہرا خاتون جنت ہیں ان کے والد شیر خدا اخ وصہر محمد مصطفےٰ مولیٰ علی ہیں۔ ان کے نانا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خبیث تجھے بے مایہ۔ مدعی خلافت کا لفظ کہتے شرم نہ آئی۔ تف ہے تیرے اسلام اور مسلمانی پر۔ بے دین ایسی سرکار کو چھوڑ کر ایسے بے کار کی پیروی کرتا ہے اور اسے فرزانگی سمجھ رہا ہے۔

صفوان کہنے لگا۔ جو کچھ تم کر رہے ہو سب صحیح ہے مگر مال و دولت جاہ و جلالت مرتبہ و منصب کے مقابلہ میں تقویٰ و طہارت علم و فضل کس کام کا ہے۔ حضرت حرؒ نے فرمایا۔ خبیث! اسی کو جان بوجھ کر جیتی مکھی نگلنا چاٹتے ہیں۔ لے ہوش میں آ اور اپنی جان بچا۔

یہ کہہ کر آپ نے اس پر حملہ کیا۔ مردود نے نیزہ رد کر کے آپ پر وار کیا۔ آپ نے اُسے خالی دے کر جو صمصام آبدار کا حملہ کیا ہے۔ تو ایک ہی وار میں واصل بجہنم کر دیا۔ اور نیزہ پر اُٹھا کر للکارے کہ دیکھو بہادروں اور محبّ شیروں کی مددی کے ایسے حملے ہوتے ہیں۔ تمام اشقیا اس زور و شجاعت پر حیرت میں تھے۔ پھر آپ نے اس نیزہ پر اسے چکرا کر اس زور سے زمین پر مارا کہ تمام ہڈیاں چُور ہو گئیں۔ صفوان کے

تینوں بھائی اس صورت کو دیکھ کر طیش میں آ گئے۔ اور یکبارگی آگے بڑھ کر حملہ آور ہوئے۔ حضرت حر نے شیر نر کی طرح ان پر گونج کر الا اللہ کہا۔ اور ایک کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زین سے ادھر اٹھا لیا۔ پھر سر سے اونچا کر کے سر کے بل زمین پر دے مارا۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اور جھپٹ کر دوسرے کو سنبھالا اور تلوار کا وار کیا۔ پہلے ہی وار نے سینہ تک کھول دیا۔ تیسرے نے یہ حال دیکھ کر راہ فرار اختیار کی۔ حر کی نظر جو اس پر پڑی۔ للکارے اور یہ کہا کہ او نابکار کہاں بھاگتا ہے ٹھہر اور گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا۔ غرض کہ چاروں بھائی بھی کام آئے۔

پھر حر خدمت امام میں آئے اور دست بستہ عرض کرنے لگے۔ حضور! ایک بار اور بشارت دے دیجئے۔ کہ اللہ و رسول اللہ اب مجھ سے خوش ہیں۔ امام نے حر کو سینہ سے لگا کر فرمایا نعم انت حرؑ بیشک اب تم جہنم سے آزاد ہو اور خدا اور رسول تم سے راضی ہیں۔ آپ یہ مژدہ سن کر نہال ہو گئے۔ اور امام کو سلام کر کے میدان میں آئے اور کشتوں کے پشتے لگائے۔ اچانک ایک خبیث نے دھوکہ دے کر آپ کے گھوڑے کے پاؤں قلم کر دیئے اور صفوف اشقیا میں جا ملا۔ مجبور حضرت حر پا پیادہ ہو گئے۔ اس حرکت مذبوحی نے حضرت حرؑ کا شعلۂ غضب اور بھی زیادہ بھڑکا دیا۔ اور صفوف اشقیا میں گھس کر وہ گھمسان کیا کہ ہوش بھلا دیئے۔ امام نے حر کو پاپیادہ دیکھتے ہی گھوڑا سواری کو بھیج دیا۔ حضرت حرؑ نے شکریہ کے ساتھ اسے لیا۔ اور سوار ہو کر اشقیا کو مولی کی طرح کاٹنا چھانٹنا شروع کر دیا۔ اور پھر چاہا کہ امام کا ایک بار اور دیدار کر آؤں۔ کہ ہاتف غیبی کی صدا کان

میں پہنچی۔ کہ حرؑ بس اب آجاؤ۔ حوریں تمہارے خیر مقدم کو کھڑی ہیں۔ یہ سُن کر حضرت امام کی طرف رُخ کر کے عرض کرنے لگے۔ اے ابن رسول اللہ! میں حضور کے جد امجد کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ امام یہ آواز سُن کر گریہ کناں ہوئے اور فرمایا اچھا جاؤ ہم بھی آتے ہیں۔ اس آواز کا اثر لشکر امام پر اس قدر پڑا کہ رونے کی آوازیں نکل پڑیں۔ حضرت حر پھر اشقیا پر زخمی شیر کی طرح گرے اور ہزاروں کی تعداد میں واصل جہنم کئے۔ اتفاق سے آپ کا نیزہ متواتر حملوں کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ آپ نے شمشیر خون آشام سے حملہ شروع فرمایا۔ کبھی میمنہ پر حملہ فرما کر جمعیت منتشر فرماتے اور کبھی مثل برق لامع میسرہ پر گر کر صفائی دکھاتے آخر ش اشقیا کے دوسرے علمدار کا بھی فیصلہ کریں۔ کہ شمر نے ایک دوہتڑ اپنے سینہ پر مارا اور پکارا کہ اے نامردو! کیا غضب ہے کہ ایک آدمی نے تم سب کو انگلی پر نچا رکھا ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ اگر ہمت نہیں ہے۔ تو جاؤ فرات میں ڈوب مرو۔

اشقیا شرما کر اور تو کچھ کر نہ سکے یکبارگی حملہ کو آگے بڑھے اور تیر و تبر، نیزہ و سنان کے حملے شروع کئے مگر اللہ رے شجاعت۔ وہ خدا کا شیر اسی طرح سب کو جواب دیتا رہا اور بہت تہ تیغ کئے۔ کہ ناگاہ قسورہ بن کنانہ کا نیزہ سینہ بے کینہ پہ لگا اور کاری لگا۔ تاہم حضرت حرؑ نے ایک وار اس پر بھی کیا مگر تلوار پوری نہ پڑی۔ خود سر سے اُڑ گیا۔ مگر دوسرا ہاتھ ایسا مارا کہ ابن کنانہ کا سینہ تک کھل گیا اور بے جان ہو کر گھوڑے سے گرا۔ اِدھر وہ گرا۔ اُدھر حضرت پکارے یا ابن رسول اللہ ادرکنی۔ حضور! اپنے جاں نثار کو سنبھالیئے۔

آپ صفوف اشقیا میں گھس کر اپنے باوفا مہمان کی لاش اٹھا کر لائے اور خیمہ میں رکھ کر اپنے دامن سے اس کے رخساروں کی گرد صاف فرمانی شروع کی۔ ابھی کچھ جان کی رمق باقی تھی۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور اپنا سر زانوئے محبوب پر دیکھ کر مسکرائے اور عرض کرنے لگے۔ حضور ایک بار اور فرما دیجئے۔ کہ ہم راضی ہیں۔ امام کے آنسو جاری تھے۔ فرمانے لگے۔ بھائی حُر! میں تو راضی ہوں۔ مگر خدا اور رسول خدا بھی تم سے خوش ہیں۔ حُر اس مژدۂ جانفزا سنتے ہی امام پر اپنی جان فدا کر کے سیدھے جنت روانہ ہوئے۔ امام حر کی وفاداری یاد کر کے روتے تھے اور یوں فرماتے جاتے تھے ؎

نعم الحر ابن ریاحی
صبور عند مشتبك الرماح
ونعم الحر اذ نادی حسینا
وجاد بنفسه عند الصباح
ونعم الحر فی رهج المنایا
فی ابطال تخطوا بالرماح
لقد فاز الذی نصروا حسینا
وحازوا بالسعادة والنجاح

اس کا ترجمہ فارسی میں ابوالمفاخر یوں کرتے ہیں

خوشا حر فرزانۂ نامدار
کہ جان کردہ بر آل احمد نثار
ز رخش تکبر فرود آمدہ
شدہ بر براق شہادت سوار

بعشق جگر گوشۂ مصطفےٰ

بر آوردہ از جان دشمن دمار

بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حُرؑ آتے ہی میدان میں تشریف لاکر شہید ہوئے۔

مصعب بن یزید میدان میں

ان کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مصعب بن یزید ریاحی خدمت امام میں حاضر ہوئے اور اجازت حرب لی۔ آخرش بعد ردوقدح کے امام کو اجازت دینی پڑی۔ آپ میدان میں آئے اور شیرانہ حملہ فرما کر بہشت بریں پہنچے۔

علی بن حُرؑ

پھر آپ کے بھائی حضرت علی بن حر بن یزید ریاحی حاضر ہوئے اور بہت سے اشقیا واصل بجہنم کر کے حر سے جا ملے۔

نمرہ حُرؑ کا غلام

پھر حضرت نمرہؒ حر کے غلام آگے آئے اور داد شجاعت دے کر راہی فردوس اعلیٰ ہوئے۔

اب لشکر میں صرف بیس بائیس گھر ہی گھر کے اعزا باقی ہیں اس وقت امام عالی مقام نے ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی۔ اور فرمایا افسوس آج میرے آنکھوں کے سامنے میرے جان نثار رفقا تڑپ تڑپ کر بہشت

پہنچے اور اب میرے اہلبیت کی بھی نوبت آئی۔ خیر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ یہ فرما کر خود بہ نفس نفیس ارادہ میدان کا فرما رہے تھے کہ

حضرت عبداللہ بن مسلم

حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل حاضر خدمت اقدس ہوتے۔ یہ شہزادہ صاحب کے اقارب قریبہ میں سے سب سے پہلے حضرت مسلم کے لخت جگر ہیں۔ عرض کرنے لگے چچا جان! سب سے پہلے ابا جان اور میرے چھوٹے بھائی جنت پہنچے ہیں۔ لہذا مجھے بھی اجازت ملے۔ امام زار زار آنسو بہا رہے تھے یہ سن کر اور بھی اشک کناں ہوئے اور فرمانے لگے بیٹا اب تک مسلم اور تمہارے دونوں بھائیوں کا داغ میرے دل میں نہیں مٹا ہے۔ تم ایسی باتیں نہ کرو۔ تم یادگار مسلم ہو۔ بس تمہارے باپ بھائیوں کا زخم مفارقت ہی کافی ہے۔ بیٹا میری مانو تو میں تمہیں رائے دیتا ہوں کہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر جہاں تمہیں خدا لے جائے نکل جاؤ۔ تمہیں کوئی نہ روکے گا۔ یہ سب میری جان کے خواہاں ہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ رونے لگے اور عرض کرنے لگے چچا اس ذات بے نیاز کی قسم جس نے یہ بے نیازی کام فرمائی ہے کہ میں کہیں نہ جاؤں گا اور میدان کی اجازت لئے بغیر یہاں سے نہ ٹلوں گا۔ جیسے ابا جان نے جان آپ پر فدا کی میں بھی اسی طرح آپ پر فدا ہوں گا۔

امام نے رو کر عبداللہ کو گلے لگا لیا۔ اور فرمایا بیٹا تمہیں دیکھ کر غم غلط کر لیتا تھا۔ اچھا جب تمہیں یہ بھی منظور ہے۔ تو دل حسین ہر قسم کی مصیبت کے لیے وقف ہے۔ اچھا جاؤ خدا تمہارا نگہبان ہے افسوس اب میں تمہیں اس شان کے ساتھ نہ دیکھ سکوں گا۔ حضرت عبداللہ مریخ تیغ زن کی طرح شمشیر خون

آشام چمکاتے رجز پڑھتے میدان میں تشریف لائے اور للکارے کہ او خبیث ابن سعد اول تو خود آ۔ ورنہ بھیج کسی کو۔ ابن سعد نے قدامہ بن اسعد فزاری کی طرف دیکھ کے کہا کہ رفقائے حسین ختم ہو چکے ہیں۔ اب ہاشمی آ رہے ہیں۔ اب ذرا ہوش کر کے تندہی سے حملہ کرنے کی ضرورت ہے۔ میری رائے میں تو جا۔ اور اس جوان ہاشمی کا مقابلہ کر کے لشکر میں نام پا۔

قدامہ آگے بڑھا۔ آپ نے اس پر نیزہ مارا۔ وہ خالی دے کر پیچھے ہٹا۔ غرضکہ چند حملے اس نے ایسے ہی خالی دیئے۔ آخرش آپ نے نیزہ چھوڑ کر تلوار خون آشام سے حملہ شروع کیا۔ اس خبیث نے وہ بھی خالی دیا۔ تو آپ نیزہ پھینک کر خاموش ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ خبیث نے سمجھا کہ بھوک کے پیاسے ہیں تھک گئے۔ خوش ہو کر آپ کی طرف بڑھا۔ اور آپ کے سینہ پر نیزہ کا وار کیا۔ آپ جھک گئے اور نیزہ خالی گیا۔ اس نے گھوڑا پھرا کر پھر وار کا ارادہ کیا تھا کہ حضرت عبداللہ نے اُسے مہلت نہ دی۔ قریب آتے ہی اس زور سے ہاشمی تلوار ماری کہ آدھا گلا صاف کٹ گیا۔ پھر ہاتھ مار کر کمربند پکڑ کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ پشتِ زین سے زمین پر گرا لیا اور گھوڑے سے اُتر کر خود اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنے گھوڑے کو خیمہ کی طرف بھیج دیا۔

اس کے بیٹے سلام بن قدامہ نے یہ حال دیکھ کر ابن سعد سے کہا کہ لڑنے والے تو بہت دیکھے مگر ایسا دلیر اور شجاع آج تک میری نظر میں نہ آیا۔ تمام فوج گھبرا رہی ہے۔ آپ نے اس کو واصل بجہنم فرما کر آواز دی۔ کہ چلو اب کس کی موت آئی ہے۔ اشقیا پر اس قدر ہیبت تھی کہ کسی کی ہمت نہ پڑی آخرش آپ بھوک کے پیاسے جھنجھلائے ہوئے شیر کی طرح اشقیا

کے میمنہ پر گرے اور دم زدن میں سینکڑوں کو تہ تیغ فرما کر واپس میدان میں
آ کھڑے ہوئے۔ کہ اتنے میں لشکر نہروان سے بچا ہوا ایک خارجی حمیر حمیری
نامی اور اس کا بیٹا کامل بن حمیر آگے بڑھا۔ اور آپ کے ایک ہی وار میں جہنم
پہنچا۔ پھر آپ نے قلب لشکر پر حملہ شروع کیا۔ آپ کی تلوار سے خون کے
قطرات ٹپکنے شروع ہو گئے۔ آپ نے نامی نامی بیس افسر لشکر اشقیا کے
جہنم پہنچائے اور صالح بن نضیر نامی شجاع بھی اسی مقابلہ میں مارا گیا۔ آپ
چاہتے تھے کہ اپنے لشکر میں واپس آئیں۔ مگر اشقیا نے راستہ میں گھیر لیا اور
جداع دمشقی نے پیچھے سے آپ کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے۔ آپ
پیادہ پا محاربہ فرماتے رہے۔ آخر ش نوفل بن مزاحم حمیری یا عمرو بن صبیح
صیداوی کے تیر سے جام شہادت پی کر بہشت پہنچے۔

حضرت جعفر بن عقیل میدان میں

پھر حضرت جعفرؓ بن عقیل نے جب یہ دیکھا کہ بھتیجا قتیل خنجر جفا ہو
کر جنت پہنچا۔ تو زار زار رو کر امام سے اجازت لے کر اپنے بھتیجے کا بدلہ لینے
میدان میں تشریف لائے اور کشتوں کے پشتے لگا کر غریق رحمت الٰہی ہوتے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل

پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عقیل نے اپنے بھائیؑ کے انتقام کا ارادہ فرمایا
اور خوب جوہر ہاشمیت دکھا کر عبداللہ بن عروہ کے تیر سے جام شہادت پی
کر بہشت پہنچے۔

اب وہ وقت آ گیا کہ امام مظلوم کی بیوہ ہمشیرہ کی کمائی لٹتی ہے۔ پیارے

بھلا بچے چھوٹی چھوٹی عمر میں ماموں پر فدا ہوتے ہیں۔

حضرت محمد بن عبد اللہ

حضرت محمد بن عبد اللہ بن جعفر ننھا سا نیچہ کمر سے لگائے حاضر ہو کر اپنے ماموں جان سے اصرار کر رہے ہیں۔ کہ حضور اماں جان کا حکم ہے لہذا ہمیں اپنے قدموں پر نثار ہونے کی اجازت دیجئے۔ آہ۔ ماموں جان ہیں کہ نیچی گردن کئے بارانِ اشک برسا رہے ہیں ؎

اس وقت عجب غم تھا شہ جن و بشر کو
نے روح کو راحت تھی نہ آرام جگر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو نہ اکبر سے پسر کو
نے عون و محمد کو نہ شبر کے قمر کو
میوے تھے سب اک باغ کے پھول ایک چمن کے
وہ بھائی کا بیٹا تھا یہ بیٹے تھے بہن کے

چونکہ ان کو ان کی والدہ نے بلا کر سمجھا دیا ہے۔ اگرچہ عمر میں نو دس سال کے ہیں۔ مگر ہاشمی جوش رگ و ریشہ میں اس قدر ہے کہ اصرار انکسار سے آخرش اجازت لی اور میدان میں رونق بخش ہوئے اور فخریہ رجز اس طرح شروع فرمایا

ناگاہ یہ بڑھ کر پسر سعد پکارا
اے شیر دلو نام و نسب کیا ہے تمہارا
تلواریں پکڑ کر یہ پکارے وہ دل آرا
خالق نے ہمارے لیے دنیا کو سنوارا

خورشید زمیں تاج سرِ عرش بریں ہیں
پہلا یہ شرف ہے کہ غلامِ شہ دیں ہیں
دادا ہے شہنشاہ دو عالم کا مددگار
سردار جہاں فخر عرب جعفرِ طیار
وہ تنقۂ طراز علمِ احمدِ مختار
آلودہ رہی خون میں جس شیر کی تلوار
ہاتوں کی عوض حق سے سرِ دست لیے ہیں
اللہ نے پر ان کو زمرد کے دیئے ہیں
نانا اسد اللہ مددگار دو عالم
دیندار نمودار جہاندار دو عالم
سلطان قضا منتظم کار دو عالم
سرتاج فلک جبّہ دستار دو عالم
سب امرا ہم عقل کی میزان میں تلے تھے
عقدے وہ ہوئے حل جو کسی سے نہ ہوتے تھے
ہم دونوں نواسے ہیں اسی فیض رساں کے
فرزند ہیں ہم شیرِ وشۂ کون ومکاں کے
دکھلائیں گے جوہر تمھیں تیغ دو زباں کے
بڑھ بڑھ کے الٹ دیں گے پرے فوج گراں کے
تم یہ نہ سمجھنا کہ یداللہ نہیں ہیں
ہم شیر تو ہیں گر اسد اللہ نہیں ہیں

پھر صاحبزادہ صاحب جو میدان میں جھکے اشقیا کو بھیڑ بکریوں کی طرح منتشر فرما گئے اور بگڑے ہوئے شیر کی طرح وہ حملہ کیا کہ ہر طرف سے ملائکہ تحسین و آفرین کر رہے تھے ؎

وہ مر گیا تلوار اُٹھا کر جسے ڈانٹا
اس نخل کو تلوار سے کاٹا اسے چھانٹا
گلہائے جراحت کو عجب حسن سے بانٹا
نکلی نہ کوئی شاخ نہ اُلجھا کوئی کانٹا
اب تک یہ ہوا باغ جہاں میں نہیں دیکھی
غل تھا کہ بہار ایسی خزاں میں نہیں دیکھی

آخر کار بے دینوں نے اس شیر بچہ کو نرغہ میں لے لیا اور گھیر کر سخت مجروح کیا۔ مگر پھر بھی آپ نے شیرانہ حملہ فرمایا۔ آخر ش زخمی ہو کر شہید ہوئے اور بہشت بریں پہنچے۔

حضرت عون کا میدان میں جلوہ

حضرت عونؓ نے جب بھائی کو سرخ جوڑا پہنے دیکھا۔ یکبارگی جوش میں للکار کر اپنے بھائی کے قاتل پر حملہ آور ہوئے اور ایک ہی وار میں اسے داخل جہنم کر دیا۔ پھر امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے۔ کہ ماموں جان اس قصور کی معافی چاہتا ہوں کہ بغیر اجازت میدان میں جا کودا۔ بھائی کی محبت نے بے چین کر دیا تھا۔ مگر اب اجازت چاہتا ہوں کہ میدان میں جا کر حضور پہ فدا ہوں۔ جناب امام نے رو دھو کر انہیں گلے لگایا اور رخصت فرمایا۔ آپ نے میدان میں آتے ہی مبارز

طلب فرمایا اور تیغ آبدار کے جوہر دکھا کر بہت سے سیہ رُو جہنم پہنچائے ؎

مارا انہیں چُن چُن کے جو تھے فوج میں چیدہ
رہوار سے پامال تھے سر ہائے بریدہ
زیادہ تھے کمانداروں سے حضرت جو کشیدہ
بدکیش و خطاکار تھے سب زخم رسیدہ
سہمے ہوئے تھے تیر کہ آفت تھی جہاں پر
پیکاں نہ سرے پر تھا نہ چلّہ تھا کماں پر

آخرش ہزاروں کو واصل جہنم فرما کر منزل قرار کو روانہ ہوئے۔
امام و عباس لاشہ لینے دوڑے۔ اشقیا لاشہ پر گھوڑے دوڑا رہے تھے۔
تو حضرت عباس سے نہ رہا گیا تلوار کھینچ کر آگے بڑھے اور صفوف اشقیا
کو منتشر فرمایا۔

عباس نے غصہ میں لعینوں کو ہٹایا
بجلی سے بھی کچھ بڑھ کے گرا تیغ کا سایہ
پسپا ہوئے کفار کوئی تاب نہ لایا
شبیر نے لاشوں کو تڑپتا ہوا پایا
آلودہ خوں دو مہ کامل نظر آئے
گودوں میں پلے خاک پہ بسمل نظر آئے
سر تا بہ قدم چُور تھے زخموں سے تن زار
انگڑائیاں لینے سے رگیں کھینچتی تھیں ہر بار
پیکاں سے پہلو تھے کٹے چھاتیوں کے پار
تلواریں تھیں قبضوں میں مگر ہاتھ تھے بیکار

لب پہ یہ سخن تھا شہ والا نہیں آتے
دم ہونٹوں پہ آیا مگر آقا نہیں آتے
لاشوں کے قریب آ کے پکارے شہ صفدر
اے بھانجو! موجود ہے یہ بے کس و بے پر
یہ گرم زمیں اور یہ گل سے تن انور
ہوتے سے اٹھا کر مرے زانو پہ رکھو سر
ماموں سے عجب وقت میں منہ موڑ رہے ہو
کن آنکھوں سے دیکھوں میں کہ دم توڑ رہے ہو
اے شیر جوانو سب مجھے طاقت تھی تمھیں سے
اے تیز زبانو سب مجھے ہمت تھی تمھیں سے
اے مرتبہ دانو مجھے فرحت تھی تمھیں سے
اے تشنہ دہانو سب مجھے الفت تھی تمھیں سے
ساتھ اپنے جہاں سے مجھے لیتے نہ گئے تم
کاندھا مرے تابوت کو دیتے نہ گئے تم
اکبر نے کہا عون سے بازو کو ہلا کر
بھائی تمھیں چلاتے ہیں شہ اشک بہا کر
ماموں کو پکارے بھی نہ تم برچھیاں کھا کر
باتیں شہ والا سے کرو ہوش میں آ کر
خیمہ میں چلو بیبیاں سب غش میں پڑی ہیں
مظلوم وہ پھوپھی بھی تو ڈیوڑھی پہ کھڑی ہیں
خم ہو کے یہ چھوٹے کو علمدار پکارے
اے تشنہ دہن اے مرے جانی مرے پیارے

کیاں منہ میں زباں اینٹھ گئی پیاس کے مارے
دیکھو تو عجب حال ہے ماموں کا تمہارے
ہاتھوں کو ذرا جوڑ کے کچھ بات تو کر لو
بیٹا شہ والا سے ملاقات تو کر لو
سُن کر یہ صدا ہوش میں آئے وہ دلاور
سر رکھ دیئے گھبرا کے شہ دیں کے قدم پر
اٹکی تھی جو اکھڑی ہوئی دم سینوں کے اندر
دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر
فردوس معلّٰی کو روانہ ہوئے دونوں
کروٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

اِس کے بعد امام نے فرمایا۔ اب للہ کوئی میرے سامنے اجازت نہ لینے آئے میں ابھی میدان میں جا کر قصہ ختم کئے دیتا ہوں۔ مجھ میں اب یہ صدمات سہنے کی طاقت نہیں ہے یہ فرما کر اُٹھے اور پوشاک محمدی زیب تن کر ہی رہے تھے کہ

حضرت عبداللہ میدان میں

حضرت عبداللہ بن امام حسن امام ہمام کے حقیقی بھتیجے حاضر ہو کر قدموں میں گر گئے آپ نے اُٹھا کر سینہ سے لگایا اور پھوپھی کے دلبند کو تسکین دی۔ فرمایا کہو کیا چاہتے ہو۔ عرض کرنے لگے چچا جان۔ اب یارائے صبر نہیں۔ نشہ شہادت عنفوان پر ہے۔ جوش شہادت ہیجان پر ہے۔ للہ رن کی اجازت دیں امام زار و قطار رونے لگے اور فرمانے لگے۔

اے لختِ جگر یادگار برادر میں نے بہت صدمے سہے ہیں۔ میرا کلیجہ آخر پتھر کا تو نہیں ہے۔ میرا جگر فولاد کا نہیں ہے۔ کس دل سے تمھیں اجازت دوں۔ کس زبان سے تمھیں کہوں کہ جاؤ بس بیٹا جاؤ اور خیمہ میں بیٹھے اللہ اللہ کرو۔ جب میرا خاتمہ ہو جائے۔ حرم کو لے کر کہیں زندگی پوری کر لینا۔ اور اس خیال سے درگزر کرو۔ حضرت عبداللہ نے آپ کو قسمیں دلانی شروع کیں۔ آخرش مجبور ہو کر ایک آہ کھینچی۔ اور فرمایا اچھا بیٹا جاؤ۔ جو چاہو وہ کرو۔ میں ہی ایک وقف صدمات ہوں تو اچھا راضی برضا ہوں۔ خدا کا شکر ہے۔ آپ نے اجازت لینی تھی کہ میدان کا رُخ کیا۔ اور آؤ دیکھا نہ تاؤ سیدھے قلب لشکر پر آ کر گرے۔ ابھی ابن سعد خبیث کے قریب نہ پہنچے تھے۔ کہ یہ اسی شقی واصل جہنم فرمائے۔

ابن سعد نے جو ایک بگڑے ہوئے محمدی کچھار کے شیر کو دیکھا۔ گھبرا کر جان بچانے لگا۔ آپ نے دیکھ کر ایک قہقہہ لگا کر فرمایا او نامرد ذرا ٹھہر تا کہ تجھے افسری اور بے دینی کا لطف دکھاتا۔ بس اسی بھروسے پر افسر فوج بن کر آیا ہے۔ زوف ہے تیری مردانگی پر۔ تف ہے تیری افسری پر۔ لعنت ہے تیری شجاعت پر۔ خبیث تیرا باپ کون تھا۔ اور تو کیا ہے۔ پھر فرمایا اے شقیو۔ خیر اب تم ہی آؤ۔ اس نامراد بزدل کی تو ہمت دیکھ لی۔ اب جس کے سر پہ اجل سوار ہو وہ منہ دکھائے۔

ابن سعد نے زر و جواہر اور خلعت کا لالچ دے کر بختری بن عمرو شامی سے کہا تو جا۔ وہ کہنے لگا تو کس منہ سے کہتا ہے۔ فوج کی سپہ سالاری ہاتھ میں لے کر یہ بزدلانہ حرکت کہ ایک لڑکے سے ڈر کر بھاگتا ہے۔ کم بخت شرم نہیں آتی۔ دوسرے کو موت کے

منہ میں بھیجتا ہے اور خود اپنی جان چھپاتا پھرتا ہے۔ ہم کیوں جائیں کیا ہماری جانیں مفت کی ہیں۔ پہلے تو جا۔ جب تجھ سے کچھ بن نہ آئے گی۔ تو پھر ہم موجود ہیں۔ ابن سعد نے ایسے طعنے سن کر سر جھکا لیا۔ اور کہنے لگا۔ بختری تیرا کہنا بالکل صحیح ہے مگر کیا کروں جان بڑی عزیز چیز ہے اگر اس وقت میں بھاگ کر خیمہ میں نہ جاتا۔ تو عبداللہ بیشک مجھے مار ڈالتا۔ اور اگر تجھے یقین نہیں ہے۔ اور تو اُسے لڑکا سمجھتا ہے تو ذرا ہمت کر دیکھیں کون سچا ہے۔ تھوڑی دیر میں سب معلوم ہو جائے گا۔ تجھے خبر نہیں یہ ہاشمی شیر ہیں ان سے الجھنا کھیل نہیں۔

بختری یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا۔ رے کی حکومت تو لے اور نو عمر بچوں سے بھاگتا پھرے اور جان ہم دیں۔

ابن سعد اس بات پر برہم ہوا اور کہنے لگا۔ تمہاری چرب زبانی اور گستاخی کی رپورٹ بھی ابن زیاد لکھتا ہوں۔ تم مجھے طعنہ دینے کو آئے ہو یا میرے حکم کی تعمیل کو۔

بختری ابن سعد کا یہ غصہ دیکھ کر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور اپنے پانچسو سوار ہمراہ لے کر آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ لو صاحب اب تو آپ خوش ہو۔ حکم کی تعمیل میں ہی کرتا ہوں۔

غرض کہ اِدھر عبداللہ بن حسن پر ۵۰۰ سواروں کے ساتھ بختری آیا۔ اِدھر امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد کو محمد بن انس۔ اسد بن ابی دجانہ اور پیروزان غلام امام حسن امداد کے لیے بھیجے۔ سب سے پہلے بختری کے مقابلہ کو پیروزان چلا اور بھوں چڑھا کر بختری پر وار کیا۔ خبیث نے خالی دیا مگر پیروزان ٹلنے والے نہ تھے۔ حضرت عبداللہ نے جو بختری سے پیروزان کو دوچار ہوتے دیکھا نیزہ لے کر اس کی مدد کو بڑھے۔ حضرت محمد و اسد بھی ان

کے پیچھے ہی روانہ ہوئے۔ پیروزان نے جو اپنی مدد پر شہزادہ صاحب کو معہ اسد و محمد کے دیکھا اور ہمت بڑھ گئی۔ پھر کیا تھا۔ ۵۰۰ کے ۵۰۰ کتوں کو آگے دھر لیا۔ بختری بھاگتے بھاگتے اپنے لشکر میں جاکر پناہ گزین ہوا۔ حضرت عبداللہ للکارے بھگوڑے نامرد وچلو اور جلدی آؤ۔ تو شیث رہی ۵۰۰ تازہ دم سوار لے کر چلا اور بختری کو معہ اس کے ۵۰۰ سواروں کے شرمانے لگا اور کہنے لگا۔ ڈوب مر۔ مردود اتنی جمعیت کے ساتھ بھی چار آدمیوں سے بھاگ نکلا۔ جن میں ایک تو نو عمر لڑکا ہی تھا۔ زوف ہے ایسی زندگی پر۔ دیکھ اب میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر میدان میں آیا ہی تھا کہ حضرت عبداللہؓ نے سب سے پہلے شیث کو سنبھالا اور اسد و محمد بھی شہزادہ صاحب کے ہمراہ چلے۔ ادھر پیروزان نے دوبارہ بختری کو دبایا اور متواتر حملے کر کے اس کی ۵۰۰ کی جمعیت کے پرزے اڑا دیئے۔ غرض کہ ایک سو بیس شقی تیر سے واصل جہنم کئے اور بیس آدمی تلوار سے مارے۔

مختصر یہ کہ جب آپ تھک گئے تو چاہتے تھے کہ امام کی خدمت میں آئیں کہ عثمان موصلی خبیث نے دھوکہ سے پشت پر نیزہ مارا۔ وہ پشت زین سے زمین پر آئے۔ گھوڑا گھبرا کر سیدھا جنگل کو چل دیا۔ اور پیروزان نے گر کر بھی یہ شجاعت دکھائی کہ نیزہ پھینک کر تلوار سے صفایا شروع کیا۔ اسد بن ابودجانہ کی نظر جو پیروزان پر پڑی۔ دیکھا پیادہ پا ہیں۔ گھوڑے کو ایڑ دے کر لپکے اور ان کے گروہ کے آدمی ۱۴ واصل جہنم کر کے سب کو بھگا دیا۔ پھر پیروزان سے کہا کہ آؤ میرے ہی گھوڑے پر چڑھ جاؤ۔ پیروزان چڑھنا چاہتے تھے کہ کتوں نے گھیر لیا۔ اسد بن دجانہ نے پیروزان کو پیچھے رکھ کر مقابلہ شروع کیا۔ کہ بختری نے آپ کے دائیں پہلو

میں نیزہ دیا۔ نوک سنان بائیں سے نکل آئی اور نیزہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ چاہتے تھے کہ تلوار سے اس کا فیصلہ کریں مگر ہاتھ نے کام نہ دیا۔ ارزق بن ہاشم خبیث کی تلوار سے سر مبارک جدا ہو گیا اور آپ راہی فردوس اعلیٰ ہوئے۔

اب حضرت عبداللہ بن حسن، شیث ربعی کے ساتھ مقابلہ فرما رہے تھے آپ کے دست اقدس سے شیث کے سترہ زخم آئے۔ وہ مجبوراً ہو کر بھاگا۔ آپ اس کے تعاقب کو چلے تھے۔ کہ بیروزاں پر نظر پڑی کہ گھرے ہوئے ہیں۔ آپ ادھر لوٹ پڑے آ کر دیکھا تو اسد کا سر علیحدہ تھا۔ آپ کو بے حد ملال ہوا قاتل کو معلوم کر کے اس پر چلے اور ایک ہی نیزہ میں ادھر اٹھا کر اسے بھی جہنم میں پہنچا دیا۔ اس گھمسان کو دیکھ کر تمام لشکر بھاگ پڑا۔ آپ اس کے تعاقب میں چلتے تھے کہ بیروزان زخموں سے چور نظر آئے۔ آپ نے فرط محبت سے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور اٹھا کر زین پر ڈال کر خیمہ کی طرف چلے مگر آپ کا گھوڑا سو تیر سے زیادہ کھا چکا تھا۔ چلنے سے مجبور ہو گیا۔ علاوہ ازیں بھوکا پیاسا کافی دوڑ دھوپ کر چکا تھا۔ وہ دو آدمیوں کے وزن کی برداشت نہ کر سکا۔ حضرت عبداللہ اتر پڑے اور بیروزان کو بھی اتار لیا۔ امام ہمام نے جو بھتیجا کو پا پیادہ دیکھا علی الفور حضرت عون بن علی کے ذریعہ اور گھوڑا بھیج دیا۔ حضرت عبداللہ نے اپنے چچا حضرت عون کے گھوڑے پر بیروزان سوار کیا اور خود اپنے گھوڑے پر چلے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ غلام نے آقا پر نقد جان نثار کی اور بہشت پہنچے۔ حضرت عون و عبداللہ ان کی باوفائی اور جان فروشی کو یاد کر کے بہت روئے۔ مختصر یہ کہ پھر دوبارہ شہزادہ عبداللہ میدان میں آئے اور مبارز طلب فرمایا۔ ابن سعد نے مقابلہ کے لئے بہت کچھ کہا۔ مگر سب ٹال گئے۔ آخر جھنجھلایا اور لشکر کو مغلظات سنانے لگا۔ یوسف بن الاجار سے

گالیاں نہ سُنی گئیں آگے بڑھا اور ابن سعد سے کہنے لگا۔ تو بڑا بے حیا ہے حکومت کی سند اور سپہ سالاری کا عہد تو تُو لے۔ اور گردنیں ہم کٹوائیں۔ تو خود جا اور ان سے مقابلہ کر۔ تاکہ حکومت رہے اور سپہ سالاری کا کچھ مزہ تو آئے۔ ابن سعد شرما کر کھسیانا ہو کر کہنے لگا مجھے لڑنے کا حکم نہیں ہے بلکہ صرف تم پر حکومت کرنے کو مجھے بھیجا ہے یوسف نے کہا۔ اگر تجھے لڑنے کا حکم ہوتا بھی تو تو کیا کر سکتا تھا۔ اگر تو اور ابن زیاد بھی آج مقابلہ میں ہوتا۔ تو ہمیں تم دونوں نظر ہی کیوں آتے۔ خیمہ میں بیٹھے۔ بیٹھے حرام کھا کھا کر چربی چڑھا لینا اور بات ہے۔ اگر کچھ ہاتھ پیر ہلتا تو اب تک ڈھیر نظر آتا۔

یہ سُن کر ابن سعد جھنجلا کر کہنے لگا۔ بس اب جانا ہے تو جا ورنہ تجھے ابن زیاد کی پیشی میں بھیجتا ہوں۔ وہ ڈر گیا اور حضرت عبداللہ کے مقابلہ کو آیا اور شہزادہ کے سینہ پر نیزہ مارا۔ آپ نے اُسے روک کر اس زور سے نیزہ کا جواب نیزہ سے دیا کہ گردن چھید کر گدی کے پار نکل گیا اور وہ اسفل السافلین میں جا پہنچا۔ اس کے بیٹے طارق بن یوسف نے باپ کو مرا دیکھ کر شہزادہ کا مقابلہ کیا۔ آپ نے اس پر بھی نیزہ چلایا۔ مگر نہایت چابک دستی سے اس نے اس کو روک کر چاہا کہ تلوار مارے۔ مگر آپ نے پہنچی پر ایسا جھٹکا دیا کہ تلوار جھنجھاتی ہوئی ہوا میں اڑی اور کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر حضرت عبداللہ نے دوسرے ہاتھ سے کمربند پکڑ کر اس زور سے زمین پر مارا کہ سب ہڈیاں چور ہو گئیں اور جہنم پہنچا۔

اس کا چچا مدرک بن سہل بھتیجے کا یہ حال دیکھ کر جھلایا ہوا آگے آیا اور گالیاں خاندان نبوت کو دینے لگا شہزادہ صاحب نے فرمایا او بدلگام ہوش کی لے اور اپنی جان بچا۔ یہ کہہ کر جو تلوار ماری تو سر معہ دونوں ہاتھوں

کے نیچے آیا۔ دھڑ دونوں پیر ویسے ویسے گھوڑے پر رکھے رہ گئے۔ آپ نے اس کی ٹانگ پکڑ کر اسے زمین پر پھینکا۔ اور خود اس کے مرکب نازی پر سوار ہو کر للکارے کہ اندھو دیکھا تم نے ہاشمی شجاعت اس کو کہتے ہیں۔ اب دیر نہ کرو جلدی آؤ جس جس کو موت کا راستہ دیکھنا ہے۔ جلدی جلدی آ جائے کہ وقت کم ہے۔ تمام لشکر نے گردنیں جھکالیں اور ہیبت ہاشمی سے لرزنے لگا۔

جب آپ نے دیکھا کہ کسی میں ہمت مقابلہ کی نہیں ہے تو خود فوج اعدا میں چلے۔ ناگاہ ایک عمدہ مضبوط نیزہ پکڑا ہوا نظر آیا۔ آپ نے اسے اٹھا کر سر کے گرد پھرا کر وہ سپہگری دکھائی کہ صفوں کی صفیں صاف کر ڈالیں۔ ۱۲ اشقی اس نیزہ سے جہنم پہنچائے۔ پھر لوٹ کر امام ہمام کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ یا عم العطش ! العطش !! آپ نے فرمایا بھتیجے اب ساقی کوثر کے ہاتھ سے خوب کوثر پینا۔

اس بشارت کو سن کر حضرت عبداللہ واپس میدان میں آئے اب پانچ ہزار اشقیا نے یکبارگی حملہ کیا آپ نے بھی ضرغام اجام کی طرح مچل مچل کر ان پر آتش غضب ڈالی۔ چاہتے تھے کہ نرغہ سے باہر آئیں مگر ایسے گھرے کہ نکلنا دشوار ہو گیا۔ حضرت عباس نے جب یہ حال دیکھا۔ خود اپنا علم حضرت علی اکبر کو دیکر عون بن علی کو ہمراہ لے کر اپنے بھتیجے کی مدد کو پہنچے اور شہزادہ عبداللہ کو ان سے چھڑا لائے۔

چونکہ آپ بہت زیادہ زخمی ہو چکے تھے اور آپ کا گھوڑا بھی تیروں سے مجروح تھا آہستہ آہستہ گھوڑا چلا رہے تھے۔ کہ اچانک قیہان بن زہیر نے پیچھے سے ایک ضرب شانہ اقدس پر ماری۔ آپ پشت زین سے زمین پر آئے۔ حضرت عباس نے پیچھے پھر کر دیکھا تو قیہان خوش ہوتا چلا جا

رہا ہے۔ آپ نے پلٹ کر ایک ہی ہاتھ اس زور سے دیا کہ اس کا سر چند قدم پرے جا کر پڑا۔ اس کے بیٹے حمزہ بن قیہان نے بدلہ لینا چاہا اور حضرت عباس پر جھپٹا۔ حضرت عون بن علی نے اُس کتے کو جو آتے دیکھا پیش دستی فرما کر ایک ہاتھ ایسا نپا تلا مارا کہ حمزہ کا ہاتھ کٹ کر معہ تلوار کے دور گرا۔ حضرت عباس نے پلٹ کر اسے جہنم پہنچایا۔ اور زخمی شہزادہ کو خیمہ میں لاتے اور خفتگان ناز کے برابر سلایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس محمدی شیر کی جوانمردی و شجاعت کی داد لشکر اشقیا بھی دمشق تک دیتا رہا اور جو شقی جب تک زندہ رہا اس شجاعت کے تصور سے لرزتا رہا۔

حضرت قاسم میدان میں

اب حضرت قاسمؑ کو کمر بستہ زار و قطار روتے ہوئے امام ہمام کے حضور آئے اور عرض کرنے لگے۔ چچا جان! جہاں بھائی عبد اللہ گئے وہاں مجھے بھی پہنچنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے رو کر قاسم کو سینہ سے لگایا اور فرمایا۔ اے جانِ عمؑ! اس صحرائے درد و الم میں ایک تو ہی میرے بھائی کی یادگار ہے میں کس طرح اجازت دوں تیری جدائی کا صدمہ مجھ سے کسی طرح برداشت نہ ہوگا۔ غرض کہ ان کے انتہائی اصرار اور امام کے بحد غایت انکار نے اس نتیجہ پر پہنچایا۔ کہ قاسم سمجھ گئے کہ مجھے اجازت ملنی محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ مایوس ہو کر اس فکر میں ایک طرف بیٹھ گئے کہ چچا سے کیسے اجازت لوں۔ معًا ایک تعویذ یاد آیا۔ جو شہزادۂ زمن سیدنا حسن سید الشہدا نے وقت رحلت لکھ کر دیا تھا۔ کہ بیٹا اسے بازو پر باندھے رہو۔ جب تمھیں سخت سے سخت فکر اور شدید ترین مصیبت نظر آئے اسے کھول کر پڑھنا۔ اللہ اس پریشانی کو

دور کرے گا۔

سوچا کہ اس مصیبت اور پریشانی سے بڑھ کر اور کون ایسی مصیبت ہوگی۔ جو اب آنے والی ہے۔ تعویذ کھولا۔ دیکھا کہ امام حسن کے قلم مبارک کا ایک حکم ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے:۔

بیٹا قاسم! جب تمہارے چچا حسین کربلا میں شکار مصائب بنیں۔ تو تم ان پر فدا ہو جانا اور اپنی جان صدقے کر دینا کہ تمہارے لیے ذریعہ سعادت ہوگا۔ آپ اس کو پڑھتے ہی خوش ہو گئے۔ اور اس نامہ کو لے کر خدمت امام میں پہنچے۔ اور عرض کی چچا جان! اب تک اگر اجازت نہ دی تھی تو اب آپ کو اجازت دینی پڑے گی۔ یہ نامہ ملاحظہ فرمائیں۔ امام نے نامہ ہاتھ میں لیا تو دیکھتے ہی اپنے بھائی حسن کو یاد کر کے رونے لگے۔ مضمون پڑھ کر فرمانے لگے۔ اچھا بیٹا قاسم! اب تم ضرور وصیت پر عمل کرو گے مگر ذرا ٹھہرو کہ ایک وصیت مجھے بھی یاد ہے۔ جس کی تعمیل اب تک نہ کر سکا ہوں۔ چنانچہ آپ قاسم کو لے کر خیمہ میں تشریف لائے اور جامہ عروسی زیب تن کرایا اور اپنی صاحبزادی کا عقد ان سے فرمایا۔ اور پھر فرمایا کہ بیٹا یہ تمہارے باپ کی امانت تمہارے سپرد ہے۔ یہ کہہ کر باہر تشریف لائے۔ قاسم دلہن کا ہاتھ تھامے ان کا منہ تکتے رہے کہ تھوڑی دیر میں لشکر سعد سے مبارز طلبی ہوئی۔ آپ نے ہاتھ چھوڑ کر عزم میدان فرمایا تو دلہن نے دامن تھام لیا اور عرض کی ؎

بگو کز برسن چرا میروی
مرا میسگذاری کجا میروی

قاسم نے فرمایا۔ اے نور دیدۂ عم مکرم۔ میدان کارزار میں جا

رہا ہوں اور تمھارے باپ پر فدا ہو کر عنقریب آ رہا ہوں۔ تمھارے میرے رشتہ کا لطف قیامت کے دن آئے گا۔

غبارے بر دمید از راہ بیداد
شبے گوں کرد بر نسرین و شمشاد
بر آمد ابرے از دریائے اندوہ
فرو بارید سیلے کوہ تا کوہ
ز روئے زشت باد تند برخاست
ہوارا کرد باخاک زمین راست
رسید از عالم غیبی صدائے
صدائے نہ ندائے آشنائے
اے احسنت اے زمانہ دے زمیں زہ
عروساں را بداماداں چنیں دہ

دُلہن نے عرض کی کہ قیامت کے دن آپ مجھے کہاں ملیں گے آپ نے فرمایا تمھارے باپ دادا کی خدمت میں ہی حاضر ہوں گا اور اپنی آستین کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر دیا۔ کہ اسی طرح وہاں میری آستین دریدہ دیکھ لینا۔

قاسم کی روانگی کے صدمہ نے اہلبیت حرم کو بیتاب کر دیا۔ اس طرح رو رو کر سب کہنے لگے

قاسما ایں چہ ظلم و بیداد یست
ایں نہ آئین و رسم دامادیست

آخرش قاسم امام حسین سید الشہدا کی خدمت میں آخری سلام کو

حاضر ہوئے۔ امام زار زار رو کر وداع فرما رہے تھے۔ آپ نے میدان میں آکر رجز پڑھا جس کا ترجمہ ابو المفاخر نے یہ کیا ہے ؎

دل خریدارِ جاہ خواہم کرد
جاں شکر ریز شاہ خواہم کرد

با اساس و لباس دامادی
عزم و ترتیب راخواہم کرد

رسم مرکب و سر نیزہ
ماہ و ماہی تباہ خواہم کرد

آب ہندی و باد تازی را
بر شہادت گواہ خواہم کرد

بلبل آئیں بہ نغمائے حزیں
بانگ واسیداہ خواہم کرد

کبریا را وکیل خواہم ساخت
مصطفٰےؐ را گواہ خواہم کرد

با بتول و علی شکایت قوم
در حریم الہ خواہم کرد

پھر آپ مبارز طلب ہوئے۔ مگر کسی کی ہمت نہ تھی جو سامنے آتا۔ آخر ش ابن سعد کہنے لگا کہ اے بہادرو! یہ محمدی کچھار کا شیر نر ہے۔ اس کے مقابلہ میں جمعیت کے ساتھ جاؤ۔ تنہا ہرگز مقابلہ نہ کرنا مگر کسی میں دم ہی نہ تھا۔ جو جمعیت سے مقابلہ کرتا یا تنہا آگے بڑھتا۔ آپ نے تین بار مبارز طلب فرمایا۔ چوتھی بار خود ہی میمنہ پر

مثل اجل کے جا پہنچے اور صفیں کی صفیں جہنم پہنچائیں۔ پھر میسرہ پر بڑھے۔ پھر قلب لشکر کو صاف کیا۔ آخر ابن سعد نے ارزق سے کہا۔ تو لشکر یزید کا سپہ سالار ہے۔ دس ہزار دینار تنخواہ لیتا ہے۔ دلاوران شام و عراق میں تیری دھوم ہے تیرے سوا کون جان سکتا ہے۔

ارزق نے کہا واہ حضرت! میری خوب قدردانی کی۔ مجھے شام مصر میں سب جانتے ہیں کہ تنہا ہزار کا مقابلہ کرتا ہوں۔ اس بچے کے مقابلہ میں جا کر کیوں بدنام ہوں۔ اگر میں نے اسے مار بھی دیا تو کیا ہو گا۔ ابن سعد نے برہم ہو کر کہا۔ کہ تو انہیں بچہ بتاتا ہے۔ ذرا دوچار ہو کر دیکھ زندگی بھر کا لطف آئے گا۔ یہ جگر بند مصطفےٰ لخت جگر حسن مجتبیٰ ہے۔ یہ وہ ہے جس کے مقابلہ میں اچھے اچھوں کی خاک اڑ جاتی ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ بھوکا پیاسا نہ ہوتا تو نہ معلوم کدھر سے ہماری جانیں قبض کر کے ہمارے لیے عزرائیل بن جاتا۔ نامردی سے بہانہ نہ کر اور جلدی جا۔

ارزق کہنے لگا بخدا ہرگز نہ جاؤں گا اگر تو ایسا ہی اصرار کرتا ہے تو لڑکے کے مقابلے میں میرے لڑکے کو بھیج دے یہ بھی بڑے دلیر اور جری مشہور ہیں۔

غرض کہ اس کے چار بیٹے تھے۔ چاروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا پہلا پہنچا مقابلہ شروع ہوا۔ دو تین چلت پھرت میں وہ گھوڑے سے نیچے آیا۔ اس کے بال لمبے لمبے تھے۔ آپ نے بالوں کو ہاتھوں میں لپیٹ کر ادھر اٹھا کر اس زور سے مارا کہ جہنم میں جا کر دم لیا۔ اس کی تلوار نہایت عمدہ تھی۔ آپ نے وہ لے لی۔ دوسرا بیٹا غصہ میں بھرا ہوا بھائی کا بدلہ لینے چلا۔ سامنے آکر گالیاں دینے لگا۔

آپ نے فرمایا خبیث کیوں بدلگام ہوا ہے لے تجھے بھی تیرے بھائی سے ملائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جو نیزہ مارا تو پہلو سے پار ہو گیا اور جہنم میں جلنے لگا۔ تیسرے بھائی نے جو یہ کیفیت دیکھی۔ روتا چیختا کپڑے پھاڑتا آگے آیا اور کہنے لگا تم نے میرے تامی بھائی مارے ہیں۔ اب تمھاری بھی خیر نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا ہوش کی لے اور اپنی جان بچا۔ یہ کہہ کر نیزہ سیدھا کیا۔ اس کے پیٹ میں گھس گیا۔ اور وہ واصل بجہنم ہوا۔

ارزق نے جب تین بیٹے بھینٹ چڑھا دیئے تو ڈکرا ڈکرا کر رونا شروع کیا۔ ڈاڑھی کے بال نوچنے لگا۔ خود جانے کا ارادہ کرنے لگا تھا۔ کہ چوتھا بیٹا اہلبیت اطہار کو گالیاں دیتا ہوا آگے آیا۔ حضرت قاسم نے اس کی گالیوں کی طرف اصلا التفات نہ فرمایا۔ اور ایک وار جو تلوار کا کیا۔ تو سیدھا ہاتھ کٹا۔ نیزہ دور جا کر پڑا۔ خون کے فوارے بہنے لگے۔ جان بچا کر بھاگا۔ آپ نے تعاقب کیا مگر وہ لشکر میں جا گھسا اور وہاں جا کر گھوڑے سے گرا اور مر گیا۔

اب تو ارزق خود تیار ہوا۔ اور اسپ تازی پر سوار ہو کر میدان میں آیا۔ اور کہنے لگا تم بڑے سنگ دل بے انصاف ہو کہ میرے چار بیٹے مار ڈالے اور ایسے بیٹے جن کے مقابلے کا شام و عراق میں نہ تھا۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ معاف کیجئے۔ مجھے یہ خبر نہ تھی کہ وہ آپ نے مجھے تحفۃً بھیجے تھے ورنہ میں انھیں صندوق میں رکھ لیتا۔ خیر اب اس کی تلافی یوں ممکن ہے کہ تم کو بھی انھیں کے پاس پہنچا دوں۔

ارزق کی آتش غضب اتنی بھڑکی۔ کہ خود جلا جا رہا تھا کہنے لگا بچے تو نے بچوں کو مار لیا۔ اب مجھ سے جانبری محال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم تو تجھ کو بھی بچہ ہی سمجھتے ہیں۔ باہمی جلت شروع ہوئی۔ قاسم کا نیزہ وہ رد کر

رہا ہے۔ قاسم اس کے ہاتھ کو خالی دے رہے ہیں۔ پھر بند باندھنے شروع ہوئے وہ باندھتا ہے قاسم کھول دیتے ہیں قاسم باندھتے ہیں وہ کھول دیتا ہے۔ امام کی نظر جو پڑی دیکھا کہ لخت جگر قاسم ایک پہلوان سے مقابل ہے گھبرائے اور جناب الٰہی میں اس کی فتح کی دعا فرمانے لگے۔ جب نیزہ بازی میں برابر کی چوٹیں رہیں تو ارزق نے تلوار سنبھالی۔ قاسم نے بھی تلوار اٹھائی۔ ارزق نے غور سے دیکھ کر کہا قاسم یہ تلوار میری ہے۔ تمہارے ہاتھ کہاں سے آئی۔ آپ نے فرمایا تیرا بیٹا یادگار میں دے گیا ہے۔ کہنے لگا۔ افسوس! میں نے یہ تلوار ہزار دینار میں خریدی تھی اور ہزار دینار دے کر زہر میں بجھوائی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ اسی کے شربت کا تجھے ذائقہ چکھاؤں گا پھر آپ نے تو رِیہ فرما کر ارزق سے کہا کہ ارزق تجھے ہم مرد نبرد آزما سمجھتے تھے۔ مگر تو انتہا درجہ کا ناتجربہ کار نکلا کہ گھوڑے کے تنگ تک کا ہوش نہیں وہ دھوکہ میں آیا اور جھک کر تنگ دیکھنے لگا۔ آپ نے للکار کر ایک ہی وار ایسا کیا کہ بجلی کوند گئی اور وہ ککڑی کی طرح دو ہو گیا۔ آپ اپنے گھوڑے سے اچھل کر ارزق کے گھوڑے پر جا بیٹھے اور اپنے گھوڑے کی باگ تھامی۔ خیمہ کی طرف حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ واعماہ۔ العطش۔ العطش۔ چچا جان! پیاس نے بہت پریشان کر دیا۔ اگر ایک پیالہ پانی کا مل جائے ابھی سب کو چٹکی میں مسل دوں۔

امام نے فرمایا۔ بیٹا عنقریب ساقی کوثر کے ہاتھ سے سیراب ہونا۔ تمہاری والدہ والدہ تمہاری جدائی میں بیتاب ہیں ؎

خرابیہاست اندر جانش از دست فراقِ تو
دلش پیوستہ می سوزد ز دردِ اشتیاقِ تو

پھر آپ خیمہ میں تشریف لائے دیکھا کہ اماں جان اور دلہن بیٹھی آنسو بہا رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ اے قاسم ؎

رفتی از دیدۂ و من بے سرو پایم بے تو
تو کجائی کہ ندانم کہ کجا یم بے تو

آپ سامنے پہنچ گئے اور فرمانے لگے۔ اماں جان صبر کیجئے۔ آپ کا قاسم حاضر ہے۔ آپ کے رونے سے اس دُلہن کا کیا ہو گا۔ آج نسیم بہجت وسرور ریاض قلوب پر بند ہے۔ شمیم فرح وسرور مشام ارواح میں ارباب مہر و محبت نہیں پہنچا سکتی۔ آج منظور ربی یوں ہی ہے کہ چمن زندگانی میں خزاں آئے اور گلشن کامرانی کملائے۔

غرض کہ سمجھا بجھا کر میدان میں آئے دیکھا کہ ابن سعد میدان میں تخت زریں پر ہے۔ سامنے علم نصب ہے دل میں ٹھانی کہ اس خبیث کو واصل جہنم کرنا چاہیئے اور اس علم کو سرنگوں۔ گھوڑا بڑھایا۔ مگر شیت نے اپنا کام شروع کیا۔ آخر چاروں طرف سے گھر گئے۔ جب ۲۷ زخم کھا کر کمزور ہو گئے۔ تو شیث بن سعد نے سینہ بے کینہ پر نیزہ مارا آپ زین سے زمین پر آئے اور پکارے یا عماہ ادرکنی امام اس آواز پر بیتابانہ دوڑے۔ لاش پر پہنچے دیکھا کہ قاسم خاک و خون میں آلودہ ہیں۔ اور شیث خبیث سر پر کھڑا چاہتا ہے کہ سر مبارک تن سے جدا کرے۔ آپ نے ایک وار میں اسی کا سر اڑا دیا اور قاسم کو لے کر خیمہ میں آئے۔ رمق جان باقی تھی۔ امام نے سر قاسم کا پہلو میں لے رکھا تھا اور زار زار رو رہے تھے۔ کہ آپ نے آنکھ کھولی۔ دیکھا کہ چچا کی گود میں ہیں۔ متبسم ہوئے اور نقد جاں جہاں آفرین پر تصدق کر کے سیارۂ بہشت بریں ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

قاسم کی شہادت قیامت آیت نے مخدرات اہلبیت میں ایک بے چینی پیدا کر دی تھی۔ جملہ حرم محترم زار زار روتیں اور لاش پر غش کھاتیں۔ اور زبان حال سے یوں کہتیں ؎

دریغا کہ پژ مردہ شد ناگہانی
گل باغ دولت بروز جوانی

دُلہن کی زبان پر سوائے شکر اور کچھ نہ تھا۔ دل بآواز یوں کہہ رہا تھا ؎

باحسرت ازیں جہاں فانی رفتی
ناخوردہ برے زندگانی رفتی

حضرت ابوبکر بن علی رضی اللہ عنہ

آپ کے بعد حضرت اُبوبکر بن علی رضی اللہ عنہ برادر امام خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ بھائی جان مجھے بھی اجازت دو تاکہ میں بھی اس دار مصیبت سے نجات پاؤں۔ امام نے ایک آہ سرد دل پُر درد سے کھینچی اور فرمانے لگے۔ اچھا خیر تم ایک ایک کر کے سب جاؤ۔ مگر اتنا بتا جاؤ کہ مجھے کس پر چھوڑے جا رہے ہو۔ رو کر عرض کرنے لگے۔ بھائی جان آج آپ کے قابل میرے پاس سوائے جان کے کوئی تحفہ نہیں ہے۔ سب اپنی اپنی جانیں حضور پر صدقہ کر رہے ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ جو کچھ کر سکتا ہوں اس سے دریغ نہ کروں ؎

امروز کہ یار من مرا مہمان است
بخشیدن جان و دل مرا ایمان است

دل خطرے نیست سخن در جانست
جان افشانم کہ روز جاں افشانست

غرض کہ امام ہمام نے مجبور اجازت دی۔ آپ میدان میں تشریف لائے اور رجز پڑھنے لگے۔ جس کا ترجمہ ابو المفاخر نے یہ کیا ہے ؎

شاہ برادر من است اختر آسمان دین
مہتر و بہتر زمان قبلۂ و قدوۂ زمین
لالۂ روضۂ صفا گلبن باغ آصفی
چشم و چراغ مصطفےٰ امیر و امام یاد سین
گوہر کان اجتبٰی مہر و سپہر اہتدٰی
طرۂ نشان طاوہا چہرہ کشائے یا و سین
من نہ برادریم خادم و چاکر ویم!
پیش دو دیدۂ شما خار جہان تیز دین
تحفہ جان و دل بکف آمدہ ام در رہش
دیدہ و رخ بر آستان تیغ و کفن در آستین

اس کے بعد آپ نے مبارز طلب کیا۔ مگر کسی میں تاب مقابلہ نہ تھی جو آتا۔ آخر خود صفوف اشقیا میں گھسے اور کافی اشقیا جہنم میں پہنچائے۔ اس گھمسان میں آپ کے اکیس کاری زخم آئے۔ آخرش قدامہ موصلی خبیث یا بروایتے دیگر عبد اللہ بن عقبہ غنفری یا زخیر بن بدر نخعی خبیث کے تیر نے آپ کو نڈھال کیا اور آخر کار ؎

رخت ازیں منزل فانی بربست
بطرب خانۂ جاوید نشست

بہشت بریں سدھارے۔ امام لاشۂ مبارک کو خیمہ میں لائے اور شہداء ناز کے ہم پہلو سلا دیا۔

حضرت عمرو بن علی میدان میں

اِس کے بعد حضرت عمر بن علی دوسرے بھائی امام ہمام کے باجازت امام میدان میں آئے اور فرمانے لگے ؎

ما عافیت نثار رہ درد کردہ ایم
جاں را بمن یزید عدم فرد کردہ ایم
زیں بحر آب گوں چو کسے آب خوش نخورد
دل را ز آب خوردجہاں سرد کردہ ایم

پھر وہ محاربہ و مقاتلہ فرمایا کہ اشقیا کے دانت توڑ دیئے آخرش بہشت بریں کو سدھارے۔

بعض کا قول ہے کہ آپ اس جنگ میں شریک نہ تھے اور اکثر علماء اسی قول کی تصحیح فرماتے ہیں مگر مشہور یہی روایت ہے کہ آپ کربلا میں شہید ہوئے۔

حضرت عثمان بن علی میدان میں

پھر آپ کے تیسرے بھائی حضرت عثمانؓ بن علی اجازت لے کر میدان میں رونق افروز ہوئے۔ اور اس طرح رجز پڑھنے لگے ؎

آمدہ عثمان بجنگ تیغ یماں درمیں
خوردہ بقتل شما پیش برادر میں

شامی مدیر چرا تیغ کشد بر حسین
نیست دلش را مگر دیدۂ انصاف بین
صبح شہادت دمید وقت صبوح من است
مست شوم دمبدم از قدح حورعین

پھر کافی حرب وضرب فرما کر سرتاپا زخموں میں چور ہو کر یزید ابطحی کے ہاتھ سے اپنی شمع حیات اور چراغ دودمان ولایت کو باد اجل سے منطفی فرمایا اور وہ گنج زواہر معالی دم کے دم میں زیر خاک فوات مختفی ہو گیا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

رفت و کحل روشنی در چشم عالم بیں نماند
برگ عیش و کامرانی در دل غمگیں نماند

حضرت عون بن علی میدان میں

پھر حضرت امام کے چوتھے بھائی حضرت عون بن علی جو ایک حسین وجمیل جوان تھے امام ہمام سے اجازت حرب لے کر میدان میں آئے اور مبارز طلب ہوئے۔ ابن الاجار خبیث دو ہزار روسیاہ اشقیا کے ساتھ مقابلہ میں آیا۔ آپ نے وہ جوہر شجاعت دکھایا۔ کہ تھوڑی دیر میں سب کو درہم برہم کر دیا۔ بچے کھچے اپنی جان لے کر بھاگ پڑے۔

آپ واپس امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ امام نے جو جسم اطہر زخموں میں چور دیکھا فرمایا۔ بھائی عون۔ اب تم خیمہ میں آرام کرو۔ تم نے اپنی شجاعت کے جوہر علی وجہ الکمال

دکھا دیئے قدموں میں گر گئے اور عرض کرنے لگے ۔ بھائی جان! ناناجان کی خدمت میں حاضر ہو جانے کے قابل ہو جانے دیجئے۔ پیاس کی شدت سے ویسے بھی جاں بلب ہوں ۔ یہاں رہ کر بھی جینا مشکل ہے پھر اس سعادت سے کیوں محروم رکھا جاؤں ۔ امام بہت روئے ۔ پھر فرمایا ۔ بھائی گھوڑا بدل لو کہ وہ زخموں سے اس قدر چور ہے کہ اس کی ہمت اب سواری دینے کی نہیں ہے ۔ اباجان نے تمھیں اسپ ادہم دیا تھا ۔ وہ کسوالو اس پر سوار ہو کر جاؤ۔ بہ تعمیل ارشاد امام گھوڑا کس کر لایا گیا آپ اس پر سوار ہو کر میدان میں آئے ۔ نیزہ رومی آپ کے دستِ اقدس میں تھا ۔ اُسے ہلا کر مبارز طلب ہوئے ۔ اشقیا میں شور ہو گیا ۔ کہ لو ہی عون پھر آ رہے ہیں ۔ ہم تو سمجھے تھے کہ مر گئے ہوں گے ؎

چہ آفت است کہ باز ایں سوار پیدا شد
کدام سرو ز بالائے زین ہویدا شد

صالح بن سیار کی جونہی نظر آپ پر پڑی ۔ آگ بگولا ہو گیا ۔ اس کو آپ سے پرانی دشمنی تھی اور وہ یہ کہ زمانۂ خلافت مولیٰ علی شیر خدا میں یہ صالح شراب میں چور گرفتار لایا گیا تھا ۔ مولیٰ علی شیر خدا نے حضرت عون کے ہاتھ سے اس کے اسی درّے لگوائے تھے ۔ اسی دن سے اس کے دل میں آپ کی طرف سے کینہ بیٹھا ہوا تھا ۔ آج اس نے انتقام کا موقعہ پا کر آپ کو گالیاں دینی شروع کیں ۔ آپ کو اس کی یاوہ گوئی پر غصہ آیا آگے بڑھے اور فرمایا خبیث کیوں زندگی سے بیزار ہے ۔ اس نے لپک کر آپ پر حملہ کیا ۔ آپ نے اس کے وار کو خالی دے کر نیزہ مارا جو حلق سے پار ہو گیا ۔ یہ تو واصل بجہنم ہوا ہی تھا ۔ کہ میمنہ اور میسرہ سے

دو ہزار فوج نے آپ کو نرغہ میں لے لیا۔ مگر آپ دلیرانہ حملہ فرماتے رہے۔ آخرش یہ شیر نامدار بھی جراحتہائے شمشیر جفا شعار سے زخموں میں چور ہو چکا تھا۔ نیزۂ خالد بن طلحہ کا زخم کاری لگا۔ اور آپ زین سے زمین کیطرف تشریف لائے گرتے وقت زبان مبارک پر یہ لفظ تھے بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ پھر آپ نے آواز دی۔ اے بھائی جان۔ اے ابن رسول اللہ۔ آپ ہی کی محبت میں دنیا میں آیا تھا اور آپ ہی کا عشق لے جا رہا ہوں۔

گر سرم خاک گشت بر درِ تو
باد جانا سعادت سرِ تو

بعدازاں آپ کے پانچویں بھائی حضرت جعفرؓ بن علی روتے ہوئے اجازت لینے آئے۔ مجبوراً امام نے اجازت دی۔ آپ میدان میں تشریف لائے اور داد شجاعت دے کر بہشت بریں سدھارے۔

اے عمت اصل شادمانیہا
وصل تو اصل کامرانیہا
میروم گو تہائے غم بر دل
می برم از درت گرانیہا

بھائی جان! اجازت دیجئے۔ بھائیوں کی جدائی کی تاب نہیں۔ بغرض کہ بعد رد و کد بسیار اجازت لے کر میدان میں آئے اور محاربہ فرمانے لگے۔ ایک سو ستر اشقیا جب واصل جہنم فرما چکے تو ہانی بن ثوبیب حضرمی کے نیزہ سے جام شہادت نوش فرما کر سیارۂ بہشت بریں بنے۔

نجات یافت ازیں دامہائے رنج و عنا
نزول کرد بگلزار جنت الماوے

حضرت عباس علمدار کی میدان میں شجاعت

اب ساتویں بھائی حضرت عباس علمدار لشکر کی باری آئی ؎

ہوا غل فوج اعدا میں کہ بھاگو اشقیا بھاگو
کہ اب عباس علمبردار خود میدان میں آتا ہے

آپ نالاں وگریاں خدمت امام میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے ؎

کایا برادران و عزیزاں کجا شدند
در دشت کربلا ہمہ از ہم جدا شدند

اپنا سر امام کے قدموں میں جھکایا اور عرض کرنے لگے۔ بھائی جان! اب مجھ سے ننھے بچوں کا بلکنا نہیں دیکھا جاتا۔ للہ اجازت دیجئے تاکہ اشقیا کو اول سمجھاؤں۔ اگر کچھ پانی دے دیں فہو المراد۔ ورنہ پھر جیسے بنے لاؤں۔ امام ہمام زار زار رونے لگے کہ بھائی علمدار لشکر تم ہی ہو۔ تمہارے بعد علم کون اٹھائے گا۔ اور میرے قلب مجروح پر مرہم کون لگائے گا۔ عرض کرنے لگے اے ابن رسول اللہ۔ میری جان آپ پر نثار۔ خدا کی قسم دنیا سے تنگ آگیا ہوں۔ اب یہی چاہتا ہوں کہ چلتے چلتے کچھ خدمت حرم کرتا جاؤں اور یہاں سے رخصت ہو جاؤں۔ آخرش امام کو مجبوراً اجازت دینی پڑی۔ آپ مبارز نامدار اور شجاع ذی الاقتدار تھے۔ قوت بازو حیدر کرار سے میراث میں پائی تھی اور بہت سے معرکے دیکھ چکے تھے۔ للکارتے ہوئے اور تیغ مصری چمکاتے ہوئے رزمگاہ میں تشریف لائے۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے
ہر قصرِ سلاطینِ زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوتے پر کو
کیا شان ہے اللہ رے ضیاء رخِ انور
کیا نور ہے جس نور سے ڈھالیں تھیں منور
بس دامنِ صحرا پہ گری نور کی چادر
جن آنکھ بچھانے لگے ہر ایک قدم پر
دکھلائے جوانی کے چلن جب کبھی رک کر
سینہ سے لگایا فلکِ پیر نے جھک کر

ابن سعد نے آپ کو آتے دیکھا۔ تو اپنے لشکر کو کہا کہ اب ذرا ہوشیاری میں رہنا اس لئے کہ ؎

آتا ہے خبردار اب عباس علم دار
ناگاہ زمیں رن کی ہوئی مطلع انوار
ہر چار طرف سے یہ اُٹھا غلغلہ اک بار
ہوشیار خبردار! خبردار! خبردار
اے صلِّ علےٰ کیا پسرِ شیرِ خدا ہے
یہ شیرِ خدا گر نہیں شمشیرِ خدا ہے

صحرا ہوا پر نور زہے طلعت عباس
لرزہ ہے دلیروں میں زہے ہیبت عباس
ملتا ہے مزہ دل کو زہے صورت عباس
کیا حسن ہے کیا جاہ زہے شوکت عباس

بازوئے حسین آتا ہے شمشیر زنی کو
یا شیر خدا آتے ہیں خیبر شکنی کو

بولا کوئی حبا لا کئی رہوار تو دیکھو
بجلی کی تڑپ گرد ہے رفتار تو دیکھو
ایک کہنے لگا شان علمدار تو دیکھو
شان ایک طرف جلوۂ رخسار تو دیکھو

کس قہر سے ایک ایک کو للکار رہے ہیں
کس پیار سے رہوار کو چمکار رہے ہیں

عمر سعد نے گھبرا کر شمر کو بلایا اور کہا تمام لشکر مخواہ از عباس ہے ہر کس و ناکس کی زبان پر ثنا رعباس ہے یہ موقعہ لڑائی کا نہیں۔ بہتر صورت یہ ہے کہ تو جا اور ہاتھ باندھ کر کچھ اس طرح سمجھا کہ وہ ہم سے راضی ہو جائیں ؎

یاں خنجر و شمشیر کا موقع نہیں اصلا
اب جوہر شمشیر زباں کچھ ہمیں دکھلا
منت سے سماجت سے علمدار کو سمجھا
جس بات پہ راضی ہوں انھیں فوج میں لے آ

اب لشکر شبیر میں باقی یہ جری ہے
پھر خاتمۂ جنگ حسین ابن علی ہے

یہ سُن کے کہا شمر نے دشوار ہے یہ کیا
عباس علمدار ہے تو ہے بھانجہ میرا
یہ کہہ کے وہ اس خیمہ سے ہنستا ہوا نکلا
لشکر سے کہا شاد ہو بر آئی تمنا
اَب قتل فقط کیجیو تم سبطِ نبی کو
میں جا کے لئے آتا ہوں عباس علی کو
یہ کہہ کے چلا جانب عباس وہ جلاّد
یاں ہو گئی آنکھوں میں رگِ ہاشمی استاد
عباس ہلانے لگے نیزہ بدلِ شاد
کی شعلہ صفت کانپ کے یہ شمر نے فریاد
میں جانتا ہوں زور میں تم شیر خدا ہو
میں ایلچی فوج ہوں مجھ پر نہ خفا ہو
عباس نے فرمایا کہ اے شمر ستمگر
مسلم بھی تو تھا ایلچی سبطِ پیمبر
کیوں اس کو کیا کوفیوں نے ظلم سے بے سر
ہے عیب و غا تم میں۔ وفا اپنا ہے جوہر
لے کہ تو وہ پیغام ہے کیا فوج لعین کا
پر نام حقارت سے نہ لینا شہِ دین کا
یہ سُن کے زمین بوس ہوا شمر بدایماں
اور بولا کہ اے وارثِ تیغِ شہِ مرداں

یاں خورد کلاں آپ کے ہیں تابع فرماں
آؤ جو ادھر کو تو بڑا مجھ پہ ہو احساں
نے آپ سے مطلب ہے نہ اکبر سے غرض ہے
ہم کو تو سرِ سبطِ پیمبر سے غرض ہے
جس وقت یہ کی شمرِ ستمگار نے گفتار
تھرانے لگا صورتِ خورشید علمدار
اور میان سے شمشیر نکل آئی کئی بار
فرمایا کہ خاموش ہو اے کافرِ مکّار
گو خنجرِ کیں حلق پہ سو بار پھرے گا
سردار سے لیکن نہ علمدار پھریگا

اور آپ نے غصّہ میں آکر اس کی طرف نیزہ چمکایا وہ خبیث سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگا آپ نے فرمایا بے ایمان یہاں بھی ایلچی بن کر جان بچا گیا۔ ورنہ ابھی جہنم پہنچا دیتا۔ پھر آپ نے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر یہ رجز پڑھا۔

میں سایۂ چشم پسرِ شیرِ خدا ہوں
بھائی ہے جدا مجھ سے نہ میں اُن سے جدا ہوں
شہ قبلۂ ایماں ہیں تو میں قبلہ نما ہوں
وہ خاتمِ قدرت ہیں تو میں نقشِ وفا ہوں
میں ہوں جو سوئے قبلۂ دیں عینِ شرف ہے
جو قبلہ نما ہے سو وہ قبلہ کی طرف ہے

ابن سعد نے شمر سے سب حال سُن کر ابن زیاد کو لکھا کہ لشکر تمام ہیبت عباس سے تہ و بالا ہے۔ چنانچہ اُس نے پنتیس ہزار لشکر اور بھیجا۔ عباس ۔۔!

لشکر کی کثرت دیکھی بپھر اگئے اور نیزہ ہلا کر فرمانے لگے۔

اعدا کو سنا کر کہا کون آتا ہے دیکھیں
نیزہ کو ہلا کر کہا کون آتا ہے دیکھیں
تیروں کو ملا کر کہا کون آتا ہے دیکھیں
شمشیر دکھا کر کہا کون آتا ہے دیکھیں
ہم شیر ہیں ہم کو کوئی للکار سکے گا
تلواریں تو کیسی؟ کوئی دم مار سکے گا
ہاں مجھ کو رکھو یاد میں حیدر کا پسر ہوں
اور باغ نبوت کے شجر کا میں ثمر ہوں
میں دیدۂ ہمت کے لیے نور نظر ہوں
پیاسا ہوں مگر ساقی کوثر کا پسر ہوں
واللہ میری ضرب طمانچہ ہے بلا کا
دلبند ہوں میں شیر خدا شیر خدا کا
اُف کر دوں تو سب فوج کے نیزے ابھی جھک جائیں
پھل برچھیوں کے شمع کی مانند پگھل جائیں
تلواریں تڑپ کر ابھی قبضوں سے نکل جائیں
اور تم کو نیام اژدہے بن بن کے نگل جائیں
پرواز کریں تیر پرندوں کی طرح سے
پھنس جاؤ کمانوں میں کمندوں کی طرح سے
ہوشیار ہو میں فاطمہ اطہر کا پسر ہوں
سقائے حرم ساقی کوثر کا پسر ہوں

میں شیرِ خدا قاتلِ انتر کا پسر ہوں
عباس میرا نام ہے حیدر کا پسر ہوں
پانی کے لیے آیا ہوں تم روک تو دیکھو
شیروں کی لڑائی ہے ذرا ٹوک تو دیکھو

غرض کہ آپ اپنے مرکب تیز پائے آہن خائے رعد صدا برق نما کو ایڑ دے کر شمشیر دو دم مصری اور سپر مکّی غوری سجائے ہوئے آگے بڑھے

برقے گرفتہ در کف وابرے بہ پیش روئے
ماہے نہادہ بر سر و چرخے بزیر ران

اور اس زور شور سے چلے کہ ہوا کا منہ تراکم غبار سے پھیر دیا اور صحن کربلا کو اپنے حسن و جمال سے مثل عرصہ گلستان کے منور و مزین فرماتے ہوئے ایک مقام پر ٹھہرے اور فرمانے لگے اے بیدینو! خوف خدا کرو۔ یہ سید و سرور فرزند ستودہ پیمبر ہیں۔ جن پر تم نے پانی بند کر دیا ہے۔ مان جاؤ اور تھوڑا پانی دیدو۔ قیامت کے دن ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم پر کوئی نالشی نہ ہوگا۔ اور ہمیں اجازت دیدو کہ کہیں چلے جائیں۔ مکہ۔ مدینہ بلکہ قرب عرب و ولایت حجاز کو بھی ہم چھوڑ جائیں گے۔ کبھی لوٹ کر ادھر نہ آئیں گے۔ اس پیغام جگر سوز نے فوج اشقیا میں ایک سنسنی پیدا کر دی کوئی زار زار رو رہا تھا۔ کوئی خاموش تھا۔ کوئی ابن زیاد کو گالیاں دے رہا تھا کہ شمر ذی الجوشن۔ شیث ربعی اور حجر بن الاجار آگے بڑھے اور کہنے لگے۔

اے برادر ابو تراب اپنے بھائی سے کہہ دیجئے کہ تمام درخواست منظور ہے مگر اس شرط پر کہ یزید کی بیعت کر لو اور بصورت عدم بیعت ایک قطرہ کی ہم سے امید نہ رکھو۔

آپ واپس خیمہ میں تشریف لائے۔ اور امام سے جفا کی سرکشی ظاہر کی۔

امام متبسم ہوئے اور فرمانے لگے۔ خیر اپنا کام اتمام حجت تھا اب ہم پر کوئی بار نہ رہا۔ اور جو ہونا ہے وہ ضرور ہوگا۔ کہ اتنے میں خیمہ سے آواز العطش آنی شروع ہوئیں آپ خیمہ میں تشریف لے گئے تو دیکھا شدت تشنگی سے ننھے ننھے بچے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ پیاس کی وجہ سے زبانیں باہر آرہی ہیں۔ آپ سے ضبط نہ ہوا۔ مشک کاندھے پر رکھی۔ اور مرکب برق رفتار پر سوار ہوئے اور امام کی خدمت سے رخصت ہوئے اور عرض کی حضرت ابھی پانی لاتا ہوں۔ ان کتوں کی قوت کا اندازہ بھی دیکھتا ہوں۔

روایت ہے کہ ساحل فرات پر چار ہزار شقی محافظ تھے۔ ان میں دو ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار تھے جب آپ ساحل کی طرف چلے یہ سب مانع ہوئے۔ آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو یا کافر؟ سب کہنے لگے مسلمان۔ آپ نے فرمایا۔ مسلمان کو یہ کب روا ہے کہ سؤر۔ کتے۔ چرند۔ پرند سب اس پانی سے سیراب ہوں اور فرزندان مصطفےٰ جگر گوشگان فاطمہ زہرا پیاسے تڑپاتے جائیں۔ اس کا مزہ تمھیں قیامت کے دن آئے گا جب تم پکارتے آؤ گے ؎

ماہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات
لطف فرما کہ زحد میگزرد تشنہ لبی

بجائے اس کے کہ شرماتے منفعل ہوتے۔ پانچ سو اشقیا نے یکبارگی آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے جب اس طرف سے پیش دستی دیکھی۔ نیزہ اٹھایا س

بس میان سے شمشیر دلاور نکل آئی
مچھلی دہن مار سے باہر نکل آئی
کس حسن سے شمشیر تڑپ کر نکل آئی
بجلی سی گری فوج کے اندر نکل آئی

اک ضرب سے جانوں کی لعینوں کی پڑی تھی
دینے کے لیے داد قضا آن کھڑی تھی
بجلی سی چمک کر جو صف جنگ سے نکلی
فریاد کی آواز دل سنگ سے نکلی
اسوار کے سر پر جو گری تنگ سے نکلی
سینہ میں در آئی تو عجب رنگ سے نکلی
چھوڑا ہے جسے مقتل میں لہو چاٹ کے چھوڑا
پایا ہے جسے اس تیغ نے سر کاٹ کے چھوڑا
جس شامی کے شانہ پر گری شانہ جدا تھا
پہونچی تک آ پہنچی تو دستانہ جدا تھا
تکبیر خدا نعرۂ شیرانہ جدا تھا
اپنوں سے ہر اک صورت بیگانہ جدا تھا
اس جنگ میں بھائی کو نہ بھائی کی خبر تھی
ہاں تھی تو سر و تن کی جدائی کی خبر تھی
جناتوں میں غل تھا کہ سلیماں ہے سلیماں
کہتے تھے وہ رومی ہے یہ اسکندر دوراں
مصری یہ جھگڑتے تھے کہ ہے یوسف کنعاں
کہتے تھے یہودی کہ ہے یہ موسیٰ عمراں
عیسائی رکھے دست سلام اپنے جبیں پر
کہتے تھے کہ عیسیٰ اتر آتے ہیں زمیں پر

تھوڑا سا جو باقی رہا لشکر وہ قضا را
اعجاز و کرامت نے نقیبانہ پکارا
اے سامریو کلمہ پڑھو جلد خدا را
باطل ہوا جادو کی طرح دین تمھارا
بھاگو ارے بھاگو یہ شجاع ازلی ہے
شبیر جو موسیٰ ہیں تو ہارون ولی ہے

اور اسیّ خبیث ایک ہی حملہ میں جہنم پہنچا دیئے۔ باقی جان بچا کر بھاگے۔ سواروں نے اپنے گھوڑے پانی میں کودا دیئے۔ آپ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے سہ

عباس علی است شیر غازی
از بیشۂ خیر و حجازی
آوردہ بزیر ران او داد ست
آب یمنی و باد تازی
سر می بازم مگر کہ یابم
نزدیک خدا تے سرفرازی
بر آل نبی سپاہ کشیدن
کار یست کہ نیست کار بازی
غافل مشوید ازاں کہ نبود
بیہودہ سخن بدیں درازی

فوجی نیزہ کے ڈر اور خوف تلوار سے دور دور بھاگ گئے۔ حتیٰ کہ آپ پانی پر پہونچ گئے چاہتے تھے کہ مشک پُر کریں کہ ایک ہزار

نے پھر گھیر لیا۔ آپ نے پھر انہیں للکارا۔ کتوں کی طرح بھونکتے ہوئے پھر بھاگ گے آپ نے مشک پانی سے پُر فرمائی۔ کندھے پر رکھی۔ چلو میں پانی لے کر چاہا کہ تھوڑا پیوں۔ مگر تشنگی اہلبیت یاد آگئی۔ پانی پھینک دیا اور قسم کھائی کہ سیرابی اہلبیت سے قبل ایک قطرہ بھی پینا مجھے حرام ہے۔ پھر اپنے مرکب کو حکم دیا کہ تو پی لے۔ اس نے زبان حال سے عرض کی کہ حضور اگرچہ حیوان ہوں۔ مگر آپ کے فیض صحبت نے یہ حس مجھے دی ہے کہ اہلبیت کے مقابلہ میں اپنی پیاس کی کوئی حقیقت نہ سمجھوں۔ مجھے بھی تب تک ایک قطرہ آب بھی حرام ہے۔ جب تک اہلبیت حرم سیراب نہ ہوں۔ اللہ اللہ! یہ فیض صحبت امام کا اثر تھا۔ مولانا نے سچ فرمایا ہے ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

حدیث صحیح میں علی الاطلاق ارشاد ہے لِلصُّحْبَةِ تَاَثُّرٌ وَلَوْ كَانَ سَاعَةً۔ صحبت میں بہت اثر ہے اگرچہ وہ ایک ساعت ہی کی ہو۔

غرض کہ رہوار اور عباس علمدار دونوں پیاسے مشک پانی کی پُر کر کے دوش اقدس پر لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں جو شقی حائل ہوا اسے کاٹتے صفحۂ ہستی سے مٹاتے قریب خیمہ کے پہنچے تھے کہ نوفل بن ارزق خبیث نے قریب پہنچ کر دایاں بازوئے اقدس کاٹ دیا۔ آپ نے بلاخوف وخطر بعجلت تمام بائیں کاندھے پر مشک رکھ لی اور یہ رجز پڑھا

وَاللّٰهِ لَوْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِيْ
لَاَحْمِيَنَّ مُجَاهِدًا عَنْ دِيْنِيْ

وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقٍ اَمِیْنٍ
سِبْطِ النَّبِیِّ الطَّاہِرِ الْاَمِیْنِ

اس کا ترجمہ کسی نے خوب کیا ہے

اگر کاست دشمن ز من دست راست
ز دین و ز مردیم چیزے نکاست
ز تیغ نیندیشم از مرگ ہیچ
کہ بے آب برگشتن از من خطاست
اگر آب یابم دگر نہ کنوں
سر اندر سر آب کردن رواست

خبیث نے پیچھے پیچھے آکر بایاں بازو بھی کاٹ دیا۔ آپ نے پھرتی سے مشک کو کندھے سے لے کر دانتوں میں تھام لیا اور فرمایا

یَا نَفْسُ لَا تَخْشٰی مِنَ الْکُفَّارِ
وَابْشِرِیْ بِرَحْمَۃِ الْغَفَّارِ
مَعَ النَّبِیِّ سَیِّدِ الْاَطْہَارِ
قَدْ قَطَعُوْا بِبَغْیِہِمْ یَسَارِ
وَقَدْ طَغَوْا اَہْلُ الْبَغْیِ الْکُفَّارِ
فَاَصْلِہِمْ یَا رَبِّ حَرَّ النَّارِ

حَرَّ

کہ ناگاہ ایک خبیث نے تاک کر ایسا تیر چھوڑا کہ سینہ سے پار ہو کر مشک کو چھید گیا اور پانی اس طرح گرا کہ تشنگانِ حرم کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ آپ کے آنسو نکل پڑے اور دربار الٰہی میں عرض کرنے لگے کہ خدایا اس میں کون مصلحت تھی کہ تشنگانِ حرم کے حلق تک پانی نہ پہنچنے

دیا۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے آیا ہُوا پانی بہوادیا۔ غیب سے آواز آئی کہ عباس!

بآب شور جہاں تر مکن لب ہمت
کہ شربت تو مہیاست از شراب طہور
بریں مفیق فنا دل منہ کہ جائے دگر
برائے عشرت تو برکشیدہ اند قصور

اِدھر ہاتھوں کے کٹنے سے کمزوری اُدھر سینکڑوں زخم تیروں کے جسم پر تھے مگر آپ کی ہمت مشک سے بندھی ہوئی تھی۔ پانی اِدھر گرا۔ آپ گھوڑے سے اِدھر گرے اور پکارے یا اخاہ ادرک اخاک بھائی جان اپنے جان نثار بھائی کی لاش اُٹھا لے جائیں۔ امام اس آواز پر بیتابانہ چلے اور اپنے علمدار کی لاش پر پہنچے۔ دیکھا کہ عباس سیارہ فردوس بریں ہو چکے ہیں۔ ایک آہ سرد دل پُر درد سے اس زور کی کھینچی کہ زمین کربلا میں لرزہ آگیا

پیر گردوں زیں مصیبت جامۂ جاں چاک زد
خسروے انجم کلاہِ خسروی بر خاک زد
قامت گردوں دوتا و چہرۂ مہ شد سیاہ
برق ایں آتش مگر بر قبۂ افلاک زد

آپ لاشۂ عباس کو خیمہ میں لائے اور زبان مبارک پر یہ جملہ تھا اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَهْرِیْ وَقَلَّتْ حِیْلَتِیْ اب میری پشت شکستہ ہوگئی اور سہارا گیا

رفت آں ماہ و من بے چارہ گشتم
ز کوئے خوش دلی آوارہ گشتم

ایک روایت میں ہے کہ محمد بن انس شہزادہ کے آگے کھڑے تھے۔ جیسے انہوں نے آواز عباس سنی دوڑے اور لاش عباس پر پہنچے دیکھا کہ جفاشعار قوم نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر رکھا ہے۔ اور جسم مطہر کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ اتنے میں سر مبارک کو نیزہ پر اٹھا کر خبیث اپنے لشکر سے جا ملے۔ داوہم بشہیدان دگر ملحق شد۔ غرض کہ حضرت عباس کی شہادت کا امام کو اس قدر صدمہ ہوا جو بیان سے باہر ہے

چلائے گر کے لاش پہ شبیر نامدار
بھائی تمہاری نرگسی آنکھوں پہ میں نثار
اس نرغہ میں بھی تھا تمھیں بھائی کا انتظار
آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو مجھ کو بار بار
شاید زباں ہے بند جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں
بے تاب ہے حسین برادر جواب دو
اے میرے نوجواں مرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبط پیمبر جواب دو
اے نور چشم ساقی کوثر جواب دو
لکنت زباں خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
بھائی تمہارے سر کی قسم ہم تمام ہیں
سن لو تمھیں دیا ہے سکینہ کے کچھ پیام
ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آئے وہ تشنہ کام

جنبش ہوئی لبوں کو بھتیجی کا سُن کے نام
کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بیقرار تھا
مولیٰ تمہاری دید کا بس انتظار تھا
منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہ خوشخصال
کیوں چپ ہوئے کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
ان سوکھے ہونٹوں پہ صدقے علی کا لال
بھائی مدد کو آتے ہیں اب شیر ذوالجلال
رُخ کیوں ہے زرد کون سی ایذا گزرتی ہے
کیوں دم بدم کراہتے ہو کیا گزرتی ہے
گودی میں ہے مرے دم آخر تمہارا سر
اور پائینتی جوان بھتیجہ ہے نوحہ گر
گزرے گی ہم پہ جو تمھیں اس کی بھی ہے خبر
سینہ پہ ہوگا تیغ لیے شمر بدگہر
شمشیر حلق خشک پہ چلتی ہے کس طرح
دیکھیں ہماری روح نکلتی ہے کس طرح
یہ بات سُن کے نزع میں عباس تھرتھرائے
قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہکے آئے
دو بار سر پٹک کے پکارے کہ ہائے ہائے
پرخوں وہ سن حسین کے قدموں کے پاس لائے

ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا
اکبر پکارے ہائے چچا بھی گزر گئے
رو کر حسین بولے کہ بھائی کدھر گئے
منہ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے
واحسرتا حسین کو بے آس کر گئے
اب کون دیگا دکھ میں نبی کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ
اے شیر صف شکن اے میرے نوجواں
پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
شیر خدا کا آج جہاں سے مٹا نشاں
تم کو حسین جانتا تھا اپنے تن کی جاں
تیغوں میں اب سپر نہیں بھائی کے ہوتے ہو
بازو کٹائے شیر سے دریا پہ سوتے ہو

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اب فقط تین صاحب۔ ادے اور خود بدولت کے سوا لشکر میں کوئی ایسا نہیں ہے جو امام ہمام کی مصیبت سُنے اور غم غلط کرے۔ علی اکبر آج ۱۸ برس کے سن عین شباب کے دن میں ہیں۔ علی اصغر طفل شیر خوارہ ششماہہ ہیں۔ زین العابدین بستر بیماری پر دراز ہیں۔

آخرش مایوس ہو کر خود عزم میدان فرمایا۔ مرکب برق رفتار پر سوار ہوئے تھے کہ علی اکبر ہم شکل پیغمبر خدمت میں حاضر ہو کر قدموں میں گر

گئے اور روکر عرض کرنے لگے۔ ابا جان وہ گھڑی خدا نہ دکھائے جو میرے سامنے حضور کا چہرۂ زیبا خاک و خوں میں ملے۔ اس ساعت سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ جو آپ کے سایہ بغیر مجھ پر آ ئے۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ آپ شہید ہوں گے مگر اتنا توقف فرمائیے کہ پہلے میں جام شہادت پی لوں۔ ابا جان! جس طرح گود میں لے کر پیدائش کے وقت تکبیر و اذان دی تھی۔ اسی طرح اب گود میں لیکر جنازہ بھی پڑھ لیجئے۔ مختصر یہ کہ چاروں طرف سے حرم محترم نے آکر گھیر لیا اور مجبور حضرت علی اکبر کو رکنا پڑا۔ علی اکبر کی طرف سے جب امام بیفکر ہو گئے۔ اور خود سلاح جنگ آراستہ فرما رہے تھے کہ حضرت عباس کے دو صاحبزادے چاند کے ٹکڑے لخت جگر حزیں سامنے آ گئے۔

حضرت ابن العباس

ایک کا نام ابن العباس[۱۳] اور دوسرے قاسم ہیں۔ عرض کرنے لگے۔ چچا جان ابھی آپ نہیں جا سکتے پہلے ہم نثار ہوں گے۔ امام نے رو کر فرمایا کہ جان عم۔ بس یہ کافی ہے کہ تمہارے باپ کی جدائی کا داغ مجھے لگا۔ وہ عرض کرنے لگے واللہ یا عمّا بل انفسنا لک الفدا ائذن لنا خدا کی قسم اے چچا! ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں گی۔ ہمیں اجازت دیجئے۔ غرضکہ اجازت حرب لے کر پہلے ابن عباس میدان میں آئے اور اشقیا کے آگے کھڑے ہو کر یہ رجز پڑھا

اُقْسِمُ لَوْ كُنْتُمْ لَنَا اَعْدَادًا
وَمِثْلُكُمْ وَ كُنْتُمْوا فُرَادیٰ

یَا شَرَّ جِیْلٍ سَکَنُوا الْبِلَادَا
وَ شَرَّ قَوْمٍ اَظْهَرُ الْفَسَادَا
سَنَتْرُكُ جَمْعَكُمْ شَرَدَا
وَتَرْمِی الرُّؤُسَ عَنِ الْاَجْسَادِ

پھر اس قدر مقاتلہ فرمایا کہ دوسو پچاس سوار واصل جہنم کیئے پھر مسلم خولانی ایک پیلتن نبرد آزما نے بیڑا اٹھایا کہ میں اس لڑکے کو قتل کرونگا۔ چنانچہ وہ خبیث ایک جماعت کے ساتھ حملہ آور ہوا اور آپ کو زخمی کیا۔ جب ہر بن مُو سے خون کے فوارے بہنے لگے۔ تو آپ پکارے یا عماہ ادھکنی امام لاشہ پر آئے دیکھا کہ جسم مبارک زخموں سے چور ہے۔ آپ زار زار روتے ہوئے لاشہ کو خیمہ میں لائے اور ۱۹ سال کی عمر میں بہشت بریں پہنچے۔

ان کے بعد دوسرے بھائی قاسم بن عباس حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یاعم لاحیاۃ لی بعدہ چچا آپ کے بعد زندگی بیکار ہے آخر اجازت لے کر میدان میں آئے اور یوں فرمایا۔

اِلَیْکُمْ مِنْ بَنِی الْمُخْتَارِ ضَرْبًا
یَشِیْبُ لِهَوْلِهِ الطِّفْلُ الرَّضِیْعُ
اَلَا یَا مَعْشَرَ الْکُفَّارِ جَمْعًا
بِکُلٍّ مِنْهُمْ خَشَبٌ قَطِیْعٌ

پھر آپ مبارز طلب ہوئے مگر کوئی نہ آیا۔ آخر ش خود صفوف اشقیا میں گھسے اور آٹھ سو واصل جہنم فرما کر امام کی طرف آئے اور پیاس کی شکایت فرمائی۔ امام نے فرمایا بیٹا صبر کرو۔ عنقریب اپنے نانا سے

کوثر پینا۔ اس خوش خبری پر واپس میدان میں آئے اور بیس سوار اور مارے۔ پھر کسی خبیث کے تیر سے آپ سیارۂ فردوس بریں ہوئے۔ امام لاش پر آئے تو ہزاروں اشقیا نے لاش کو گھیر رکھا تھا۔ آپ نے چار سو سوار جہنم پہنچائے اور لاشہ کو خیمہ میں لائے۔

حضرت علی اکبر کی میدان میں جلوہ آوری

اب سوائے حضرت علی اکبر کے کوئی جانے کے قابل نہ تھا۔ امام نے خود عزم فرمایا کہ حضرت علی اکبر زار زار رونے لگے اور عرض کی۔ اباجان! تعمیل حکم کر چکا۔ اب میری درخواست منظور فرمائیں۔ غرض کہ کچھ ایسے درد سے اجازت مانگی کہ امام نے کلیجہ تھام لیا اور اپنے ہاتھ سے عمامہ محمدی زیب فرق ناز فرمایا۔ ذوالفقار حیدری کمر سے لگائی۔ نیزہ دستِ اقدس میں دیا اور رخصت کرتے وقت فرمایا ؎

تو عزمِ سفر کردی و رفتی ز برِ ما
بستی کمرِ خویش شکستی کمرِ ما

آپ کا سن مبارک اٹھارہواں ہے۔ آپ حسن و جمال خط و خال میں بالکل مشابہ صورت زیبائے محمد رسول اللہ ہیں۔ بلکہ اہلِ مدینہ کو جب شوق دیدار محمدی بیتاب کرتا۔ آپ کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ جب آپ میدان میں تشریف لائے تو آپ کی جلوہ گری کی خوب کسی نے تعریف کی ہے:۔

میدان کو جب حسین کا نورِ نظر چلا
تاج ولا بھی پہلے سے بالائے سر چلا

لیلیٰ یہ کہہ رہی تھی کہ پیارا پسر چلا
پھوپھی بھی رو رہی تھیں کہ لخت جگر چلا
دیتے تھے اہل بیت دہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی
بھائی کے غم میں عابد بیکس تھے بیقرار
اُٹھتے تھے اور زمیں پہ گرتے تھے بار بار
بہنیں یہ کہہ رہی تھیں کہ بھائی ترے نثار
روتی تھی زار زار خواتین بحال زار
اک حشر تھا جدا علی اکبر جو ہوتے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے
نکلا حرم سرا سے جو وہ نور حق کا نور
خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضرت کھڑے تھے خیمہ کی ڈیوڑھی میں جو ضرور
دست ادب کو باندھ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکم شہ نامدار ہو
رو کر کہا حسین نے اچھا سوار ہو
گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوئے سوار
گویا چلے جہاد کو محبوب کردگار
تھا ثانی از براق فلک سیر راہوار
سر صرسے تند و تیز تو بجلی سے بیقرار

یوں سامنے سے وہ دم جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تخت سلیماں نکل گیا

حضرت تو زار زار تھے یاں تھام کر جگر
جاسوس نے یہ لشکر اعدا میں دی خبر
آتا ہے اک جواں حسین غیرت قمر
چہرہ پہ جس کے نور محمد ہے جلوہ گر
شان و شکوہ سب اسد کبریا کی ہے
کہتے ہیں سب بشر انہیں قدرت خدا کی ہے

ہے دھوم ذرّہ ذرّہ میں اس آفتاب کی
خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک گلاب کی
سر تا قدم ہے شان رسالت پناہ کی
تصویر ہے رسول خدا کے شباب کی
گھوڑے کے گرد جنّ و ملک کا ہجوم ہے
صلوا علی النبی کی بیاباں میں دھوم ہے

روشن کیا ہے روئے منوّر نے راہ کو
رخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلف سیاہ کو
آغوش میں لیے ہے شب قدر ماہ کو
چہرے کے نور پر شب ماہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

یہ ذکر تھا کہ نور خدا جلوہ گر ہُوا
گویا رسول پاک کا ان میں گزر ہُوا
چلائے اہل شام کہ طالع قمر ہُوا
ہنگام ظہر تھا یہ گمان سحر ہُوا
جلوہ دکھایا برق تجلّی طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرہ کے نور نے
غش ہوگیا کوئی کوئی گر کر سنبھل گیا
صلّ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا
چمکا جو نور دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا
دریائے نور حق کا فقط اوج موج تھا
سب پست تھے زمیں کے ستارے کا اوج تھا
وہ کرّ و فر وہ دبدبہ وہ ہیبت و جلال
وہ طنطنہ شباب کا وہ جلوۂ جمال
بل کھا رہے تھے غیظ سے زلف دوتا کے بال
کٹ جائے جس سے تیغ وہ ابروئے بےمثال
حلقہ کیا تھا چشم کو پلکوں نے گھیر کے
گویا کہ دو غزال تھے پنجوں میں شیر کے

ابن سعد نے آپ کو آتا ہوا دیکھا۔ تو تصویر حیرت ہوگیا اور متحیر ہوکر شمر سے پوچھنے لگا۔ یہ کس کا ماہ پارہ ہے؟ کس برج کا ستارہ ہے؟ شمر نے کہا۔ یہ گوہر دُرج خلافت اختر برج امامت آفتاب جہانتاب

امام حسین سید الشہداء کی آنکھوں کا تارا ہے۔ عمامہ کی سجاوٹ بالوں کی بناوٹ نور کی مورت خدا کی قدرت دیکھ کر عمر سعد اپنے لب کاٹنے لگا اور کہنے لگا کہ آج گویا جبل احد پر حبیب خدا رونق افروز ہیں۔ اور لشکر میں باہمی یہ گفتگو تھی۔

بخشی ہے خدا نے اسے توقیر محمد
گیسو ہیں کہ ہر زلف گرہ گیر محمد
چہرہ ہے کہ آئینہ تصویر محمد
باتوں میں ہے رنگینی تقریر محمد
شوکت وہی صولت وہی دستور وہی ہے
نقشہ وہی انداز وہی نور وہی ہے

پھر آپ میدان میں آکر للکارے اور اس طرح رجز پڑھنے لگے:۔

اَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیْ
وَنَحْنُ وَرَبِّ اللهِ اَوْلٰدُ النَّبِیْ
اَطْعَنُکُمْ بِالرُّمْحِ طَعْنًا صِیْبِیْ
اَضْرِبُکُمْ بِالسَّیْفِ اَحْمِیْ عَنْ اَبِیْ
ضَرْبُ غُلَامٍ هَاشِمِیٍّ عَرَبِیْ
مِنْ آلِ بَیْتِ الْهَاشِمِیِّ الْیَثْرِبِیْ

ابوالموید راوی ہیں کہ جب آپ میدان میں تشریف لائے تو آپ کے روئے رنگین پر چار گیسو تھے۔ دو آگے دو پیچھے۔ شجر و حجر آپ کے منقبت یوں گا رہے تھے۔

خسروا مشتری غلام تو باد
توسن چرخ در لجام تو باد

سبز خنک فلک مسخر تست

ابلق روزگار رام تو باد

آپ کے رجز کا ترجمہ نور الائمہ خوارزمی نے اس طرح کیا ہے

منم علی حسین علی کہ خسرو مہر
فرازِ تخت فلک کمترین غلام منست
من از نژاد شہے ام کہ قدر او می گفت
کہ خطبہ شرف سرمدی بنام منست
عناں ز معرکہ خصم بر نخواہم تافت
چراکہ توسن تند سپہر رام منست

غرض کہ آپ نے مبارز طلب فرمایا۔ مگر پہلے ہی کسی میں دم نہ تھا۔ رہا سہا اور نکل گیا۔ اب آتا تو کون؟ آخر خود ہی میمنہ و میسرۂ لشکر پر مثل صاعقہ جا کر چمکے اور ۵۰۰ سوار واصل بجہنم فرمائے۔ پھر آپ خیمہ کی طرف تشریف لائے اور عرض کرنے لگے یا ابتاہ غارت عینا من العطش ابا جان آنکھوں میں زور سے آنے لگے ہیں اور پیاس بہ شدت ہے۔ آپ زار زار رونے لگے۔ پھر فرمایا بنی قاتل ما اسرع الملتقی بجدک المصطفیٰ یسقیک بکاسہ الادنیٰ جان پدر! جلدی مقاتلہ شروع کر کے منزل مقصود کو پہنچو۔ تمہارے جد امجد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جام کوثر لئے منتظر ہیں۔ آپ واپس میدان میں تشریف لائے اور پھر رجز پڑھا جس کا ترجمہ ابو المفاخر نے یوں کیا ہے ؎

ساقی کوثر آب مے خواہد
میر مجلس شراب مے خواہد

گیسوانِ سیہ سپید حسین
کیست کز خوں خضاب می خواہد
کیست آنکہ ز فرطِ بے نمکی
دل زہرا کباب مے خواہد
بچۂ شیر در طریق خطر
راہ آب از گلاب می خواہد
مومناں را بہشت و منکرِ ما
سوئے دوزخ شتاب می خواہد

پھر آپ نے مبارز طلب فرمایا۔ جب کوئی نہ آیا تو عمر سعد خبیث نے طارق بن شیث کو کہا کہ امام حسین کے اس چاند کو غروب کر آ۔ اور حکومت رقہ و موصل ابن زیاد سے لے لے۔ طارق نے کہا اب تو تو کہتا ہے مگر ممکن ہے بعد میں انکار کر جائے۔ اطمینان دلا۔ عمر سعد نے اپنی انگوٹھی دی۔ طارق انگوٹھی لے کر چلا۔ ادھر بھی رگِ ہاشمی جوش زن ہوئی۔ پھر کیا تھا ایک ہی وار میں اسے رقہ و موصل کا مزہ چکھا دیا۔ اس کا بیٹا طلحہ بن طارق بڑھا۔ آپ نے اس کے کمربند میں ہاتھ ڈال کر ادھر اٹھا کے دے مارا اور سجین پہنچا دیا۔ تمام لشکر میں دھوم ہو گئی۔ عمر سعد گھبرایا۔

آخر ش مصراع بن غالب کو خوشامد درآمد کر کے بھیجا۔ دو تین ردوبدل کے بعد ایک ہی وار میں اس کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر تو ابن نوفل اور محکم بن عقیل کو ہزار ہزار سوار دے کر آپ کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ ادھر بھی جوش ہاشمیت متہیج ہو گیا۔ پھر وہ حشر بپا ہوا کہ

بجلی گری بجلی پہ اجل آئی اجل پر
ایک زلزلہ طاری ہوا گردوں کے محل پر
سیارے ہٹے کرکے نظر تیغ کے پھل پر
مریخ گرا شمس پہ اور شمس زحل پر
چہرہ نہ کیا سامنے سورج کی چمک نے
خود دانتوں سے تاروں کے زمیں پکڑی فلک نے

دو کرتی ہوئی گردن بدکیش سے نکلی
ارواح جفت جسم بداندیش سے نکلی
مچھلی کی طرح بازوئے دل ریش سے نکلی
آڑے کبھی ہو ہو کے پس و پیش سے نکلی
دم سینہ میں کافر کے رکا اور یہ الگ تھی
دو ہو کے وہ دو سمت گرا اور یہ الگ تھی

اس صف پہ گری تیغ تو ہٹ کر اسے مارا
سیدھی گری اس پر تو الٹ کر اسے مارا
ہٹ کر اسے مارا تو پلٹ کر اسے مارا
بڑھ کر اسے مارا کبھی گھٹ کر اسے مارا
اللہ رے صفائی کہ ذرا خوں نہ بھرا تھا
یہ کاٹ کے نکلی بھی تو سرتن سے جدا تھا

اس برق نے جو رنگ سر قاف کیا تھا
پھر قاف میں گھر تیغ نے تا قاف کیا تھا
منصف نے عجب طرح کا انصاف کیا تھا

مطلع پئے خورشید علی صاف کیا تھا

عجب خون میں ڈوبی ہوئی انبوہ سے نکلی
تھا شور کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی

غرضکہ آپکی شجاعت و دلیری کی وہ شان تھی کہ زبان قلم سے ادا کرنا دشوار ہے ایکطرف سے یہ آواز آرہی تھی

آئی جو تیغ ہاتھ میں بازو قوی ہوا
قبضہ سے ملک فتح پہ قابض جری ہوا
شوق جہاد میں جو کھڑا یہ ولی ہوا
روشن چراغ جوشش حب علی ہوا
سینہ تو تنا پشت خمیدہ بھی تن گئی
قدرت خدا کی تھی کہ کماں تیر بن گئی

مغفر سے جھلم کاٹ کے گردن میں در آئی
گردن سے سرکنا تھا کہ جوشن میں در آئی
جوشن سے گزرنا تھا کہ بس تن میں در آئی
تن سے ابھی اتری تھی کہ توسن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغ قضا رنگ کے نیچے
اک برق غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

تیری کبھی۔ گہہ خوں میں نہا کر نکل آئے
ٹھہرے کبھی غوطہ کبھی کھا کے نکل آئے
کاٹی طبو زرہ فوج میں جا کر نکل آئے
منہ دھار سے دو ہاتھ لگا کر نکل آئے

کیا ڈر اُسے طوفاں کا جو چالاک ہو ایسا
جب باڑھ پہ دریا ہو تو تیراک ہو ایسا
دم بھر نہ ٹھہرتے تھے عجب طرح کا دم تھا
تیزی پہ جسے ناز تھا سر اس کا قلم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا
یہ فتح کے جویا تھے قد اس واسطے خم تھا
بد اصل تکبر کا سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحب جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر
بجلی سی چمک کر صفِ کفار سے نکلی
آوازِ بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در امنِ داماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے ہیں گوشوں میں کماں کے
پانی میں جال بن کے گئے اور نکل گئے
معدن میں لال بن کے گئے اور نکل گئے
ماضی میں حال بن کے گئے اور نکل گئے
جی میں ملال بن کے گئے اور نکل گئے
اُٹھے گرے بلند ہوئے پست ہو گئے
پی پی کے کافروں کا لہو مست ہو گئے

فتح

آنکھوں میں بال بن گئے اور نکل گئے
پتلی میں خال بن کے گئے اور نکل گئے
دل میں خیال بن کے گئے اور نکل گئے
سینہ میں بھال بن کے گئے اور نکل گئے
کوتاہ اس کی نظروں میں پست و بلند تھے
کیوں کر اڑے پری کہ وہ شیشہ میں بند تھے

اس صف کی اجاڑا وہ پرا کر دیا سونا
شمشیر تھی یا قہر الٰہی کا نمونہ
چاٹا جو لہو کاٹ بڑھا تیغ کا دونا
پر ننگ سمجھتی تھی وہ کفار کا چھونا
اللہ رے صفا غول کیا صاف عدو کا
دھبہ نہ لگا دھار میں قاتل کے لہو کا

تیزی کا تھا عالم اسے کاٹا اُسے مارا
غل اُٹھتا تھا پیہم اسے کاٹا اسے مارا
یاں سر لیا واں دم اسے کاٹا اسے مارا
حیران تھے اغلم اسے کاٹا اسے مارا
اس تیغ کے سایہ کا زمیں پر نہ گزر تھا
قبروں میں کسی مردے کی گردن پہ نہ سر تھا

یاں شور وہاں غل اِدھر آئے اُدھر آئے
وہ چمکی وہ تڑپی وہ چھپی وہ نظر آئی

اسے

وہ تیر گئی جسم میں وہ سر میں در آئی
گردن سے بڑھی سینہ لیا تا کمر آئی
سن اس کا گھٹا تھا جو دلیرانہ بڑھا تھا
منہ کی وہی کھاتا تھا جو منہ اس کے چڑھا تھا

غرض کہ اکیاسی نامی سوار اور ہزاروں نابکار جہنم پہنچا دیئے پھر خیمہ کی طرف تشریف لائے اور العطش العطش فرمانے لگے۔ امام نے فرمایا۔ بیٹا غم نہ کرو۔ عنقریب حوض کوثر سے سیراب ہو گے۔

آپ رخصت ہو کر پھر لشکر اشقیا پر آئے۔ یہاں جمہوری حملہ کی پہلے ہی ٹھان لی تھی۔ آخرش ابن نمیر خبیث نے ایسا نیزہ دیا کہ سینۂ مبارک سے پار ہوا۔ آپ جَنّٰتُ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ کا مژدہ سنتے ہوئے گھوڑے سے گرے اور پکارے یا ابتاہ ادرکنی ابّا جان! اپنے نورِ نظر کو سنبھالیے۔ آپ میدان میں تشریف لائے۔ علی کو نہ پایا۔ پکارے

اے عزیزِ پدر کجا رفتی
وز کنارِ پدر چرا رفتی
بر نخوردہ ز بوستانِ حیات
سوئے کاشانۂ بقا رفتی
نہ کزیں کلبۂ فنا رستی
بہ سرا پردۂ بقا رفتی
مصطفےٰ جدِ تست میدانم
کہ بہ نزدیک مصطفےٰ رفتی

فرع زہرا و مرتضےٰ بودی
سوئے زہرا و مصطفےٰ رفتی

آپ کی والدہ حقیقی حضرت لیلیٰ بنت ابی مرہ مسعود ثقفی اور دوسری ماں حضرت شہر بانو اور تیسری والدہ حضرت ام رباب بنت امرء القیس اور چوتھی حضرت ام اسحاق زار زار رو رہی تھیں۔ امام ہمام کلیجہ تھامے صبر فرماتے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ بار بار پڑھ کر پکارتے یا علی آپ جواب فرماتے ادرکنی یا ابتاہ اباجان! ادھر آکر مجھے سنبھالئے۔ آپ ادھر جاتے تو نہ پاتے پھر پکارتے یا علی۔ پھر آپ جواب دیتے ادرکنی یا ابتاہ

غرض کہ کفار نے اس طرح نرغہ کیا تھا۔ کہ اس زخمی شبیر کو اس محمدی چاند کو اِدھر اُدھر اُدھر کر رہے تھے۔ آخرش امام سے نہ رہا گیا۔ صفوف اشقیا کو مارتے کاٹتے چیرتے پھاڑتے اندر گھسے تو دیکھا منقذ بن نعمان آپ پر حملہ آور ہے آپ نے اسے واصل جہنم کیا اور آپ علی اکبر کو معہ ان کے گھوڑے کے لے کر خیمہ اطہر کی طرف تشریف لائے۔ آپ اور جملہ حرم لاشہ مجروح پر اشک خونیں بہا رہے تھے اور فرما رہے تھے ؎

من خود از آزار ایں سنگین دلاں
زار بودم گشتم اکنوں زار تر

اسی حالت میں علی اکبر نے آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ باپ کے زانو پر سر ہے۔ متبسم ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ اباجان ملاحظہ فرمائیں۔ امام نے فرمایا کیا دیکھوں۔ عرض کرنے لگے۔ اباجان! ناناجان سید الانس و الجان دو قدح شربت بہشت کے لیے ہوئے ہیں مگر مجھے ایک عطا فرماتے

ہیں۔ میں دونوں مانگ رہا ہوں کہ بہت پیاسا ہوں۔ ناناجان فرماتے ہیں۔ جانِ عزیز! ایک پی لو۔ باقی جتنا جی چاہے جنت میں پینا۔ دوسرا تمھارے باپ کے لئے ہے کہ وہ بھی عنقریب آنے والے ہیں۔ امام یہ سن کر رو رہے تھے۔ کہ علی اکبر سیارۂ فردوس اعلیٰ ہوئے۔ افسوس کہ وہ ہلال نو گستر آسمان ولایت جو ابھی افق امامت و ہدایت سے طلوع ہوا ہی تھا۔ مدارج کمال ہدایت کو نہ پہنچا تھا کہ حجاب غروب و نقاب افول میں محتجب ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

پھر آپ نے لاشۂ علی کو زمین پر لٹا کر یوں فرمایا

جب خاک پر لٹا چکے لاش پسر امام
تا دیر روئے اور یہ زمیں سے کیا کلام
میں ابن بو تراب ہوں مظلوم و تشنہ کام
اور میرا ہے یہ لختِ جگر بدر لالہ فام
ایذا نہ دیجیو کہ میرا گلعذار ہے
برچھی کے پھل سے اس کا کلیجہ فگار ہے
حسرت زدہ جہاں سے اٹھا ہے یہ مہ جبیں
سن سن کے اس کا واقعہ آئیں گے مومنین
تیغوں سے پاش پاش ہے سب جسم نازنین
رکھیو بہ احتیاط اسے دامن میں اے زمین
اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسین کی
اب ہے تیرے سپرد امانت حسین کی

اب وقت یہ ہے کہ نہ بظاہر کوئی یار ہے نہ غمگسار نہ ہمدرد ہے نہ مددگار۔ سب آنکھوں دیکھتے خاک و خون میں نہا دھو کر بہشت پہنچ چکے۔ اسی فکر میں تھے

کہ اب مجھے جانا ناگزیر ہے۔ مگر اہلبیت کے متعلق کیا انتظام کردں کہ اتنے میں حجرات عصمت وطہارت سے مخدرات عفت پناہ کے رونے کی آواز درد بھری کانوں میں مسموع ہوئی آپ تشریف لے گئے اور فرمایا صبر کرو کہ شکیبائی اپنا شعار ہے۔ بلائیں صبر سبب اجر ہے پھر حضرت سکینہ کو گود میں لے کر اشک سنوری بہا کر گلے سے لگایا اور فرمایا اے پیاری سکینہ تو عنقریب یتیم ہونے والی ہے۔ افسوس کہ تیرے سر سے سایہ پدری اٹھنے والا ہے۔ پھر اہل حرم کی طرف مخاطب ہو کر وصیت فرمائی۔ کہ خبردار جب میری لاش کو تم گھوڑوں میں کھندتے دیکھو چلا کر نہ رونا بیاں بکھاں نہ کرنا چھاتی ماتھا نہ کوٹنا کہ شعار مذہب واخلاق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ ہاں اپنی بے کسی وغربت مظلومی وکربت پر آنسوؤں ست رونا۔ میرے بعد تم پر گوناگوں آلام ومصائب آئیں گے۔ ابھی تمہاری مصیبتوں سکا خاتمہ نہیں ہوا ہے تم ننگے سر اونٹوں پر قیدیوں کی صورت میں لے جائی جاؤ گی۔ تمہاری حسرت بھری نگاہیں سب کی لاشیں خاک میں پڑی ہوئی دیکھیں گی۔ مگر خبردار! اُف نہ کرنا۔ شکر الٰہی کے سوا دوسرا جملہ زبان سے نہ نکلنے پائے۔ یہ فرماکر باہر تشریف لائے کہ خیمہ ست پھر رونے کی آواز مسموع ہوئی۔ آپ پھر تشریف لائے اور فرمایا کیا بات ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ بھائی جان اور تمام مصیبتیں منظور ہے۔ گوارا ہیں۔ مگر اس طفل شیر خوار علی اصغر کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ چھ مہینے کا بچہ فرط تشنگی سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ کانٹا سی زبان ننھے منہ سے نکال کر تڑپ رہا ہے آپ نے فرمایا اچھا اسے مجھے دو۔ اگرچہ اشقیاسے امید نہیں کہ انہیں اس پر بھی رحم آئے۔ مگر خیر کم از کم یہ بھی اتمام حجت ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے علی اصغر کو لا کر گود میں دے دیا۔ امام انہیں لے کر صف اعدا میں تشریف لائے اور فرمایا

لگے اے قوم جفا کار! اگر گنہگار ہوں۔ تو تمہارا ہی ہوں۔ اس دودھ پیتے بچے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ کم از کم اسے ایک گھونٹ پانی دے دو۔ تو اس کی جان بچ جائے گی۔ اس کی ماں کا دودھ بوجہ پیاس بھوک کے خشک ہو گیا ہے۔ ورنہ یہ سوال بھی تم سے نہ کیا جاتا۔ اس ایک گھونٹ پانی کے بدلے میں ہم وعدہ کرتے ہیں۔ کہ کل قیامت کو تمہیں حوض کوثر سے سیراب کرائیں گے۔ مگر ان جفا شعار، وستمگار، کا حصہ حوض کوثر میں تھا ہی کب بجائے پانی کے گھونٹ کے حرملہ بن کاہل مردود نے ایسا تاک کر تیر مارا کہ جرعہ خون سے حلقوم اصغر سیراب ہو گیا۔ اور گلوئے مبارک کو چھیدتا ہوا۔ امام جنت مقام کے بازو سے پیوست ہو گیا۔ آپ نے حسرت بھری نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور تیر کو نکال کر پھینک دیا۔ خون کا فوارا معصوم گلے سے ابلنے لگا۔ آپ نہایت صبر سے اس خون کو دامن مبارک میں لیتے اور زمین پر ایک قطرہ بھی نہ گرنے دیتے تھے۔ کہ مبادا ان خبیثوں پر کوئی بلائے الٰہی نازل نہ ہو جائے۔ پھر آپ خیمہ میں تشریف لائے۔ اور شہربانو رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ کہ لو اب فرات کی بجائے آب پیکاں پلا دیا گیا ہے۔ اب یہ ایسے سیراب ہوئے ہیں۔ کہ اب تم سے کبھی پانی نہ مانگیں گے اس کیفیت کو شاعرانہ رنگ میں کسی نے کہا ہے ؎

رکی جو سانس تو چلائے اصغر مہ رو
تڑپ کے کھول دیا منہ ٹپک پڑے آنسو
دہن سے دودھ بہا حلق نازنیں سے لہو
ہلال بن گیا خون کے شفق میں طوق گلو
دکھائی شکل اجل نے تو ڈر گئے اصغر
لپٹ کے باپ کی چھاتی سے مر گئے اصغر

پلٹ کے وہاں سے جو لاشہ لئے ہوئے شبیر
کھڑی تھیں ڈیوڑھی پہ رو رہی تھیں سب دلگیر
قریب آ کے یہ بولے وہ شاہ عرش سریر
سدھارے اصغر بے شیر کھا کے حلق پہ تیر
تمہارا ماہ لقا خون میں بھر گیا بانو
تڑپ کے گود میں معصوم مر گیا بانو

اب رسالہ اوراق غم کا پچھلا حصہ اور تاریخ شہادت کا آخری خواب اور امام تشنہ کام شہزادہ کونین سیدنا حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی شہادت باقی ہے۔ جس کے لکھنے کو قلم بے زبان ہے اور زبان بیان بے جان ہے

درد دل اٹھ اٹھ کے کس کا راستہ تکتا ہے تو
پوچھنے والا مریض بے کسی کا کون ہے

ہائے اس وقت کوئی اتنا بھی نہیں کہ شہسوار میدان رضا اور سفیر وادی بلا کی رکاب تھامے۔ افسوس کوئی سوار ہوتے وقت وداع کرنے والا بھی نہیں۔ ہاں کچھ بیکس یتیموں کی درد بھری آہیں اور بے بس حریم عفت پناہ کی مایوس نگاہیں ہیں جو ہر گام پر امام کے ہم رکاب ہیں۔ امام عزم میدان فرما رہے ہیں۔ بچوں کی یتیمی۔ بیوہ عورتوں کی بے بسی۔ آپ کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ حریم عفت۔ غایت صبر و استقلال سے تصویر خاموش ہیں۔ امام المتقین اپنے متعلقین کے سامنے وداعی جملہ فرما کر صبر کی تلقین فرما رہے ہیں۔ آنسوؤں کا غیر منقطع سلسلہ راہ امام میں چھڑکاؤ کر رہا ہے۔ ازواج کے اداس چہرے اپنا اڑا ہوا رنگ دکھا دکھا کر امام کے زخم جگر پر نمک پاشی کر رہے ہیں۔ جگر گوشوں کی شہادت۔ امام کی رخصت

بے بسی بے کسی میں طرفہ مصیبت چمنستان نبوت کے خزانی محمدی پھولوں کی جلے جانی نونہالوں کی بے زبانی ایک طویل کہانی ہے۔ جس کو بیان کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہاں ہاں وہ محمدی برات کا دُلہا آج سرخ جوڑا زیب تن کرنے والا ہے۔ عالم فنا سے برات کی بری لے کر گوشک بقا میں عروس رحمت کے ہم آغوش ہونے والا ہے۔ اے فرات! تیری روانی قیامت تک رہے گی۔ ساقی کوثر کے جگر گوشہ تیرے ہوتے اگر پیاسے جا رہے ہیں مگر دیکھ کوثر نے ان کے لیے اپنے ٹھنڈے اور خوش گوار پانی کی سبیل تیار کر رکھی ہے۔ ان کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ کہ تین دن کے پیاسے اس کے کنارے جلوہ افروز ہونے کو آ رہے ہیں۔ طوبیٰ نے اپنے سایہ کے دامن فراخ کر رکھے ہیں اسے معلوم ہے۔ کہ کربلا کی کنکریلی زمین پر تیز دھوپ کے لیٹنے والے تشریف لا کر آرام فرمائیں گے۔ اللہ! اللہ! کیا وقت ہے۔ آج میدان کربلا میں جنتوں سے حوریں سنگار کئے ٹھنڈے ٹھنڈے کوثر کے قباب بلوری لئے حاضر ہیں۔ آسمان سے ملائکہ کی آمد کی ایک غیر منقطع سلسلہ نے سطح ہوا کو پُر کر دیا ہے۔ پاک روحوں نے بہشت کے محل سونے کر کے کربلا آباد کی ہے۔ خود سرورِ عالم تاجدار عرب و عجم سبز گنبد سے اپنے لاڈلے لال اور نونہال کی قتل گاہ میں رونق افروز ہوئے ہیں۔ محاسن اقدس اور سر مقدس کے بال گرد میں آلودہ ہیں۔ مقدس آنکھوں سے اشک غم کا تار بندھا ہوا ہے۔ دست اقدس میں ایک شیشہ ہے۔ جس میں شہیدان ناز کا خون جمع فرمایا گیا ہے اب دل کے چین نور عین شہزادہ حسین کے خون کی باری ہے۔ سبوحیانِ عرش میں کھلبلی ہے۔ عرش و کرسی میں درد ہے۔ آج میدان کربلا میں حسینی میلا ہے۔

حوروں کو مژدہ ہے۔ کہ عنقریب ان کے دلہا آرہے ہیں انھیں حکم ہے۔
کہ اپنی خوشبودار چوٹیاں کھول کر کربلا کا میدان جھاڑیں کہ ان کے دولہا ان کے
آقا و نعمت فاطمہ زہرا کے لال علی مرتضیٰ کے نونہال کے شہید کرنے اور
ان کے جسم نوری کو خاک کربلا پر لٹائے جانے کا وقت قریب ہے۔ رضوان
کو حکم ہے کہ جنتیوں کو بھینی بھینی خوشبوؤں سے بسا کر دلکش آرائشوں سے
سجا کر دلھن بنا رکھیں کہ بزم شہادت کے نوشاہ خون کی دھاروں کا سہرا
باندھ کر جراحتوں کے ہار گلے میں ڈال کر کمخواب سرخ کا جوڑا زیب تن
فرما کر عنقریب آنے والے ہیں غرضکہ ۔

ساعت آہ و بکا و بے قراری آگئی
سید مظلوم کی رن میں سواری آگئی
ساتھ والے بھائی بیٹے ہو چکے ہیں سب شہید
اب امام بیکس و تنہا کی باری آگئی

بہ چہ ناز رفتہ باشد زجہان نیازمندی
کہ بوقت جان سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

اسی اثنا میں شمر ذی الجوشن خبیث مع ایک جماعت کے خیمہ اطہر کی
طرف بڑھا۔ امام نے یہ بے حیائی دیکھ کر فرمایا۔ بیدنو! اگر دین نہیں رکھتے اور
اور قیامت سے نہیں ڈرتے تو کم از کم شرافت سے کام لو اور میرے حرم
سرا کی طرف جانے سے باز آؤ۔ شقیو! یہ وہی حرم ہیں۔ جن میں ملائکہ معصوم
بلا اجازت داخل ہونے کی ہمت نہیں کرتے تھے غرض کہ اس ڈانٹ سے
سے بزدلی سے خیمہ کی طرف جانے سے رکے اور امام مظلوم پر جو شوق
شہادت میں ہزاروں اشقیا کے مقابلہ کو تنہا تشریف لائے ہیں زغہ

ہوا۔ امام عالی مقام جس طرف حملہ فرماتے۔ دور تک سوار پیادوں کا نشان نہ رہتا۔ غرضکہ پورا پورا مقابلہ و مقاتلہ ہوا۔ آخرش دشمنوں کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور محمدی شیر کے مقابلہ کی تاب نہ رہی۔ اب لڑائی نے طول کھینچا۔ دشمنوں کے چھکے چھوٹے۔ حتیٰ کہ امام کا مرکب ذوالجناح بھی شہید ہوا۔ مگر پیادہ بھی وہ قتال فرمایا کہ سواروں سے ممکن نہ تھا۔

ایک شقی نے فرات کی طرف اشارہ کر کے طنزاً کہا۔ وہ دیکھیئے کیسا لہریں لے رہا ہے۔ مگر آپ اس کی ایک بوند بھی نہیں پی سکتے۔ یہاں تک کہ پیاسے ہی مارے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھے پیاسا مارے۔ علی الفور پیاس میں مبتلا ہوا۔ پانی پیتا مگر پیاس نہ جاتی۔ یہاں تک کہ پانی پیتے پیتے آنتیں پھٹیں اور پیاسا ہی جہنم پہنچا۔

آپ وقت مقابلہ دشمنوں پر چاروں طرف حملہ آور ہوتے اور فرماتے جاتے کیا میرے قتل پر جمع ہوئے ہو۔ ہاں ہاں۔ خدا کی قسم میرے بعد ایسے کسی کو قتل نہ کرو گے۔ جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کے غضب کا باعث ہو۔ خدا کی قسم مجھے اُمید ہے کہ اللہ تمھیں ذلیل کرنے میں کمی نہ کریگا۔ خدا کی قسم اللہ تم سے وہ بدلہ لے گا۔ جو تمھارے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا۔ آخرش جب شمر خبیث نے کام نکلتا نہ دیکھا تو لشکر کو للکارا اور کہا کہ تمھاری مائیں تمھیں روئیں کیا انتظار کر رہے ہو۔ حسین کو قتل کرو۔ اس کرخت آواز نے چاروں طرف سے ابر ظلمت کی طرح فاطمہ کے چاند پر ہالہ کیا۔ اس وقت امام کی شجاعت و دلیری اس شان کی تھی۔ کہ خود شجاعت دست بوس شجاع تھی۔ جوانمردی و بہادری قدم بوس امام تھی ملائکہ امام کو تحسین دے رہے تھے۔ اور کفار پر نفرین۔ آپ کی زبان پر یہ اشعار تھے ؎

خیرة الله حق الحق ابی
بعد جدی و انا الخیرتین
والدی شمس و امی قمر
و انا الکوکب و ابن النیرین
فضة قد صیغت من ذهب
و انا الفضة و ابن الذهبین
من له جد کجدی فی الوری
ام کامی فی جمیع الثقلین
فاطمة الزهراء امی و ابی
فارس الخیل و رامی النبلتین
هازم الابطال فی میدانه
یوم بدر ثم احد و حنین
ابن عمی المصطفیٰ من هاشم
و شجاع حامل الرایتین

اس کا ترجمہ کسی نے خوب کیا ہے

جد من خیر الوریٰ فاضل ترین انبیاست
آفتاب اوج عزت شمع جمیع اصفیاست
منقبتہائے پدر گر برشمارم دور نیست
دُر درج لافتیٰ و بدر برج ہل اتیٰ ست
مادر خیر النساء فرزند خاص مصطفیٰ
بر کمال او کلام بضعتہ منی گواہ ست

وز برادر گر بپرسی هست شاه دین حسن
آنکه سبط مصطفےٰ و نور چشم مرتضیٰ است
هست عمم جعفر طیار کاندر باغ خلد
دائما پرواز دوتا آشیان کبریاست
حمزه سرخیل شهیداں باشدم عم پدر
ایں چنیں اصل و نسب در جمله عالم کراست
اے ستمگاران سنگین دل که اخلاق شما
بیوفا و با نفاق و حیله و جور و جفاست
جمله فرزندان و خویشان و عزیزان مرا
قتل کردن ایں چه آئین ست این طغیاں کراست
دیں زماں بهر ہلاک من کمر بربسته آید ست
کشتن من در کدامیں مذهب و دست روا
تشنه لب رفتند یاراں و من از پے میروم
در قیامت حضرت حق حاکم ما و شماست

پھر جو رگ ہاشمی متحرک ہوئی تو وہ زبردست علوا جلالی کہ اشقیا کے پاؤں اکھڑ گئے دو ہزار شقی جہنم پہنچا دیئے

گاوِ زمیں کے یہ کفِ پا سے نکل گئی
پیرِ فلک کی پشت دوتا سے نکل گئی
فوق السماء و تحت ثریٰ سے نکل گئی
اک سانس میں یہ بڑھ کے ہوا سے نکل گئی
جاتی تھی دھوپ مثلِ پرندہ اڑی ہوئی
پہ سوئے تیغ خوف سے گردن مڑی ہوئی

گاوِ

چمکی جو خود سر پہ تو سر سے نکل گئی
شل قرار سب کے جگر سے نکل گئی
سینہ میں دم لیا تو کمر سے نکل گئی
حیران تھا خود بدن کہ کدھر سے نکل گئی
اونچی ہوئی تو فرق عدو کو فرد کیا
گر کر اٹھی تو راکب و مرکب کو دو کیا

اس مقابلہ میں اشقیا بھاگ پڑے اور مقابلہ نہ کر سکے۔ آپ میدان جنگ سے خیمہ میں تشریف لائے اور وصیت صبر و شکیبائی اتنے میں دیکھا کہ نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے عابد بیمار لڑکھڑاتے ہوئے میدان کو جا رہے ہیں۔ آپ آگے بڑھے۔ اور عابد کو روکا۔ پھر فرمایا۔ بیٹا تم ہرگز ہرگز نہیں جا سکتے۔ ابھی تمھیں بہت کچھ مصیبتیں دیکھنی ہیں۔ پھر اپنے فیوض و برکات سے عابد کو مالا مال کر کے خیمہ پر چھوڑا۔ اور دوسرا مرکب لے کر سوار ہو کر عزم میدان فرمایا۔

اس مقابلہ میں زرعہ بن تمیمی خبیث نے بائیں شانہ مبارک پر کاری زخم لگایا۔ امام ہمام نڈھال ہوئے۔ اب تک ۳۳ زخم نیزے کے ۳۴ گھاؤ تلوار کے جسد اطہر پر لگ چکے ہیں۔ اور تیروں کا شمار نہیں ہے۔ خون کی کافی مقدار بہ جانے سے آپ اس قدر نحیف ہو گئے ہیں۔ کہ اٹھنا چاہتے ہیں مگر گر پڑتے ہیں۔ کہ اچانک سنان بن انس نخعی شقی ازلی تاک کر سینہ اقدس پر نیزہ مارتا ہے۔

اس وار سے وہ عرش کا تارا زمین پر ٹوٹ کر گرا۔ سنان خبیث نے خولی بن یزید سے سر کاٹنے کو کہا۔ اس نے کاٹنا چاہا۔ مگر ہاتھ لرزنے لگا۔ سنان ولد الشیطان کہنے لگا تیرا ہاتھ بیکار ہو گیا۔ ٹھہر خود گھوڑے سے اترا اور محمدی جگر پارے تین دن کے بھوکے پیاسے کو ذبح کیا اور سر مبارک جسد نوری

سے جدا کر لیا۔ شہادت جو دلہن بنی ہوئی۔ سرخ جوڑا پہنے۔ جنتی خوشبوؤں سے بسی ہوئی منتظر اقبال تھی۔ اپنا گھونگھٹ اٹھا کر بیتابانہ دوڑی اور زہرا کے لال علی کے بدر کمال اپنے دلہا حسین شہید کے گلے سے لپٹ گئی۔

ان للہ و انا الیہ راجعون وصلی اللہ علی سیدنا و نبینا و غوثنا و غیاثنا و مغیثنا و عیاثنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ و شہدا امتہ اجمعین و لعنۃ اللہ علی اعدائہ و اعدائہم الظالمین ٥

علامہ ابی اسحاق اسفرائینی اپنی کتاب نور العین میں یوں فرماتے ہیں:۔

ولد الشیطان سنان جب حلقوم ناز تراشنے کو آیا۔ تو اس پر اس قدر ہیبت پڑی کہ بھاگ گیا۔ پھر شمر ذی الجوشن خبیث آیا۔ آپ نے فرمایا من انت لقد ارتکبت واللہ اثما عظیما تو کون ہے خدا کی قسم تو زبردست گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے اما تستحی من اللہ و رسولہ کیا تجھے خدا اور رسول سے شرم نہیں آتی تو شمر نے کہا انا شمر بن الجوشن میں شمر بن ذی الجوشن ہوں۔ تو آپ نے فرمایا ویلک اما تعرفنی وائے تجھ پر کیا تو مجھے نہیں جانتا۔ شمر نے کہا انت الحسین و ابوک علی ابن ابی طالب آپ حسین ہیں اور آپ کے باپ حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔ آپ نے فرمایا خبیث بیحیا۔ جب تو مجھے جانتا ہے تو کس وجہ سے قتل کرنے پر آمادہ ہے۔ شمر نے کہا۔ محض جاہ و مال دنیا کے لالچ میں جو یزید سے مجھے ملے گا۔ آپ نے فرمایا ویلک احب الیک الجائزۃ من الیزید او شفاعۃ جدی۔ وائے تجھ پر۔ جاہ و منال دنیا یزید سے چاہتا ہے۔ یا میرے جد امجد کی شفاعت شمر نے کہا۔ مال دنیا کی طلب غالب ہے۔ آپ نے فرمایا خیر دکم از کم قتل سے پہلے ایک گھونٹ پانی پلا دے۔ خبیث کہنے لگا هیهات ان تذوق الماء

بل تذوق الموت، بہت بعید ہے کہ آپ کو پانی پلایا جائے۔ بلکہ عنقریب جام موت پلاتا ہوں۔ امام نے فرمایا اکشف لی عن لثامک فکشفہ فاذا ھو ابرص عور ادالقبح لہ بوزکبوز الکلب وشعر کشعر الخنزیر اپنی پیٹھ تو کھول کر مجھے دکھا۔ اس نے دکھائی۔ تو آپ نے دیکھا۔ کہ پیٹھ پر برص کا داغ ہے۔ اور سور کے بالوں کی طرح اس کی پیٹھ پر ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرما کر کہا اللہ اکبر لقد صدق جدی میرے جد امجد نے سچ فرمایا تھا شمر نے کہا وما قال جدک۔ آپ کے جد امجد نے کیا کہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے فرمایا تھا کہ ایسا شخص مجھے قتل کرے گا جیسا تو۔ شمر غصہ میں آکر کہنے لگا تشبھنی بالکلب والخنزیر واللہ لاقتلنک آپ مجھے کتے اور سور سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خدا کی قسم اب ضرور قتل کروں گا۔ پھر آپ کو خبیث نے شہید کیا۔ اور سر مبارک نیزہ میں ٹوم کر ابن زیاد کو دے دیا۔ مگر اب بھی آتش حسد دعناد منطفی نہ ہوئی۔ آپ کا یہ عمامہ مبارک عمر بن یزید نے لیا۔ روائے مبارک یزید بن سہل نے لی۔ زرہ اقدس اور انگوٹھی سنان بن انس نخعی نے ہتیائی اور بقیہ لباس مبارک معہ نعلین اقدس محمد بن اشعث کندی کے ہاتھ آئے۔ ذوالفقار مبارک بن شبیر مردود نے ہڑپ کی۔ سروال مبارک یعنی قمیص اقدس یحییٰ بن کعب نے لیا۔

تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ امام کے شہید ہوتے ہی غبار سرخ ظاہر ہوا۔ جس سے تمام جہان تاریک ہو گیا۔ اور اس قدر اندھیرا چھایا کہ پاس کھڑے ہوئے آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ لوگوں نے یقین کر لیا تھا۔ کہ یہ عذاب الٰہی کا مقدمہ ہے مگر ایک ساعت کے بعد وہ غبار فرو ہو گیا۔

امام ہمام کے مرکب اقدس نے شہادت امام کے بعد تھوڑی دیر اپنی پیشانی خون میں رکھی اور روتا رہا۔ پھر خیمہ کی طرف آیا۔ اہل حرم نے خون آلودہ پیشانی

اور پشت خالی جب گھوڑے کو دیکھا۔ اس سے مخاطب ہو کے کہنے لگے۔ اے مرکب تو نے ہمارے والی و سرتاج کو کہاں چھوڑا۔ تیرے دل نے کیسے گوارا کیا کہ اپنے مالک کو دشمنوں میں چھوڑ کر یہاں آگیا۔ گھوڑا سر ٹپکتا ہوا امام زین العابدین کے پاس آیا۔ اور اپنا سر ان کے قدموں میں جھکا کر اشک خونی آنکھوں سے بہانے لگا۔ ابو المؤید خوارزمی اس تمام واقعہ کو لکھ کر یہ اور لکھتے ہیں۔ کہ اسی کرب و رنج میں گھوڑے نے زمین پر سر مار مار کر جان دیدی ابو المفاخر کہتے ہیں کہ وہ جنگل چلا گیا۔ یہ روائتیں تاریخ میں حضرات شیعہ سے مروی ہیں۔ ہم نے یہاں فضائل میں نقل کر دی ہیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ جب یہ گھوڑا حرم عفت پناہ میں آیا تو حضرت شہر بانو اس پر سوار ہوئیں اور رو کر فرمانے لگیں مجھے کہیں لے چل صاحب بحر مصاحب لکھتے ہیں۔ کہ وہ کوہستان رے میں پہنچا سو وہاں حضرت شہر بانو نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی مجھے دنیا سے پوشیدہ کر دے۔ پہاڑ شق ہوا۔ آپ مع گھوڑے کے اس میں سما گئیں۔ بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپ زنان حرم کیساتھ شام گئیں۔

صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں۔ کہ قاسم نامی ایک اور صاحبزادے تھے جو بیمار تھے مگر آپ جوش محبت سے میدان میں گئے اور دشمنوں پر حملہ فرما کر شہید ہو گئے۔ مگر اور بڑی تواریخ میں ان قصہ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ روائتیں حضرات شیعہ ہی لکھ رہے ہیں آپ کے اس واقعہ کے بعد اجنۃ میں شور ہو گیا۔ جنوں کی غائبانہ آوازیں آتی تھیں اور یہ مرثیہ مسموع ہوتا تھا۔

مسح الرسول جبینہ   فلہ بریق فی الخدود
ابواہ من علیا قریش   وجدہ خیر الجدود

ترجمہ:۔ نبی نے ان کی پیشانی پہ چومی   کہ روشن جس کا چہرہ چاند سا تھا

علی تھے باپ گر اعلیٰ قریشی — تو نانا ان کا تھا سرور جہان کا

بعض آوازوں میں یہ مرثیہ مسموع ہوتا تھا

الایا عین نابتملی بجهد — ومن یبکی علی الشهداء بعدی

علی رهط تقودهم المنایا — الی متجبر فی ملک عهدی

ترجمہ:۔ جہانتک ہو رو خوب اے چشم تر — کوئی مثل تیرا نہ پھر بعد ہو

غضب ہے کہ ان ظالموں کے قریب — اجل کھینچ لائی ہے شبیر کا

بعض طرف سے یہ مرثیہ مسموع ہوتا

الغی حسینا هبلا — کان حسینا جبلا

ترجمہ:۔ خبر حسین کے مرنے کی سناتا ہوں — جو صبر کرنے میں تھی کوہ سے بھی افزوں

حضرت امام حسین اور یزید پلید کے نسبی تعلقات

آپ اور یزید پلید نسباً ایک جدی ہیں۔ اس لیے کہ عبد المناف سے ہی ہاشم تھے اور عبد مناف سے ہی عبد شمس تھا۔ مگر حرص و آز دنیا نے اس شیرازہ اتحاد کو منتشر کر کے بنا، اسلام منہدم کی۔

ناظرین کرام:۔ اتحاد مسلمین بفحوائے حکم رب العالمین اتنا ضروری ہے کہ اسکے بغیر حیات دنیاوی محض لغو اور فضول ہے۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً اور علاوہ اس کے بہت سے احکام ہیں اس اتحاد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر فرد انسان سے اتحاد لازمی ہی نہیں بلکہ خالص الاعتقاد احناف کا اتحاد ضروری ہے۔ اور جب تک یہ شیرازہ متحد نہ ہوگا۔ ہمارے کوڑی کے تین تین رہیں گے۔ دیکھیے یک جدی جماعت نے حرص و از دنیا کے باعث دین و دنیا خراب کیا اصلی علت دو ہی ہیں۔ اول اتحاد کا خون۔ دوسرے حرص و آز دنیا کا مضمون۔

آپ کا نسب یوں ہے۔

عبد مناف

ہاشم

عبد المطلب

ابو طالب

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ

وقت شہادت آپ کی عمر مبارک چھپن سال پانچ ماہ پانچ یوم تھی اور دن جمعہ کا تھا۔ تاریخ دس محرم الحرام سنہ ۶۱ھ وقت دوپہر نماز ظہر تھا۔ رضی اللہ عنہم ومن معہم اجمعین ٥

مورخین بالاتفاق کہہ رہے ہیں۔ کہ امام ہمام سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے چھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ علی اکبر۔ علی اوسط۔ علی اصغر۔ عبداللہ۔ محمد جعفر۔ میدان کربلا میں ہمراہ تشریف لائے۔ وہ علی اکبر علی اوسط۔ اور علی اصغر تھے

علی اکبرؓ کی عمر مبارک اس وقت ۱۸ سال کی تھی۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ ۲۲ سال کی تھی۔ علی اوسط کی عمر مبارک اسوقت ۲۱ یا ۲۲ سال کی تھی۔ علی اصغر کی عمر مبارک اس وقت ۶ ماہ کی تھی۔ امام زین العابدین کی عمر مبارک اس وقت ۱۸۔ ۱۹ سال تھی۔ انہی کو علی اوسط کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔ آپ علی اکبر سے عمر میں کم تھے۔ اس لحاظ سے علی اکبر کی عمر مبارک کی ۲۲ سال والی روایت معتبر معلوم ہوتی ہے۔ آپ ہی اس معرکہ عظیم سے بچ کر تشریف لائے ہیں۔ آپ سے نسل چلی ہے۔ آپ ہی کی اولاد نے تمام اکناف

عالم میں جلوہ گری فرمائی اور آپ کی اولاد ہی سید کہلاتی ہے آپ کے ہی دم سے قیامت تک سادات رہیں گے۔ باقی تین صاحبزادے غالباً صغر سنی میں ہی انتقال فرما گئے۔ امام ہمام کی چاروں صاحبزادیاں یہ تھیں۔ فاطمہ کبریٰ۔ فاطمہ صغریٰ۔ سکینہ۔ زینب۔ فاطمہ کبریٰ کی عمر گیارہ سال کی تھی اور دیار شام میں انتقال فرمایا اور حضرت سکینہ کی عمر مبارک سات سال کی تھی اور آپ مدینہ منورہ تک ہمراہ کاروان اہلبیت تشریف لائیں اور حضرت مصعب بن زبیر سے آپ کا نکاح ہوا۔ یہ سراسر لغو روایت ہے کہ آپ نے واپسی پر دیار شام میں وفات پائی اور فاطمہ صغریٰ اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ میں رہیں۔ آپ کے شوہر کا نام حسن مثنیٰ تھا۔

اگرچہ آپ کی ازواج مطہرات کا تذکرہ اجمالاً ہو چکا ہے مگر تفصیلاً یہاں بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ علی اکبر کی والدہ حضرت لیلیٰ بنت مرہ بن مسعود بن ثقفی ہیں آپ سردار بنی ثقیف سے ہیں۔ علی اوسط جن کا نام امام زین العابدین ہے۔ وہ حضرت شہر بانو شاہ زنان بنت یزدجرد بن خسرو پرویز نوشیرواں سے ہیں۔ علی اصغر کی والدہ کا نام محقق نہیں۔ ممکن ہے حضرت قضاعہ ہوں جن کے بطن سے حضرت جعفر بھی پیدا ہوئے۔ علی اصغر کی والدہ شہر بانو جو مشہور ہیں وہ غلط ہے۔ مگر اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی والدہ قوم عرب اور نسل بنی قضاعہ سے تھیں۔ فاطمہ کبریٰ اور فاطمہ صغریٰ یہ حضرت ام اسحاق سے تھیں اور حضرت ام اسحاق حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں۔ اور حضرت سکینہ کی والدہ رباب بنت امراء القیس بن عدی قبیلہ بنی کلب سے تھیں۔ باقی صاحبزادیوں کی والدہ کا نام تاریخ میں ہمیں محقق نہ ہوا۔ اس وجہ سے مجبوراً اسی پر اکتفا

کیا گیا۔

اب کچھ حالات کاروان اہل بیت کی روانگی کے سن لیجئے :۔

اگرچہ ضخامت رسالہ مضمون بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر گزشتہ مضمون وقائع آیت لکھے بغیر ناتمام رہ جاتا ہے۔ لہذا بطریق اختصار بقدر ضرورت نذر ناظرین ہے۔

اسیران بلا کا قیدی بنا کر دمشق لیجانا اور سر اقدس امام سے خرق عادات کا ظہور

بڑھ گئی حد سے سوا حشر کا ساماں نکلا
حوصلہ اب تو تیرا اے شب ہجراں نکلا

اب اشقیا میں جشن و طرب ہے۔ سرہائے شہدا کا تقاسمہ ہو رہا ہے ۲۲ سر قبیلہ ہوازن کو دیئے گئے۔ تیرہ ابن اشعث کو۔ چھ بنی اسد کو۔ چودہ بنی تمیم کو اور پانچ ایک اور قبیلہ کو جس کا نام اچھی طرح معلوم نہیں اور بارہ سر متعدد اہل لشکر کے حوالے کئے گئے۔

سر اقدس امام ہمام خولی بن یزید کو دے کر پہلے روانہ کیا گیا۔ ابن سعد خبیث تین روز ٹھہرا اپنے ہمراہی جہنمی جو ہلاک ہو گئے تھے سب کی لاشیں جمع کیں۔ خود نماز جنازہ پڑھی اور سب کو مدفون کیا۔ پھر روانہ ہوا مگر لاش ہائے شہدا بتمام و کمال اسی طرح بے گور و کفن اس زمین پر رہیں۔ اس خبیث میں اتنا بھی ایمان نہ تھا کہ خوف الہی کر کے اب دفن کر دیتا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبیث کے کوچ کے بعد مقام غاضریہ جو ایک گاؤں نہر فرات کے کنارے تھا۔ یہاں کے لوگ آئے اور تمام لاشوں کو دفن کر گئے۔ اور کچھ دال چاول گوشت گندم وغیرہ جمع کرا کر پکوایا اور

ایصال ثواب کرایا۔ غالباً یہی اصل حلیم کی ہے۔ جواب تک پاک و ہند میں مروج ہے۔

باقی تمام سرہائے شہداء جن کا تقاسمہ ہوا تھا انھیں حکم دیا گیا کہ نیزوں پر چڑھا کر ابن زیاد بانی بیداد بد نہاد کے پاس لے جائیں اور تمام شہر میں ان سروں کا گشت ہو۔ یہی صورت علم کی ہے۔ آج سر تو ان لوگوں کو میسر نہیں۔ بیچارے ناریل لیموں ٹانگ کر گشت کراتے ہیں اور محبت اہلبیت کے دعویدار ہیں۔ اللہ انھیں ہدایت کرے اور اگر اسے علم عباس سمجھتے ہیں تو آپ کے علم میں نہ لیموں تھا نہ ناریل نہ تلواریں تھیں نہ گھر کی بیویوں کے دوپٹے بلکہ ایک جھنڈا تھا جس میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول منقش تھا تیرھویں کو ان سروں کے ساتھ ساتھ ہی تمام فوج حیا سوز روانہ ہوئی۔ اور شاہی حرم محترم محمدی اہلبیت اطہار بے پردہ اونٹوں پر سوار کئے گئے۔

حضرت عابد بیمار جو اشقیا کے حملوں سے جان بری پا چکے تھے۔ اسی بیماری کی حالت میں پا پیادہ رکھے گئے ہیں آپ کے دست اقدس میں تمام حرم کے اونٹوں کی مہار دے دی گئی آپ زار زار روتے تھے اور گرتے پڑتے چلے جاتے تھے۔ حرم جس وقت مقتل شہدا سے گذرے تو وہ اضطراری کیفیت طاری ہوئی۔ کہ اکثر کی چیخیں نکل گئیں۔ مگر تھوڑی دیر بعد سب نظارہ بے نیازی دیکھتے ہوئے یاس و حسرت کی بے کسی و بے لبی میں نگاہیں ڈالتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

جب یہ قافلہ شام تک چل کر منزل پر پہنچا۔ حرم محترم کے سامان کی لوٹ میں ایک اونٹ ملا تھا وہ ذبح کیا گیا جب کھانے بیٹھے تمام گوشت خون بن گیا اور اس میں سے آگ نکلنے لگی۔ پھینک دیا گیا اور حرم کا شور ہو

پی کر گزر کی پھر روانہ ہوئے۔ دوسری منزل پر جب فوج لعین معہ سر لٹے ہوئے
اسیران بلاحرم محترم سید الاصفیا پہنچے۔ وہاں ایک گرجا کے قریب قیام کیا
اور سرہائے شہداء جو نیزوں پر تھے دیوار کینسہ سے ملا کر کھڑے کئے۔ سرہائے
شہداء سے خون برابر بہہ رہا تھا۔ اچانک دیوار کینسہ شق ہوئی۔ اور ایک ہاتھ
نکلا۔ جس میں لوہے کا قلم تھا۔ اس ہاتھ نے اس قلم کو خون شہداء میں تر کر کے
یہ شعر لکھا ؎

اترجوا امۃ قتلت حسینا شفاعۃ جدہ یوم الحساب

کیا ہے قتل جنھوں نے حسین پیارے کو ہے کیا امید شفاعت انہیں بھی محشر میں

اس شعر کو دیکھ کر تمام اشقیہ سراسیمہ ہو گئے۔ یہاں سے بھی کوچ کیا آگے
چلے تو اور کینسہ ملا اور اس کی دوار کے ایک پتھر پر وہی شعر نظر آیا۔ اس کینسہ
کے راہب کو بلایا پوچھا یہ شعر کس نے لکھا ہے۔ راہب نے کہا مجھے نہیں معلوم
مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہمارے آباؤ اجداد کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں کی پیدائش
سے ۵۰۰ برس پہلے کا ہے اس نے پوچھا تم کون لوگ ہو اور کس کا سر لاتے ہو
یزیدیوں نے کہا کہ ہم مسلمان لوگ ہیں اور یہ سران باغیوں کے ہیں۔ جو امیر المومنین
کے مخالف ہو گئے تھے۔ راہب نے سر امام کی طرف نظر کر کے کہا یہ کس
کا سر ہے۔ یزیدیوں نے کہا یہ سر حسین کا ہے۔ راہب نے پوچھا حسین کون
تھے۔ یزیدیوں نے کہا جو علی شیر خدا کے جگر گوشہ تھے۔ راہب نے کہا علی
شیر خدا وہی نا جو تمھارے نبی آخر الزمان کے داماد تھے۔ یزیدیوں نے کہا
ہاں۔ راہب نے کہا تو یوں کہو نا کہ یہ تمھارے نبی کے نواسے کا سر ہے ؎

وہی حسین ہیں جن کا یہ سر ہے نیزے پر
تمہیں نے قتل کیا اے گروہ بد اختر

بتاؤ تو مجھے جلدی یہ اے گروہ یزید
کیا حسین کو بے جرم کیا تمھیں نے شہید
خدا کی مار ہو تم پر خدا کا قہر پڑے
تمھیں نبی کے نواسیوں سے کربلا میں لڑے
کھلا یہ ماجرا سب مجھ کو آج سر تا سر
تمھیں شقی ازل ہو تمھیں ہو بدگوہر
تمھارے ہی تو پیمبر کا یہ نواسا تھا
یہی حسین کئی دن کا بھوکا پیاسا تھا
ازل سے تھا تمھیں اس نور احمدی سے نفاق
تمھیں پہ آل محمد کا دم تھا گو ر اشاق
بس اور کیا کہوں تم پر خدا کی لعنت ہو
بلا وہ آئے کہ دونوں جہاں میں غارت ہو

پھر اس راہب نے کہا کہ اگر یہ سر شب بھر کو مجھے دے دو اور صبح کوچ کرتے وقت واپس لے لو تو میں دس ہزار درم تھیں دوں گا۔ بے دین عبداللہ ہم والدنیا اس پر راضی ہوگئے کیونکہ انھوں نے اسی مال کی وجہ سے دین خراب کیا تھا۔ راہب نے اس سر اقدس کو گلاب کیوڑے سے دھویا اور ایک صندل کی چوکی پر مخملی غلاف چڑھا کر مشک و عنبر سے معطر کر کے عود کا فور بخور روشن کر کے اس سر کو اس پر رکھا اور ہاتھ باندھے ہوئے رات بھر سامنے کھڑا رہا۔ جمال حق نما اور نور خدا کا مشاہدہ کرتے کرتے دیکھا کہ ایک نور سر اقدس سے نکل کر آسمان تک بلند ہوتا ہے اور انوار ملائکہ سے تمام فضا منور ہو جاتی ہے ؎

آتے تھے دیکھنے میں کرشمہ وہ نور کے ‏ ‏ ہر ذرہ میں تھے جلوہ عیاں کوہ طور کے

صبح ہوتے ہی راہب اس سر سے کہنے لگا اے نور دیدہ مصطفےٰ آپ مرے نہیں ہیں بیشک آپ زندہ ہیں۔ آپکو گواہ کر کے کہتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ جَدُّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

تعجب ہے کہ سر اقدس کے فیوض و برکات صحبت سے ایک راہب کو اسلام ملے اور کلمہ پڑھنے والے محمد رسول اللہ کا نام لینے والے ایسے بیدین ہو جائیں۔ سچ ہے ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم ‏ ‏ ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

صبح اس نومسلم سے دس ہزار درم اور سر اقدس لے کر کوچ کیا۔ راستہ میں درم تقسیم کرنے چاہے تو دیکھا کہ تمام درم خاک ہو گئے چند درم بچے انہیں دیکھا تو ان میں یہ آیتیں دو طرفہ منقش تھیں۔ ایک طرف وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی ظلم کرنے والوں کے ظلم سے خدا کو بیخبر نہ سمجھو اور دوسری طرف یہ آیت کریمہ منقش تھی وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ یعنی وہ وقت ہے کہ ظالموں پر کیسی کیسی مصیبتیں پڑیں گی۔

جب کاروان اہلبیت ابن زیاد بد نہاد کے پاس کوفہ پہنچا تو اہلبیت کی پریشان حالی پر اہل کوفہ افسوس کرنے لگے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نہ رہا گیا۔ فرمانے لگیں ؎

تاسف بیحیائی کا تمہارا ‏ ‏ سمجھتی ہوں کہ یہ ایک اور جل اجارا
تمہاری وجہ سے آئیں بلائیں ‏ ‏ خطائیں ہیں تمہاری سب خطائیں
تمہیں نے بیوہ ہم سب کو بنایا ‏ ‏ تمہیں نے قتل سب کنبہ کرایا
لٹایا ہے تمہیں نے گھر نبی کا ‏ ‏ کرایا تم نے سب کنبہ علی کا
تمہیں تو باعث جور و جفا ہو ‏ ‏ تمہیں سب قاتل آل عبا ہو

ہوئی ہم پر جو یہ کچھ داد بے داد
تمہیں نے تو کیا ہے ہم کو برباد
یتیموں پر الم ڈالا تمہیں نے
یسیروں پر ستم پالا تمہیں نے

غرض کہ سب اہل کوفہ منہ چھپاتے ہوئے اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے اور اسیران بلا کا قافلہ ابن زیاد کی ظلم گاہ تک پہنچ گیا۔ سب کو خبیث نے اپنے سامنے طلب کیا۔ مصیبت زدہ حرم محترم اشک خونی بہاتے ہوئے معہ عابد مظلوم اس شقی ازلی کے سامنے لائے گئے۔ ابن زیاد خبیث بکنے لگا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے آج دشمنوں پر فتح پائی اور حق غالب آیا اور باطل فنا۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے فرمایا خبیث سچ کہہ۔ تو جو کچھ کہہ رہا ہے کیا تیرا دل بھی اس کی تائید کر رہا ہے۔ اپنے ضمیر سے فتویٰ لے کر تو نے کس راستہ پر قدم رکھا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ ایمان سے کہہ کیا ہم ناحق پر ہیں۔ کیا حسین باطل پرست تھے۔ کیا یزید مسرود حق پر ہے۔ ابن زیاد دین گیا سو تو گیا مگر کیا حیا بھی مفقود ہو گئی۔ ملت نہیں تو کیا شرافت بھی معدوم ہے۔

امام زین العابدین کے برجستہ جواب سے ابن زیاد اس قدر شرمندہ ہوا کہ لاجواب ہو کر کہنے لگا۔ اسے بھی قتل کر دو اور تمام امرائے سلطنت میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے لگا۔ جس میں یزید کی تعریف اور امام حسین سید الشہداؑ کی مذمت بیان کی۔ سب کانوں میں نیل ڈالے دنیا طلبی کی وجہ سے سنتے رہے ایک صحابی ؓ جن کا نام عبد اللہ بن عفیف تھا۔ ان سے نہ رہا گیا۔ وہ اٹھے اور ابن زیاد سے کہنے لگے او دشمن خدا بانی جفا تو جھوٹا اور تیرا باپ

جھوٹا اور جسے تو امیر کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ تف ہے تیرے اسلام پر پھٹکار تیری صورت پر۔ تونے رسول کے لخت جگر کو قتل کیا۔ محبوب خدا کی آل اطہار کو قیدی بنایا۔ اس پر کر تو بجائے اس کے خجل و منفعل ہوتا اور مسرت کا اظہار کر رہا ہے۔ اس منبر پر جو خطبہ گاہ اخیار ہے چڑھ کر خرافات بک رہا ہے تجھے خوف خدا و شرم نبی نہیں تو انصاف کم از کم کر اتر منبر سے ورنہ ابھی غضب الٰہی نازل ہو جائے گا اور خبردار۔ زین العابدین کے قتل کا حکم تو در کنار خیال بھی نہ کیجیو۔

ابن زیاد غضب ناک اور خجالت سے نیچے اُترا اور چونکہ عبداللہ بن عفیف کا گروہ شام وغیرہ میں قوت دار تھا۔ اس نے کچھ نہ کہا اور قتل عابد سے بھی باز رہا۔ مگر مصیبت زدگان پر اور یہ مصیبت ڈالی کہ تمام حرم محترم کو کوفہ کے کوچوں میں پھروایا۔ سر امام ہمام تین دن تک دروازۂ کوفہ پر ٹانگے رکھا۔ پھر شمر ذی الجوشن خبیث کو ۵ ہزار سوار دے کر تمام اسیران بلا کو معہ سرہائے شہداء دمشق روانہ کیا۔ خولی بن یزید کربلا سے سر اقدس جب لے کر چلا تھا۔ جیسا کہ ہم اول لکھ آئے ہیں۔ تو یہ پہلے اپنے گھر گیا۔ اور اس نے سر مبارک کو تنور میں رکھا۔ اس کی بیوی نے پوچھا تو کہاں تھا تو جواب دیا کہ ایک شخص یزید کا دشمن ہو گیا تھا۔ اس کے مقابلہ کو گیا تھا۔ اس کی بیوی محب اہلبیت تھی اور پابند اوقات خولی تو سو گیا اور وہ عفیفہ پچھلے پہر تہجد کو اٹھی تو اتفاقاً اس کی نظر تنور پر پڑی۔ دیکھا کہ وہ تنور اس قدر نور آگین ہے کہ اس تجلی انوار سے نظر خیرہ ہوئی جاتی ہے۔ اسے تعجب ہوا کہ تنور میں آگ نہ تھی۔ پھر یہ روشنی کیسی ہے۔ دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ چند بیویاں آئیں اور اس تنور میں سے انہوں نے سر نکالا۔ اُسنے سر کو بغور دیکھا۔ تو وہ تمام نوری شعاعیں

اس میں سے نکل رہی تھیں۔ ان بیویوں نے اس سر کو مشک و گلاب سے دھویا اور چوما۔ پھر آنسو بہائے اور اسے سینہ سے لگایا اور کہا اے میرے لال اے میرے شہید۔ اے میرے مظلوم اللہ بروز جزا تیرا انصاف فرمائے گا اور جب تک میں تیرا خون بہانہ لے لونگی۔ کنگرہ عرش نہ چھوڑوں گی۔

پھر اس سر کو تنور میں رکھ کر وہ خواتین نظر سے پنہاں ہوگئیں اور وہ اشعۂ نوری بھی ناپدید ہوگیا۔ اب یہ خود اٹھی اور تنور پر آئی سر اقدس کو نکالا۔ غور سے دیکھا۔ چونکہ امام ہمام کی زیارت سے یہ بارہا مشرف ہو چکی تھی پہچان لیا اور ایک نعرہ آہ لگا کر بے ہوش ہوگئی۔ عالم بے ہوشی میں دیکھتی ہے کہ چند بزرگ تشریف لائے اور فرمایا تو پریشان نہ ہو۔ تیرے شوہر کے گناہ میں تو ماخوذ نہ ہوگی۔ اس نے دریافت کیا کہ وہ بیویاں کون تھیں تو انھوں نے کہا۔ کہ سر سینے سے لگانے والی حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں اور زار زار رونے والیاں حضرت صدیقہ اور مریم بنت عمران تھیں کہ اتنے میں اسے ہوش آگیا۔ اس نے اس سر اقدس کو چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور بلند مقام پر نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ رکھ کر اپنے شوہر کو غصہ میں جگایا اور کہا مردود! تو نے تو مجھ سے کہا تھا۔ کہ یزید کے باغی کے مقابلہ کو گیا تھا۔ بے ایمان یوں کیوں نہ کہا کہ فرزند رسول جگر گوشۂ زہراہ و بتول کے قتل کو گیا تھا اٹھ اور دیکھ ملائکہ کے گروہ اس کی زیارت کو آ رہے ہیں۔ زمین و آسمان میں شور و فریاد و فغاں ہے اور بس ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ میرا تیرا ساتھ ختم ہوا۔ میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں بیزار ہوں اور خبردار! مجھ سے اب تیرا کوئی واسطہ نہیں۔ نہ تو میرا خاوند نہ میں تیری بیوی۔

یہ کہہ کر چادر اوڑھ کر گھر سے نکلی اور تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہو گئی۔ پھر اس کو کسی نے نہ دیکھا۔

حضرت زید بن ارقم راوی ہیں کہ جب سر امام گشت کرتا ہوا میرے مکان کے قریب سے گزرا۔ میں بالاخانہ میں دریچہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے سنا۔ اس سر مبارک سے یہ آیت پڑھنے کی آواز آرہی تھی اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ط میرا تمام جسم لرزنے لگا اور میں سمجھ گیا کہ یہ سر امام سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اور ایک بزرگ نقل فرماتے ہیں کہ جب سرہائے شہدا دار الامارۃ کوفہ میں لائے گئے میں نے دیکھا کہ لبہا مبارک حرکت میں ہیں۔ میں نے اپنے کان قریب کئے تو سنا آپ فرما رہے ہیں وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ پھر ابن زیاد بن بدنہاد نے اس سر اقدس کو اپنے ہاتھ میں اٹھا کر دیکھنا شروع کیا تو اس کا ہاتھ لرزنے لگا۔ گھبرا کر اپنی ران پر رکھ لیا۔ اس میں سے ایک قطرہ خون کا ٹپکا۔ جو اس خبیث کی قبا پر پڑا اور تیزاب کی طرح دامن قبا سے پار ہو کر جبہ اور پیراہن اور ازار سے گزر کر ران کو برماتا ہوا تخت پر پہنچا اور تخت سے پار ہو کر زمین پر گرا اور غائب ہو گیا۔ یہ زخم عمر بھر ابن زیاد کی ران پر رہا۔ اس میں ایسی بدبو آتی تھی کہ وہ نافہ مشکی ران پر باندھتا تھا۔ پھر بھی لوگ اس کے پاس نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ جس دن یہ مارا گیا۔ تو حضرات ابراہیم بن مالک بن اشتر نے اس خبیث کو اسی علامت سے پہچانا تھا جس کا تذکرہ سزا قاتلان میں مفصل مذکور ہوگا۔

مقام حران پر جب یہ قافلہ پہنچا۔ تو ایک یہودی جس کا نام یحییٰ تھا۔ بالاخانہ پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر سب سروں پر پڑی جو نیزوں پر تھے۔ جب امام کے سر کو دیکھا تو لبہائے متحرک دیکھے کان لگا کر سنا تو آپ یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ط یحییٰ حرانی حیران ہو کر کہنے لگا۔ یہ کن کے سر ہیں۔ بتایا گیا کہ یہ سرہائے اہلبیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا کہ سب سے آگے کس کا سر ہے کہا گیا کہ یہ امام حسین، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ عین کا سرِ اقدس ہے یحییٰ کہنے لگا اگر ان کے نانا حق پر نہ ہوتے تو ان کے نواسہ کے سر سے یہ کرامت کیسے ظاہر ہوتی۔ علی الفور مسلمان ہوا اور زنانِ حرمِ محترم کے لیے حلہ ہائے مصری لایا۔ حضرت زین العابدین کی خدمت میں ایک ہزار درم نقد اور لباس فاخرہ پیش کیا۔ بدبختوں نے یحییٰ سے کہا کہ تم شاہی قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کرو ورنہ قتل کیے جاؤ گے۔ یحییٰ کو جوش آگیا۔ تلوار نکال لی اور فرمایا۔ خبیثو! یہ شاہی مجرم نہیں یہ مجرمان عشق و محبت ہیں۔ ورنہ دم زدن میں تمھیں نیست و نابود کر دیتے پھر تکبیر کا نعرہ لگا کر خوب مقاتلہ کیا۔ پانچ خبیثوں کو جہنم پہنچا کر داخل خلد ہوئے ؛

موصل کے قریب جب سرہائے مبارک معہ کاروان اہل بیت پہنچے یہاں قیام کیا اور سر مبارک کو ایک پتھر پر رکھا گیا۔ وہاں ایک قطرۂ خون اس پتھر پر گر کر جم گیا۔ اور عبد الملک بن مروان کے زمانہ تک ہر سال محرم میں تازہ ہوتا رہا۔ پھر وہ کہیں پوشیدہ کر دیا گیا۔ مگر مشہد

نقطہ کے نام سے ایک گنبد وہاں بنا دیا گیا ہے جس کی اب تک زیارت ہوتی ہے۔ اہل موصل کے حاکم عماد الدولہ تھے۔ وہاں کے لوگوں نے بہ تحریک عماد الدولہ ان خبیثوں کو شہر میں نہ آنے دیا اور بجائے خوشی کے شہادت امام پر اظہار غم کیا اور یزید کی کوئی پرواہ نہ کی۔ مجبور شمر یہاں سے شہر نصیبین چلا گیا۔ وہاں کے امیر منصور بن الیاس خبیث نے یزید کی خوشامد میں شہر کو آراستہ کیا اور شمر کے استقبال کو شہر سے باہر آیا۔ مگر حمیت حق کو یہ بات ناگوار گزری۔ ابھی سر ہائے شہداء دروازہ شہر پر ہی پہنچے تھے کہ اس شہر پر بجلی گری اور آدھے شہر سے زیادہ کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ شمر گھبرایا اور یہاں سے بعجلت روانہ ہو کر ایک اور قصبہ میں پہنچا وہاں بھی فساد کی صورت دیکھ کر بھاگا اور حوالی حلب میں بالائے کوہ معمورہ ایک موضع تھا۔ وہاں جا کر قریب موضع دامن کوہ میں ٹھہرا۔ شہر معمورہ کا رئیس عزیز یہودی تھا۔ اس کو خبر ہوئی۔ تو اس نے کوئی التفات نہ کیا شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام اشکبار تشریف فرما ہیں۔ یہ مؤدبانہ حاضر ہوا اور سبب گریہ دریافت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا عزیز! نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ امام حسین شہید ہوئے ہیں اور ان کے رفقاء کے سر مع ان کے سر کے تیرے موضع کے قریب لائے گئے ہیں اور یہ تمام سر شام لے جائے جا رہے ہیں۔ تو جا اور ہمارا سلام پہنچا۔ اس صلہ میں امام کی آزاد کردہ کنیز شیریں تیرے نکاح میں آئے گی۔

قبل اس کے کہ ہم واقعہ روانگی بیان کریں۔ شیریں کا تذکرہ ضروری

سمجھتے ہیں۔ تاکہ ناظرین کو قصہ کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

زمانہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں جب استیصال مملکت ایران ہوا تو شہر بانو یزدجرد شاہ ایران کی صاحبزادی مدینہ میں لائی گئیں اور ان کے ہمراہ سو کنیز اور تھیں۔ فاروق اعظم نے معہ سو کنیزوں کے شہر بانو کو بہ پاس وقار خاندان حضرت امام حسین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب شہر بانو رضی اللہ عنہا دولتِ مواصلت امام سے مشرف ہوئیں۔ تو آپ نے اپنی لونڈیاں اس خوشی میں آزاد فرما دیں۔ پھر جناب امام زین العابدین کی ولادت ہوئی تو چالیس کنیزیں آزاد کیں۔ اب صرف دس لونڈیاں آپ کے پاس رہ گئیں۔ ان میں حضرت شیریں بھی ہیں جو نہایت حسین وجمیل عاقلہ فرزانہ ہیں۔

ایک روز جناب امام نے بطور مزاح حضرت شہر بانو سے شیریں کے حسن وجمال کی تعریف فرمائی تو آپ نے یہ سمجھ کر کہ حضور کی رغبت شیریں کی طرف ہے۔ شیریں کو آراستہ کر کے پیش کیا اور عرض کی یہ حضور کی نذر ہے اور اب یہ آپ کی ملک ہے آپ نے نہایت مسرت سے قبول فرما کر شیریں کو آزاد فرما دیا اس وقت حضرت شہر بانو نے ایک خلعت فاخرہ شیریں کو لا کر پہنا دیا۔ حضرت امام نے فرمایا شہر بانو تم نے بہت لونڈیاں آزاد کیں مگر کسی کو خلعت نہ دیا۔ شیریں کو خلعت دینے کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے عرض کی حضور ان کو میں نے آزاد کیا تھا اور شیریں کو آپ نے اس لیے میں نے یہ امتیاز اعزاز ملحوظ رکھا ہے۔ پھر حضرت شیریں بعد آزادی بھی حضرت شہر بانو کی خدمت میں ہی رہیں اور کربلا میں خواتین حرم کے ساتھ تھیں۔ یہ قصہ غلط مراثی

خوانوں میں ہے۔ جو مشہور ہے کہ قلعہ شیریں کے برابر حرم پہنچے اور شیریں نے کاروان اہل بیت کی دعوت کی اور کیا کیا۔ اس کی اصلیت سوائے ایک مرثیہ کے ہمیں کسی تاریخ کتاب میں نہیں ملی۔ آمدم برسر مطلب۔

غرض کہ عزیز خواب سے بیدار ہو کر روانہ ہوا۔ اور یہاں حضرت شیریں نے یہ سوچ کر حریم عفت پناہ کے کپڑے جریدہ اور میلے ہو گئے ہیں ارادہ کیا کہ معمورہ میں جا کر اپنا زیور فروخت کر دوں اور خواتین کے لیے کپڑے لاؤں۔ دروازہ معمور کو چلیں۔ ادھر یہ دروازہ پر آئیں۔ ادھر عزیز آیا۔ دروازہ بند تھا۔ انہوں نے کھولنا چاہا۔ عزیز کہنے لگا شیریں ٹھہرو دروازہ کھولتا ہوں۔ شیریں حیرت میں تھیں کہ یہ کون شخص ہے اور اس نے مجھے کیسے پہچانا۔ عزیز نے دروازہ کھولا اور شیریں سے واقعہ ماضیہ کہا۔ پھر یہ سر امام پر آیا اور سلام انبیاء عرض کیا۔ پھر امام زین العابدین نے شیریں سے عزیز کا عقد فرمایا۔ اس واقعہ کو سن کر تمام اہالیان معمورہ مسلمان ہو گئے۔

اب شمر نے یہ حکم دیا کہ دن میں سرہائے شہداء نیزہ پر رہیں۔ شب کو تمام سر صندوقوں میں مقفل رکھے جائیں حضرت اسماعیل ابو الخنوق تمام سے راوی ہیں وہ کہتا تھا کہ ہر رات سرہائے شہداء پر ۵۰ محافظ متعین ہوتے ان میں ایک روز میں بھی تھا جبکہ جنگل میں قیام ہوا۔ اتفاقاً جب رات بہت گزر گئی اور نگہبان بھی سو گئے تو مجھے نیند نہ آئی۔ پہلے میں نے ایک مہیب آواز سنی۔ پھر دیکھا۔ ایک مرد گندم گوں سفید لباس آسمان سے اترے اور اپنا سر برہنہ کر کے سر امام کو صندوق سے نکالا اور بہت روئے۔ ابو الخنوق لکھتا ہے۔ میں نے چاہا۔ کہ وہ سر ان سے لے کر صندوق میں بند کروں۔ مگر مجھے کسی نے زور سے للکار دیا اور

کہا خبردار۔ یہ حضرت آدم صفی اللہ ہیں۔ میں سراسیمہ ٹھہرا رہ گیا۔
پھر ایک اور صاحب تشریف لائے اور آواز آئی کہ یہ نوح نجی اللہ ہیں۔
پھر ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ اور دیگر انبیا کرام تشریف لائے۔ اخیر
میں سردار انبیا سند الاصفیا محبوب خدا مع صحابہ کرام و مولا علی شیر خدا
و حسن مجتبیٰ و حمزہ سید الشہداء اور جعفر طیار کے تشریف لائے۔ سب نے
یکے بعد دیگرے سر اقدس کو چوما۔ پھر ایک کرسی نورانی لگائی گئی اور حضور
اس پر جلوہ افروز ہوتے۔ تمام انبیا حضور کے گرد و پیش کھڑے ہوئے پھر
ایک فرشتہ آیا جس کے ہاتھ میں ایک تلوار اور گرز آتشیں تھا۔ اس نے میرا
ہاتھ پکڑا۔ میں نے فریاد کی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں تو آپ کا غلام
ہوں۔ مگر یہ لوگ مجھے بجبر ہمراہ لے آئے ہیں۔ مگر اس فرشتہ نے ایک
طمانچہ مار ہی دیا۔ پھر حضور نے فرمایا۔ اچھا اب اسے چھوڑ دو۔ پھر میں
ہیبت سے بیہوش ہو گیا جب صبح ہوئی تو مجھے ہوش ہوا۔ میں نے
دیکھا کہ لوگ محافظان سرہا، شہداء کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ مگر ان کا کہیں پتہ
نہیں۔ جہاں جہاں وہ سوتے تھے وہاں ایک راکھ کا ڈھیر نظر آتا ہے۔
حضرت اسماعیل فرماتے ہیں کہ ابو الخنوق اس تمام واقعہ کو شمر کے
سامنے کہہ رہا تھا۔ جب سب کچھ وہ کہہ چکا۔ تو شمر نے اس کے اس رخسارہ
کو دیکھا۔ جہاں طمانچہ لگا تھا۔ تو وہ سیاہ تھا۔ پھر ابو الخنوق نے زور سے
ایک آہ کی اور گر کے مر گیا۔ شمر گھبرایا اور جلدی سے کوچ کیا۔ آخر ش قریب
شام ایک دیر کے نیچے ٹھہر جانا چاہا۔ مگر یہاں آ کر سنا کہ مسیب بن
قعقاع شبخون مار کر سرہا، شہداء لے جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ گھبرا کر
تمام سر صندوقوں میں مقفل کئے اور مع تمام حرم کے دیر میں بھیجدیئے صاحب

دیر نے ان سروں کو ایک حجرہ میں رکھا کر مقفل کیا اور حرم محترم کو اس حجرہ کے قریب ٹھہرادیا۔

ابو سعید دمشقی کہتا ہے کہ وہاں سوائے میرے اور کوئی نہ رہا۔ کیونکہ ابوالخنوق کے واقعہ سے سب ڈرے ہوئے تھے اور سروں کی حفاظت راہب دیر کے سپرد کردی گئی۔ دیر کے باہر معہ فوج کے شمر نے قیام کیا۔ راہب نے تمام شب اس حجرہ کے قریب گزاری۔ جس میں سرہائے شہداء تھے۔ اس نے دیکھا کہ شب کو وہ حجرہ یک بیک منور ہوگیا اور اس قدر روشنی بڑھی کہ آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ راہب نے روزن میں سے جھانک کر دیکھا تو اس مکان کی چھت شق ہوئی۔ اور آسمان سے ایک محافہ زریں اترا۔ اس کے چاروں طرف خوبصورت خواتین تھیں جو کہہ رہی تھیں۔ حضرت حوّا کی سواری آئی۔ اسی طرح حضرت سارہ۔ حضرت ہاجرہ۔ حضرت راحیل یوسف علیہ السلام اور حضرت صفورہ دختر حضرت شیث علیہ السلام اہلیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کلثوم خواہر موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آسیہ فرعون کی بیوی۔ اور حضرت مریم۔ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور دیگر ازواج مطہرات کی سواری آئی۔ سب کے بعد ایک عماری نورانی نازل ہوئی۔ اس وقت آواز آئی۔ اے راہب روزن سے ہٹ جا کہ یہ مستورات عفت ہیں۔ اب سیدہ خاتون جنت تشریف لا رہی ہیں۔ راہب روزن سے ہٹ گیا۔ مگر آوازیں سنتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پھر دیکھنا چاہا۔ تو اس کو معلوم ہوا کہ ایک حجاب نورانی حائل ہے۔ کچھ نظر نہ آیا اور اقسام اقسام کے مرثیے پڑھے گئے پھر وہ راہب تو بیہوش ہوگیا۔ نہ معلوم اور کیا کیا ہوا۔ جب اسے ہوش ہوا۔ تو نہ وہ روشنی تھی

نہ وہ خواتین ۔ نہ وہ بقعات نور۔ مگر حجرہ کا تالا ٹوٹا پڑا تھا۔ اور صندوق سب کھلے ہوئے تھے۔ راہب نے سر مقدس امام صندوق سے نکالا اور ایک قیمتی مصلے پر رکھ کر خوشبوئیں لگائیں۔ اور مؤدب دو زانو اس کے آگے بیٹھ کر عرض کرنے لگا۔ اے سرداران آدم۔ وے مہتر و بہتران عالم۔ یہ تو میں سمجھ گیا۔ کہ آپ ان لوگوں میں ہیں۔ جن کا وصف تورات و انجیل میں مرقوم ہے۔ مگر میں آپ کو اسی خدا کی قسم دیتا ہوں۔ جس نے آپ کو یہ جاہ و منزلت عطا فرمایا۔ کہ خاتونانِ قیامت آپ کی زیارت کو آئیں۔ اور آپ پر گریہ زاری کر کے تشریف لے گئیں۔ یہ مجھ کو بتا دیجئے۔ کہ آپ کون ہیں۔ اسی وقت سر مبارک نے اس طرح تکلم فرمایا

انا مظلوم ۔ انا مہموم ۔ انا مقتول ۔ انا غریب ۔ انا بن النبی المصطفیٰ ۔ انا بن الولی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ جب راہب نے یہ بات سنی تو اسی وقت اپنے تمام متوسلین کو بلا کر زناریں توڑیں اور جناب امام زین العابدین کے دست اقدس پر اسلام قبول فرمایا۔ پھر آپ سے اجازت طلب کی کہ شمر کو اس کے کیفر کردار تک پہنچاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ امر مشیت الٰہی کے خلاف ہے۔ یہ خود عنقریب اپنی سزا کو پہنچیں گے۔ غرض کہ اسیطرح کے بہت سے واقعات خرق عادات راستہ میں ظاہر ہوئے۔ حتیٰ کہ دربار شقاوت آثار یزید بد کردار میں اسیران اہلبیت کی آمد کی خبر سرہائے شہداء کے پہنچی۔ بے دین بہت مسرور ہوا۔ قصر امارت کو آراستہ کیا۔ تمام امراء و رؤسا شام جمع کئے گئے۔ ادھر سرہائے شہداء بازار دمشق میں سے گزرتے ہوئے قصر امارت کی طرف جا رہے ہیں۔ اہل دربار

جوق در جوق تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ ان میں ایک مرد مسافر محب اہلبیت بھی اس سانحہ کو دیکھ رہا ہے اور زار زار رو رہا ہے۔ جناب امام زین العابدین کی نظر اس پر پڑی۔ تو فرمایا۔ اے شخص آج وہ یوم انقلاب ہے۔ کہ تمام تماشائی خوش ہیں۔ تو کیوں رو رہا ہے؟ اس نے عرض کی۔ حضور آپ کا غلام ہوں۔ اس امر پر افسوس کر رہا ہوں کہ آج تنہا میں یہاں کیوں آیا۔ کاش! آج نہ آتا۔ تو اس سانحہ کو نہ دیکھتا۔ اپنے آقا کا یہ احوال مشاہدہ نہ کرتا۔ میں مسافر ہوں اور تنہا ورنہ کچھ خدمت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا۔ میں اس وقت اپنے قبیلہ کے لوگوں سے دور ہوں۔ ورنہ اس خوشی کا انہیں مزا چکھا دیتا۔

امام زین العابدین نے ایک دردمند کی دردمندی دیکھ کر دعا دی اور فرمایا اللہ تجھکو اس ہمدردی کی جزاء جزیل عطا فرمائے۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو اتنا سلوک کر کہ اس شتربان کو جو سر امام لئے ہوئے جا رہا ہے۔ ذرا آگے جانے پر تیار کر دے کہ لوگ اس سر کا تماشہ دیکھ رہے ہیں اور ہمارے حرم شرم وحجاب سے عرق عرق ہیں۔ یہ اونٹ ذرا آگے ہو جائے تو ہمارے حرم عفت پناہ کے پاس اتنا ہجوم نہ رہے گا اور یہ حریم عفت پردگیان دیار رسالت کچھ تو نظر خلائق سے محفوظ رہیں گی۔

یہ شخص آگے بڑھا اور اس شتربان کو جس کے پاس سر امام تھا پچاس دینار دیئے اور اونٹ آگے بڑھوا دیا۔ پھر بازار سے کچھ چادریں خرید کر مستورات کی پردہ پوشی کے لیے پیش کیں اور جناب امام زین العابدین کے لیے ایک عمامہ پیشکش کیا۔ اس شخص کا نام اندبر تھا چند روز بعد اسے

کچھ آدمی جمع کر کے انتقام امام کی نیت سے یزید پر چڑھائی بھی کی۔

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سہیل ساعدی صحابی تھے۔ تجارت کے لیے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے اس ہی وقت واپس آئے تھے جس وقت سر امام لے جایا جا رہا تھا۔

غرض کہ جب یہ جلوس مردان میدان صبر و رضا یزید کے قصر نحوست میں پہنچا تو امام زین العابدین نے دیکھا کہ خبیث ایک تخت مکلل بجواہر پر بیٹھا ہوا ہے۔ شامی امراء ارد گرد دست بستہ کھڑے ہیں۔ پہلے اہلبیت کو بلایا گیا اور ایک صفہ میں پردہ ڈال کر ٹھہرایا پھر سرہائے شہداء تخت کے آگے رکھے گئے۔ یزید ہر سر کو دیکھتا اور حال پوچھتا شمر نے یزید کے مزاج کا اندازہ لگانے کو سر امام بشیر بن مالک کو دے کر سمجھا دیا تھا۔ کہ تو یہ ظاہر کرنا کہ میں نے ہی آپ کو شہید کیا ہے۔ چنانچہ بشیر بن مالک نے یزید کے سامنے سر امام لے جا کر رکھا اور چند اشعار فخریہ پڑھے۔ جن کا یہ مفہوم تھا کہ میں نے محض تیری رضا جوئی کی خاطر خیر خلق اللہ کا سر کاٹا ہے۔ اب انعام دے۔ یزید اس لفظ پر بگڑ گیا اور کہنے لگا۔ جب تو انہیں خیر خلق اللہ جانتا ہے۔ تو پھر انہیں قتل ہی کیوں کیا۔

غرضکہ اشقیا سے اس خون ناحق کا منجانب اللہ انتقام کربلا سے روانگی کے وقت ہی شروع ہو چکا تھا۔ اب چن چن کر خاص طور پر شروع ہوا۔ چنانچہ یزید نے یہ سنتے ہی بشیر کے قتل کا حکم دیا۔ جلاد بشیر کو قصر سے باہر لایا۔ اور ایک ہی وار میں جہنم پہنچایا۔ یہ بشیر انہیں دس آدمیوں میں تھا۔ جو قتل امام پر متفق ہو کر آگے بڑھے تھے۔

اس کے بعد یزید نے لشکریوں سے حالات شہادت امام دریافت کیے۔ شمر نے سب مفصل بیان کیے۔ پھر ایک طشت میں سر امام رکھوا کر اپنے تخت نکبت کے آگے رکھوایا۔ اس وقت اس خبیث کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ جس کو بار بار لب و دندان مبارک سے مس کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ کہ اس شخص کے لب اور دانت کس قدر خوبصورت ہیں کہ اب بھی حسن جھلک رہا ہے۔

اس مجلس میں سمرۃ بن جندب صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ آگے بڑھے اور فرمانے لگے۔ اے یزید! تجھ پر خدا کی مار۔ یہ کیا کر رہا ہے۔ چھڑی ہٹا لے۔ خدا کی قسم یہ وہ لب و دندان ہیں۔ جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے دیکھا ہے۔ خدا تیرے ہاتھوں کو توڑے اور تجھے فنا کرے۔

یزید اس نصیحت پر جھنجلایا اور کہنے لگا۔ اب مجھے تمہاری صحابیت کا پاس نہ ہوتا تو تمہاری اس گستاخی پر تمہیں قتل کر ڈالتا۔ حضرت سمرہ نے فرمایا۔ یہ اور بھی تعجب خیز بات ہے کہ شرف صحبت کا تو لحاظ کرتا ہے اور شرف عینیت کو بالائے طاق رکھ کر راکب دوش رسول پر تیغ جفا چلانا گوارا کر لیتا ہے۔ بے دین تیرے حکم سے تو یہ محبوب خدا کے جگر پارہ کے پارے ہوئے۔ تو نے ہی تو دنیا کو دین پر مقدم رکھا۔ حضرت امیر معاویہ کی وصیتوں کو مٹایا۔ صبر کر آج کل چھڑی اٹھا لے کل قیامت میں اس کا کفن خونی ہوگا اور تو اس تقریر سے اہل دربار کے دل بھر آئے۔ سب زار زار

رونے لگے۔ یزید نے خوف فتنہ سے آپ کو قتل تو نہ کروایا۔ مگر قصر شاہی سے باہر کرادیا۔

پھر یزید نے زنان حرم کو سامنے بلایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یزید تجھے شرم نہیں آتی۔ تیری عورتیں جو ہماری لونڈیاں بننے کی اہلیت نہیں رکھتیں وہ پردہ میں ہوں اور ہم جو ناموس رسول اللہ ہیں۔ اس طرح بے حرمتی سے آگے لائی جائیں۔ ذرا خوف کر تو نے اب تک کوئی ظلم اٹھا نہ رکھا ہے۔ کیا یہی چاہتا ہے کہ ابھی تجھ پر کوئی عذاب آئے۔ بے ایمان حمیت حق کی حرکت کو دیر ہے۔ یزید اس تقریر سے لرز گیا اور پھر تمام مخدرات عصمت کو پردہ میں بھیج دیا اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو سامنے بلایا اور کہنے لگا۔ تمہارے والد چاہتے تھے کہ منبروں پر ان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ مگر خدا نے ان کی آرزو پوری نہ کی اور دیکھو اللہ نے مجھے کامیاب کیا امام نے فرمایا او بدلگام بے دین۔ ذرا ہوش کی دوا کر۔ ایمان سے کہہ۔ یہ منبر تیرے باپ نے بنایا یا ہمارے باپ دادا نے۔ انصاف سے کہہ خلافت ہمارے اب وعم کا حق تھا یا تیرے باپ دادا کا۔ جہاد راہ خدا میں میرے جد امجد نے کیا یا تیرے آباؤ اجداد نے۔ قرآن جس پر مدار ایمان ہے۔ تیرے باپ دادا پر نازل ہوا یا میرے نانا پر۔ مگر صبر کر عنقریب تیرا میرا انصاف کل قیامت کے دن جناب الٰہی کے حضور ہوگا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

اس تقریر نے یزید کی آتش غیظ و غضب اس قدر مشتعل کر دی کہ از خود رفتہ ہو کر امام کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب جلاد آپ

کے قتل کو آگیا۔ تو حضرت ام کلثوم نے فرمایا۔ او ہندہ کے بیٹے دیکھ۔ اس بچے کو قتل نہ کر۔ اب نسل پیمبر پر منحصر ہے۔ تو نے سب کو شہید کرا دیا۔ یہ ایک نشان نبوت باقی ہے۔ ہم بیکس۔ بیوہ۔ یتیم۔ مصیبت زدوں کا محرم سوائے اس کے کوئی نہیں ہے۔ للہ رحم کر۔ خبیث نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب آپ مایوس ہوگئیں۔ تو جوش میں کھڑے ہو کر مدینہ والے غیاث ددکون۔ سبز گنبد والے سراپا عون اپنے جد امجد کے حضور اس طرح پکاریں ؎

انا دیک یا جداہ یا خیر مرسل
حسینک مقتول ونسلک ضائع

ز خاک اے لالۂ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

اے جہاں کے داد رس فریاد ہے
آہ۔ قاتل پر تیرے بے داد ہے

شہیدوں میں ملے شبیر ہائے
ہوئی جاتی ہے اب سب نسل بھی ضائے

خبر لیجئے خدا را اب ہماری
کہاں تک ہم کریں گے اشک باری

دربار رسالت میں یہ آواز اسی وقت مسموع ہوئی اور یزید پر دہ ہیبت غالب آئی۔ کہ متحیرانہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ علی الفور اس ظالمانہ حکم کو واپس لیا اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا۔ کہ آپ آداب شاہی کا لحاظ رکھئے۔ آپ نے فرمایا بے دین

ہمیں موت سے کیا ڈراتا ہے۔ آداب شاہی ملحوظ رکھنا تیرا فرض ہے نہ کہ ہمارا۔ سچ کہہ ہم شہزادہ ہیں یا تو۔ اتنے میں یزید کا بیٹا آگیا۔ یزید نے کہا آپ اور یہ عمر میں برابر ہیں۔ دیکھیں کشتی میں کون جیتتے۔ ذرا لڑو تو۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بیہودہ بک بک ہے۔ ارے اگر مقابلہ چاہتا ہے تو مردانہ مقابلہ کر۔ ایک تلوار اسے دے اور ایک ہمیں پھر دیکھ کس کا وار کارگر ہوتا ہے۔ اتنے میں محلسرائے میں نوبت بجنے لگی۔ یزید کا بیٹا کہنے لگا۔ بتاؤ یہ نوبت تمھارے باپ کی ہے یا میرے باپ کی۔ اتنے ہی میں اذان کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا تیرے باپ کی نوبت تب تک ہے جب تک نقارہ سلامت ہے اور یہ اسی بیت ظلم تک محدود ہے۔ دیکھ یہ میرے باپ کی نوبت ہے جو عرش سے فرش تک بج رہی ہے اور قیامت تک بجتی رہے گی۔ بتا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ میرے جدِ امجد کے لیے کہا جاتا ہے یا تیرے باپ دادا کیلئے۔ یزید یہ سب باتیں سُن کر متاثر ہوا اور کچھ خوف غالب آیا۔ امام زین العابدین سے کہنے لگا۔ آپ مجھ سے کچھ خواہش کریں۔ میں اسے پورا کردں گا۔

امام زین العابدین نے فرمایا کہ مجھے تجھ سے امید نہیں کہ جو میں کہونگا اسے تو پورا کرے گا۔ یزید نے اطمینان دلایا آپ نے فرمایا۔ چار باتیں ہیں وہ پوری کردے۔ اوّل یہ کہ میرے باپ کے قاتل کو میرے حوالہ کر کہ میں اسے قتل کروں۔ دوسری یہ کہ سرہائے شہداء مجھے دیدے کہ میں انہیں تنہائے مقدسہ کے ساتھ دفن کردوں۔ تیسری یہ کہ آج جمعہ کا دن ہے مجھے اجازت دے کہ منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھوں کہ عالم میں سب سے زیادہ اس منصب کا میں ہی مستحق ہوں۔ چوتھی یہ کہ ہمارے لٹے ہوئے قافلہ کو مدینہ پہنچا دے۔

یزید نے چاروں سوال سن کر سب سے اول قاتل امام کو پوچھا لوگوں نے کہا خولی بن یزید ہے۔ خولی بن یزید نے صاف انکار کیا۔ کیونکہ وہ بشیر بن مالک کا انجام دیکھ چکا تھا اور سنان بن انس کا نام لیا۔ سنان بولا کہ میں تو قاتل امام پر لعنت پڑھتا ہوں۔ آخر یزید نے غصہ میں آکر کہا کہ آخر کسی نے قتل بھی کیا یا نہیں۔ سنان نے کہا شمر ذی الجوشن اصلی قاتل ہے۔ تمام درباریوں نے اس کی تصدیق کی۔ مگر شمر صاف انکاری ہو گیا۔ یزید جب برہم ہوا۔ تو شمر بھی بگڑ گیا۔ اور کہنے لگا۔ میں کیوں قاتل ہونے لگا۔ میری کون سی سلطنت حسین نے دبا رکھی تھی۔ اصل میں وہ قاتل حسین ہے۔ جس کو حسین کی طرف سے اپنی سلطنت کا خوف تھا۔ جس نے قبائل عرب کو جمع کر کے انہیں ہتھیار زر و جواہر دے کر ان کے ایمان خراب کئے اور قتل امام پر برانگیختہ کیا۔ انہیں منصب اور عہدے اور جاگیریں بخشیں۔ اور آپ آرام سے دور بیٹھا رہا۔ اور دوسروں کے ہاتھوں اس کام کو پورا کرا کر شراب پی پی کر مست بنا رہا۔ چونکہ پانی خود پر مرتا تھا دل میں شرمندہ ہوا اور کوفیوں سے کہنے لگا۔ خدا تم سب پر لعنت کرے۔ میرے سامنے سے چلے جاؤ شمر نے کہا اب تو چلے ہی جاؤ اس لیے کہ کام تو ہو ہی گیا۔ خود بے ایمان بنا سو تو بنا۔ مگر دوسروں کے ایمان بھی خاک میں ملائے۔ غرض کہ بہت کچھ فتنہ بڑھ گیا۔

پھر یزید نے امام سے عرض کی کہ درخواست تو رہنے دیجئے باقی اور سب درخواست منظور ہیں مگر جب جامع مسجد دمشق میں آیا تو دیکھا کہ تمام امرائے شام جمع ہیں۔ اپنے وعدہ پر پشیمان ہوا۔ اور خیال کیا کہ اگر انہوں نے خطبہ پڑھا تو بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ بجائے امام

کے ایک شخص کو جو شامی تھا منبر پر چڑھا دیا۔ اس نے آل سفیان کی تعریف اور آل ابوطالب کی مذمت بیان کی۔ امام حسین سیدالشہداء رضی اللہ عنہ کی بہت کچھ برائیاں کیں۔ اس پر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر فرمایا بئس الخطیب انت۔ اے شامی تو جھوٹا ہے اور فتنہ انگیز خطیب ہے۔ ایک سیہ کار بندے کی خوشامد میں اللہ کے احکام کی نافرمانی کرتا ہے اور غضب الٰہی سر لیتا ہے۔ پھر آپ نے یزید کی طرف مخاطب ہو کر اس کا وعدہ یاد دلایا۔ یزید اجازت دینا نہیں چاہتا تھا۔ مگر اہل دمشق کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ حجاز اور خاندان نبوت کی فصاحت و بلاغت بے مثل ہے۔ ہم انہی کا خطبہ سنیں گے۔ یزید نے اپنے ہواخواہوں سے کہا۔ یہ ہاشمی شیر ہے۔ علاوہ اس کے یہ اس خاندان سے ہے۔ جس کی فصاحت و بلاغت عرب و حجاز میں ضرب المثل ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی بلاغت کا جادو چلا کر بنا بنایا کام بگاڑ دے سب نے کہا ابھی یہ بچے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وعظ و نصیحت کے سوا اور کچھ کہنے کی ہمت نہ کریں گے۔ آخر ش یزید نے مجبور ہو کر اجازت دی۔ آپ منبر پر چڑھے اور خطبہ شروع فرمایا۔ جس میں اول حمد و نعت بیان فرما کر اس طرح فرمانا شروع کیا۔ جس کو علامہ ابو اسحاق اسفرائنی اپنی کتاب نور العین میں اس طرح نقل فرماتے ہیں:۔

ایھا الناس! احذرکم الدنیا و ما فیھا فانھا دار زوال و ھی قد افنت قروت الماضیۃ و ھم کانوا اکثر منکم مالا و اطول اعمارا و قد اکل التراب جسومھم و غیر احوالھم افتطمعون بعدھم ھیھات! ھیھات!! فلا بالحوق و الملتقی۔ فتدبروا ما مضی من عمرکم

ومابقی وافعلوا فیہ ماسوف تلتقی۔ علیکم بالاعمال الصالحۃ
قبل القضاء الاجل وفروغ الامل۔ فعن قریب تؤخذون من القصور
الی القبور وبافعالکم تحاسبون فکم واللہ من فاجر قد استکملت
علیہ الحسرات وکم من عزیز وقد وقع فی مسالک الھلکات حیث
لاینفع الندم ولا یغاث من ظلم وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِرًا وَّ لَا
یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا۔ ایھا الناس من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی
اعرف بنفسی اناعلی بن الحسین بن علی انا ابن فاطمۃ الزھراء
انا ابن خدیجۃ الکبری انا ابن مکۃ ومنٰی انا ابن المروۃ والصفا
انا ابن من صلی بملائکۃ السماء انا ابن من دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ
قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ انا ابن صاحب الشفاعۃ الکبری انا ابن
صاحب الحوض واللواء انا ابن صاحب الدلائل والمعجزات انا ابن صاحب
القرآن والکرامات انا ابن سید المحمود وانا ابن صاحب الکرم والجود
من له ۰
انا ابن المتوج بالاشراق انا ابن من رکب البراق انا ابن حکمۃ صفوۃ
اسماعیل انا ابن صاحب التاویل وانا ابن الصادر والوارد انا ابن
الزاھد العابد انا ابن الوافی بالعھود انا ابن رسول الملک المعبود
انا ابن سید البررۃ انا ابن المنزلۃ علیہ سورۃ البقرۃ انا ابن من
تفتح لہ ابواب الجنان انا ابن المخصوص بالرضوان انا ابن المقتول
ظلما۔ انا ابن مجذوذ الرأس من القفا انا ابن العطشان حتی
قضی انا ابن طریح کربلا انا ابن مسلوب العمامۃ والردی انا ابن
من بکت علیہ ملائکۃ السماء۔
ایھا الناس ان اللہ ابتلانا بلاء حسن حیث جعل فینا رایۃ

الهدیٰ وجعل فی غیرنا رایۃ الردا وفضلنا علیٰ جمیع العالمین واتٰنا مالم یؤت احدًا من العالمین وخصّنا بخمسۃ اشیا لم یوجدوا فی الخلق اجمعین۔ العلم والشجاعۃ والسخاوحبّ اللہ ورسولہ واعطانا مالم یعط احدا من العالمین۔

ترجمہ:۔ اے لوگو! میں تم کو دنیا اور اس کی فریب کاریوں سے بچنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ ایک زوال پذیر جگہ ہے۔ جس کے لیے بقا نہیں اور اس نے گزشتہ قرون کو فنا کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کے مال تم سے زیادہ تھے۔ ان کی عمریں تم سے لمبی تھیں۔ ان کے اجسام مٹی نے کھا لیے اور وہ پہلے سے ان کے حالات نہ رہے تو کیا ان کے بعد تم دنیا و فا فیہا سے کسی بہتری کی امید رکھتے ہو۔ افسوس! افسوس!! خبردار ہوشیار ہو جاؤ کہ اس میں مل جانا اور جذب ہو جانا بے سود ہے۔ لہذا اپنی گزشتہ اور آئندہ (باقی) زندگی پر غور کرو اور اس میں نفسانی آرزوؤں سے فارغ ہونے اور مدت عمر سے اختتام سے پہلے نیک کام کرو۔ جن کا آئندہ تمھیں اچھا صلہ ملیگا۔ کیونکہ ان بلند بالا محلات سے عنقریب تم قبروں کی طرف بلا لئے جاؤ گے اور اپنے اچھے برے افعال کا حساب کئے جاؤ گے۔ خدا کی قسم! پھر کتنے ایک فاجروں کی حسرتیں پوری ہوئیں؟ اور کتنے ایک جابر جو ہلاکت کے گھڑھوں میں گرے۔ جہاں انہیں ان کی ندامت نے فائدہ نہ دیا اور نہ ظالم کو اس کی فریاد رسی نے (اور انھوں نے جو بھی کیا تھا اس کا صلہ پا لیا اور اے نبی تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا)

اے لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں اور جو نہیں

جانتے۔ میں ان سے تعارف اپنا کراتا ہوں کہ میرا نام علی ہے اور حسین
بن علی کا لخت جگر ہوں۔ میں فاطمہ زہرا کا جگر گوشہ ہوں۔ میں خدیجۃ الکبریٰ
کا فرزند ہوں۔ میں مکہ زادہ اور صفا و مروہ اور منیٰ کا بچہ ہوں۔ میں اس ذات
قدسی صفات کا بیٹا ہوں۔ جس پر آسمان کے فرشتے صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔
میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کی تعریف تقرب میں خالق السمٰوات والارض
فرماتا ہے دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ میں اس
کا بیٹا ہوں جو شفاعت کبریٰ کا مالک ہے میں اس کا بیٹا ہوں جو
قیامت میں حوض کوثر کا ساقی ہوگا۔ اور جو بروز قیامت صاحب علم ہوگا۔
میں صاحب دلائل اور معجزات کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو کراستول
اور قرآن کا مالک ہے۔ میں بیٹا ہوں اس کا سردار کا جس کے لیے قیامت
کو مقام محمود مخصوص ہے۔ میں صاحب سخاوت و عطا کا بیٹا ہوں۔ میں
اس کا بیٹا ہوں۔ جو تاج درخشندہ پہنایا گیا۔ میں صاحب براق کا
بیٹا ہوں میں صفات و حکم اسماعیلی رکھنے والے کا بیٹا ہوں میں صاحب تاویل کا بیٹا ہوں میں صاحب منا
صدر درود کا بیٹا ہوں میں عابد و زاہد کا بیٹا ہوں میں عہد و وفا کرنے والے کا بیٹا ہوں میں خدا
ر مالک معبود کے رسول کا بیٹا ہوں میں سرور ابرار کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے سر پر عمامہ اتاری
گئی۔ میں اس کا بیٹا ہوں۔ جس کے لیے بہشتوں کے دروازے کھولے
جائیں گے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے لیے جنت رضوان مخصوص
ہے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو ظلم سے قتل کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں
جس کا سر ہتھیلیوں پر گھمایا گیا میں اس کا بیٹا ہوں۔ جس نے پیاسے
جان دی۔ میں بانی کربلا کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا
عمامہ اور چادر سلب کیے گئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں۔ جس پر آسمان

کے فرشتے روئے۔

اے لوگو! ہمیں خدا نے اچھی آزمائش سے امتحان کیا کہ علم ہدایت ہمیں عطا کیا اور ہمارے مخالفوں کو ضلال کا جھنڈا پکڑایا اور ہمیں جملہ عالمین پر فضیلت عطا فرمائی اور ہمیں وہ کچھ دیا۔ جو اہل عالمین سے کسی کو نہیں دیا۔ اور ہمیں پانچ اشیاء کے ساتھ خاص فرمایا جو مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ یعنی علم۔ شجاعت۔ سخاوت۔ محبت خدا اور محبت رسول اور ہمیں وہ کچھ دیا جو مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔"

حضرت جعفر صادق راوی ہیں کہ اس خطبہ کو سن کر لوگوں پر یہ اثر پڑا کہ چیخیں مار مار کر رونا شروع کیا اور اس قدر ہیجان وجوش بڑھا کہ یزید نے گھبرا کر اذان کی طرف اشارہ کر دیا۔ غرض کہ اذان شروع ہو گئی۔ امام نے جب اللہ اکبر سنا۔ تو فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ فَوْقَ کُلِّ کَبِیْرٍ۔ بیشک اللہ سب سے بڑا ہے پھر موذن نے کہا اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آپ نے بھی فرمایا اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جب مؤذن نے کہا اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو حضرت زین العابدین نے فرمایا بِاللّٰہِ عَلَیْکَ اُسْکُتْ اے مؤذن تجھے خدا کی قسم ذرا چپ رہ۔ وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے یزید سے فرمایا یَا یَزِیْدُ! اَکَانَ مُحَمَّدًا جَدِّیْ اَمْ جَدُّکَ فَاِنْ قُلْتَ جَدِّیْ فَاَنْتَ صَادِقٌ وَاِنْ قُلْتَ جَدُّکَ فَاَنْتَ کَاذِبٌ۔ اے یزید! سچ کہہ۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نانا ہیں یا تیرے۔ اگر تو کہے میرے ہیں تو سچا ہے اور آپ کے ہیں تو تو جھوٹا ہے۔ یزید کہنے لگا بَلْ جَدُّکَ نہیں بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے نانا ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

یحیا جب تو یہ جانتا ہے تو لِمَ قَتَلْتَ ذُرِّیَّتَہٗ وَسَبَیْتَ حَرِیْمَہٗ
فَسَکَتَ تو تُو نے کس لیے ان کے کنبہ کو قتل کیا اور ان کے حرم کو گالیاں
دلائیں۔ یہ سن کر یزید خاموش ہو گیا۔ اس پر تمام اہل مسجد چیخ چیخ کر رونے
لگے۔ یہاں تک کہ یزید کو اپنی جان کی پڑ گئی۔ گھبرایا اور پکار کر کہنے لگا
اَیُّھَا النَّاسُ اَتَظُنُّوْنَ اَنِّیْ قَتَلْتُ الْحُسَیْنَ فَلَعَنَ اللّٰہُ مَنْ قَتَلَہٗ
اِنَّمَا قَتَلَہٗ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ زِیَادٍ عَامِلِیْ بِالْبَصْرَۃِ اے لوگو!
کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نے حسین کو قتل کیا ہے۔ اللہ لعنت کرے
قاتل حسین پر۔ اس کو قتل کرنے والا عبید اللہ بن زیاد عامل بصرہ ہے۔
پھر حکم دیا۔ کہ جس نے سر امام جدا کیا ہے۔ اسے حاضر کرو۔ اور ان کو بھی
جو اس کے مددگار تھے۔ چنانچہ سب حاضر کیے گئے۔ سب سے پہلے
یزید کے سامنے شیث ربعی آیا۔ یزید نے کہا وَیْلَکَ اَنَا اَمَرْتُکَ
بِقَتْلِ الْحُسَیْنِ۔ وائے تجھ پر۔ کیا میں نے قتل حسین کا تجھے حکم دیا
تھا۔ شیث ربعی نے کہا لَا لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ قَتَلَہٗ وَاَشَارَ اِلٰی
خَوْلِیِّ بْنِ یَزِیْد۔ ہرگز نہیں۔ لعنت ہے خدا کی اس پر جس نے
انہیں قتل کیا اور خولی بن یزید کی طرف اشارہ کیا۔ یزید نے خولی سے
بھی وہی سوال کیا۔ خولی نے بھی وہی جواب دیا۔ جو شیث ربعی کا
تھا۔ یہاں تک کہ یہی سوال جواب ہوتے ہوتے حصین بن نمیر تک
نوبت پہنچی۔ اس نے بھی وہی جواب دے کر برأت حاصل کی۔
پھر کہنے لگا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے قاتل حسین بتادوں۔ یزید
نے کہا۔ ہاں۔ حصین بن نمیر نے کہا اعطنی الامان فقال لک
الامان مجھے جان کی امان دے۔ یزید نے کہا۔ امان ہے۔ تو پھر

حصین بن نمیر نے کہا اعلم ایھا الامیر ان الذی عقد الرایات ووضع الاموال وجیش الجیوش وارسل الکتب واوعد الوعائد ھو الذی قتلہ۔ اے امیر! بیشک یہ کام اس کا ہے جو نشان قائم کرنیوالا ہے۔ مال ومنال دینے والا ہے۔ لشکر جمع کرنیوالا ہے۔ جس نے خطوط بھجوا کر وعدہ وعید کرا کر انہیں بلا یا وہی امام کا قاتل ہے۔ یزید نے کہا من فعل ذالک یہ کام کس نے کیا۔ ایسے کام کرنیوالا کون ہے۔ حصین بن نمیر نے کہا انت بیشک تو ہی ہے۔

اس جواب پر یزید بہت غضب ناک ہوا اور جامع مسجد چھوڑ کر گھر آگیا اور سر امام لے کر رونے لگا۔ اس کی بیوی ہندہ نے کہا۔ اب رونا بیکار ہے۔ میں شام کو جب سوئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمانوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور ملائکہ کی تمام جماعتیں نازل ہو رہی ہیں اور وہ سب سر امام پر آ رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں السلام علیک یا ابا عبد اللہ اتنے میں ایک ابر آسمان سے اترا۔ اس میں بہت سے آدمی ہیں ان میں ایک شخص ہیں۔ جن کا چہرہ چاند سے زیادہ روشن ہے۔ وہ آگے بڑھے اور امام کے قریب پہنچ کر روئے پھر فرمایا السلام علیک یا ولدی قتلوک ومن شرب الماء منعوک اتراھم وما عرفوک انا جدک المصطفی وھذا ابوک علی المرتضی وھذا اخیک الحسن وھذا عمک جعفر۔ سلام تجھ پر اے میرے لخت جگر افسوس کہ تجھے قتل کیا اور ایک ایک گھونٹ پانی تجھ پر بند کیا گیا۔ تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ لوگ تجھے نہیں پہچانتے۔ میں تیرا نانا مصطفی ہوں۔ یہ تیرے باپ علی مرتضی ہیں اور یہ تیرے بھائی حسن ہیں اور یہ تیرے چچا

جعفر طیار ہیں۔ بس اس معاملہ کو دیکھتے ہی میں اپنی خواب سے چونک پڑی۔
یزید نے یہ تمام خواب سنا۔ پھر متفکر ہو کر سوچتا رہا بعد ازاں حضرت
زین العابدین رضی اللہ عنہ کو بلا کر نہایت تعظیم و تکریم سے بٹھا کر کہنے لگا۔
امام! جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب آپ اگر یہاں رہنا پسند فرماتے ہیں تو
بڑی خوشی سے رہیے۔ میں آپ کی خدمت کو حاضر ہوں اور اگر تشریف
لے جانا چاہتے ہیں۔ تو میں بھیجنے کے لیے بھی حاضر ہوں۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یزید امام ہمام سے ہم جدا ہو
چکے ہیں اور عبید اللہ بن زیاد نے ہمیں خوب رلایا۔ لہذا ہم اب یہی چاہتے ہیں
کہ اپنے گھر پہنچ کر جس طرح ممکن ہو بقیہ زندگی بسر کرلیں اب دمشق میں نام
کو بھی کوئی قریشی ہاشمی نہیں رہا۔ چن چن کے صاف کر دیئے گئے ہیں۔ پھر
ہمارے رہنے میں کیا مزہ ہے۔ غرض کہ ایک ہفتہ یزید نے لباس فاخرہ
اور کچھ نقدی جمع کی اور حضرت زینب کی خدمت میں پیش کر کے کہنے لگا
یا زینب خذ هذا المال عوضا عن مصیبتکم اے زینب یہ مال
و متاع آپ کی مصیبت کے بدلہ میں پیش کرتا ہوں اسے قبول فرمائیں۔
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو غصہ آیا اور فرمانے لگیں یا ویلك ما اقل
حیاءك واجلب وجهك تقتل اخی وتقول خذ واعوضه مالا۔
وائے تجھ پر۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ روسیاہ میرے بھائی کو قتل کر کے کہتا
ہے کہ یہ عوض لے لو۔ آپ نے سب مال واپس کر دیا۔ مجبوراً یزید نے
آخرت سے مایوس ہو کر ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کو مدینہ روانہ
کیا۔ اور سرہائے امام وغیرہ کو مشک و کافور سے معطر کر کے جناب امام
زین العابدین کے سپرد کئے۔

مختصر یہ کہ سیدوں کا لٹا ہوا کارواں روانہ ہو کر کربلا آیا۔ یہاں آکر تمام لاشیں دیکھیں تو اسی طرح بے گور و کفن پڑی تھیں۔ امام نے یہاں آکر قیام فرمایا اور معہ سرہا شہدا، سب کو دفن کیا۔ ۲۰ صفر المظفر کو کربلا پہنچ کر لاشہ ہائے شہیدان صبر و رضا مدفون کئے گئے۔ مگر اس ایک ماہ دس دن کی مدت میں لاشوں کا کچھ نہ بگڑا بلکہ وہی زخموں سے خون کے فوارے جاری تھے۔ باآنکہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ سبحان اللہ۔ صدق اللہ۔ رب عرش العلیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

اگرچہ روایات میں بہت سے اختلاف ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ سر اقدس امام بیرون شہر دمشق مدفون کیا گیا۔ اسی طرح لاشہ ہائے شہدا میں بھی اختلاف ہے۔ علامہ ابو اسحاق تو یہی لکھ رہے ہیں کہ ۲۰ صفر کو آکر دفن کیں۔ بعض یہ لکھ رہے ہیں کہ ۱۳ محرم کو فرات کے قریب ایک گاؤں غاضریہ تھا۔ وہاں کے لوگوں نے آکر دفن کردیں۔ جیسا کہ ہم اول لکھ رہے ہیں۔ مگر روایت صحیح یہی معلوم ہوتی ہے۔

یہاں سے چل کر کاروان اہلبیت مدینہ کو روانہ ہوا۔ تو سب سے اول جس نے خیر مقدم کیا وہ جابر بن عبد اللہ انصاری تھے۔ پھر خبر ہوتی گئی اور جماعت مدینہ والوں کی حاضر ہوتی گئی۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا زار زار رو رہی تھیں اور اس طرح فرما رہی تھیں۔

مدینۃ جدنا لا تقبلینا	فبالحسرات والکسرات جینا
خرجنا منک بالاھلین جمعا	رجعنا لا رجال ولا بنینا
وکنا فی الخروج علی المطایا	رجعنا علی البلایا راکبینا
وکنا فی امان اللہ جھرا	رجعنا بالقطیعۃ خائفینا

و مولانا الحسین لنا انیسا ۔۔۔ رجعنا لاحسین ولا معینا
فلا عیش یدوم لنا دواما ۔۔۔ ونہ بین الخلق مدفون حزینا
فنحن کفیلنا رب البرایا ۔۔۔ ونحن الصابرات وصابرینا
ونحن الباکیات علی الحسین ۔۔۔ ونحن النادبات السا کبینا
ونحن السائرون علی المطایا ۔۔۔ نساق علی جدال المغضبینا
ونحن بنات یٰسین و طٰہٰ ۔۔۔ ونحن الباکیات علی ابینا
ونحن الصابرون علی البلایا ۔۔۔ ونحن الباکیات القائدینا
الا یا جد قتلوا حسینا ۔۔۔ ولم یرعوا جنابک یا ابینا

ترجمہ منظوم از قبلہ حضرت مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ صاحبؒ والد خاکسار مؤلف کتاب ہذا

حسرت بھرے دلوں سے ہم آئے ہیں لوٹ
اے میرے نانا جان کے مسکن نہ کر بدر
کس طرح ہم گئے تھے پدر اور پسر کے ساتھ
لوٹے ہیں آج بے پسر و بنا یہ پدر
کیا شان تھی سواریوں کی وقت کوچ کے
اب ہیں سوار رنج و بلا ہائے پرخطر
اک دن امن سے بیٹھے تھے طیبہ میں صبر سے
اور آج آرہے ہیں پریشان پر حذر
تھے حضرت حسین ہمارے انیس و یار
بے یار و غمگسار ہیں اب اور چشم تر

عیشِ جہانِ فانی کو ہرگز نہیں قرار
اور زینت جہاں ہیں مدفون بگرد قبر
بے شک کفیل ہمارا ہے ہر حال میں خدا
صبر و رضا ہے حال ہمارا بلا خطر
روتے ہیں آنسوؤں سے فراق حسین میں
ملعون ہے جو نوحہ کرے خر ہے نوحہ گر
ہم ہیں سوار اونٹوں پہ محجوب بے حجاب
ہم ہیں بنات سرور سلطان بحر و بر

غرض کہ موسم بلاؤ مصائب گزار کر دشت بے کسی میں شہیدان صبر و رضا کو خون بھرے کفن اڑھا کر قبروں میں سلا کر مدینہ کی سرزمین سے گزرتے ہوئے گنبد خضرا کے حدود میں پہنچے۔ پہاڑیوں کے وسط میں سے گنبد رسول اللہ نظر آنے لگا۔ عابد مغموم جو اس لٹے ہوئے قافلہ کے سپہ سالار آگے آگے آرہے تھے دیکھتے ہی بے تابانہ درود پڑھنے لگے۔ حریم عفت بلک بلک کر آنسو بہانے لگے۔ انہیں وہ وقت یاد آگیا۔ جب کہ امام حسین سید الشہداء مظلوم کرب و بلا کے ساتھ یہاں سے مکہ چلے تھے۔ ہائے ایک وہ وقت تھا کہ دل امیدوں سے بھرے ہوئے تھے۔ آج وہ دن ہے کہ دل نامراد و ناشاد ہے۔ امام زین العابدین نے ناقہ کی مہار روکی اور بے تابانہ گنبد رسول کو دیکھ کر پکارے۔ اے بیکسوں کے سہارے اور اے بے سہاروں کے کنارے۔ اے بے ٹھکانوں کے ملجا۔ اے غریبوں بے کسوں کے ماویٰ۔ آج ہم آپ کے نور نظر دل کے چین سیدنا و ابینا کو دشت بے کسی میں سلا کر آپ کے حرم محترم

کو لٹا کر فرقت وجدائی کا غم لے کر دائمی فراق کا زخم کھا کر حاضر ہوا ہوں ؎

یا رسول اللہ بر آر از روضہ سر تا بنگری
اہل بیتِ خویشتن را زار و بیمار و حزیں
در بلائے دشمنان دیں گرفتار آمدہ
کس مبادا در جہاں ہرگز گرفتار ایں چنیں

اہل مدینہ چیخ چیخ کر رو رہے ہیں۔ فرط غم سے آنکھیں پھوٹ رہے ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ بیمار ہیں۔ یہ آواز درد ناک سن کر باہر آتے ہیں۔ نقاہت سے اٹھتے ہیں۔ چند قدم چل کر پھر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پہنچے۔ امام ہمام کی شہادت۔ حرم محترم کی مصیبت۔ زین العابدین کی کربت و غربت دیکھ کر زار زار رونے لگے۔ وا آخاہ وا حسیناہ کی صدائیں بلند کیں۔ یہاں تک کہ روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش ہوا تو کہنے لگے۔ افسوس میں یہاں رہا اور میری پس غیبت میں میرے بھائی پر یہ مصیبتیں آئیں۔ کاش! میں بھی وہاں ہوتا۔ پھر روضۂ مقدس پر پہنچے۔ روح پر فتوح سرکار ابد قرار اپنے نونہال کے پھولوں کی محبت میں باہر آگئی۔ سب کو گلے لگایا۔ امام زین العابدین دست بستہ روضۂ اقدس پر کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے

الا یا جدنا الاعداء فینا تحکموا — ونالوا انبا واللہ کل مناء
یا جدنا اراد وابی متذ لا — قتیلا و فی الاحشاء منہ ظماء
وقد رفعوا راسالہ فوق ذابل — کما البدر یشرق فی علو السماء
وعادوعلینا ینھبون قیامنا — وقد سلبونا مالنا من نصراء
وقد حملونا ظہور جمالھم — بغیر وطایا احدنا وغطاء

وطا قو بنا شرق البلاد غربها　　جمیعهم یهجوننا بهجاء

اتو بنا الدمشق نحو یزیدهم　　واوقفونا بین یدیه سواء

وقال انا بکم نلت کل مقصد　　بقتل اخیکم قد بلغت هناء

وقد رام قتلی کے یقطع نسلها　　وذی عمتی صاحت لغیر مزاء

وصاح به کل الحضور جمیعهم　　فقال دعوة ذا من الطلقاء

والناس صاحوا خلف یزیدهم　　فقال اطلقوها لانه مرضاء

نخذ حقنا یا جدنا منه فی غد

وفی یوم حشر یوم فصل قضاء

ترجمہ:۔ اے نانا جان دشمنان دین ہم میں حکم کر رہے ہیں۔ اور قسم بخدا تمام آرزوئیں انہوں نے ہمارے ساتھ حاصل کیں۔ اے نانا جان دشمنوں نے ہمارے پدر بزرگوار کو بحالت تذلل ہلاک کیا اور بھوکے پیاسے شہید ہوئے اور ان کا سر کاٹ کر نیزوں پر بلند کیا جیسے ماہ کامل چمکتا ہے علو سما میں۔ اور انہوں نے ہم پر جور و ستم کیا اور ہمارے خیمے لوٹ لئے اور ہمارا مال و اسباب چھین لیا در آنحالیکہ ہمارا کوئی مددگار نہ تھا۔ اور سوار کیا انہوں نے ہم کو اپنے اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بغیر آسانی کے اور بغیر پوشش کے۔ اور گشت کی ہمارے ساتھ بلاد کے مشرق و مغرب کے۔ تاکہ ہماری ہجو اور توہین کریں۔ وہ ہمیں یزید کے پاس مقام دمشق میں لائے اور ہمیں اس کے سامنے برابر کھڑا کیا۔ اور یزید نے کہا میں نے تمہارے ساتھ اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اور تمہارے برادر معظم کے قتل سے مجھے شادمانی حاصل ہوئی اور اس نے میرے قتل کا بھی قصد کیا تاکہ ہماری نسل منقطع ہو جائے

اور میری پھوپھی زاد بہن دور سے پکاریں اور تمام حاضرین نے شور مچایا تو یزید نے کہا اسے چھوڑ دو۔ یہ آزادوں میں سے ہے۔ اور جب تمام آدمی یزید کے پیچھے پہنچے۔ تو یزید نے کہا کہ اسے چھوڑ دو یہ بیمار ہے۔ اے نانا جان اس سے کل قیامت میں ہمارا حق لیجئے اور کل حشر میں فیصلہ کے دن فیصلہ کیجئے۔

اس کے بعد سب اپنے اپنے گھر روتے دھوتے چلے گئے اور امام بھی دولت سرا میں مقیم ہو گئے۔

جی تو یہ چاہتا تھا کہ عثمان بن محمد ابی سفیان یزید کے شرابی بھائی حاکم مدینہ سے لے کر مدینہ کی چڑھائی۔ تین روز تک مسجد نبوی میں یزیدی گھوڑوں کا رہنا۔ مکہ پر چڑھائی کر کے غلاف کعبہ کا جلانا۔ اجلہ صحابہ کا شہید ہونا۔ سب مفصل لکھ کر تمام امراء کے حالات تفصیل وار لکھوں۔ مگر ضخامت کتاب نے مجھے اس امر پہ مجبور کر دیا کہ ان تمام واقعات کو اس کے حصہ دویم پر موقوف رکھوں۔ لہذا اب صرف سزا قاتلان امام ہمام تھوڑی سی مختصراً نذر ناظرین کر کے کتاب اوراق غم کو ختم کرتا ہوں۔ یہ نام تاریخی ہے جس سے ۱۳۴۸ھ نکلتا ہے۔ **نوٹ**: دوسرا حصہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنی حیات طیبہ میں تحریر نہ فرما سکے۔

حضرت امام زین العابدین اب زیادہ گوشہ نشین رہتے تھے۔ ہر وقت رونے سے کام ہے۔ مدینہ کا حاکم عثمان بن محمد ابی سفیان جب مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ تو حاکم مدینہ بنانے کو چند اجلہ صحابہ حضرت زین العابدین کی دولت سرائے میں تشریف لائے۔ عبداللہ بن حنظلہ نے ابھی تک اہل مدینہ سے بیعت لی ہے۔ مگر منذر بن زبیر نے ان سے کہا۔ کہ تم امام زین العابدین

رضی اللہ عنہ کے ہوتے بیعت لینے کے کیونکر حقدار بن گئے۔ انھوں نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ اور کہا بیشک مجھ سے غلطی ہوئی۔ چلو میں بھی عرض کروں اور تم بھی کہو۔ واقعہ میں ان کے ہوتے مجھے کوئی حق نہیں۔ (اس کا مفصل تذکرہ ہم حصہ دوم میں بیان کریں گے۔ یہاں اجمالاً ذکر ہے)

مختصر یہ کہ تمام صحابہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلام عرض کر کے بیٹھے۔ امام کو دیکھا کہ عجیب حال میں ہیں۔ چہرہ زرد ہے۔ ہونٹ خشک ہیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے پر ہیں۔ مصلّے پر بیٹھے) اپنے خالق حقیقی کے حضور میں راز و نیاز میں مشغول۔ آپ نے فرمایا۔ آپ لوگ مجھ مصیبت زدہ مظلوم کے پاس کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ آگے بڑھے اور تمام واقعہ عرض کر کے کہنے لگے۔ حضور یہ واضح رہے کہ ہم لوگ کوفی نہیں ہیں۔ ہم حضور کے جد امجد کے غلام ہیں۔ حضور کے قدموں پر جانیں قربان کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ لہذا ہاتھ لائیں تاکہ ہم سب حضور کے ہاتھ پر جان فروشی کی بیعت کریں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ایک آہ سرد دل پُر درد سے کھینچ کر آنسو بہانے شروع فرمائے۔ پھر فرمایا۔ بس بابا۔ اللہ واسطے مجھے معاف کرو۔ میرے سینہ میں اس قدر زخم ہیں کہ اور زخموں کی گنجائش نہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے مظلوم و مسافر باپ کو اسی خلافت کے دعویٰ میں نہیں۔ بلکہ محض وہم میں صید بلا و مصائب دیکھا ہے۔ ان کے نوری رخسار خاک و خون میں غلطاں دیکھے ہیں۔ ان کے ساتھ دوسرے ننھے ننھے بچے تیر و تبر و نیزوں سے تڑپائے گئے۔ میرے خاندان حرم کی وہ پردہ دریاں ہوئیں۔ وہ رسوائیاں ہوئیں کہ جن کے بیان کی مجھ میں تاب نہیں۔ میرے دادا علی کا

وقت کیا آپ لوگ بھول گئے۔ اب تو میرا دل اس دنیا سے بیزار ہو گیا۔ اب تو میں نے اس دامن کو مضبوط پکڑا ہے۔ جو کبھی بے وفائی کرنیوالا نہیں۔ خدارا مجھے اس دروازے سے نہ ہٹاؤ۔ میں اپنی مصیبتیں اس سے کہہ رہا ہوں۔ وہ سن رہا ہے۔ میں اپنے زخم دل اسے دکھا رہا ہوں۔ وہ دیکھ رہا ہے۔ مجھے جو لطف اس آستانہ کی جبیں سائی میں آیا ہے۔ دنیا کی کسی سلطنت میں نہیں آسکتا۔ میرا ایک سجدۂ شوق ہزار تخت و تاج سے افضل و اعلیٰ ہے۔ جاؤ اور للہ مجھے نہ ستاؤ۔ میرے دُکھے دل کو نہ دکھاؤ۔

صحابہ پھر کچھ اصرار کرنے لگے تو آپ نے فرمایا۔ اگر تم لوگوں کو میرا اس مدینہ میں رہنا ناپسند ہے۔ تو میں آج اپنے غریب و لاچار مظلوم و معصوم لٹے ہوئے خاندان کو لے کر کہیں چلا جاؤں گا۔ اس پر صحابہ سب خاموش ہو گئے۔ اور آپس میں کہنے لگے۔ اب انہیں نہ چھیڑو۔ یہ بہت غم زدہ ہیں۔ ان کی داستانِ الم جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی ہے۔ خیر چلو۔ کچھ اور انتظام کریں گے (ان کے انتظام کا مفصل حال تو ہم حصہ دوم میں بیان کریں گے)

اب امام کی سنیئے۔ آپ اسی وقت اُٹھے اور گھر جا کر تیاری سفر شروع فرمائی۔ حتیٰ کہ روانہ ہو گئے۔ اور مقام ینبوع تشریف لے گئے۔ ینبوع مدینہ شریف سے چار دن کے سفر کا راستہ ہے اور یہاں امام کے پدری ورثہ کی ایک جاگیر بھی ہے۔ مدینہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی۔ تو اہل مدینہ کو بہت افسوس ہوا۔ مگر رنجیدہ خاموش ہو گئے۔ لیکن وقار شرافت سب کے دلوں میں جاگزیں تھا۔ جس کو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ کی ایک حکایت ہم یہاں نقل کرکے ثابت کرتے ہیں۔

جب ابن عبدالملک حج بیت اللہ کے لیے آیا۔ اور طواف کر کے استلام حجر کے لیے چلا تو اس قدر اژدحام تھا کہ نہ جا سکا۔ آخر ایک طرف منبر لگ گیا۔ اس پر یہ بیٹھ گیا اور لوگوں کو دیکھتا رہا۔ اس کے اردگرد شامیوں کے ہوا خواہ موجود تھے۔ کہ اچانک امام ہمام زین العابدین رضی اللہ عنہ طواف کعبہ سے فارغ ہو کر استلام حجر کے لیے تشریف لائے۔ تو لوگوں نے آپ کو آتا دیکھ کر علی الفور دو رویہ صف باندھ لی۔ اور شہزادہ صاحب استلام حجر کو تشریف لے گئے۔ ایک شامی کہنے لگا۔ یہ کون شخص ہے۔ جس کا اہل مکہ پر اس قدر رعب داب ہے۔ تو ہشام ناک چڑھا کر کہنے لگا۔ نہ معلوم کون ہے۔ میں اسے نہیں جانتا۔ یہ اس خوف سے کہا کہ مبادا شامی ان کی طرف جھک پڑیں اور مجھے چھوڑ دیں۔ ابوالفراس فرزوق جو وہیں حاضر تھے فرمانے لگے انا واللہ اعرفہ ہشام تو اگر انہیں نہیں جانتا تو خدا کی قسم میں انہیں پہچانتا ہوں۔ ہشام تیوری بدل کر کہنے لگا من ھذا کون ہے یہ۔ تو چونکہ ابوالفراس عرب کے نامی شاعروں میں سے تھے۔ اسی وقت برجستہ مدح امام میں اس طرح قصیدہ فرمانے لگے۔

ھذا الذی تعرف البطحاء وطأتہ

والبیت یعرفہ والحل والحرم

ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم

ھذا التقی النقی الطاھر العلم

اذا رأتہ قریش قال قائلھا

الی مکارم ھذا ینتھی الکرم

ینمی الی ذروۃ العز والعلی قصرۃ
عن نیلھا عرب الاسلام والعجم
یکاد یمسکہ عرفان راحتہ
رکن الحطیم اذا ماجاء یستلم
یغضی حیاء ویغضی من مھابتہ
فما یکلم الاحین یتبسم
ینشق نور الھدی من نور غرتہ
کالشمس ینجاب عن اشرق القتم
مشتقۃ من رسول اللہ نبعتہ
طابت عناصرہ والخیم والشیم
ھذا ابن فاطمۃ ان کنت جاھلہ
بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا
اللہ شرفہ قدرا وعظمہ
جری بذاک لہ فی لوحہ القلم
ولیس قولک من ھذا بضائرہ
العرب تعرف من انکرت والعجم
کلتا یدیہ غیاث عم نفعھما
یستوکفان ولا یعروھما عدم
سھل الخلیقۃ لا تخشی بوادرہ
یزینہ اثنان الخلق والشیم

ما قال لا قط الا فی تشهده
لو لا التشهد کانت لاءہ نعم
علم البریۃ بالاحسان فانقشعت
عنها الغیاهب والاملاق والعدم
من معشر حبهم دین وبغضهم
کفر۔ وقربهم منجی او معتصم
ان عد اهل التقی کانوا ائمتهم
او قیل من خیر الارض قبلهم
مقدم بعد ذکر الله ذکرهم
فی بدءها ومختوم به الکلم
من یعرف الله یعرف اولیۃ ذا
فالذین من بیت هذا ناله الامم

اس قصیدہ کو سن کر ہشام غضب ناک ہو گیا اور ابوالفراس فرزدق کو قید کر دیا۔ جب امام زین العابدین نے یہ سنا تو بارہ ہزار درم اسے بھیجے۔ اس نے واپس لوٹا دیئے اور عرض کرایا کہ مدحتہ اللہ لاللعطاء والصلۃ۔ حضور میں نے اللہ کے لیے حضور کی سچی مدحت کی تھی نہ کہ انعام اور بدلہ لینے کے لیے۔ آپ نے وہ دراہم واپس فرما کر کہلا بھیجا انا اهل البیت اذا وهبنا شیئاً لا نعودفیہ ہم اس گھرانے والے ہیں کہ جب کوئی چیز کسی کو بخشتے ہیں تو اسے واپس نہیں لیتے۔ آخر ابوالفراس نے وہ تبرکاً لے لئے۔

حضرت محمد بن حنفیہ کی کوفہ پر چڑھائی

اب اس کے بعد حضرت محمد بن حنفیہ نے ابراہیم کی شرکت سے کوفہ پر چڑھائی کر کے ہزاروں اشقیا واصل جہنم فرمائے۔ پھر کچھ بغاوت ہوئی۔ مگر زمانہ مختادیں فرو ہوگئی اور مختار نے خون سید الشہداء کے بدلہ لینے کا قطعی عہد کیا۔ سب سے پہلے وہ لوگ گرفتار کرائے جنہوں نے خاص طور پر امام کے قتل کا بیڑا اٹھایا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے شمر اور عمرو بن سعد گرفتار ہو کر لائے گئے۔ مختار نے کہا تم ہی وہ لوگ ہو۔ جن کے حکم سے آل رسول کے پیاسے حلقوم پر خنجر جفا چلایا گیا۔ عمرو بن سعد ذرا بتا تو اس وقت ایمان کہاں رکھ دیا تھا اور سچ کہہ اس کے عوض میں تجھے کتنی دولت ملی۔ مردود تجھے شرم نہ آئی۔ جن کا کلمہ پڑھتا تھا۔ ان کے نواسہ پر ظلم کیا۔ شمر و عمرو سعد کانپنے لگے اور منہ سے کچھ نہ کہہ سکے۔

مختار نے حکم دیا۔ اچھا ان ملعونوں کو میرے سامنے ذبح کرو۔ شمر و عمرو عاجزی کرنے لگے اور کہنے لگے ہم بے قصور ہیں۔ ابن زیاد نے ہمیں حکم دیا تھا۔ مختار نے کہا اچھا گھبراؤ نہیں۔ ابن زیاد کو بھی عنقریب تمہارے پاس بھیجوں گا۔ وہاں اس سے شکوہ و شکایت کر لینا۔ یہ کہہ کر جلاد کو حکم دیا۔ اس نے علی الفور دونوں شقی واصل جہنم کر دیئے۔ حاضرین جلسہ سکتہ میں تھے۔ اہل کوفہ آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کہ کوفہ کے نامی سردار خاک و خون میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ مگر کسی کی مجال نہ تھی جو دم بھی مارتا۔

پھر مختار نے حکم دیا۔ کہ جس خبیث نے پیراہن مبارک اتارا تھا۔

جس نے ان کی لاش اقدس پر گھوڑا دوڑایا۔ سب کو گرفتار کرکے پیش کرو۔ جس نے علی اکبر کو شہید کیا۔ جس نے علی اصغر کے حلقوم تشنہ کو چھیدا۔ جو لوگ خیمہ کے لوٹنے کو گئے تھے۔ جن لوگوں نے خیمہ اطہر کی لوٹ غارت میں شرکت کی تھی سب کے نام لکھو اور یکے بعد دیگرے گرفتار کرکے میرے سامنے لاؤ۔

اس حکم پر علی الفور عمل کیا گیا۔ اور جفا کاران قوم گرفتار ہو ہو کر آنے لگے۔ جو آتا تھا تیغ انتقام کے سپرد کیا جاتا تھا۔ اتنے میں ایک شخص خولی بن یزید کو پکڑ کے لایا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے سر امام نیزہ پر چڑھا کر ابن زیاد کے پیش کیا تھا۔ مختار اسے دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا۔ فوراً حکم دیا کہ اس بے ایمان خبیث کو چومیخہ کرو۔ پھر اس کے ہاتھ پیر کاٹ کر ایک طرف ڈال دو تاکہ خلقت اس کا تماشہ دیکھے۔ غرض کہ ایسا ہی کیا گیا۔ آخر وہ اس ذلت و رسوائی میں تڑپ تڑپ کر جہنم پہنچ گیا۔ اسی طرح صدہا یزیدی کوفی النار کئے گئے اور کچھ بھاگ کر بصرہ چلے گئے۔ مگر جو مارے گئے انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ بے کسی میں مرنا۔ لاچاری میں قتل ہونا کیسا ہے۔ انھیں اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ دُنیا کی خاطر دین چھوڑنا۔ عاقبت کو بھلا کر دنیا طلبی کرنے کا یہ مزہ ہوتا ہے۔ ہر فرعونے را موسیٰ اس طرح صحیح ہوتا ہے۔ آج ان کی مدد کو نہ یزید آیا۔ نہ ابن زیاد نے کوئی حمایتی بھیجا۔ آج انھیں یقین ہو گیا۔ کہ اس لاڈلے نور دیدۂ مصطفےٰ مظلوم نے جو پیشنگوئی فرمائی تھی۔ وہ جوں کی توں صحیح نکلی۔

اب ابن زیاد کی باری آئی۔ جب فتنہ انگیز کوفی مغلوب ہو چکے۔ قاتلان حسین چن چن کر مارے گئے۔ تو اب مختار کو ابن زیاد کا خیال آیا۔ ابراہیم بن مالک بن اشتر سے کہا۔ میں نے تمہیں موصل سے

کوفیوں کی بغاوت کے سبب بلا لیا تھا۔ اب تم جاؤ اور اپنے بھائیوں کی مدد کرو۔ راستہ میں قیام و آرام کا خیال نہ کرنا۔ جہاں تک ہو سکے اپنے بھائیوں کی مدد پر پہنچو۔ ابراہیم بن مالک بن اشتر نے علی الفور کمر باندھی اور اپنی سپاہ کو ہمراہ لے کر روانگی کا عزم سلام کے لیے آئے۔ مختار نے کہا شترطاللہ کو ضرور ساتھ لے جانا۔ خدا اس کی برکت سے تم کو فتح یاب کرے گا۔ جب تک یہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ خدا تمہیں منصور مظفر رکھے گا۔ چنانچہ ابراہیم نے نہایت دھوم دھام سے شترطاللہ اٹھائی اور لشکر کے پاس جا پہنچے۔ یہ وہ مختار ہے جو اول محب اہل بیت تھا۔ بعد میں مدعی نبوت بھی رہا۔

شترطاللہ کی حقیقت

یہ حضرت علی کے ایک صاحبزادہ حضرت طفیل کے پاس حضرت علی کی ایک کرسی تھی۔ جس پر آپ اجلاس فرما کر مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد یہ حضرت طفیل کے حصہ میں آئی۔ مختار نے اپنے زمانہ حکومت میں حضرت طفیل کو ہدیہ بے بہا نذر کر کے یہ کرسی ان سے مانگ لی اور ایک قیمتی صندوق میں رکھ کر چاندی کے قفل سے مقفل کر دی اور اس صندوق کو جامع مسجد دمشق میں رکھ دیا۔ جس دن یہ صندوق جامع مسجد دمشق میں رکھا گیا۔ اس روز مختار نے کھڑے ہو کر قوم کے آگے ایک تقریر کی جس کا یہ مضمون تھا۔

حضرات! جس طرح مسلمانوں کا مقام ابراہیم اور بنی اسرائیل کا تابوت سکینہ ہے۔ اسی طرح شیعوں کے واسطے یہ کرسی شترطاللہ ہے۔

اب شیعوں کا دنیا میں بول بالا رہے گا۔ اس لئے کہ ملائکہ فتح و نصرت اس کرسی کے ساتھ ہیں جس لشکر کے ساتھ یہ ہوگی۔ وہ اپنے سے ہزار گنے لشکر پر غالب آئے گا۔ یہ شبیر خدا اسد اللہ کا نشان ہے ؛ کمار دوای الامامیہ

خیر۔ ابراہیم شتر طا اللہ لے کر پہنچے۔ تو ابن زیاد بد نہاد کا سپہ سالار لشکر عمرو بن اسلمی، ابراہیم بن مالک کا دوست تھا شب خفیہ طور سے ابراہیم کے پاس آیا اور عہد کیا کہ کل مع فوج کے تمہارے لشکر سے آملوں گا۔ ابراہیم کی ہمت اس وعدہ سے بہت بلند ہوگئی۔ مگر دوسرے روز لڑائی میں عمرو اسلمی کی فوج نے بڑی جان بازی سے مقابلہ کیا۔ ابراہیم انتظار کر رہا ہے کہ عمرو اب آکر ملے گا۔ آخر مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ بھی بے ایمان کی ایک بے ایمانی تھی ۔ آخر شتر طا اللہ اٹھائی اور ایک پر زور حملہ کیا۔ کہ شامیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ اور عمرو کے لشکریوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ابن زیاد صفوں کی پشت پر اپنے خیمہ میں تھا۔ اس نے سنا تو تلوار کھینچ کر میدان میں آگیا اور اپنے لشکریوں کو پکارا۔ اے بھگوڑو دیکھو میں عبیداللہ ابن زیاد موجود ہوں ہمت کیوں ہارتے ہو۔ دشمن کی تعداد بہت کم ہے۔ ابھی سب کوفیوں کو خاک میں ملائے دیتا ہوں اس آواز سے منتشر فوج پھر جمع ہوئی۔ اور کوفیوں پر حملہ جم کر کیا۔ کوفی بھی شتر طا اللہ کو دیکھ کر نہایت جوش کیساتھ نعرہ لگاتے ہوئے دیوانہ وار چلے۔ خوب گھمسان کا رن ہوا۔ عبیداللہ ابن زیاد کا ساغر عمر لبریز ہوا۔ اور اس کی تمام تر جدوجہد بیکار ہوگئی۔ نوشتۂ تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی۔ کربلا کا خون سر پر کھل کھیلا۔ ایک کوفی متے آیا اور ابن زیاد کے سینہ پر اس زور سے برچھے کا وار کیا کہ وہ گھوڑے کی پشت پر الٹا جھک گیا۔ شامی بھاگے لپکے کہ ابن زیاد کو سنبھالیں اور کوفی سے بدلہ لیں۔ مگر اس سوار نے فرصت ہی نہ دی۔ معاً دوسرا

ہاتھ تلوار کا اس زور سے مارا کہ جنیئو کی طرح کندھے سے سینہ اور سینہ سے کمر تک کھول گیا۔ ابن زیاد اپنی تمام آرزوئیں دل کی دل میں لئے ہوئے آہ کہتا ہوا گرا۔ اب کیا تھا شامی فوج کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور حواس باختہ بھاگی۔ اس وقت ابراہیم بن مالک نے حکم دیا۔ کہ جو شامی آئے مار ڈالو۔ کسی شامی پر رحم نہ کرو۔ اور ابن زیاد کا سر کاٹ کر کوفہ میں مختار کے پاس بھیج دیا۔ یہاں مختار اس سر کے آنے سے تین روز پہلے کوفہ والوں سے کہہ چکا تھا کہ ابن زیاد مارا گیا اور عنقریب اس کا سر آنے والا ہے لوگ اس پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آج یہ بھی علم غیب کا مدعی بنتا ہے۔ لیکن جب واقعہ میں اس کا سر آگیا۔ تو تمام کوفی شرمندہ ہوئے اور حیرت میں رہ گئے۔

مختار اس مقام پر تھا۔ جہاں ابن زیاد اپنے زمانہ حکومت میں بیٹھا ظلم کرتا تھا۔ آج ابن زیاد کا سر بھی اسی جگہ آیا۔ جہاں جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تھا۔

اب مختار کے بعد دعوائے نبوت اس کی موت اور مصعب بن زبیر کا قتل۔ حجاج کی مکہ پر چڑھائی۔ حضرت زید کی شہادت۔ حضرت یحیٰی بن زید کی مظلومی وغیرہ۔ مروان بن حکم کی طرز حکومت۔ عبدالملک بن مروان کی سیاسی رفتار۔ ولید بن عبدالملک کے اصول وضوابط۔ سلیمان بن عبدالملک کی صورت نظام۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدا پرستی۔ یزید بن عبدالملک کی ملک رانی۔ ہشام بن عبدالملک کی سلطنت میں روانی ولید بن یزید بن عبدالملک کی عیش پرستی۔ یزید بن ولید بن عبدالملک کی کفایت شعاری۔ ابراہیم بن ولید

بن یزید بن عبد الملک کی حسرت بھری کہانی۔ مروان الحمار کی نادانی۔ وغیرہ مفصل حصہ دوئم میں بیان کرنے کا وعدہ کر کے صرف یزید کے کچھ حالات اور اس کی موت بیان کرتا ہوں۔ پھر کچھ فضائل عشرہ۔ نوافل محرم بتا کر عنقریب آپ سے رخصت ہوتا ہوں:

یزید کی موت

یزید کی تخت نشینی اور ولی عہدی۔ حضرت امیر معاویہ کی وصیتیں ہم اول لکھ آئے ہیں۔ اب ان کا دہرانا تحصیل حاصل ہے۔

غرض کہ جب سنہ ۶۰ھ میں یزید تخت نشین ہوا اور چار برس کچھ دن حکومت کر کے وسط ربیع الاول سنہ ۶۴ھ میں مر گیا یا مارا گیا اور شہر دمشق کے باہر دفن ہوا: (عقد الفرید)

یزید کے پانچ بیٹے تھے۔ معاویہ بن یزید۔ خالد بن یزید۔ ابو سفیان بن یزید۔ یہ تینوں ایک بیوی سے تھے اور عبد اللہ بن یزید۔ عمر بن یزید دوسری بیوی سے۔ ایک بیٹی تھی جس کا نام عاتکہ تھا۔

عبد اللہ تو معتوۃ العقل تھے۔ خالد بڑا فاضل عالم تھا اور زاہد بھی اعلیٰ درجہ کا۔ صاحب طبری لکھتے ہیں کہ بنی امیہ میں یہ اعلیٰ زاہد تھا۔

طبری نے ۱۲ بیٹے بتاتے ہیں مگر نام صرف دس گنائے ہیں۔ عبد الاحضر۔ ابوبکرؓ۔ حربؓ۔ عبد الرحمٰنؓ۔ محمدؓ۔ معاویہؓ۔ ابو سفیان۔ خالدؓ۔ عبد اللہؓ۔ عمرؓ

یزید کی عمر مرتے وقت ۳۸ برس کی تھی۔ عقد الفرید میں اس کی موت قریب ہی حواریں کے بتائی ہے۔ وہاں ایک جنگل ہے حوارین اس میں مرا۔

اس کے بعد معاویہ بن یزید تخت نشین ہوئے۔ مگر ان کی سلطنت

صرف چند منٹ ہی رہی۔ اس لیے کہ انہوں نے تخت نشین ہو کر خطبہ پڑھا اور خطبہ میں صاف کہہ دیا کہ سلطنت کی اہلیت فاروق۔ صدیق میں تھی۔ مجھ کو معاف کرو۔ میں اس سے دست بردار ہوں۔ پھر جو گوشہ میں بیٹھے تو چالیسویں دن مر سے ہی نکلے۔ بس یزید کی نسل کی حکومت کا یہاں ہی خاتمہ ہو گیا۔ ان کے بعد کسی کو تخت میسر نہ ہوا۔ پھر مروان بن الحکم حاکم مقرر ہوا (اس کی تفصیل حصہ دوم میں بیان ہو گی)

یزید کیسے مرا؟

یہ قصہ ایک ایسا قصہ ہے کہ ہر آنکھ اس کی طرف نظر اٹھا رہی ہے۔ ہر کان اس کے سننے کو وا ہے۔ لہذا سنئے کہ کیونکر مرا اور کس ذلت سے دنیا میں مرا اور جہنم پہنچا۔

ایک روایت میں ہے کہ سرجون بن منصور یزید کا بہت پیارا مصاحب تھا۔ معاملات عشق و فسق میں یہ دونوں شریک رہتے تھے۔ کبھی کبھی رقابت بھی ہو جاتی تھی۔ سیر و شکار سے بہت زیادہ شوق تھا۔ ابتدائی زمانہ میں عبیداللہ بن زیاد ساتھ رہا۔ اور زمانہ حکومت میں سرجون بن منصور یزید ایک بار شکار کو سرجون کے ساتھ جا رہا تھا۔ ایک راہب رومی النسل کی لڑکی پر اس کی نظر پڑی۔ دلدادہ و فریفتہ ہو گیا۔ اور اس کی جستجو اور فکر استیصال میں روزانہ اس کنیسہ تک آتا۔ ایک روز وہ لڑکی نہا کر بال خشک کر رہی تھی۔ یزید دیوانہ ہو کر اسے پکارنے لگا۔ اس رومی النسل حسینہ راہب زادی نے دیکھا اور سوچا کہ جیسے کتا چاند پر بھونکتا ہے۔ خبیث میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اور یہ وہی بیوفا بے ایمان ہے۔ جس نے اپنے نبی کے نواسہ کا پاس نہ کیا اور بیرحمی سے شہید کیا۔ اس کو کسی ذریعہ سے جان سے مارنا ضروری ہے۔ ورنہ حکومت اس کے ہاتھ میں ہے۔ کہیں کچھ گل نہ کھلا دے۔ اپنے باپ سے سب قصہ

کہا۔ اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ باپ نے کہا۔ اچھا جو تیری مرضی۔

اس کے بعد پھر جب یزید آیا۔ تو اسے اشارہ سے کہا۔ کہ سرجون بن منصور کو ساتھ نہ لا۔ جب میں تجھ سے ملوں۔ شہوت پرست۔ ناعاقبت اندیش دوسرے دن تنہا یہاں تک آیا۔ اس لڑکی نے گھوڑا کس رکھا تھا۔ یزید کے آتے ہی تلوار دامن قبا میں دبائی اور سوار ہو کر اس کے ساتھ ہولی۔ یہاں تک کہ قریب حمص دشت حوارین میں لے گئی۔ یہاں تک کہ ٹھنڈی ہوا نے اس کے نشہ کو بہت ہی بڑھا دیا۔ بدمست تھا۔ یہ لڑکی پیچھے ہوئی اور نظر بچا کر اس زور سے وار کیا کہ گر گیا۔ پھر سینہ پر چڑھ کر کہنے لگی۔ بے ایمان! اب اپنے مددگاروں کو بلا۔ ظالم تجھ سے تیرے نبی کے نواسوں پر رحم نہ ہوا۔ ان سے بے وفائی کی۔ تیری طرف سے کون امید وفا کر سکتا ہے۔ ٹھہر۔ اب تیرا خون پیئے لیتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس کے جسم کے ٹکڑے کر دیئے۔ تین چار روز تک یہ لاش چیل کوؤں کی دعوت میں رہی۔ پھر پتہ لگاتے لگاتے اس کے ہوا خواہ پہنچے اور وہیں اس کو دفن کر آئے۔

عقد الفرید طبری وغیرہ میں یوں ہے۔ کہ شراب نوشی نے اس کو بہت خراب کر دیا تھا۔ پھیپھڑے بالکل بیکار ہو چکے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ کتے اس کے ارد گرد رہتے۔ ان سے کھیلا کرتا۔ زنا کار اول درجہ کا تھا۔ غرض کہ چند امراض کبدی میں مبتلا ہو کر دست پھرتا مر گیا اور بیرون دمشق دفن ہوا۔

اور علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسین میں اس کی موت یوں تحریر فرماتے ہیں کہ یزید ایک ہزار سواروں کے ساتھ شکار کو گیا۔ اور تلاش شکار میں جاتے جاتے دمشق سے دو دن کی راہ پر

وہ نکل آیا۔ اسے ایک ہرن نظر پڑا۔ اس نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا۔ یہاں تک کہ ایک لق ودق میدان میں آپہنچا۔ ہرن تو غائب ہو گیا۔ اور اس کو پیاس نے ستایا۔ مگر کہنا کس سے لشکری سب دور رہ گئے۔ آخر پیاس کی بے چینی سے واصل جہنم ہوا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے اس کے دس پتے یان نثار بھاگ دیوانہ وار آرہے تھے۔ وہ بھی جب یہاں آپہنچے تو انہیں بھی پیاس نے تڑپا کر جہنم پہنچا دیا۔ اب لشکری اس کی تلاش کرتے کرتے یہاں آئے۔ تو یہ بھی سب کے سب اسی طرح ہلاک ہوئے اور جب سے اب تک اس جنگل کا نام وادی جہنم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بچے کھچے یزیدی متعدد قسم کے عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ حرملہ بن کاہل جس نے علی اصغر کا حلقوم تشنہ چھیدا تھا۔ اس عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ کہ اس کا اگلا رخ شکم کی جانب سے ہر وقت جلتا رہتا اور پچھلا پشت کی جانب سے عذاب زمہریر میں مبتلا ہوا۔ پشت کی طرف وہ آگ جلاتا اور آگے ہر وقت پنکھا کراتا۔ پیاس کی یہ شدت بڑھی کہ ہر وقت پانی پیتا رہتا۔ مگر پیاس نہ بجھتی۔ آخر اس مصیبت سے مارا گیا۔

جابر بن یزید ازدی جس نے عمامہ مبارک لیا تھا۔ مخبوط الحواس ہو گیا۔ سے موریوں سے پانی پیتا اور گوبر کھاتا ہوا مرا۔ جعونہ حضرمی جس نے پیراہن مبارک اتار کر پہنا تھا۔ کوڑھ میں مبتلا ہوا۔ اور سڑ سڑ کر مرا۔ عبدالرحمٰن بن حصین بھی مبروص ہوا۔ اسود بن حنظلہ جس نے تلوار لی تھی جذام میں مرا۔ شمر کے قتل ہوتے وقت سور کی شکل ہوئی۔ خولی بن یزید جب تک قتل نہ ہوا۔ اس وقت تک اس پر متوکلان عذاب مستولی ہوتے۔ روزانہ شب کو اسے اوندھا لٹکاتے اور نیچے آگ جلاتے۔ پھر مختار کے ہاتھ سے جہنم پہنچایا گیا

نعوذ باللہ من غضب الجبار۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں۔ جو بخوف طوالت نہیں لکھے گئے۔

فضائل عاشورا

اب فضائل عاشورا نذر ناظرین ہیں۔ اس کے بعد "اوراق غم" کا اختتام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم نبی محترم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ کہ حضور نے فرمایا۔ جو ایک دن محرم میں روزہ رکھے۔ اس کو ہر دن کے بدلے میں ایک ماہ کے روزہ کا ثواب ہے۔

پھر انہی سے دوسری حدیث میں ہے۔ جو عشرہ محرم میں عاشورا کا روزہ رکھے اس کو ۱۰ ہزار فرشتوں کا ثواب عطا فرمایا جائے اور دس ہزار شہیدوں کا اجر ملے اور دس ہزار حج و عمرہ کا ثواب ہو اور جو عشرہ کے دن کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو اللہ ہر بال کے عوض میں ایک درجہ جنت میں بلند فرمائے۔ اور جو عشرہ کے دن کسی کا روزہ افطار کرادے۔ تو اس کو تمام امت مرحومہ کے روزہ افطار کرانے کا اجر ملے۔ بلکہ تمام امت مرحومہ کے روزہ افطار کرانے کا اجر ملے۔ بلکہ تمام امت مرحومہ کو شکم سیر کر کے کھلانے کا اجر ملے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا عاشورے کو اللہ نے سب ایام پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ تو حضور نے فرمایا ہاں۔ اللہ جل وعلیٰ تبارک وتعالیٰ نے اسی دن آسمان پیدا فرمائے اور اسی دن زمین کی تخلیق کی۔ اسی دن پہاڑ بنائے۔ اسی دن دریا۔ اسی دن قلم ظاہر کیا اور اسی دن لوح۔ اسی دن آدم علیہ السلام مخلوق ہوئے اور اسی دن داخل جنت ہوئے۔

دن ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن انہوں نے اپنے صاحبزادہ اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ پایا۔ اسی دن فرعون غرق نیل ہوا۔ اور اسی دن کشف بلائے ایوب علیہ السلام ہوا۔ اسی دن آدم علیہ السلام کی توبہ مقبول ہوئی۔ اسی دن داؤد علیہ السلام پر اظہار رضا۔ اسی دن عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن قیامت ہوگی۔

دوسری حدیث میں ہے۔ سب سے پہلے بارش اسی دن ہوئی سلیمان علیہ السلام کو ملک اسی دن ملا۔ اول نزول رحمت اسی دن ہوا۔ پھر فرمایا۔ جو عشرہ کے دن غسل کرے تو وہ سوائے مرض موت کے کبھی بیمار نہ ہو۔ جو سرمہ خالص اس دن لگائے۔ سال بھر اس کی آنکھ آشوب نہ کرے۔ اور جو کسی مریض کی اس دن عیادت کرے اس کو تمام اولاد آدم کے مریضوں کی عیادت کا اجر ملے اور جو کسی کو ایک گھونٹ پلا دے تو گویا وہ ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ ہے اور جو عشرہ کے دن

چار رکعت پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد الحمد شریف کے قل ہو اللہ پچاس بار پڑھے تو اللہ اس کے پچاس برس کے صغائر گناہ معاف فرمائے اور ملاء اعلیٰ میں اس کو ایک محل نوری عطا ہو۔

ایک حدیث میں ہے جو چار رکعت دو سلاموں سے پڑھے ہر رکعت میں بعد الحمد شریف سورہ اذا زلزلت ایک ایک بار قل یاایہا الکافرون ایک بار قل ہو اللہ ایک بار اور درود شریف ستر بار پڑھے تو اسے بیحد حسنات ملے۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل پر سال بھر میں عشرہ کے دن کا روزہ محرم میں اللہ نے فرض کیا تھا۔ تم بھی اسی دن کا روزہ رکھو اور اپنے اہل وعیال پر فراخی کیا کرو۔

اس لیے کہ جو اس عشرہ میں عیال پر فراخی کرتا ہے اللہ تمام سال اس پر فراخی رکھتا ہے اور جو اس دن روزہ رکھے تو اس کے لیے یہ روزہ چالیس سال کا کفارہ ہو جاتا ہے اور جو اس عشرہ کی رات میں (جبکہ مسلمان مرد و عورتیں تعزیوں کی سیر میں پھرتے ہیں) رات بھر جھکے اور عبادت کرے تو اللہ اس کے رزق میں برکت دیتا ہے۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پچاس سال سے تجربہ کر رہا ہوں۔ اللہ مجھ پر وسعت ہی فرما رہا ہے۔

عاشورہ کی وجہ تسمیہ حضرت غوث الثقلین۔ غیث الکونین۔ مغیث الملوین۔ غیاث الدارین۔ سیدی محی الدین۔ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں یوں لکھتے ہیں کہ بعض نے تو یوں لکھا ہے کہ دس دن ہونے کی وجہ میں اسے عاشورہ کہا جاتا ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس عشرہ میں دس بھلائیاں ہیں اس وجہ سے اس کا نام عاشورا ہے۔ اول اسی دن توبہ آدم علیہ السلام مقبول ہوئی۔ اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو اٹھایا اور مکان مرتفع عطا فرمایا۔ اسی دن سفینہ نوح علیہ السلام جودی پر پہنچا۔ اسی دن ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن خلیل بنائے گئے۔ اسی دن نار نمرود سے آپ کو نجات ملی۔ اسی دن داؤد علیہ السلام کی دعا مقبول ہوئی۔ اسی دن سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا۔ اسی دن ایوب علیہ السلام کی بلائیں ختم ہوئیں۔ اسی دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی اور وہ نیل میں معہ لشکر کے غرق ہوا۔ اسی دن یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکالے گئے۔ اسی دن عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے اسی دن عالم ارواح میں سرکار مدینہ تاجدار عرب و عجم کا ظہور ہوا۔

ترکیب نماز شب عاشورہ اور روز عاشورہ

از جناب ہدایت مآب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے فضائل میں لکھا ہے کہ جو اس طرح عمل کرے اسے دین و دنیا میں بھلائی ملے ہر قسم کی مصیبت سے ہمیشہ محفوظ و مصئون رہے دہوندا۔ شب عاشورہ یعنی قتل کی رات میں آٹھ رکعت دو دو کی نیت سے پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد الحمد شریف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ۱۸ مرتبہ معہ تسمیہ قل ہو اللہ پڑھے۔ بعد دو رکعت کے سلام پھیر کر سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ معہ بسم اللہ ستر بار پڑھے پھر سجدہ میں دونوں ہاتھ الٹے رکھ کر یعنی آسمان کے رُخ پر رکھے ہوئے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَصْلِحُ التَّوْبَۃَ معہ بسم اللہ ستر بار پڑھے۔ پھر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ ستر مرتبہ پڑھ کر پھر دو رکعت کی نیت کرے اسی طرح بارہ رکعت ختم کرے۔

دوسری ترکیب شب عاشورہ کی یہ ہے کہ چھ رکعت دو دو کی نیت سے پڑھے۔ پہلی رکعت میں بعد الحمد والشمس وضحٰہا دوسری رکعت میں انا انزلنا تیسری رکعت میں اذا زلزلت۔ چوتھی رکعت میں قل ہو اللہ احد۔ پانچویں میں قل اعوذ برب الفلق چھٹی میں قل اعوذ برب الناس معہ بسم اللہ پڑھے۔ پھر سر سجدہ میں رکھ کر قل یا ایہا الکافرون چار چار بار پڑھ کر بتوسل شہید کربلا اپنی مراد طلب کرے۔ یہ حضرت مولانا سے خواجہ عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہ لکھنوی کو پہنچا اور انہوں نے حضرت مولانا عبدالغنی شاہ مؤلف کتاب تنقیح الشہادتین کو عطا فرمایا۔ انھوں نے بغرض رفاہ عام اس کو عام کیا اور اجازت دی۔ لہٰذا میں بھی ان سے اس کو نقل کرکے

شائع کرتا ہوں:

عرض مؤلف بخدمت ناظرین کرام

- یہاں مجھے اس سے بحث نہیں ہے کہ تعزیہ داری شرعًا کیسی ہے اور اس کی اصلیت شرع میں کیا ہے۔ مگر ناظرین رسالہ ہذا کی خدمت میں مؤدبانہ ملتمس ہوں کہ قطع نظر شرعی پابندی کے اپنے ضمیروں سے فیصلہ کیجئے۔ کہ آیا یہ جو کچھ اس تعزیہ داری میں کیا جارہا ہے وہ محبان اہلبیت کے اتباع میں ہے یا ان کے جنہوں نے قتل امام پر جشن منائے تھے۔ خیمہ اطہر امام میں ۱۰ محرم کو لاشوں کے ڈھیر تھے۔ حرم محترم لوٹے جا رہے تھے۔ اشقیا سامان حرم لوٹ کر خوشیاں منا رہے تھے۔ ابن زیاد کے آگے باجے بج رہے تھے۔ عمر سعد گانے گوا کر باجے بجا کر جشن کر رہا تھا۔ حرم نبوی آنسوؤں سے زار زار رو رہے تھے۔ حسرت بھری نگاہیں لاشوں پر ڈال رہے تھے اور مجبور خاموش تھے۔ مسلمانوں خدارا ذرا انصاف سے فیصلہ کرو۔ ۱۰ محرم تمہارے میلہ منانے باجے بجانے عمدہ رنگ برنگ کے کپڑے پہن کر فرضی کربلا جانے کا دن ہے یا غم امام میں بیٹھ کر عبادت کرنے کا۔

حضرت امام قاسم کی شادی ہوئی۔ اسلام میں اول تو مہندی لگانا نوشہ کیلئے حرام۔ پھر شہزادہ قاسم کے نام کی مہندی اور وہ بھی بہت سے چراغوں میں۔ بھائیو رسم ورواج کو چھوڑو۔ سچے غلام بنو۔ مثل مشہور ہے کہ آج تو ان کے گھی کے چراغ جل رہے ہیں۔ افسوس! قاسم نوشہ امام دلہا بن کر خونی جوڑا مظلومی کفن پہنیں اور ہم ان کے محب ہو کر گھی کے چراغ جلائیں۔ مہندی چڑھائیں۔ شرم! شرم!! شرم!!! ہاں فاتحہ کرو۔ حلیم بنا کر غربا کو کھلاؤ۔ شریعت

پلاؤ۔ روزہ داروں کو افطاری بھجواؤ۔ اور اس کا ثواب روح پر فتوح امام کی نذر کرو۔ امام کے یہاں جب سوائے غم کے مایوسی کے حسرت کے آج کوئی مسرت نہ تھی۔ تو تم باجے گاجے بجا کر کیوں ابن زیاد اور عمرو سعد خبیث کے ساتھی بنتے ہو۔ یزید کے آج خوشی ہے۔ ابن زیاد کے آج مسرت ہے۔ عمرو سعد کے آج شادی ہے۔ شمر کے آج انبساط ہے۔ امام کے ازواج آج اپنا سہاگ خاک میں ملا چکے ہیں۔ رہا سہا سامان خیمہ لٹ رہا ہے۔ اعزہ واقربا کی آنکھوں دیکھتے خون کی ندی میں بہ رہے ہیں اور افسوس تم باجے گاجے بجا کر لغو مرثیہ پڑھتے ہوئے جشن کی شکل بنا کر رسم کی صورت پوری کر کے دوست نما دشمنی کر رہے ہیں۔ شرم! شرم!! شرم!!!

علی عباس علمدار لشکر کا علم اگر ساتویں کو نکال رہے ہو۔ تو ایک جھنڈا جس پر لا الہ الا اللہ ہو نکالو۔ تاشے باجے نہ ہوں۔ اور اگر یوں نہیں تو پھر ناریل ہانک کر لیموں لگا کر گھر کی بیویوں کے ڈوپٹے باندھ کر تلواریں لگا کر گلی کوچوں میں گشت کراتے ہو تو علم کو کیوں بدنام کرتے ہو۔ ابن زیاد کی نقل کیوں نہیں کرتے اس نے سر امام معہ شہداء کے نیزوں پر چڑھا کر کوفے کی گلیوں میں گشت کرایا تھا۔ پیک امام کا کوئی نہ تھا۔ صرف ایک صحابی قاصد بنا کر بھیجے گئے جو راستہ ہیں ہی شہید کر دیئے گئے۔ باقی شمر کے، عمر سعد کے، ابن زیاد کے، پیک برابر بھاگ دوڑ میں تھے۔ جو امام کے پاس آ کر بیعت یزید کی بابت کہتے اور جواب نفی میں پا کر ابن زیاد۔ عمر سعد۔ شمر کو خوب بھڑکاتے۔ ذرا شرم کرو اور ایسے ذلیل افعال سے باز آؤ۔ کل قیامت کو ان کے سامنے جانا ہے۔

خدارا اپنے بچوں کو بند کرو کہ وہ کوڑی دے تیل دے تیری گلی میں برکت کی صدائیں لگا کر مخالفین

خاص معروض

اسلام ہنود کی زبان سے شہزادۂ کونین کو گالیاں نہ دلوائیں۔ ان کی توہین نہ کرائیں۔ تمھارے بچے کھیل بنا کریوں کوڑی تیل مانگ کر شب کو ہائے دوست کھیلتے ہیں۔ ہنود میں اس کے استہزا ہوتے ہیں وہ مذاق اڑاتے ہیں کہ ان کے بڑے اس دن اسی طرح بھیک مانگتے رہے ہیں۔ مسلمانو! بیحیائی کی حد ہو گئی۔ بے شرمی اعتدال سے بڑھ گئی بس و بہت کچھ کر چکے۔ خدا کے لیے ہوش میں آؤ۔ **آب دعا ہے** کہ الٰہی! کفن خونی کے صدقے میں ہم مسلمانوں کو سچا محب اہلبیت بنا دے۔ الٰہی شہید کربلا کے صدقے میں ہمیں اتباع اسلام کی توفیق دے۔ الٰہی سیدہ زہرا کی طفیل سے ہماری حالتوں کی اصلاح کر۔ الٰہی شہیدِ مظلوم علی شیر خدا کا واسطہ۔ الٰہی حسن مغموم کا صدقہ الٰہی علی اصغر کے حلقوم تشنہ کا واسطہ ہماری حالت درست کر۔ ہم کو توفیق نیک عطا فرما۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔ ثم آمین۔ بحرمۃ النبی الامین المکین علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم آمین یا رب العالمین۔

دعــــــــاگو

خیر اندیش خلائق ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری چشتی۔ صابری حنفی مشہدی۔ علوی۔ الوری۔ مقیم لاہور

تصحیح۔ فقیر قادری امین الحسنات سید محمد خلیل احمد قادری اشرفی